

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّلْمُحْكَمَاتِ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تَبْيَانُ الْقُرْآنِ

جلد سوم
المائدہ • الانعام

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فریدی بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زودہیب حسن عطاری

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، حصہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



مجمع: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

مولانا قاری تمہور احمد فیضی

مطبع: ندوی پبلیکیشنز ایڈریس، عزیز گلا، لاہور

الطبع الاول: دسمبر 1420ھ / فروری 2000ء

الطبع السبع: دسمبر 1429ھ / اپریل 2008ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال (پرائیویٹ) لمیٹڈ

فون نمبر: 092-42-7312173-7123435

فکس نمبر: 092-42-7224899

ای میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۲۱	امر کا مقتضی وجوب ہونے پر دلائل	۲۵	سورۃ المائدہ	۱
۲۲	ممانعت کے بعد امر کے مقتضی کی تحقیق	۲۷	۴	۲
۲۳	نہی کا مقتضی وجوب کا ثابت نہ ہونا	۲۸	زمانہ نزول	۳
	نہی کا مقتضی وجوب کے فعل کے منت مستحب اور	۳۰	سورۃ النساء اور المائدہ میں ارجاء اور مناسبت	۴
۲۴	واجب ہونے کا ضابطہ	۳۰	سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ	۵
۲۶	کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا مستحب ہے؟	۳۱	یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود	۶
۲۸	آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام	۳۲	(۱-۲)	۷
	حرمت علیکم المینۃ والدّم و	۳۳	مغزوہ کافوی اور معنی معنی	۸
۲۹	لحم الخنزیر (۳-۵)	۳۳	مغزوہ کاشری معنی	۹
۵۱	مواد کا معنی اور اس کے شرعی احکام	۳۳	مغزوہ کی اقسام	۱۰
۵۲	خون کے شرعی احکام	۳۴	بہیستہ الامناع کا معنی	۱۱
۵۲	تخزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان	۳۵	جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب	۱۲
	"ما اهل لغير الله به" کا معنی اور اس کے	۳۶	شعار اللہ کافوی اور شرعی معنی	۱۳
۵۳	شرعی احکام	۳۶	حرمت والے مینوں کی حدی اور قلعہ کا بیان	۱۴
۵۴	المنخنقة کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۳۷	آیت مذکورہ کا شکی نزول	۱۵
۵۵	الموقودۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۳۹	آیت مذکورہ کے مفسوخ ہونے یا مفسوخ نہ	۱۶
۵۵	المتردۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۴۰	ہونے میں اختلاف	۱۷
۵۶	النطیحة کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۴۱	حیضہ امر کے متعدد مواضع استعمال	۱۸
۵۶	جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو اس کا شرعی حکم	۴۲	تختہ امر کے واحد ہونے پر دلیل	۱۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۳	"الامساذ کینسم" کے مستثنیٰ نہ کلیان	۵۶	۵۳	جس شکار یا زبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء اختلاف کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات	۷۵
۳۴	نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۵۷	۵۴	غلیل کلن اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم	۷۷
۳۵	ازلام کا معنی	۵۷	۵۵	بدوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق	۷۹
۳۶	نجومیوں کا نون اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت	۵۷	۵۶	بدوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل	۸۰
۳۷	کسی درپیش مسم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت	۵۹	۵۷	بدوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل	۸۰
۳۸	استخارہ کرنے کا طریقہ	۵۹	۵۸	بدوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر	۸۰
۳۹	قرائن کی بناء پر مستقبل کے قطعی اور اک حاصل کرنے کا حکم	۶۰	۵۹	قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور	۸۳
۴۰	شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی عظیم مسلیمن پر بحث و نظر	۶۰	۶۰	اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق	۸۹
۴۱	حضرت علی کی خلافت کا غیر مخصوص ہونا	۶۱	۶۱	اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ	۹۱
۴۲	تدریجاً احکام کا نزول دین کے کمال ہونے کے متعلق نہیں	۶۱	۶۲	دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ	۹۱
۴۳	اسلام کا کمال دین ہونا دیان سابقہ کے کمال ہونے کے متعلق نہیں	۶۱	۶۳	اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ	۹۱
۴۴	یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا	۶۲	۶۴	آزاد اور پاکدامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ	۹۳
۴۵	یوم فاروق اعظم ﷺ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ	۶۲	۶۵	ہا یہا الذین امنوا اذا قمتہم الی الصلوۃ فباغسلوا (۱)	۹۳
۴۶	عشرہ حکیم الامت منایا جائے کا معنی فہم	۶۲	۶۶	آیت وضو کی سابقہ آیات سے مناسبت	۹۳
۴۷	ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت	۶۲	۶۷	آیت وضو کا شلن نزول	۹۳
۴۸	زیر بحث آیت کا معنی اور شلن نزول	۶۲	۶۸	آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان	۹۵
۴۹	شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام	۶۳	۶۹	شرائع سابقہ اور کی درمیں فرضیت وضو کے متعلق احادیث	۹۶
۵۰	شکار کی شرائط کلیان	۶۳	۷۰	وضو کے اجرو ثواب کے متعلق احادیث	۹۸
۵۱	شکار کرنے والے جانوروں کلیان	۶۳			
۵۲	شکاری کتے کے معقم (سودھائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط	۶۳			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۷	عل لغات	۹۹	ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز	۷۱	ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز
۱۲۷	بنو اسرائیل کی حمد فکری کلیان	۱۰۰	وضو کے متعلق علیہ فرائض	۷۲	وضو کے متعلق علیہ فرائض
	بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں	۱۰۰	سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ	۷۳	سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ
۱۲۸	ہوگی 'خولہ نیک' عمل کیے ہوں	۱۰۲	پیروں کے دھوئے پر دلائل	۷۴	پیروں کے دھوئے پر دلائل
۱۲۹	تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات	۹۶	پیروں کے دھوئے پر علماء شیعہ کے اعتراضات	۷۵	پیروں کے دھوئے پر علماء شیعہ کے اعتراضات
۱۳۱	استخراج مسائل	۹۷	کے جوابات	۷۶	کے جوابات
	یاہل الکتاب قد جاءکم	۹۸	وضو کے مختلف فیہ فرائض	۷۷	وضو کے مختلف فیہ فرائض
۱۳۱	رسولنا بین لکم (۱۷-۱۵)	۱۰۵	وضو کی سنتیں	۷۸	وضو کی سنتیں
	رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق	۹۹	وضو کے مستحبات	۷۹	وضو کے مستحبات
۱۳۲	علماء کے نظریات	۱۰۹	وضو کے آداب	۸۰	وضو توڑنے والے امور
۱۳۳	نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل	۱۰۰	تیمم کی شرط 'طریقہ نور و دیگر احکام	۸۱	تیمم کی شرط 'طریقہ نور و دیگر احکام
۱۳۷	نبی ﷺ کے نور ہدایت ہونے پر دلائل	۱۰۱	واذکرو انعمۃ اللہ علیکم و	۸۲	واذکرو انعمۃ اللہ علیکم و
۱۳۹	قرآن مجید کے فوائد اور مقاصد	۱۰۲	میشافہ (۷-۷)	۸۳	اللہ کی نعمت اور اس کے حمد و مثنیٰ کا معنی
۱۴۰	حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد	۱۰۳	صحیح اور غلط شہادت کی اہمیت	۸۴	صحیح اور غلط شہادت کی اہمیت
	وقالت البہود والنصارى نحن	۱۰۴	بائبل کو سند یا لائسنس دینے کا حکم جواز اور	۸۵	بائبل کو سند یا لائسنس دینے کا حکم جواز اور
۱۴۱	ابناء اللہ و احباءہ (۸-۱۸)	۱۰۷	بجسٹو نظر	۸۶	بجسٹو نظر
	یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور	۱۰۵	شہادت کی تعریف	۸۷	شہادت کی تعریف
۱۴۱	اس کے محبوب ہیں	۱۰۸	بائبل فحش کو روک دینے کا حکم جواز اور	۸۸	بائبل فحش کو روک دینے کا حکم جواز اور
۱۴۲	نقشہ کافوری اور اصطلاحی معنی	۱۰۶	بجسٹو نظر	۸۹	طلب منصب کی تحقیق
۱۴۳	حضرت آدم سے لیکر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ	۱۰۷	طلب منصب کی تحقیق	۹۰	موجودہ طریقہ انتخاب کافر اسلامی ہونا
	واذ قال موسیٰ لقومہ یقوم اذکروا	۱۰۸	موجودہ طریقہ انتخاب کافر اسلامی ہونا	۹۱	امیدوار کے لیے شرائط الہستندہ ہونے کے
۱۴۳	نعمۃ اللہ علیکم (۳۱-۲۰)	۱۰۹	امیدوار کے لیے شرائط الہستندہ ہونے کے	۹۲	ظلم و ستم
۱۴۵	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۰۹	ظلم و ستم	۹۳	ولقد اعذ اللہ میثاق بنی
۱۴۵	بنو اسرائیل کے انبیاء کلیان	۱۱۰	ولقد اعذ اللہ میثاق بنی	۹۴	اسرائیل (۳-۱۳)
۱۴۶	بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کلیان	۱۱۱	اسرائیل (۳-۱۳)	۹۵	سابقہ آیات سے ارتباط
۱۴۶	بنو اسرائیل کا بچنے کا زمانہ میں سب سے افضل ہونا	۱۱۲	سابقہ آیات سے ارتباط	۹۶	سابقہ آیات سے ارتباط
۱۴۶	ارض مقدسہ کا مصداق	۱۱۳	سابقہ آیات سے ارتباط	۹۷	سابقہ آیات سے ارتباط
۱۴۷	جبارین کلیان	۱۱۴	سابقہ آیات سے ارتباط	۹۸	سابقہ آیات سے ارتباط

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۵	فادھب انت ورسک میں بنو اسرائیل کے	۱۳۶	ذہاب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف	۱۳۶	ذہاب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف
۱۱۶	کفر اور فسق کی وجوہات	۱۳۷	ڈرانے کی سزا	۱۳۷	ڈرانے کی سزا
۱۱۷	میدان تہ میں بنو اسرائیل کا بھگنا	۱۳۸	ذہاب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف	۱۳۸	ذہاب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف
۱۱۸	حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا	۱۳۹	لوٹنے کی سزا	۱۳۹	لوٹنے کی سزا
۱۱۹	نئی شہر کا سورج کو لوٹنا	۱۴۰	ذہاب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے	۱۴۰	ذہاب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے
۱۲۰	حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق	۱۴۱	اور مل لوٹنے کی سزا	۱۴۱	اور مل لوٹنے کی سزا
۱۲۱	واتل علیہم نبالہنسی ادم بالحق	۱۴۲	حدود کے کفار ہونے میں فقہاء اختلاف اور	۱۴۲	حدود کے کفار ہونے میں فقہاء اختلاف اور
۱۲۲	(۳۱-۴۷)	۱۴۳	فقہاء اکیہ کا نظریہ	۱۴۳	فقہاء اکیہ کا نظریہ
۱۲۳	ربط آیات اور مناسبت	۱۴۴	حدود کے کفار ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۱۴۴	حدود کے کفار ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ
۱۲۴	قاتل کے ہاتھ کو قتل کرنے کی	۱۴۵	اور اختلاف کا جواب	۱۴۵	اور اختلاف کا جواب
۱۲۵	تفصیل	۱۴۶	حدود کے کفار ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۱۴۶	حدود کے کفار ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ
۱۲۶	ہاتھ کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا لہذا	۱۴۷	حدود کے کفار ہونے کے متعلق دو حدیثوں	۱۴۷	حدود کے کفار ہونے کے متعلق دو حدیثوں
۱۲۷	تیرے ذمہ لگے	۱۴۸	میں تطبیق	۱۴۸	میں تطبیق
۱۲۸	قاتل کے قتل کرنے کی کیفیت	۱۴۹	یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و	۱۴۹	یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و
۱۲۹	ہر ٹیک اور بد کام کے ایجاو کرنے والوں کو ایحد	۱۵۰	ابتغوا الیہ الوسیلۃ (۳۰-۳۵)	۱۵۰	ابتغوا الیہ الوسیلۃ (۳۰-۳۵)
۱۳۰	والوں کے قتل سے حصہ ملنا متلے	۱۵۱	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۵۱	آیات سابقہ سے مناسبت
۱۳۱	قاتل کا انجام	۱۵۲	وسیلہ بمعنی ذریعہ تقرب	۱۵۲	وسیلہ بمعنی ذریعہ تقرب
۱۳۲	من اجل ذلک کتبنا علی بنی	۱۵۳	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے	۱۵۳	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے
۱۳۳	اسرائیل (۳۳-۳۴)	۱۵۴	دعا کا جواز	۱۵۴	دعا کا جواز
۱۳۴	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۵۵	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے	۱۵۵	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے
۱۳۵	ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے	۱۵۶	دعا کے متعلق احادیث	۱۵۶	دعا کے متعلق احادیث
۱۳۶	برابر کس طرح ہو گا؟	۱۵۷	وسیلہ بمعنی درجہ جنت	۱۵۷	وسیلہ بمعنی درجہ جنت
۱۳۷	شان نزول	۱۵۸	دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق	۱۵۸	دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق
۱۳۸	حراہ (ڈاکر) کا لغوی معنی	۱۵۹	دعاء اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق	۱۵۹	دعاء اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق
۱۳۹	ڈاکر کی اصطلاحی تعریف	۱۶۰	وسیلہ بمعنی مرشد کامل	۱۶۰	وسیلہ بمعنی مرشد کامل
۱۴۰	ڈاکر کا رکن	۱۶۱	آیا اللہ نے کافر کے کفر کا راہ کیا تھا یا اس کے	۱۶۱	آیا اللہ نے کافر کے کفر کا راہ کیا تھا یا اس کے
۱۴۱	ڈاکر کی شرائط	۱۶۲	ایمان کا	۱۶۲	ایمان کا
۱۴۲	ڈاکر کے جرم کی تفصیل	۱۶۳	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۶۳	آیات سابقہ سے مناسبت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۳	سرقہ کا لغوی معنی	۱۸۰	قصص کے حکم کا شان نزول	۲۰۰	
۱۵۵	سرقہ کا اصطلاحی معنی	۱۸۰	ذی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں		
۱۵۶	شان نزول	۱۸۰	مذہب فقہاء	۲۰۰	
۱۵۷	جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے	۱۸۰	تورات میں قرآن مجید کی صداقت	۲۰۱	
۱۵۸	چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت	۱۸۱	مذہب کے قصص کی کیفیت میں مذہب باربعہ	۲۰۱	
۱۵۹	حجیت حدیث پر دلیل	۱۸۱	بدلتہ لینے کی فضیلت	۲۰۲	
۱۶۰	حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ	۱۸۱	وفغینا علی آثارہم بمعیسی ابن		
۱۶۱	حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ	۱۸۲	مریم (۵۰-۳۶)	۲۰۳	
۱۶۲	حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ	۱۸۳	آیات سابقہ سے ارتباط	۲۰۵	
۱۶۳	حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور	۱۸۵	نزل قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ	۲۰۵	
	ائمہ ثلاثہ کے جوابات	۱۸۳	قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا موازنہ ہونا	۲۰۶	
۱۶۴	مذہب اختلاف کے ثبوت میں احادیث	۱۸۵	شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی توضیحات	۲۰۶	
۱۶۵	کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے؟	۱۸۶	شان نزول	۲۰۷	
۱۶۶	جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا	۱۸۷	یا ایہا الذین امنوا لاتتعذوا		
۱۶۷	یا ایہا الرسول لا یحزنک الذین		الیہود (۵۶-۵۵)	۲۰۸	
	یسار عنون فی الکفر (۳۳-۳۱)	۱۸۹	شان نزول	۲۰۹	
۱۶۸	یہود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا	۱۹۱	کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں		
۱۶۹	نیا مسیحیوں کا یہودی زانیوں کو رجم کرنا	۱۹۱	قرآن مجید کی آیات	۲۱۰	
۱۷۰	یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل دینا	۱۹۲	کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث		
۱۷۱	سخت کا معنی اور اس کا حکم	۱۹۳	اور آثار	۲۱۰	
۱۷۲	رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم	۱۹۳	کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے		
۱۷۳	اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق		بھائیوں کا بطلان	۲۱۲	
	ائمہ اربعہ کا نظریہ	۱۹۵	عہد و ہمت اور بعد کے مرتدین کا بیان	۲۱۳	
۱۷۴	موجودہ تورات میں آیت رجم	۱۹۷	اللہ کی محبوب قوم کے صدقہ میں متعدد اقوال	۲۱۳	
۱۷۵	انا انزلنا التورۃ فیہا ہدی ونور	۱۹۶	حضرت ابو بکر کی خلافت پر دلائل	۲۱۵	
	(۳۵-۳۳)	۱۹۷	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل	۲۱۷	
۱۷۶	شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا	۱۹۸	حضرت ابو بکر کے فضائل میں موضوع احادیث	۲۱۹	
۱۷۷	قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا	۱۹۹	آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال	۲۲۰	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۰۰	حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل	۲۲۱	۲۲۱	گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی	۲۲۱
۲۰۱	علماء شیعہ کی دلیل کا جواب	۲۲۱	۲۲۲	بایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (۷۳-۷۴)	۲۲۲
۲۰۲	بایہا الذین امنوا لاتخذوا	۲۲۲	۲۲۳	ایک آیت کی تفسیر نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟	۲۲۳
۲۰۳	مناسبت اور شان نزول	۲۲۳	۲۲۴	تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث	۲۲۴
۲۰۴	یسود نصاریٰ اور یہود پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح	۲۲۳	۲۲۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب	۲۲۵
۲۰۵	ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذہب	۲۲۳	۲۲۶	آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شریعہ کی تبلیغ پر مامور تھے یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟	۲۲۶
۲۰۶	مناسبت اور شان نزول	۲۲۴	۲۲۷	نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں	۲۲۷
۲۰۷	ابتداء اذان کی کیفیت	۲۲۵	۲۲۸	علم جسکو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے	۲۲۸
۲۰۸	کلمات اذان میں مذہب ائمہ	۲۲۶	۲۲۹	علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے	۲۲۹
۲۰۹	حضرت ابو طلحہ کی روایت کا محل	۲۲۷	۲۳۰	علم جس کا خفاء آپ پر واجب ہے	۲۳۰
۲۱۰	کلمات اقامت میں مذہب ائمہ	۲۲۸	۲۳۱	شان نزول	۲۳۱
۲۱۱	اذان کا جواب	۲۲۹	۲۳۲	یسود نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا	۲۳۲
۲۱۲	دعا بعد الاذان	۲۲۹	۲۳۳	نزل قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا	۲۳۳
۲۱۳	اذان کی فضیلت میں احادیث	۲۳۰	۲۳۴	الصاہبوں کے رفیعی حالت میں ہونے کی توجیہ	۲۳۴
۲۱۴	مناسبت اور شان نزول	۲۳۱	۲۳۵	کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟	۲۳۵
۲۱۵	آیت مذکورہ کی ترکیب پر شہادت کے جوابات	۲۳۱	۲۳۶	قرآن کے معنی	۲۳۶
۲۱۶	وتیری کثیر احدهم یسارعون فی الاتم (۲۱-۲۲)	۲۳۲	۲۳۷	جو اسرائیل کا ہدایت سے دوبارہ اندھا اور بہرا ہونا	۲۳۷
۲۱۷	نیک کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت	۲۳۲	۲۳۸	عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد	۲۳۸
۲۱۸	نیک کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث	۲۳۳	۲۳۹	لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثة (۷۴-۷۵)	۲۳۹
۲۱۹	مناسبت اور شان نزول	۲۳۴	۲۴۰		۲۴۰
۲۲۰	ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی	۲۳۵			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۳۰	حقدین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد	۲۳۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدانہ ہونے پر دلائل	۲۳۲
۲۳۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدانہ ہونے پر دلائل	۲۳۲	حضرت مریم کے نبی ہونے پر دلائل	۲۳۳
۲۳۲	حضرت مریم کے نبی ہونے پر دلائل	۲۳۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جبلت گزاری سے ان کے خدانہ ہونے پر استدلال	۲۳۴
۲۳۳	ان کے خدانہ ہونے پر استدلال	۲۳۴	غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں	۲۳۵
۲۳۴	غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں	۲۳۵	لعن الذین کفرو امن بنی اسرائیل (۸۲-۸۸)	۲۳۶
۲۳۵	لعن الذین کفرو امن بنی اسرائیل (۸۲-۸۸)	۲۳۶	تبلیغہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان	۲۳۷
۲۳۶	تبلیغہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان	۲۳۷	نباشی کا سلام لانا	۲۳۸
۲۳۷	نباشی کا سلام لانا	۲۳۸	مسلمانوں کا جوشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ مکہ کو واپس بلانے کی سعی کرنا	۲۳۹
۲۳۸	مسلمانوں کا جوشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ مکہ کو واپس بلانے کی سعی کرنا	۲۳۹	حضرت جعفر کا نباشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرنا	۲۴۰
۲۳۹	حضرت جعفر کا نباشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرنا	۲۴۰	کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا	۲۴۱
۲۴۰	کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا	۲۴۱	واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم (۸۲-۸۳)	۲۴۲
۲۴۱	واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم (۸۲-۸۳)	۲۴۲	شان نزول	۲۴۳
۲۴۲	شان نزول	۲۴۳	یا ایہا الذین امنوا لا تحرموا	۲۴۴
۲۴۳	یا ایہا الذین امنوا لا تحرموا	۲۴۴	طہیت ما احل اللہ لکم (۸۹-۸۷)	۲۴۵
۲۴۴	طہیت ما احل اللہ لکم (۸۹-۸۷)	۲۴۵	حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت	۲۴۶
۲۴۵	حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت	۲۴۶	عبادات اور محلات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث	۲۴۷
۲۴۶	عبادات اور محلات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث	۲۴۷	اسلام معتدل مسل اور دین فطرت ہے	۲۴۸
۲۴۷	اسلام معتدل مسل اور دین فطرت ہے	۲۴۸	آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۹
۲۴۸	آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۹	المیسرو الانصاب (۹۳-۹۰)	۲۵۰
۲۴۹	المیسرو الانصاب (۹۳-۹۰)	۲۵۰		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۸	مشکل الفاظ کے معنی	۲۹۱	۳۰۱	۲۷۹	شراب کی تحریم کے متعلق احادیث
۲۷۹	۳۰۲	۲۹۸	۳۰۳	۲۸۰	خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء
۲۸۰	۳۰۳	۲۹۹	۳۰۴	۲۸۱	خمر کلینہ حرام ہو گا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں
۲۸۱	۳۰۴	۳۰۵	۳۰۵	۲۸۲	خمر ہونا
۲۸۲	۳۰۵	۳۰۶	۳۰۶	۲۸۳	جس مشروب کی چیزی سے نشہ کاغذ ہو اس
۲۸۳	۳۰۶	۳۰۷	۳۰۷	۲۸۴	نہ پانی ملا کر پینے کا جواز
۲۸۴	۳۰۷	۳۰۸	۳۰۸	۲۸۵	جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی
۲۸۵	۳۰۸	۳۰۹	۳۰۹	۲۸۶	قلیل مقدار کے طائل ہونے پر فقہاء مختلف
۲۸۶	۳۰۹	۳۱۰	۳۱۰	۲۸۷	کے دلائل
۲۸۷	۳۱۰	۳۱۱	۳۱۱	۲۸۸	انگریزی دواؤں اور پندوم کا شرعی حکم
۲۸۸	۳۱۱	۳۱۲	۳۱۲	۲۸۹	شراب نوشی پر وعید کی احادیث
۲۸۹	۳۱۲	۳۱۳	۳۱۳	۲۹۰	خمر کی حد کلیان
۲۹۰	۳۱۳	۳۱۴	۳۱۴	۲۹۱	بھگ اور انڈون کا شرعی حکم
۲۹۱	۳۱۴	۳۱۵	۳۱۵	۲۹۲	سکون آور دواؤں کا شرعی حکم
۲۹۲	۳۱۵	۳۱۶	۳۱۶	۲۹۳	تنبہ کو نوشی کا شرعی حکم
۲۹۳	۳۱۶	۳۱۷	۳۱۷	۲۹۴	بائے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کلیان
۲۹۴	۳۱۷	۳۱۸	۳۱۸	۲۹۵	معدہ نگاری اور سہ کا شرعی حکم
۲۹۵	۳۱۸	۳۱۹	۳۱۹	۲۹۶	کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر
۲۹۶	۳۱۹	۳۲۰	۳۲۰	۲۹۷	چوسرا اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء
۲۹۷	۳۲۰	۳۲۱	۳۲۱	۲۹۸	کرکٹ کھانے کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت
۲۹۸	۳۲۱	۳۲۲	۳۲۲	۲۹۹	شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں
۲۹۹	۳۲۲	۳۲۳	۳۲۳	۳۰۰	انصاف اور انصاف کی تفسیر
۳۰۰	۳۲۳	۳۲۴	۳۲۴	۳۰۱	شان نزول کلیان
	۳۲۴	۳۲۵	۳۲۵	۳۰۲	تحریم خمر کی تاریخ
	۳۲۵	۳۲۶	۳۲۶	۳۰۳	اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات
	۳۲۶	۳۲۷	۳۲۷	۳۰۴	یہاں الذین امنوا الیہ لونکم اللہ
	۳۲۷	۳۲۸	۳۲۸	۳۰۵	بیشی (۹۶-۹۷)

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۷	محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق	۳۲۴	البحیرہ کا معنی
۳۱۸	ذابہ بانیہ	۳۲۵	الساب کا معنی
۳۱۸	محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں	۳۲۶	الوسید کا معنی
۳۱۹	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۳۲۷	الہامی کا معنی
۳۱۹	جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام	۳۲۸	بکیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث
۳۲۰	قیمۃ الناس (۹۷-۱۰۰)	۳۲۹	ایضاً ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور
۳۲۰	مشکل الفاظ کے معنی	۳۳۰	طیب ہونا
۳۲۱	مناسبت	۳۳۱	بکیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا
۳۲۲	کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلحت اور	۳۳۲	قلیدہ موم اور قلیدہ محمود
۳۲۲	مقوم ہونا	۳۳۳	یا ایہا الذین امنوا علیکم
۳۲۳	کسی کو جبراً ایمان نہ دینا اور انکس رسالت میں	۳۳۴	ایضاً کم لا یضرکم (۱۰۵-۱۰۸)
۳۲۳	سے نہیں ہے	۳۳۵	مناسبت اور شان نزول
۳۲۴	اللہ کے نزدیک نیکو کاروں اور بدکاروں کا برابر	۳۳۶	نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا
۳۲۴	نہ ہونا	۳۳۷	ضروری ہونا
۳۲۵	یا ایہا الذین امنوا لا تنفلوا عن	۳۳۸	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے
۳۲۵	اشیاء ان تبدل لکم (۱۰۳-۱۰۴)	۳۳۹	متعلق احادیث
۳۲۶	نئی سورتوں سے سوالات کرنے کی ممانعت کے	۳۴۰	خریش و صیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے
۳۲۶	متعلق احادیث	۳۴۱	متعلق احادیث
۳۲۷	آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات	۳۴۲	خریش و صیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ
۳۲۸	آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت	۳۴۳	بنانے کے حوالہ پر امام احمد کے دلائل
۳۲۹	کے محال	۳۴۴	خریش و صیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے
۳۲۹	آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن	۳۴۵	عدم حوالہ پر جمہور فقہاء کے دلائل
۳۲۹	مجید کی آیات	۳۴۶	اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے حوالہ پر امام
۳۳۰	آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث	۳۴۷	ابو حنیفہ کے دلائل
۳۳۱	مشکل سوالات اور تجارت ڈالنے کی ممانعت	۳۴۸	امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے
۳۳۲	سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع	۳۴۹	اعتراض کا جواب
۳۳۳	کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے کھیل	۳۵۰	ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے
۳۳۳	امتوں کا ہلاک ہونا	۳۵۱	کا حوالہ

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۳۵۲	شک اور شبہ کی بناء پر طہر یا مسح کو قید میں رکھنے کا جواز	۳۵۲	نزل مائدہ کے فرمانی مجزہ کی توجیہات
۳۵۳	مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز	۳۵۳	عام کوئی کی نظر اور نبی کی نظر
۳۵۴	مروءہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث	۳۵۴	لول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی
۳۵۵	مروءہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق	۳۵۵	بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان
	نہ اسباب	۳۵۶	میلاد رسول ﷺ
۳۵۶	گواہ ہونے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت	۳۵۶	مغفل میلاد کلبہ عت حنہ ہوا
۳۵۷	قسم دلانے اور گواہ ہونے میں مقام کی خصوصیت	۳۵۷	نزل مائدہ کی کیفیت کی تحقیق
	میں نہ اسباب	۳۵۸	دستر خوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم
۳۵۸	صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے	۳۵۹	واذ قال اللہ یحییٰ بن مریم
۳۵۹	یہی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ	۳۶۰	ءانت قلت (۳۰-۳۱)
۳۶۰	یوم یجمع اللہ الرسل فیقول	۳۶۱	اس اشکل کا جواب کہ عیسیٰ تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے
	ماذا احببتکم (۳۲-۳۴)	۳۶۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال ادب سے اپنی برأت کرنا
۳۶۱	آیات سابقہ سے مناسبت	۳۶۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکل کا جواب
۳۶۲	قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ "ہمیں کچھ علم نہیں"	۳۶۴	اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی
۳۶۳	اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا منہاجہ	۳۶۵	العزیز الحکیم اور الغفور
۳۶۴	آیات سابقہ سے ارتباط	۳۶۶	الرحیم کا فرق
۳۶۵	روح القدس کا معنی	۳۶۷	فسق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت
۳۶۶	حیات سک اور اگے زمین پر نازل ہونے کی دلیل	۳۶۸	یہی بولنے کا مائدہ صرف آخرت میں کیوں ہو گا؟
۳۶۷	کتب، حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی	۳۶۹	اللہ کی عظمت و جہوت کے ذکر پر سورت کا اختتام
۳۶۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے سے ملنا یا یاروں کو شفاء دینا اور دیگر معجزات	۳۷۰	شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ
۳۶۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں	۳۷۱	تمام مضامین سورت کی دلیل
۳۷۰	اذ قال الحواریون یحییٰ بن مریم هل یستطیع (۳۵-۳۷)	۳۷۲	اختتامی کلمات
۳۷۱	مناسبت اور شان نزول		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۳	کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت	۳۸۳	سورۃ الانعام
۳۸۴	نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا	۳۸۴	سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث
۳۸۵	قل سیروا فی الارض ثم انظروا	۳۸۵	سورۃ الانعام سے پہلی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث
۳۸۶	کیف بکان (۱۸-۱۹)	۳۸۶	سورۃ الانعام کی تفصیل کے متعلق احادیث
۳۸۷	الودیت رسالت اور قیامت پر دلیل	۳۸۷	سورۃ الانعام کا موضوع
۳۸۸	اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۳۸۸	سورۃ الانعام کے مضامین
۳۸۹	ملکوت مہلت سے دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال	۳۸۹	الحمد لله الذی خلق السموات والارض (۶-۱۰)
۳۹۰	اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق حقیقی حاکمیتِ روا کار ساز اور مستعانِ صرف اللہ تعالیٰ ہے	۳۹۰	حمد صریح اور شکر کافرق
۳۹۱	انبیاء کرام علیہم السلام اور انبیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں	۳۹۱	تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ حصص ہونا
۳۹۲	قل ای شیء اکبر شہادۃ قل اللہ (۲۰-۲۹)	۳۹۲	عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال
۳۹۳	ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی مکی	۳۹۳	کفار کی احسن فراموشی
۳۹۴	اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانا	۳۹۴	عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال
۳۹۵	کفار کے اخروی نقصان کا حقیقی	۳۹۵	دوا جلوں کی تفسیریں
۳۹۶	ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً (۲۱-۲۲)	۳۹۶	اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم پر دلیل
۳۹۷	یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے برتانوں کی تفصیل	۳۹۷	کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر وار سول کی مذمت
۳۹۸		۳۹۸	ربط آیات اور خلاصہ مضمون
۳۹۹		۳۹۹	قرن کی تحقیق
۴۰۰		۴۰۰	بعض سوالوں کے جوابات
۴۰۱		۴۰۱	ولونزلنا علیک کتاباً فی قرطاس فلحمسہ (۴-۷)
۴۰۲		۴۰۲	ربط آیات اور شان نزول
۴۰۳		۴۰۳	کفار کے انکار کا حقیقی سبب

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۷۸	نہی منکر کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب	۴۸۷	۴۷۹	مہجبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے	۴۷۹
۴۷۹	نہی منکر کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین	۴۸۸	۴۸۰	ولقد ارسلنا الی اسم من قبلک فاحذہم (۵۰-۴۲)	۴۸۰
۴۷۹	نہی منکر کے اجتہاد کے جواز کے قائلین	۴۸۹	۴۸۱	مہجبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں	۴۸۱
۴۷۹	نہی منکر کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین	۴۹۰	۴۸۲	گناہوں کے باوجود نعمتوں کا لانا اللہ کی طرف سے	۴۸۲
۴۸۰	نہی منکر کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء	۴۹۱	۴۸۳	استدراج اور دھمیل ہے	۴۸۳
۴۸۱	نہی منکر کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں اطلاق	۴۹۲	۴۸۴	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل	۴۸۴
۴۸۱	وانذر بما الذین یحافون ان یحشروا الی سہم (۵۵-۵۴)	۴۹۳	۴۸۵	کافروں کے عمومی عذاب میں کیا سہم بھی جاتا ہوں گے یا نہیں؟	۴۸۵
۴۸۳	کافروں اور مسلمانوں کو ذرا آنے کے الگ الگ محل	۴۹۴	۴۸۶	انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام	۴۸۶
۴۸۳	مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بنا پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت	۴۹۵	۴۸۷	نہی منکر کے قدرت معلم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی	۴۸۷
۴۸۵	مہجبتوں کو منع کرنا اور اصل امت کے لیے تعزیر ہے	۴۹۶	۴۸۸	نہی منکر کے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محل	۴۸۸
۴۸۶	نہی منکر کے اجتہاد کی صحت پر اعتراض کا جواب	۴۹۷	۴۸۹	علماء و یوہرہ کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محل	۴۸۹
۴۸۷	بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا	۵۰۰	۴۹۰	نہی منکر کے لیے علم غیب کا ثبوت	۴۹۰
۴۹۰	شان نزول میں متعدد اقوال	۵۰۱	۴۹۱	نہی منکر پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز	۴۹۱
۴۹۰	لویاء اللہ کی تعظیم کی تاکید	۵۰۲	۴۹۲	نہی منکر کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک	۴۹۲
۴۹۰	جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت	۵۰۳	۴۹۳	کیا نہی منکر کا جملہ دعویٰ کرنا آپ کے اجتہاد کے متناہی ہے؟	۴۹۳
۴۹۲	بجرموں کے طریقے کو بیان کرنے کی حکمت	۵۰۴	۴۹۴	نہی منکر کے اجتہاد پر دلائل	۴۹۴
			۴۹۵	صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل	۴۹۵
			۴۹۶	آپ کا دعویٰ کی ابتداء کرنا اجتہاد کے متناہی نہیں ہے	۴۹۶
			۴۹۷	اجتہاد کی تعریف	۴۹۷

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۵۰۵	قل انی نہیت ان اعبد الذین	۵۲۲	اللہ تعالیٰ ملک الموت اور فرشتوں کی طرف	
۵۰۶	تدعون من دون اللہ (۵۶-۵۷)	۲۴۳	بعض روح کی نسبت کی وضاحت	
۵۰۷	جہنم کی عہدات کا خلاصہ	۵۲۵	موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں	
۵۰۸	غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا		کے نکلنے کی کیفیت	۵۲۰
۵۰۹	فرق	۲۴۳	اللہ تعالیٰ کے مولا اور حق ہونے کا معنی	۵۲۱
۵۱۰	کفار کے مطالبے کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ	۵۲۷	روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی	
۵۱۱	کرنے کی وجہ	۲۴۵	کے دلائل	۵۲۱
۵۱۲	زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور	۵۲۸	امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر	۵۲۲
۵۱۳	اس کا جواب	۲۴۵	جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور	
۵۱۴	مطلع الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش	۲۴۶	بحث و نظر	۵۲۲
۵۱۵	مطلع الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار	۲۴۷	قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان	۵۲۶
۵۱۶	مطلع الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات	۲۴۸	حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۲۶
۵۱۷	آیامی کے مکتوب کو صرف غیب کی خبریں دی گئی	۵۲۲	حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث	۵۱۷
۵۱۸	ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟	۲۴۹	حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہ تابعین اور	
۵۱۹	اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم		علماء کے نظریات	۵۲۰
۵۲۰	میں فرق	۵۲۳	نہتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا؟	۵۲۱
۵۲۱	روح محفوظ کلبیاں	۵۲۵	حساب کو آسان کرنے کا طریقہ	۵۲۱
۵۲۲	غیب کو غایت صغریٰ ہوتا	۵۲۶	معیت نکل جانے کے بعد اللہ کو بحال جانے پر	
۵۲۳	وہو القاهر فوق عباده ویرسل		حکومت	۵۲۲
۵۲۴	علیکم حفظہ (۶۷-۶۸)	۵۲۷	اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے جانے والے	
۵۲۵	اللہ تعالیٰ کے قرآن معنی	۵۲۳	عذاب کی اقسام	۵۲۳
۵۲۶	کراما کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض	۵۲۸	امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا	
۵۲۷	کراما کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیت	۵۲۵	سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرماتا	۵۲۳
۵۲۸	کراما کاتبین کے فرائض اور وظائف کے		فقہ کاغوی معنی اور اصطلاحی معنی	۵۲۶
۵۲۹	متعلق احادیث	۵۲۰	واذا رايت الذین یخوضون فی	
۵۳۰	آیاد کی باتوں کو کراما کاتبین لکھتے ہیں یا		ایمانا فاعرض عنہم	
۵۳۱	نہیں؟	۵۲۷	(۷۸-۷۹)	
۵۳۲	اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں	۵۲۸	دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۳۲	شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں جٹا کر	۵۵۹	۵۵۳	آزر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال	۵۵۳
۵۳۳	ممکن نہیں	۵۵۹	۵۵۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لبّہ تارخ تھا	۵۵۴
۵۳۴	قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام	۵۶۰	۵۵۵	نہ کہ آزر	۵۵۴
۵۳۵	کالیان	۵۶۰	۵۵۶	آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لبّہ کرنے کی	۵۵۴
۵۳۶	نبی ﷺ کے سوا اور نسیان کے متعلق فقہاء	۵۶۱	۵۵۷	توجیہ	۵۵۴
۵۳۷	اور محمد شہین کا موقف	۵۶۱	۵۵۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن	۵۵۴
۵۳۸	فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق	۵۶۲	۵۵۹	ہونے کی دلیل	۵۵۵
۵۳۹	قرآن، سنت اور آثار سے تصریحات	۵۶۲	۵۶۰	قیامت کے دن آزر کو باپ کرنے کی توجیہ	۵۵۷
۵۴۰	اہل بدعت کے صدائق	۵۶۳	۵۶۱	نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے	۵۵۸
۵۴۱	فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء	۵۶۳	۵۶۲	پر دلیل	۵۵۸
۵۴۲	کی تصریحات	۵۶۳	۵۶۳	سودھ بن لور علیہ بن سے زمین بھی خالی نہیں رہی	۵۵۸
۵۴۳	احتجاج بلاک آؤٹ کرنے کی اصل	۵۶۴	۵۶۴	رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام کا اپنے	۵۵۹
۵۴۴	بسل کا معنی	۵۶۴	۵۶۵	اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا	۵۵۹
۵۴۵	بت پرستی کا سودا لعب ہونا	۵۶۵	۵۶۶	ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر	۵۶۰
۵۴۶	قل اندعو امن دون اللہ مالا	۵۶۶	۵۶۷	پر بحث و نظر	۵۶۱
۵۴۷	بنعصا (۷۳-۷۴)	۵۶۷	۵۶۸	ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا	۵۶۱
۵۴۸	گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثل	۵۶۸	۵۶۹	صحیح موقف	۵۶۲
۵۴۹	آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے	۵۶۹	۵۷۰	ابوین کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر	۵۶۳
۵۵۰	کا معنی	۵۷۰	۵۷۱	جوں کی پرستش کا کھل ہوئی گمراہی ہونا	۵۶۴
۵۵۱	قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے	۵۷۱	۵۷۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت	۵۶۵
۵۵۲	کلیان	۵۷۱	۵۷۳	کا صدق	۵۶۵
۵۵۳	واد قال ابراہیم لابیہ ازرا تشعذ	۵۷۲	۵۷۴	ستارے چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ	۵۶۶
۵۵۴	احصا ما الہمة (۸۳-۸۴)	۵۷۳	۵۷۵	کو باطل کرنا	۵۶۷
۵۵۵	آیات سابقہ سے مناسبت	۵۷۴	۵۷۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو "ہذا	۵۶۷
۵۵۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نسب اور تاریخ	۵۷۵	۵۷۷	رہی "کھٹک کی بنا پر نہیں تھا	۵۶۸
۵۵۷	پیدائش	۵۷۶	۵۷۸	استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا	۵۶۸
۵۵۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم	۵۷۷	۵۷۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ	۵۶۹
۵۵۹	واقعات	۵۷۸	۵۸۰	مبادیہ	۵۷۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۷۶	اس مباحث میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	۵۷۶	۵۹۷	نئی مہم کی عمومی پشت پر سودیوں کے	
۵۷۷	وتلک حجتنا انہما ابراہیم		۵۹۸	اعتراض کا جواب	۵۹۰
	علیٰ قومہ (۹۰-۸۳)	۵۷۸	۵۹۹	آخرت پر ایمان نئی مہم پر ایمان لانے کو	
۵۷۸	مسلمانوں پر مصائب نازل ہونے کی وجوہات	۵۷۹	۶۰۰	مستلزم ہے	۵۹۰
۵۷۹	انبیاء علیہم السلام علماء اور مومنین کے درجات		۶۰۱	تمام عبادات میں نماز کی اہمیت	۵۹۱
	کی بلندی	۵۷۹	۶۰۲	تہک نماز کے متعلق مذہب فقہاء	۵۹۲
۵۸۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں		۶۰۳	مناسبت اور شان نزول	۵۹۳
	کا تسلسل	۵۷۹	۶۰۴	سید اور اسود انسی کے احوال	۵۹۳
۵۸۱	حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر		۶۰۵	معرفت کے چھوٹے عربی داروں	۵۹۵
	نہ کرنے کی وجہ	۵۷۹	۶۰۶	کار و لور ابطال	
۵۸۲	نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا	۵۷۹	۶۰۷	حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال	۵۹۶
۵۸۳	نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذہب		۶۰۸	کافر کے جسم سے روح نکلنے کی کیفیت	۵۹۷
	فقہاء	۵۷۹	۶۰۹	مل و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت	
۵۸۴	حضرت الیاس کا نسب اور ان کا مصداق	۵۷۹	۶۱۰	میں محرومی	۵۹۸
۵۸۵	انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت	۵۷۹	۶۱۱	ان اللہ فالق الحب والنوی	
۵۸۶	انبیاء علیہم السلام کلام اللہ سے افضل ہونا	۵۷۹	۶۱۲	مخرج الحی من المیت (۹۸-۱۰۰)	۵۹۹
۵۸۷	اللہ تعالیٰ کی ہدایت	۵۷۹	۶۱۳	زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید	
۵۸۸	نئی مہم کا تمام مضامین انبیاء کا جامع ہونا	۵۸۰	۶۱۴	پر دلائل	۶۰۱
۵۸۹	وما قدر و اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما		۶۱۵	آسمان کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید	
	انزل اللہ (۹۳-۹۴)	۵۸۱	۶۱۶	پر دلائل	۶۰۲
۵۹۰	مناسبت اور شان نزول	۵۸۳	۶۱۷	انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید	
۵۹۱	تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا		۶۱۸	پر دلائل	۶۰۳
	موقف اور محضہ نظر	۵۸۴	۶۱۹	تمام انسان فی سلا برابریں	۶۰۳
۵۹۲	آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا	۵۸۴	۶۲۰	مستقر اور مستور کا معنی	۶۰۳
۵۹۳	اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر و شان	۵۸۵	۶۲۱	سابقہ آیات سے ارتباط	۶۰۵
۵۹۴	قرآن مجید کی خیر اور برکت	۵۸۸	۶۲۲	مجبور کے تضائل اور اس کا مومن کی صفت پر	
۵۹۵	قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا صدق ہونا	۵۸۹	۶۲۳	مشتمل ہونا	۶۰۵
۵۹۶	مکہ مکرمہ کا ام القریٰ ہونا	۵۸۹	۶۲۴	مجبور انکسور زمین اور انار کے خواص	۶۰۷

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۳۵	۳۳	سوز راح کی بنا پر جن کو برا کہنے کی ممانعت	۳۱	۳۱	پھلوں کی اجترائی حالت اور ان کے پکتے سے
۳۶	۳۴	فریاد شعی مجزات نہ دکھانے کی وجہ	۲۰۸	۳۲	وجود باری پر مستدل
	۳۵	جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے دنوں کو پھیر دیا تو ان		۳۳	توڑے بغیر پکتے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے
۳۶		کا کفر میں کیا تصور ہے؟	۲۰۸	۳۴	پھلوں کی بیج کھد م جواز
	۳۶	ولو انما انزلنا الیہم المثلک و	۲۰۹	۳۵	بانوں میں پھلوں کی موجد بیج کے جواز کی صورتیں
۳۷		کلمہم المونی (۱۷-۱۸)		۳۶	شرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور
۳۸	۳۷	اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیار ایمان ہے	۳۰	۳۷	ان کے فرقے
	۳۸	انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں)	۳۰	۳۸	اللہ تعالیٰ کے لیے مولود ہونے پر دلائل
۳۹		کاہوتا		۳۹	بدیع السموات والارض انسی
۳۹	۳۹	وہی ز عرف القول اور غور کے معنی	۳	۴۰	یسکون لہ ولد (۴۰-۴۱)
۳۰	۴۰	شیطان کے دوسرے انداز کی تحقیق		۴۱	حضرت یحییٰ علیہ السلام کے امین اللہ ہونے کا
۳۱	۴۱	شیاطین کو ہدایت کرنے کی حکمت	۳		دلائل سے رد
۳۲	۴۲	لنصفنی کا معنی	۳	۴۲	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل
۳۲	۴۳	نبوت کی دود بلیں	۴۱	۴۳	روح باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات
	۴۴	کلمات رب کے مخلوق اور مخلوق ہونے کے	۴۱	۴۴	منکرین روح کے دلائل اور ان کے جوابات
۳۳		مطلق		۴۵	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید
۳۳	۴۵	اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کمال ہے	۴۸		کی آیات
۳۴	۴۶	عقیدہ اور عمل کی گراہیوں کی تحصیل		۴۶	آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے
۳۵	۴۷	انہار قن کی مذمت کی وضاحت	۴۸		متعلق احادیث
	۴۸	فکلو و امسا ذکرا اسم اللہ علیہ ان		۴۷	شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء
۳۵		کنتم باہتہ من مؤمنین (۴۸-۴۹)	۴۱		امت کے نظریات
	۴۹	کی سورت میں بدلی سورت کے حوالہ کا اطلاق	۴۱	۴۸	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار روح کے جوابات
۳۷		اور اس کا جواب		۴۹	کیا جبر رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا جبر
۳۷	۵۰	تعلید صحیح اور تعلید باطل کا فرق	۴۲		آپ کے کلام میں ہے؟
۳۸	۵۱	ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت	۴۲	۵۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ
۳۸	۵۲	اثم کا معنی	۴۲	۵۱	کفار کی بدل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا
۳۸	۵۳	اثم کی تعریف اور مصلوب کے متعلق احادیث		۵۲	رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ
۳۹	۵۴	دل کے انہار پر مواخذہ کے دلائل	۴۲		کے ساتھ معاملہ ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۵۵	جس ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق مذہب فقہاء	۶۷۶	۶۵۶	مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل	۶۷۶
۶۵۶	امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل	۶۷۶	۶۵۷	اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کے معنی	۶۷۷
۶۵۷	حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم	۶۷۸	۶۵۸	استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا	۶۷۸
۶۵۸	او من کان مینافا حبیبہ وجعلنا	۶۷۹	۶۵۹	والانعام (۳۰-۳۶)	۶۷۹
	لہ نور (۵۹-۶۲)	۶۷۹	۶۶۰	اللہ تعالیٰ اور جنوں کے لیے پہلوں اور موشیوں کی تقسیم کے کمال	۶۸۰
۶۵۹	کافر کے مردہ اور مومن کے ذبح ہونے کی مثالیں	۶۷۹	۶۶۱	اس تقسیم کی مذمت	۶۸۱
۶۶۰	علم اور جمل کے مراتب	۶۸۱	۶۶۲	آیات سابقہ سے ارتباط	۶۸۲
۶۶۱	کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت	۶۸۱	۶۶۳	خاتمہ انی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم	۶۸۳
۶۶۲	حصول نبوت کا معیار	۶۸۳	۶۶۴	منہج تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق	۶۸۴
۶۶۳	حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد	۶۸۴	۶۶۵	شرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال	۶۸۵
۶۶۴	اہل حق کے نزدیک نبوت کا معیار	۶۸۵	۶۶۶	خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال	۶۸۶
۶۶۵	نبی کی صفات لازمہ	۶۸۶	۶۶۷	بیٹیوں کو قتل کرنے کی شدت	۶۸۷
۶۶۶	اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت	۶۸۷	۶۶۸	وہو الذی انشا جنت معروشت	۶۸۸
۶۶۷	جنت کو دار السلام قرار دینے کی وجوہات	۶۸۸	۶۶۹	(۳۳-۳۴)	۶۸۹
۶۶۸	جہنم کے غلو سے استثناء کی توجیہات	۶۸۹	۶۷۰	مشکل الفاظ کے معانی	۶۹۰
۶۶۹	ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے	۶۹۰	۶۷۱	وجود باری اور توحید پر دلیل	۶۹۰
۶۷۰	بعض شر الحزن والانس الہم یمانکم	۶۹۱	۶۷۲	فصل کی کتاب کے حق سے مراد شر ہے یا عام صدقہ؟	۶۹۱
	رسل منکم (۳۵-۳۶)	۶۹۱	۶۷۳	عشر کے نصاب میں مذہب فقہاء	۶۹۲
۶۷۱	جنت کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات	۶۹۲	۶۷۴	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۶۹۳
۶۷۲	جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا وہاں کے باشندوں کا حکم	۶۹۳	۶۷۵	فصل صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟	۶۹۴
۶۷۳	آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟	۶۹۴	۶۷۶	موشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۶۹۵
۶۷۴	جنت کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء	۶۹۵	۶۷۷	مناکرہ اور قیاس کی اصل	۶۹۵
۶۷۵	مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل	۶۹۶			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۶۹۷	فرقہ بندی کی مذمت	۷۹۷	قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما	
۶۹۸	من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (۲۱۵-۲۱۶)	۷۹۸	قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل	
۶۹۹	دس گنا جزا سے سو گنا جزا اور بے حساب اجر کے حامل	۷۹۹	بعض الفاظ کے معنی	
۷۰۰	نیک کا معنی	۸۰۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل	
۷۰۱	نماز کا نفل انسی وجہ سے واجب ہے یا	۸۰۱	مشرکین کے جہات کا جواب	
۷۰۲	تعمیر سے	۸۰۲	جبریہ کار اور بطل	
۷۰۳	نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا	۸۰۳	قل تعالوا انزل ما حرم منکم	
۷۰۴	فتنہ کے زمانہ میں ایک علماء کا گوشہ نشین ہونا	۸۰۴	علبکم (۱۵۳-۱۵۴)	
۷۰۵	فضول کے عقد اور دکیل کے تصرفات میں	۸۰۵	اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل	
۷۰۶	بذایب نقباء	۸۰۶	شرک کا حرام ہونا	
۷۰۷	برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزا	۸۰۷	والدین کے ساتھ بد سلوکی کا حرام ہونا	
۷۰۸	میں سے حصہ ملے گا	۸۰۸	قتل اور بلاد کا حرام ہونا	
۷۰۹	کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پاسے	۸۰۹	بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا	
۷۱۰	گناہوں کا تہہ کے بعض مستثنیات	۸۱۰	قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام	
۷۱۱	مسلمانوں کو وظیفہ بنانے کے محال	۸۱۱	قتل مومن پر وعید	
۷۱۲	مسلمانوں کی آزمائش	۸۱۲	جہنم کسل میں بے جا تصرف کا حرام ہونا	
۷۱۳	مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا	۸۱۳	بپ تول میں کی کا حرام ہونا	
۷۱۴	بیان	۸۱۴	ناحق بات کا حرام ہونا	
۷۱۵	حرف آخر	۸۱۵	اللہ تعالیٰ سے بد عہدی کرنے کا حرام ہونا	
۷۱۶	مآخذ و مراجع	۸۱۶	بد عادت سے اجتناب کا حکم	
		۸۱۷	بدعت کی تعریف اور آس کی اقسام	
		۸۱۸	وہذا کتاب انزلہ مبارک	
		۸۱۹	فاتبعوہ (۱۵۵-۱۵۶)	
		۸۲۰	مشرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو	
		۸۲۱	نازل فرماتا	
		۸۲۲	قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في جمده عن الحامدين وانزل القرآن تبليغا لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيبه المغفرة له في كتاب مبين وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلما ملته اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمد عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالي من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له اللهم ارني الحق حقا وارزقني اتبعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلني في تبليان القرآن على صراط مستقيم وثبتني فيه على منهج قوييم واحصم عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظني من شر الناس دين وزبيخ المعاندين في تقرير اللهم ارالق في قلبي اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بقبوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبليان القرآن رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا - اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضاً ومفيضا ومرغوبا في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبي صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الآخرة واحيى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين -

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستثنیٰ ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عالمین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سرِ با قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جہنم اہر جہنم سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائم ہیں، اولین اور آخرین کے امام ہیں، تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں، یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی عظمت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے، اور ان کی پاکیزہ آل، ان کے کال اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اہل بیت اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما، اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراطِ مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حامدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا اظہار کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما، قرآن مجید کے نور سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا، اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی نور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ، اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں، میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما، کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین

سُورَةُ الْبَايِنَاتِ

(٥)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المائدة

سورة المائدہ قرآن کی مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے۔ قراء کو طہین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں، ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں، ان میں ایک سو بیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیہ کے نزدیک اس میں ایک سو بائیس آیتیں ہیں اور مصروفین کے نزدیک اس میں ایک سو تیس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے، ورنہ سب کے نزدیک سورة المائدہ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔ لہذا بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سو بیس ہیں، بعض کے نزدیک ایک سو بائیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس آیتیں ہیں اور اس میں بالاتفاق سولہ رکوع ہیں۔

نام:

اس سورت کا نام المائدہ ہے کیونکہ اس کی دو آیتوں میں المائدہ (کھانے کا خون) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رُحُوكَ أَنْ تُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ (المائدہ: ۱۱۰)

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خون اتار سکتا ہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ (المائدہ: ۱۱۱)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خون نازل فرما تاکہ (اس کے نزول کا دن) ہمارے انگوں اور پھلوں کے لیے عید اور حیرت کی طرف سے نشانی ہو جائے۔

ڈاکٹر عبد زحلی نے لکھا ہے: اس سورت کا نام سورة العنود اور سورة المستندہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورة المائدہ اللہ کی ملکوت میں مستندہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دیتی ہے۔ (تفسیر المنیر، ۶/۱۷۲ ص ۴۴) ہمیں اس روایت کا مائدہ نہیں مل سکا۔

قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

نہی چھوڑے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ مائدہ کو پڑھا اس کو دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے اور یہ درجات ہر شخص یسوی اور نصرانی کے عدد کے برابر ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خلعتی حنفی متوفی ۱۰۷۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے یہ موضوع ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو حضرت ابی کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے۔ یہ موضوع ہے۔

(مناہج القاضی ج ۲ ص ۳۰۷ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۲۳ھ)

زمانہ نزول

سورۃ المائدہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض آیتیں مدنیہ سے لڑنے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں عمرو اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ۵۶ میں رسول اللہ ﷺ خود مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنوئیں ہے جسے مدنیہ کہتے ہیں۔ وہ گلوں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

- ۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
- ۲۔ اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
- ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف کمواد ساتھ لائیں وہ بھی نيام میں ہو اور نيام بھی قبیلے میں ہو۔
- ۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
- ۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
- ۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاملہ میں شریک ہو جائیں۔

(صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، صحیح مسلم ج ۳ رقم الحدیث: ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، سنن الترمذی والرشاد ج ۵ ص ۵۲-۵۱)

ساتھ ہجری کو مسلمانوں نے عمرۃ القضاء کیا اور فوجی میں مسلمان فریضہ حج کے بعد پہلی بار حضرت ابو بکر کی قیادت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بتائے جاتے۔ کافروں کے بت سے قبائل مسلمانوں کے متغیر علاقوں سے گزر کر حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ اس لیے یہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور زیارت بیت اللہ سے روک دیا تھا کہیں مسلمان بھی کافروں کو زیارت حرم سے نہ روک دیں۔ اس لیے ان کو اس معاملہ میں بھی ہدایت دی گئی تھی۔ سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیات میں اسی نوع کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو تمہارے لیے ہر قسم کے چارپائوں والے جانور حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ عداوت کیا جائے گا لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان

جانوروں کی جن کے گھوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عدولت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۱-۲)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اس کی بعض آیات حجتہ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ابن سے کہا اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوئی تو ہم اس دن کو عید مناتے آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم وانممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: ۳) حضرت عمر نے فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی کریم ﷺ پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶، سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۳، سنن نسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶، سنن کبریٰ للبخاری ج ۵، ص ۱۸)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کو پڑھا "الیوم اکملت لکم دینکم وانممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور ابن کے پاس ایک یہودی تھا اس نے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوئی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن فریب ہے اور حدیث ابن عباس صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "میرے نزدیک امام بخاری نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفا کیا ہے اور نہ امام اسحاق کی قبضہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمد للہ ایہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذی کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید ہیں۔" (فتح الباری ج ۱، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۳۴ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں "امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مسند" میں امام بغوی نے اپنی "معجم" میں امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے "دلائل النبوة" میں ام عمرو بنت مہس سے اور انہوں نے اپنے عم محترم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے تو سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے نازل ہونے سے آپ کی اونٹنی مضربہ کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابو عبید نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ اور مدینہ کے درمیان جتہ الوداع میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی اس وقت آپ اپنی ٹونٹنی پر سوار تھے اس کا شانہ ٹوٹ گیا اور نبی ﷺ اس سے اتر گئے۔
امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذر نے ابو یسوع سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی وہ المائدہ ہے اور اس میں سترہ فرائض ہیں۔

امام قریابی اور امام ابن المنذر نے ابو یسوع سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمد، امام نسائی، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبہ بن نفیر کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اے جبہ! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے تم اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے تم اس کو حرام سمجھو۔ اللہ رب العزت حج ۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں آیت اللہ العظمیٰ (امیر ابن)

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یعنی ۷ھ سے لے کر ۱۰ھ تک سورۃ المائدہ کے نزول کا زمانہ ہے۔

سورۃ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دونوں میں اہل کتب یسود و نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے باطل عقائد اور نظریات کا رد کیا گیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں خود اور یہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں عقد نکاح، عقد امانت، عقد وصیت، عقد نکاح اور عقد اجارہ کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور سورۃ النساء کی ابتداء عقد کو پورا کرنے کے حکم سے کی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں تحريم خمر (انگوری شراب) کی تمہید بیان کی گئی اور سورۃ المائدہ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مسائل فرعیہ اور احکام فرعیہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

وضو اور نیکم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورۃ النساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۃ المائدہ میں پاک دامن اہل کتب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کیے ہیں اور عدل و انصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔

سورۃ المائدہ کھانے پینے، شکار، احرام، چاندی اور لکڑی کی حد اور کفارہ قسم کے احکام میں منقوہ ہے۔ جیسے سورۃ النساء خواتین کے حقوق، وراثت اور قصاص کے احکام میں منقوہ ہے۔

سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ

اللہ سے کیے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کا حکم، حرمت والے مہینوں اور تمام شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم، حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت، جن چیزوں کا کھانا حرام ہے، ان کا بیان، شکاری جانوروں کی تربیت اور آداب کا ضبط۔ اہل کتب کے کھانوں اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام۔ (المائدہ ۵-۵۵)

وضو کی فرضیت کا بیان، حالت عذر میں نیکم کا حکم، مسلمانوں کو کفار کے شر اور فسق کے بلوغ عدل و انصاف پر قائم رہنے کا

حکم 'یو اسرائیل سے اہل شریعت کے عہد و پیشانی لینے کا بیان اور اس عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کا لغتی ہو۔

(المائدہ: ۱۳-۶)

نصاری سے پیشانی لینے کا ذکر اور پیشانی پورا نہ کرنے پر ان کے مذہب کا بیان اصل کتب کو دعوت اسلام 'یسود اور نصاری کے اس دعوی کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ یو اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا بیان 'فتح و نصرت کی بشارت کے ساتھ ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم اور ان کی باغیابی اور بزدلی کی سزا میں ان کا چالیس سال تک صحرا میں بھٹکانا۔

(المائدہ: ۲۶-۱۳)

قاتل کا حاصل کو قتل کرنا ایک انسان کا قاتل تمام انسانوں کا قاتل ہے 'ذائقوں کی حد' مسلمانوں کو اہل شریعت کا حکم 'چوری کی حد' نبی پیغمبر کی عدالت سے گریز کرنے کے لیے یسود کی سازشوں کا بیان اور ان کا رد۔ (المائدہ: ۴۵-۴۷)

نصاری کو ان کا عہد یاد دلانا قرآن مجید کا قول فیصل ہونا 'اصل کتب اگر اپنی بدعت سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حل پر چھوڑنا' مسلمانوں کو یسود اور نصاری کو دوست نہ بنانے کا حکم 'یسود و نصاری کے ساتھ تعلق رکھنے کی بنا پر منافقوں کو زجر و توبہ' اللہ کو منافقوں کی کوئی پروا نہیں 'خواہ وہ مرتد ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۱-۵۲)

یسود کو دوست بنانے پر منافقوں کو سرزنش 'یسود کی دھوکہ بازی اور ان کے علماء کی بے حیثی پر سرزنش' یسود کے اللہ پر طعن کا جواب 'یسود کا جنگ کی آگ بھڑکاتے رہنے کا بیان 'اصل کتب کو دعوت اسلام 'یسود کا اللہ سے عہد و پیشانی کرنے کے بعد اس کے خلاف کرنا اور مجاہد کو قتل کرنا۔ (المائدہ: ۵۷-۵۸)

نصاری کے عقیدہ طول اور تثلیث کا کفر ہونا 'حضرت عیسیٰ اور ان کی ولایت کا صحیح مرقع 'یو اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت مسیح کا لعنت کرنا 'اسلام دشمنی میں یسود 'شرکین قریش اور نصاری کے مزاج کا فرق 'عیسائیوں میں سے حق پرستوں کی تحسین۔ (المائدہ: ۸۶-۸۷)

از خود کسی حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت 'عہد پورا کرنے کی تاکید' قسم کے کفارہ کا بیان 'شراب' جوئے 'بہت اور قاتل نکالنے کے جیہوں کے حرام ہونے کا بیان 'حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت 'بلا ضرورت سوال کرنے سے منع کرنا' بھوکہ' ساتھ 'وسیلہ اور حام و غیرہ کو کفارہ کے حرام کرنے کی مذمت کرنا اور کفارہ جو اپنے آپ کو ہی عقیدہ کرتے تھے اس کا رد کرنا۔

(المائدہ: ۱۰۸-۸۷)

سفر میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے کی ہدایت 'گواہی کے اصول اور احکام' قیامت کے دن انبیاء طہم السلام کا عہد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصاً اپنی امت کو تبلیغ کرنے کا بیان 'حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا حضرت عیسیٰ سے نزول ماننا (کھانے کا خواہش) کی درخواست کرنا اور ان کے لیے آسمان سے مائدہ کا نازل ہونا 'عیسائیوں کے کلمت مسیح کے عقیدے سے حضرت عیسیٰ کا یزید ہونا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گناہ گاروں کی شفاعت کرنا اور اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان۔

(المائدہ: ۱۳۰-۱۰۹)

سورۃ المائدہ کا اجمال خاکہ بیان کرنے کے بعد میں اللہ کی توفیق اور اعانت سے سورۃ المائدہ کی تفسیر شروع کرنا ہوں۔ اللہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت پر قرار رکھنا اور خطاؤں اور لغزشوں سے بچانا۔ اس تفسیر کو اختتام تک پہنچانا 'اسے اپنی اور اپنے رسول مکرم پیغمبر کی بارگاہ میں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنانا اور اس کو قیامت تک فیض آفریں اور نفع آور رکھنا اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور محض اپنے فضل سے مجھے بخش دینا۔ آمین ہمارے

العلمین بحاء حبیبک سیدنا محمد قائد الانبیاء والمرسلین عاتم السبب شفیع
المذنبین رحمة للعالمین علیہ وعلى الہ واصحابہ وارواحہ افضل الصلوات واكمل
التحیات الی یوم الدین۔

سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَكِّيَّةٌ قَدْ هِيَ مِائَتًا وَعِشْرُونَ آيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوعًا

سورۃ المائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شرعاً کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے ۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۖ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ

اے ایمان والو! اپنے عہد پر پورے کرو تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور صاف

الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُثْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُجَلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمَانٌ

کیے گئے ہیں، مگر ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ عداوت کیا جائے گا لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک

اللَّهُ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ

اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۵ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی

اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أُمْنِينَ

نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قرآن کی تلاوت کیے ہوئے

الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن تَارِيهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا

پڑھے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کا شوق کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرتے ہوئے ہوں، اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ

تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۖ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ

میں آئے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے

تعاون کریں

المعزل الثاني ۲

مفرد لایم

التَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ مَنِ اتَّقَىٰ اللَّهَ

کی مدد کرو ، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ،

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑤

بے شک اللہ سخت جزا دینے والا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے عقود (عہدوں) کو پورا کرو

عقود کا لغوی اور عربی معنی .

عقد عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کو ہتھلی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے ہتھلی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا یعنی اس لزوم کو ماننا اور عقود سے مراد وہ عہد ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان کیے گئے یا وہ عہد ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کیے یا جو لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

عقود کا شرعی معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو" اللہ تعالیٰ کی ذات 'صفات' اس کے احکام اور اس کے افعال کو ماننے اور قبول کرنے کا نام ایمان ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والے اس کے تمام احکام پر عمل کریں اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہیں۔ لہذا جو شخص ایمان لاتا ہے اس کا ایمان اس عقد اور عہد کو متضمن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالائے گا تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم نے اللہ پر ایمان لا کر جس عقد کا التزام کر لیا ہے اس کو پورا کرو۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں اس کی اطاعت کریں جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے ان کو حرام قرار دیں۔

ابن زید اور زید بن اسلم نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ

مجاہد نے بیان کیا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے کرتے تھے قنودہ نے کہا "اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نکل کتاب سے تورات اور انجیل میں لے لیے تھے کہ وہ نبی پیغمبر کی تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے۔"

(جامع البیان ج ۶ ص ۶۶-۶۳ ملخصاً - مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عقود کی اقسام

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ اور بندہ کے درمیان عقد

(۲) بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد

(۳) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد۔

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد یا تو بدست عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان غلوں میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا زبان حل سے یہ کہتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق وعدہ لا شریک ہے اور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ سو کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کر لیتا ہے۔ جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے اس سے مراد ہے بندہ کا نذر مان لینا۔ اگر وہ کسی عہد کی اور کار خیر کی نذر مان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے مثلاً یہ کہ وہ لونٹ کا گوشت یا شد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔ اور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عہد کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے اور اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے جیسے عقد بیع عقد نکاح وغیرہ۔ ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔ اگر وہ سنت ہے تو عقد سنت ہے جیسے عام عیالات میں عقد نکاح۔ اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے جیسے بیع شراء۔ اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے جیسے خبیث کی بیع۔ اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ (کر لیا) کی اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں

بہیمۃ الانعام کا معنی

بہیمہ اس جاندار کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو اور عرف میں یہ سمندر اور فنگلی کے چار پاؤں والے جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور انعام لونٹ کہتے ہیں اور جو جانور ان کے ساتھ ملحق ہیں جیسے بھیڑ، بھیر، اور ہرن وغیرہ۔ قرآن مجید میں ہے:

أَلَلَهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا
مِنْهَا وَيَتَّخِذُوا مِنْهَا كُلُوا (المؤمن ۷۹)

وَمِنْ الْاَنْعَامِ حُمُولُهُ وَرَمَتْكُمْ اَنْعَامُ
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۝ ثُمَّ يَمِيزُ اَزْوَاجَهُمْ مِنَ الطَّائِفِ
النَّاسِ وَمِنْ الْمَعِزِ النَّمِيرِ ۝ وَمِنْ الْاَيْلِ
النَّمِيرِ وَمِنْ الْبَقَرِ النَّاسِ ۝ (الانعام: ۳۳-۳۴)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔ اور بعض (قد آور) چوپائے (پیدا کیے) بوجہ اٹھانے والے اور بعض زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس رزق سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ آٹھ جوڑے پیدا کیے، بھیر سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) اور اونٹ سے دو پیدا کیے اور گائے سے دو پیدا کیے۔

ان آیتوں میں آٹھ چوپایوں، بھیڑ، بکری، مومنٹ اور گائے کے جوڑوں پر انعام کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثنا فرمایا ہے، ان کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہیں۔

جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب

بھئی اور ہندوؤں کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ جانور بے زبان ہیں اور اپنے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کو پکڑ کر زبردستی ذبح کرنا ظلم ہے اور کسی پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبح کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ ان سے اس تکلیف کو اٹھالیتا ہے۔ لیکن اس جواب میں مبالغہ ہے اور بدابست کا انکار ہے۔ مستزاد نے کہا: دردِ دلور تکلیف مطلقاً قبیح نہیں ہے، انسان سرجری اور جراحی کرتا ہے تاکہ اس عمل جراحی کے ذریعہ اس کو کسی بڑی تکلیف سے نجات مل جائے۔ اسی طرح ان جانوروں کو آخرت میں ذبح کی اس تکلیف کے بدلہ بہت عمدہ عوض ملے گا، اس لیے یہ قبیح نہیں ہے اور اہل سنت نے یہ کہا کہ چوپایوں کو ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے، اور وہ ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، ظلم اس وقت ہو تا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا، اور جب ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے، تو پھر جب وہ اپنی ملک میں کوئی تصرف کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا مومن ان کے جن کا حکم تم پر آسمانہ مخلوقات کیا جائے گا۔ (المائدہ: ۱)

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا بیان (المائدہ: ۳) میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

مردار، رگوں کا بہاؤ، اخون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا، اور چمٹ سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا، اور جس کو درد نے لے کھا لیا ہو مگر جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا اور جس کو بتوں کے لیے نصب شدہ چھروں پر ذبح کیا گیا ہو (یہ سب) تم پر حرام کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام (چوپایوں) کو حلال فرمایا تھا اب یہ فرمایا ہے کہ جو چوپائے شکار ہوں، وہ حالت احرام میں حلال نہیں ہیں، اور جب احرام کھول دیا ہو تو حلال ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے ہر قسم کا شکار کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم پر صرف خشکی کا شکار کرنا ممنوع ہے، اور سمندری شکار کرنا جائز ہے، قرآن مجید میں ہے:

أَجِزْ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ
الْبَرِّ مِمَّا رَمَيْتُمْ حُرْمَتًا (المائدہ: ۹۵)
تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلیاں وغیرہ) حلال کر دی گئی ہیں، تمہارے لیے (بھی) اور تمہارے مسافروں کے لیے (بھی) اور جب تک تم محرم ہو، تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے، اور سمندر کا شکار حلال کر دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک اور خالق ہے اور کسی عام حکم میں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا کسی چیز کی

تخصیص کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینے کی، اور نہ کعبہ میں بھی ہوئی قربانیوں کی، اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں۔ (المائدہ: ۲)

شعار اللہ کا لغوی اور شرعی معنی

شعار شعیروں کی جمع ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی علامت قرار دیا جائے، اس کو شعیروہ شعار اور مشرکہ کہتے ہیں۔ جس حدی (قربانی کے جانور) کو مکہ بھیجا جاتا ہے، اس کے گلے میں ہار، جو تا یاد رخت کی چھل ڈال دیتے ہیں۔ اس کو بھی شعار کہتے ہیں۔ شعار کی شرعی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

عطاء نے کہا کہ شعار اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے، اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعار اللہ سے مراد ہے اللہ کی حدود کی علامتیں، اس کا امر، اس کی نہی، اس کے مقرر کیے ہوئے فرائض اور محرمات۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا شعار اللہ سے مراد ہیں مناسک حج۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مشرکین کعبہ کا حج کرتے تھے، حدی بھیجتے تھے، مشاعر کی تعظیم کرتے تھے اور سفر حج میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں نے فن پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ اے ایمان والو! شعار اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: شعار اللہ سے مراد ہے صفا، صود، حدی، اور دوسرے مشاعر۔

(جامع البیان، ۶: ۷۲، ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حرمت والے مہینوں، حدی اور قلائد کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور نہ حرمت والے مہینے کی بے حرمتی کرو" حرمت والے مہینوں کا بیان اس حدیث میں ہے۔
 امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

"حضرت ابو بکر حبشہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "زمانہ گھوم کر اسی بیت پر آپکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال میں بارہ مہینے ہیں، جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ تین مہینے متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، رجب، صفر، کامہینہ جو جملوی اور شعبان کے درمیان ہے، الحمد للہ۔"

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۴۰۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ حدی کی (بے حرمتی کرو)

حدی کا معنی ہے: وہ اونٹ، بکری، یا گائے جس کو بیت اللہ میں ہدیہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ قلائد کی (بے حرمتی کرو)

قلائد قلاوہ کی جمع ہے، حدی کے گلے میں قربان کیے جانے کی نشانی کے طور پر اون کا ہار، یا جوئی یا درخت کی چھل ڈال دی جاتی ہے۔ اس کو قلاوہ کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں قلائد ڈالے جاتے ہیں۔ اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کے درخت کی چھل اپنے اوپر لپیٹ لیتا تھا، وہ مسمون قرار دیا جاتا، اور جہاں چاہتا چلا جاتا، اور قلائد کا یہی معنی ہے (جامع البیان، ج ۶، ص ۷۶) حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کا معنی ہے، جن مہینوں میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی جائے، اور حدی کی بے حرمتی کا معنی ہے، جن جانوروں کو ان کے مالکوں سے چھین لیا جائے یا ان کو کعبہ میں نہ پہنچنے دیا جائے، اور

قلعہ کی بے حرمتی کا معنی یہ ہے کہ حدی کے گلے سے قلادہ اتار لیا جائے یا اس کو فوج، کھسوت کر خراب کر دیا جائے یا جس شخص نے اپنے جسم پر حرم کے درخت کی چھل لپیٹ لی ہو اس کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں (المائدہ: ۳۴)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا اس آیت میں حجاج پر لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عظم نبی ﷺ کے پاس آیا تاکہ آپ کی دعوت کے متعلق غور و فکر کرے اس نے آپ سے کہا: میں اپنی قوم کے سامنے آپ کی دعوت پیش کروں گا آپ بتائیے کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ عظم نے کہا آپ کے اس دین میں سختی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی دعوت کا ذکر کروں گا اگر انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا تو میں بھی ان کے ساتھ قبول کر لوں گا اور اگر انہوں نے اس سے پیچھے پھیر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم واپس جاؤ جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے پاس کافر چرے کے ساتھ آیا اور میرے پاس سے دھوکہ دیتا ہوا نکلا۔ جب وہ اہل مدینہ کی چڑاگاہوں کے پاس سے گزرا تو آپ کے اصحاب نے اس کو پکڑنا چاہا لیکن وہ نکل گیا اور بھاگ گیا۔ وہ حج کے موقع پر سلمان تہارت لے کر آیا، اصحاب نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس کو پکڑ کر اس کا سامان اس سے چھینیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی۔ اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں۔

(جامع البیان ۶ ج ۲، ص ۷۹، مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۵ھ، بیروت)

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں اختلاف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ کسی شخص کو بیت اللہ کے حج سے منع کریں یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائیں، خود وہ مومن ہو یا کافر پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَامِهِمْ هَذَا۔ (النوبہ: ۲۷)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَبْعَثُوا مُسْجِدَ
الَّذِينَ شَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ۔ (النوبہ: ۲۸)

(النوبہ: ۲۷)

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے منع فرمادیا۔

قلہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے، 'نہ جہالت میں کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا اور حدی کے گلے میں قلاوہ ڈالتا تو کوئی شخص اس پر حملہ نہ کرتا' لیکن دونوں میں مشرک کو بیت اللہ میں جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں اور بیت اللہ کے پاس قتل نہ کریں، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَجَدْتُمُوهُمْ

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔

(التوبہ: ۳)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حکم منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا، 'نہ جہالت میں لوگ حج کے لیے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے' اور ان مہینوں میں قتل بھی کرتے تھے، 'اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کو حرام کر دیا' سو اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کے خلاف سال کے تمام مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے، 'غیر وہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک اپنے گلے میں حرم کے تمام درختوں کی پھل بھی ڈال لے، تب بھی اس کا یہ فعل اس کے لیے قتل سے ہٹا نہیں ہوگا' جب تک کہ اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے ہتھ نہ حاصل کر لیا ہو، یا کوئی معاہدہ نہ کر لیا ہو۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۸۳-۸۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے جو علماء اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں، وہ اس آیت میں تخصیص کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ جو مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے قصد کے لیے روانہ ہوں ان کی حدی کو لوٹنا اور ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ شعائر اللہ کو حلال نہ کرو۔ اور شعائر اللہ کا اطلاق مسلمانوں کی قربانوں اور ان کی عبادتوں ہی کے لائق ہے، نہ کہ کفار کی قربانوں کے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: جو لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں، اور یہ بھی مسلمانوں کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت ابتداء مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، کفار کو شامل ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت بعد میں منسوخ ہو گئی۔

ابو مسلم اصمغلی نے یہ کہا کہ اس آیت کے عموم میں وہ کافر داخل تھے جو نبی ﷺ کے عہد میں تھے اور جب سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد ان سے معاہدہ ختم کر دیا گیا، تو اب وہ کافر اس آیت کے حکم میں داخل نہیں رہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو (المائدہ: ۳)

میضہ امر کے مواضع استعمال

اس آیت میں "فما صعداوا" (شکار کرو) امر کا میضہ ہے، امر کا میضہ متحد مطلق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں مشورہ نہیں مطلق ہیں۔

۱۔ وجوب کے لیے جیسے "واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" (البقرہ: ۴۳) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"

۲۔ استیجاب کے لیے جیسے "فکاتبوہم" (النور: ۲۳) تمہارے غلاموں اور بندوں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں انہیں مکاتب کر دو۔

۳۔ ارشاد (دنیاوی مصلحت کی طرف رہنمائی کرنے) کے لیے مثلاً "واشهدوا اذ انبایعتم" (البقرہ: ۲۸۳) "اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو" استنباب اور ارشاد میں یہ فرق ہے کہ استنباب میں اخروی ثواب مطلوب ہوتا ہے اور ارشاد میں دنیاوی فائدہ اور مصلحت۔

۴۔ اباحت کے لیے "فکلوا مما امسکن علیکم" (المائدہ: ۳) "سو اس (شکار) سے کھاؤ جسے وہ (شکاری جانور مار کر) تمہارے لیے روک رکھیں" اس کی دوسری مثل زیر بحث آیت ہے "واذا حللتم فاصطادوا" (المائدہ: ۴) اور جب تم احرام کھل دو تو شکار کر سکتے ہو۔

۵۔ اکرام (عزت افزائی) کے لیے مثلاً "ادخلوها بسلام امن" (البقرہ: ۳۶) "تم ان جنتوں میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔"

۶۔ اتمان (احسن فرمانے) کے لیے مثلاً "کلوا مما رزقکم اللہ الا نعام" (۳۳) "اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس سے کھاؤ۔"

۷۔ اہانت (رہسو کرنے) کے لیے مثلاً "ذی اسکا انت العزیز الکریم" (الدخان: ۴۹) "لے چکے عذاب کا مزہ" ہے شک تو ہی بڑا معزز و کرم ہے۔

۸۔ تسویہ (دو چیزوں میں مساوات بیان کرنے کے لیے) مثلاً "اصلوها فاصبروا او لاتصبروا سواء علیکم" (البقرہ: ۴۱) "اس آگ میں داخل ہو جاؤ پھر تم میرا صبر نہ کرو تم پر برابر ہے۔"

۹۔ تعجب کے لیے مثلاً "اسمع بہم وابصر یوم ہاتونسا" (مریم: ۳۸) "وہ کیسا سنتے ہوں گے اور کیسا دیکھتے ہوں گے جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے۔"

۱۰۔ ٹھوین (کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے) کے لیے مثلاً "کن فیکون" (البقرہ: ۸۷) "ہو" سو وہ ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ استعار کے لیے مثلاً "القواما انتم ملفون" (النس: ۸۰) "وہ جو تم ڈالنا چاہتے ہو۔"

۱۲۔ اخبار کے لیے مثلاً "فلیضحکوا فلیلا ولیبکوا کثیرا" (التوبہ: ۸۴) "سو انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور روکیں زیادہ۔"

۱۳۔ تنہید (ڈرالے اور دھمکانے کے لیے) مثلاً "اعملوا ما شئتم" (تم السجدہ: ۳۰) "تم جو چاہو کیے جاؤ" اس کی ایک اور یہ مثل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: "واستغفر من استنطعت منهم بصونک" (یعنی اسرائیل: ۷۳) تو ان میں سے جن کو اپنی آواز سے ڈگمگا سکا ہے ڈگمگا دے۔"

۱۴۔ انذار (ڈرانے) کے لیے۔ یہ بھی قسم لہل کے قریب ہے۔ مثلاً "قل نمنعوا" (البرائیم: ۳۰) "آپ کہتے (چند روزہ) فائدہ اٹھاؤ۔"

۱۵۔ تعحیز (عاجز کرنے) کے لیے مثلاً "فاتوا بسورة من مثله" (البقرہ: ۲۳) "سو اس قرآن کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔"

۱۶۔ تغیر کے لیے مثلاً "کونوا فردة حسنین" (البقرہ: ۱۹۵) "دھمکا دے ہوئے بندہ ہو جاؤ۔"

۱۷۔ تمنی کے لیے مثلاً "الایہا اللیل الطویل السحلی" "سن اسے لمبی رات اٹھاؤ ظاہر ہو جا۔"

- ۱۸۔ تلویب (ادب سکھانے) کے لیے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "کل مما یلیک" (صحیح بخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۵۳۷۷) "تم اپنے آگے سے کھاؤ"
- ۱۹۔ امثال (کسی کی اطاعت شعاری بیان کرنے کے لیے) کوئی شخص کسی سے کہے: مجھے پانی پلاؤ۔
- ۲۰۔ اجازت دینے کے لیے مثلاً کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹانے والے سے کہے: اندر آ جاؤ۔
- ۲۱۔ انعام کے لیے مثلاً "کلوا من طیب ما رزقناکم" (البقرہ: ۵۷) "تماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ"
- ۲۲۔ تکذیب کے لیے مثلاً "قل ماتوا بالتوراة ما تلوہا ان کنتم صدق" (آل عمران: ۹۳) "آپ کہتے کہ تورات لے کر آؤ، اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو"
- ۲۳۔ مشورہ کے لیے مثلاً حضرت امیر ایہم نے حضرت اسماعیل سے فرمایا: "فاطر ما داتری" (الصفت: ۱۰۲) "تو اب تم نور کرو، تمہاری کیا رائے ہے؟"
- ۲۴۔ اعتبار (تدبیر) کرنے کے لیے مثلاً "اسطروا الی ثمرہ اذا انتم و بنعہ" (الانعام: ۹۹) "دیکھو درخت کے پھل کی طرف، جب اس کو پھل لگے اور اس کے پکنے کی طرف"
- ۲۵۔ تفویض کے لیے مثلاً ایمان لانے والے ساتوں نے فرعون سے کہا: "فافص ما انت فافص" (طہ: ۷۲) "تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے سو کر"
- ۲۶۔ دعا کے لیے مثلاً "واعف عا و اعمر لہا وارحمہا" (البقرہ: ۲۸۶) "ہم کو معاف فرما اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما"
- ۲۷۔ تغیر کے لیے مثلاً "ہدا عطاءنا فامسن او امسک بغیر حساب" (ص: ۳۹۰) یہ ہماری عطا ہے، تو آپ (جس پر چاہیں) احسن کریں اور جس سے چاہیں احسن روک رکھیں۔ آپ سے کچھ باز پرس نہیں ہوگی۔
- (کشف الاسرار ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۸ھ، توفیق دکنوٹ ج ۱ ص ۲۸۳، ۲۸۴)
- تقاضائے امر کے واحد ہونے پر دلیل
- ابن جریج نے کہا: امران تلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اس کا مقتضی توقف ہے۔ حتیٰ کہ کسی قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہاں پر کون سا معنی مراد ہے؟ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر امر کا مقتضی توقف ہو تو پھر نبی کا مقتضی بھی توقف ہونا چاہیے، کیونکہ نبی کا استعمال بھی متعدد معانی میں ہوتا ہے۔ کبھی نبی تحریم کے لیے ہوتا ہے مثلاً "لا تاكلوا الربوا" (آل عمران: ۱۳۰) "سو نہ کھاؤ" اور کبھی تخریم کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "ولا تمنن تستکثر" (الہ: ۶۰) "اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسن نہ کیجئے" اور کبھی تحقیر کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "ولا تمدن عیسیٰ الی ما متعساہ ارواحا مسہم" (الحجر: ۸۸) "آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے گرد ہوں کو کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں" اور کبھی ارشاد کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوؤکم" (المائدہ: ۱۱۹) "ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں" اور کبھی شفقت کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا یمن احدکم فی عمل واحد" (ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۸۱) "تم میں سے کوئی شخص ایک جوتی پن نہ چلے" اور اگر نبی کا مقتضی بھی توقف ہو تو پھر امر اور نبی میں کوئی فرق نہیں رہے گا، حالانکہ فعل کی طلب اور ترک فعل کی طلب میں فرق بداحۃ ثابت ہے۔

امر کا مقتضی وجوب ہونے پر دلائل

علماء اور فقہاء کے نزدیک امر کا مقتضی واحد ہے کیونکہ امر کا لفظ معانی میں مشترک ہونا خلاف اصل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واحد مقتضی اباحت ہے کیونکہ یہ امر کا ذاتی درجہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک امر کا مقتضی استحباب ہے کیونکہ امر میں فعل کی جانب وجود کو ترجیح دینا ضروری ہے اور اس کا ذاتی درجہ استحباب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک امر کا مقتضی وجوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور: ۳۳)

جو لوگ رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا انہیں دردناک عذاب پہنچ جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلًى سَبِيلًا (الاحزاب: ۳۶)

اور نہ کسی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو ان کے لیے اس حکم میں اکرے یا نہ کرنے کا کوئی اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے وہ بے شک کھل گمراہی میں بہک گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے اور اس میں کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے امر پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مَا مَنَّكَ اللَّهُ أَنْ تَسُحِّدَ إِذَا أَمَرْتُكَ (الاعراف: ۴)

(اللہ نے) فرمایا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا تھا؟ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی اس لیے مذمت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ کا امر کیا تھا اور یہ مذمت اسی وقت ہوگی جب امر وجوب کے لیے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا "افعصیت امری" (اللہ: ۴۳) "کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟" اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نفل فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا: وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا (الكهف: ۴۶) میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

ان دونوں صورتوں میں امر کی خلاف ورزی اسی وقت لائق مواخذہ ہوگی جب امر کا مقتضی وجوب ہو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم: ۱)

(فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

حکم پر عمل نہ کرنا عصیت اسی وقت ہوگا جب حکم پر عمل کرنا واجب ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا ذَا قِيْلٍ لَهُمْ اَرْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں

(المرسلات: ۳۸) پڑھتے۔

ان کی مذمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ جن کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی اور یہ مذمت اسی وقت درست ہوگی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم وجوب کے لیے ہو۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ امر کا مقتضی واحد ہے مگر وہ مقتضی وجوب ہے۔ اسی طرح لوگوں کا عرف ہے کہ جب وہ کسی فعل کو جزم اور حتم طلب کرتے ہیں تو امر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔

ممانعت کے بعد امر کے مقتضی کی تحقیق

جب پہلے کسی فعل سے منع کیا جائے اور پھر بعد میں امر کے صیغہ سے اس فعل کو طلب کیا جائے تب بھی امر کا مقتضی وجوب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ممانعت کے بعد اس فعل کا امر استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا: ”جب جمعہ کے دن لڑائی نہ ہو جائے تو بیع (کاروبار) کو چھوڑ دو“ اور اللہ کے ذکر کی طرف دعوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ“ اور

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ الْيَوْمِ الْجُمُعَةِ (۳۳)

اللہ کے فضل کو تلاش کرو (یعنی بیع کاروبار کرو)

اس آیت میں ممانعت کے بعد رزق طلب کرنے اور کاروبار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطور استحباب ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ممانعت کے بعد امر کا صیغہ ممانعت کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا اس کے بعد فرمایا:

اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدہ: ۴)

جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں استحباب اور ممانعت قرینہ سے ثابت ہے کیونکہ رزق طلب کرنے اور شکار کرنے کا حکم بندوں کو ان کی منفعت حاصل کرنے کے لیے دیا گیا ہے اگر اس حکم کو واجب قرار دے دیا جائے تو یہ نفع ضرر سے متعلق ہو جائے گا کیونکہ پھر بیع نہیں کرے گا یا شکار نہیں کرے گا۔ لہذا نہ کاروبار جو معنی کسی قرینہ کی بناء پر کیا جائے وہ مجاز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کے بعد بھی امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

ممانعت کے بعد امر کے وجوب کے لیے ہونے کی مثل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مینوں میں شرکین کے خلاف قتل سے منع فرمایا اور ان مینوں کے بعد ان سے قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ: ۵)

پھر جب حرمت والے مینے گزر جائیں تو تم شرکین کو قتل کرو جہاں انہیں پاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ﷺ کے گھر میں بلا لڑائی داخل ہونے سے منع فرمایا پھر فرمایا: جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو اور ممانعت کے بعد یہ داخل ہونے کا حکم بھی وجوب کے لیے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَبِيٍّ عَلَيْهِ

اے ایمان والو! جب تک تمہیں کھانے کے لیے بلایا نہ جائے نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو پہلے سے آکر کھانا پکے کا

وَلَيْكُنْ إِذَا دُعِيتُمْ قَادِحُكُمْ (الاحزاب: ۵۳) انتظار نہ کرو، ہاں جب بلاؤ جائے تو آ جاؤ۔

اسی طرح حیض اور نفاس میں جٹا عورتوں کو نماز اور روزے سے منع کیا گیا اور حیض اور نفاس منقطع ہونے کے بعد نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اور اس عارض کے زوال کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان شخص کو حالت اسلام میں اور کافر کو عہد ذمہ کی وجہ سے قتل کرنے سے منع کیا گیا، لیکن اس کے مرتد ہونے یا ذاکہ ڈالنے کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا یا شادی شدہ کے زنا کی وجہ سے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم بھی وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے ہاتھ اور پیر کلنا ممنوع ہیں، لیکن چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور پیر کلنا واجب ہیں۔ بنی مشکوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی کام سے منع کرنے کے بعد جب اس کام کا امر کیا جائے تو سبقت ممانعت اس امر کے وجوب کے متعلق نہیں ہے اور اس امر کے اہانت یا استیجاب کے لیے ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ امام شافعی اور بعض حنابلہ کے نزدیک ممانعت کے بعد امر اہانت کے لیے ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور شوافع میں سے معتقین، خطا امام رازی اور حنفی بیضوی اور جمہور اصولیین کے نزدیک ممانعت کے بعد بھی امر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے اور فقہاء احناف میں سے کمال الدین ابن الہمام کے نزدیک ممانعت سے پہلے امر کا جو مقتضی ہو ممانعت کے بعد بھی وہی مقتضی ہوتا ہے۔ اگر وجوب ہو تو وجوب اور استیجاب ہو تو استیجاب۔

(توضیح و تفسیر، ج ۱، ص ۲۸۸، مطبوعہ نور محمد راجح الطابع، دکن، لاہور، ج ۱، ص ۲۸۲-۲۸۹، مطبوعہ)

نبی ﷺ کے افعال سے وجوب کا ثابت نہ ہونا

صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ بن مسعود لکھتے ہیں:

امر کا اطلاق جمہور کے نزدیک قول پر حقیقتاً ہے اور فعل پر امر کا اطلاق مجازاً ہے۔ اس میں بھی اتفاق ہے اور بعض کے نزدیک نبی ﷺ کے فعل پر بھی امر کا اطلاق حقیقتاً ہے۔ کیونکہ آپ کا فعل حقیقتاً امر ہے اور ہر امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور فعل پر امر کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَمَا أَمَرَ فَرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ“ (احقاف: ۹) اور فرعون کا فعل درست نہ تھا اور نبی ﷺ نے فرمایا ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱۳) اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ امر کا اطلاق فعل پر حقیقتاً نہیں ہے، اور مشرک ہونا خلاف اصل ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کوئی کام کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ کام کرو تو اس کے اس فعل سے امر کی نفی کرنا صحیح ہے، اور سورہ ہود کی آیت میں جو فعل کو امر فرمایا ہے، وہ مجاز ہے اور اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ فعل پر امر کا اطلاق حقیقتاً ہے، تب بھی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امر قولی وجوب کے لیے ہوتا ہے نہ کہ فعل، کیونکہ جو دلائل اس پر پیش کیے گئے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، وہ سب امر قولی سے متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ

وہ لوگ ڈریں جو رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے

(النور: ۳۳) ہیں۔

اس آیت میں امر سے مراد امر قولی ہے اور اس کو امر فعلی پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور امر قولی مقصود (احکام) کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے اور نزول خلاف اصل ہے، اور نبی ﷺ نے جو فرمایا: ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ اس حدیث میں احکام آپ کے قول صلوا سے مستقل ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جب

آپ نے وصل کے روزے رکھے اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے وصل کے روزے رکھ لیے اور جب آپ نے نماز میں طہن اتاریں اور آپ کو دیکھ کر آپ کے اصحاب نے بھی اپنی طہن اتاریں تو آپ نے ان کو منع فرمایا، مگر وہ نہ مانے اور آپ کے اصحاب نے آپ کے فعل کی اتباع کی تھی۔ ان حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ فعل واجب کے لیے نہیں ہوتا۔

(توضیح مع تنقیح، ج ۱، ص ۲۸۸-۲۸۹، مختصر، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے کوئی فعل منقول ہو، پس اگر وہ فعل سو ہو یا طہنی ہو یا آپ کا خاصہ ہو تو اس سے اجتماع واجب ثابت نہیں ہوتا اور اگر وہ فعل قرآن مجید کی کسی جمل آیت کا بیان ہو تو اس سے اجتماع واجب ثابت ہوتا ہے اور اگر وہ فعل ان کے ماسوا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ کما جائز ہے کہ نبی ﷺ نے حقیقتاً ہم کو اس فعل کا امر فرمایا ہے اور ہم پر اس فعل کی اتباع واجب ہے یا نہیں؟ سو بعض نے کہا ہاں اور اکثر نے کہا نہیں اور یہی مختار ہے۔

(توضیح مع تنقیح، ج ۱، ص ۲۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ عبد العزیز بن احمد بخاری متوفی ۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اپنی طہن اتاریں اور ان کو اپنی بائیں جانب رکھ دیا، جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کے جوتیاں اتارنے کا کیا سبب تھا؟ صحابہ نے کہا ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو ہم نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ ان جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھٹاؤنی چیز ہے اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر اس کی جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھٹاؤنی چیز ہو تو اس کو کھرج کر صاف کر لے، پھر ان جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم وصل کے روزے نہ رکھو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ وصل کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ یا فرمایا: میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۱)

ان حدیثوں میں اس پر واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا فعل کسی چیز کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ اگر آپ کا فعل آپ کے امر کی طرح موجب ہو تا تو پھر آپ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی، جیسے اگر آپ کسی چیز کا امر فرمائیں اور صحابہ اس پر عمل کریں۔

(کشف الاسرار، ج ۱، ص ۲۵۰-۲۴۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

نبی ﷺ کے افعال کے سنت، مستحب اور واجب ہونے کا ضابطہ

جس فعل کو آپ نے احیاناً (بکمی بکمی) کیا ہو اور غالب اوقات میں ترک کیا ہو، وہ سنت فیر مؤکدہ یا سنت مستحبہ ہے اور جس کو آپ نے غالب اوقات میں کیا ہو اور احیاناً ترک کیا ہو، وہ سنت مؤکدہ ہے اور جس پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، وہ فعل واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۵۰ھ لکھتے ہیں: ”صحیح یہ ہے کہ اشکاف سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ نبی

میں نے رمضان کے آخری عشرہ میں اس پر مواظبت (دوام) فرمائی ہے اور مواظبت سنت کی دلیل ہے۔

(حدایہ اولین ص ۲۲۹، مطبوعہ شرکت طبع لبنان)

علامہ محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں "ایک قول یہ ہے کہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مواظبت سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور یہ وجوب کی قوت میں ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ نے احکام ترک کرنے والے پر انکار نہیں فرمایا، اگر احکام واجب ہو تا تو آپ اس کے ترک پر انکار فرماتے۔"

(الہدایہ ج ۳ ص ۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس فعل کے تارک پر انکار نہ فرمائیں تو وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر آپ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس کے تارک پر انکار فرمائیں تو وہ فعل واجب ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام حنفی متوفی ۸۷۹ھ لکھتے ہیں "نبی ﷺ نے احکام پر بلا ترک مواظبت فرمائی ہے، لیکن جن صحابہ نے احکام نہیں کیا، آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ احکام کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ ترک کرنے والوں پر انکار فرماتے تو یہ وجوب کی دلیل ہو تا۔"

(فتح القدیر ج ۲ ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سعدی چلیسی متوفی ۹۴۵ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو "خلافاً لکہ سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ نے کسی فعل پر مواظبت فرمائی ہو اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے اس کے ترک پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ احیاناً ترک کرنے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ آپ کا احیاناً ترک کرنا جواز ترک کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے اور آپ کا تارک پر انکار نہ فرمنا بھی تعلیم جواز کے لیے تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو احیاناً ترک کرنا ملحوظ ہے، وہ اس سے عام ہے کہ احیاناً ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً اور اب سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہو گی کہ جس فعل پر نبی ﷺ مواظبت فرمائیں اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی فرمادیں، خواہ ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً، اور جس فعل پر نبی ﷺ بلا ترک مواظبت فرمائیں اور تارک پر انکار فرمائیں، وہ فعل واجب ہو گا۔ (حاشیہ سعدی چلیسی مع فتح القدیر ج ۲ ص ۲۹۳، مطبوعہ بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

"سنت مؤکدہ میں شرط یہ ہے کہ مواظبت ہو اور اس کے ساتھ ترک بھی ہو، خواہ حکماً ہو، لیکن تعریف میں عموماً شروط کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مصری متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ کیا ہو، وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی اس فعل کو ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ ماہدیہ لکھنؤ)

علامہ سید احمد لکھنوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

"البحر الرائق" میں سنت مؤکدہ کی دو تعریفوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک تعریف یہ ہے کہ:

الطريقة المسلوكة في الدين من غير لروم علی سبیل المواظبة۔
وہ طریقہ جس پر دین میں بغیر لروم کے پیش عمل کیا گیا ہو۔

اور دوسری تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ فرمایا ہو اور اگر آپ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا ہو تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔

(حاشیہ الحطابی علی الدر المنثور ج ۱ ص ۶۶ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۵ھ)

نیز علامہ لکھنوی لکھتے ہیں:

سنت اس طریقہ مسلوکہ فی الدین کو کہتے ہیں جو کسی قول یا فعل سے حطلق ہو۔ وہ قول یا فعل لازم نہ ہو اور نہ اس کے تارک پر انکار ہو اور نہ وہ خصوصیت ہو۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ لازم نہ ہو اس قید سے فرض سنت کی تعریف سے خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا اس کے تارک پر انکار نہ ہو اس قید سے واجب خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا ہے کہ وہ خصوصیت نہ ہو اس قید سے صوم و صل خارج ہو گئے۔ پھر اگر نبی ﷺ نے غالب اوقات میں اس فعل پر مواظبت نہ کی ہو تو وہ سنت مستحبہ ہے۔ اس کو سنت زائدہ، مستحب، مندوب اور لوپ وغیرہ بھی کہتے ہیں اور اگر آپ نے اس فعل کے تارک پر وعید فرمائی ہو تو پھر یہ واجب ہے۔ (ایشیٰ مرقی الفلاح) سنت مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں۔ توین، اکامت، جماعت، پانچ نمازوں کی سختیں، کٹی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ اس سنت کو سنت الہدی بھی کہتے ہیں یعنی اس سنت پر عمل کرنا ہدایت اور دین کی تکمیل کے لیے ہے اور اس کو ترک کرنا کراہت اور اسراءت ہے۔

علامہ البہستانی نے کہا ہے کہ دنیا میں مطالبہ عمل کے لحاظ سے سنت مؤکدہ واجب کی مثل ہے، مگر واجب کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا اور سنت مؤکدہ کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا اور سنت غیر مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں: تنہا شخص کا اذان دینا، وضو میں گردن پر مسح کرنا اور دائیں جانب سے ابتداء کرنا اور ظلی نماز، ظلی روزہ اور ظلی صدقہ۔

(حاشیہ مرقی الفلاح ص ۳۹-۴۸ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”بحر الرائق“ میں مذکور ہے ”سنت وہ فعل ہے جس پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو“ پھر اگر یہ مواظبت بغیر ترک کے ہے تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل کو کبھی کبھی ترک کیا ہو تو وہ اس فعل کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا تو یہ اس فعل کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور التمر التائق کے مصنف نے یہ کہا ہے کہ ہمیں یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہے اس کا وجوب آپ کے ساتھ مختص نہ ہو۔ مثلاً صلوٰۃ الضعیفی (پاشت کی نماز) اس میں آپ کا وہ سروں کے ترک پر انکار نہ فرماتا آپ کے حق میں اس کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز ترک میں یہ قید بھی لگانی چاہیے کہ وہ ترک بلا عذر ہو کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض کا ترک بھی جائز ہے۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے، لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے نماز میں قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا سنت ہے؟

اس تمام تفصیل سے واضح ہو گیا کہ وجوب صرف نبی ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے آپ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ جس فعل پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو تو یہ بھی اس فعل کے واجب ہونے

کی دلیل ہے۔ ڈاڑھی رکھنے کا معاملہ ایسا ہے۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے اس لیے نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ڈاڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور حرام ظنی ہے۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا اور آٹھ ایکڑ اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور سو چھپیس لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ طارے دین میں ہے۔ آپ نے فرمایا طارے دین میں یہ ہے کہ ہم سو چھپیس کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۳۷۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۶ھ)

چونکہ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے اس لیے ڈاڑھی منڈانا حرام (ظنی) ہو اور ڈاڑھی رکھنا واجب ہوا۔ رہا اس کی مقدار کا معاملہ تو نبی ﷺ نے اس کی تحدید نہیں فرمائی۔ بلبت آپ کی ڈاڑھی مبارک بہت دراز اور گھنی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔ (الاشفا، ج ۱، ص ۳۸، مطبوعہ مکتبہ النور اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی رکھنا جو سینہ کو یا کم از کم سینہ کے بلائی حصہ کو بھرے، سنت کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی ہی رکھنی چاہیے۔ بالعموم فقہاء کرام نے قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنے کو سنت کہا ہے اور بعض فقہاء (مثلاً ملا علی قاری اور علامہ زبیدی) نے قبضہ کو مستحب لکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک بہر حال قبضہ سے زائد تھی کیونکہ آپ کو تلوگردن نہیں تھے۔ آپ کی گردن لمبی تھی اور یہی حسن کا تقاضا ہے۔ پھر سینہ مبارک کے بلائی حصہ کو بھرنے کے لیے بھی دو احوالی مشیت ڈاڑھی ہونی چاہیے اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت قبضہ بھر ڈاڑھی نہیں بلکہ قبضہ سے زائد مقدار رکھنا ہے۔ اور فقہاء نے جو قبضہ کو سنت لکھا ہے اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سنت سے مراد تقویٰ معنی ہے یعنی وہ طریقہ جو ان کے دور کے مسلمانوں میں موج تھلا۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کو سنت غیر موکدہ لکھا ہے یہ بھی تقویٰ معنی میں ہے کیونکہ کسی حدیث میں آپ نے قبضہ کی تاکید نہیں فرمائی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد میں قبضہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ سے قبضہ کے بعد ڈاڑھی کا تقاضا ثابت ہے لیکن صحابی کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ وجوب رسول اللہ ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر وعید فرمائی ہو تو یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔ لیکن قبضہ کے متعلق ان میں سے کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔

ہر چند کہ قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق کیا جاتا ہو اور عرفی مقدار بھی دلیل شرعی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کا قہدہ یہ ہے کہ جس چیز کی مقدار کے متعلق دلیل شرعی نہ پائی جائے اس کی مقدار کو اس میں جملہ شخص کے مکن غالب کی طرف مفض کر دینا چاہیے۔ (ارد المحتاج، ج ۱، ص ۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

سو اگر کوئی شخص شیش ڈاڑھی یا فرنج کٹ ڈاڑھی رکھتا ہے یا ایک یا دو انگل ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی نہیں کہتے۔ بلکہ فرنج کٹ ڈاڑھی یا شیش ڈاڑھی کہتے ہیں۔ لہذا ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی کہا جائے۔ خواہ وہ قبضہ سے ایک آدھ انگل کم ہو یا زائد ہو۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب نہیں فرمایا اور آپ نے اس کی تحدید نہیں کی اس لیے ہم اس کی حد قبضہ مقرر کرنے کا خود کو مجاز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہم مبلغ ہیں شارع نہیں ہیں اس بنا پر ہمیں کللی مطعون بھی کیا گیا ہے اور

ہمارے خلاف کتابیں بھی لکھی گئیں۔ ہر حال اہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور انسانوں کی بھائی ہوئی شریعت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کو پیش کیا ہے اور حق کو لوگ ہر دور میں شخصیت پرستوں اور غلی اور جلد لوگوں کے معن طعن کا شکار ہوتے رہے ہیں ہم ان کے سب دشمن پر صبر کرتے ہیں اور اللہ ہی سے جزاء کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس کے ساتھ اس پر نہ اُکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو (المائدہ: ۲۴)

شان کے معنی بغض ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض تمہیں اس کے ساتھ زیادتی پر نہ ابھارے یعنی جس طرح مشرکین نے تمہیں عہد کے لیے مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا اسی طرح تم ان کو مسجد حرام میں جانے سے نہ روکنا۔

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود مشرکوں کو مسجد حرام میں جانے سے منع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَمَلِهِمْ هَذَا (توبہ: ۱۷)

اس خاص صورت کے علاوہ یہ حکم عام ہے اور کسی قوم کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (المائدہ: ۲۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائی (نیکی) اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقویٰ سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جسکو کرنے سے شریعت نے روکا ہے اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ ظلم جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انسان پسند کرتا ہے اور ظلم کا معنی ہے دوسروں کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اثم اور عدوان سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد و سزا سے تجاوز کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو کرو اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور خلاف ورزی کریں تو بے شک اللہ ان کو سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ آیت جو امع الظلم میں سے ہے اور یہ ہر خیر اور شر اور ہر معروف اور منکر کے حکم کو شامل ہے۔

آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں بہت سے فقہی احکام کو شامل ہیں۔

۱۔ اپنے عہد پورے کرو یعنی اللہ تعالیٰ سے جن احکام شرعیہ کو بجالانے کا عہد کیا ہے ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد کیے ہیں ان کو پورا کرو۔ خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنا بیویوں کا مہر ادا کرنا ان کا خرچ اٹھانا امانت عاریت اور رہن رکھی ہوئی چیز کو حفاظت کے ساتھ ادا کرنا اور ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کرنا ان عہدوں میں شامل ہے۔ اسی طرح

عبادت مقصود مثلاً نماز 'روزہ' حج' اشکاف اور صدقات کی نذر چوری کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ کسی غیر مقصودہ عبادت مثلاً وضو یا کسی مباح کام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ ان پڑھ عوام میں جو چروں 'فقیروں کی نذر مشہور ہے' یہ محض جهالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

۲۔ شرعی طریقہ سے ذبح کر کے حلال جانوروں کا کھانا کھانوں سے بچاڑنے والے درمیانوں اور پالتو گدھے کو اور بچوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو نبی کریم ﷺ نے حرام کر دیا ہے اور (المائدہ: ۳) میں بھی ان جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے جن کو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو ان کے علاوہ خنزیر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے۔

۳۔ حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت بیان کی گئی ہے اسی طرح حرمین میں شکار کرنا بھی منع ہے۔

۴۔ جو شخص محرم نہ ہو اس کے لیے حرمین کے علاوہ دوسری جگہوں پر شکار کا حلال ہوگا۔

۵۔ محرم کے لیے صرف خشکی کا شکار ممنوع ہے۔ سمندری جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔

۶۔ قربانی کے لیے بھیجے ہوئے جانوروں کو ضرر پہنچانے کی حرمت 'جو اونٹ قربانی کے لیے حرم میں بھیجا جاتا ہے' اس کے گلے میں علاوہ ڈال دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ حدی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کوہن پر معمولی سا اشکاف ڈالتے ہیں جس سے اس کے کوہن پر خون بہہ جاتا ہے اور یہ بھی اس کے حدی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو اشعار کہتے ہیں 'یہ سنت ہے۔' امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ انجلی لوگ جو اشعار کرنا نہیں جانتے ان کے حق میں یہ سنت نہیں ہے کیونکہ وہ زیادہ اشکاف ڈال دیتے ہیں جس سے بواہر ظہر پڑ جاتا ہے ایسے لوگوں کو امام ابو حنیفہ اشعار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

۷۔ شعائر اللہ میں حدی اور قلائد کے علاوہ حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں تحقیق یہ ہے کہ اب ہر مہینہ میں جملہ کرنا جائز ہے۔

۸۔

۸۔ کسی کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے انسان اس کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی نہ کرے۔

۹۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اس میں ملک اور قوم کے اجتماعی مفاد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور سماجی خدمت اور سوشل ورک داخل ہیں۔

۱۰۔ جرم اور گناہ میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ چنگ اور بیمہ کہتی 'جوئے خانہ اور کسی بھی بدی کے اڑے میں ملازمت کرنا' خواہ وہ ملازمت کلرکی کی ہو یا چوکیداری کی وہ ہر عمل اس برائی کے ساتھ ایک نوع کا تعلق ہے اور ناجائز ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ

اُدْعِيَ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيغَةُ وَمَا

کا نام پکارا گیا ہو اور گلہ گھٹ جانے والا اور چوٹ کھا کر مرنا ہو اور بندی سے گر کر مرنا ہو اور سینک گئے سے مرا ہوا اور جس

أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا

کو وہ تیسے تے کھایا ہو مگر اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر دیا اور جو بتوں کے تقریب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور

بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فَسُقُ الْيَوْمَ بِبِئْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ

قال کے تیزوں سے اپنی قسمت مسلم کرنا یہ تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے ،

فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور تمہی ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ

کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر کوئی حرام

غَيْرَ مَتَجَانِفٍ لِئَیْمًا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳ یَسْأَلُونَكَ

چیز کھانے (درال) حالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بیشک اس پر بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے ۝ (اے رسولِ عزم!) آپ کے

مَا ذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلُّ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ

پرچھے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کیسے کر تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے نکاحی جانور

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا

سدا یہی ہیں درال حالیکہ تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

سواں (شکار سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں (اور شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۴ الْيَوْمَ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ

پر مہر اور اللہ سے ڈرتے ہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۝ آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا ذبیحہ

أَوْتُوا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَّ لَكُمْ نَوَالُ الْمُحْصَنَاتِ

تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ

مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی) تمہارے لیے حلال

قَبْلَكُمْ إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِينَ غَيْرَ مُسَارِفِينَ

ہیں، جب تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو، اور ان کا ایک تم ان کو نکاح کی قید میں لاسنے والے ہو نہ

وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

حلیہ پر کاری کرنے والے اور خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان دلاسنے کے بعد کفر کیا تو بیشک اس کا عمل

عَمَلُهُ ذُوهُو فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَيْرِينَ ۝

ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے ۝

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام

جو جانور طبعی موت مر جائے نہ اس کو ذبح کیا گیا ہو نہ شکار کیا گیا ہو اس کو میت (مردار) کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں جو جانور بغیر ذبح کے مر جائے اس کو میت کہتے ہیں۔ اس کو شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے کیونکہ رگوں میں خون کے رک جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے جسم میں ذہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور اگر اس جانور کو ذبح کر لیا جائے تو اس کے جسم سے سارا طہون برہ جاتا ہے اور خون کے ساتھ ذہریلے اور نقصان دہ اجزاء جسم سے نکل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں طہلح سلیمہ مردار جانور کا گوشت کھانے سے خطر ہوتی ہے سو مردار جانور صحت کے اعتبار سے بھی معزز ہے اور دین کے اعتبار سے بھی کیونکہ اللہ کے نام سے اس کی جان نہیں نلی۔ غذا مردار جانور کو کھانا بلا حلال حرام ہے۔ البتہ انقسام احکام کے نزدیک اس کے ہل اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ کراچی) علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مردار کی ہڈی نجس ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۵۶) اور امام شافعی کے نزدیک مردار کے پر اور ہل بھی نجس ہیں کیونکہ حیوان کی نشوونما سے وہ پڑتے ہیں اور باقی اعضاء کی طرح اس کی موت سے نجس ہو جاتے ہیں اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مردار کے پر اور ہل پاک ہیں۔ کیونکہ امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مردار کی ہڈی میں کوئی حرج نہیں ہے جب اسے رنگ لیا جائے اور اس کے لون اور بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے جب انہیں دھو لیا جائے۔ نیز اس پر موت طاری نہیں ہوتی اس لیے جانور کی موت سے یہ نجس نہیں ہوں گے جیسے اعضا نجس نہیں ہوتے۔ (المغنی ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ بیروت)

مردار جانور حرام ہے لیکن اس کے عموم سے بلا حلال پھل اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔ امام ابن ماجہ متونی ۳۷۷ حدیث روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے وہ مردار حلال کیے گئے ہیں۔ گھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۳ ص ۳۷۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ائمہ ائمہ کے نزدیک تمام قسم کے سمندری جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں کن کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متونی ۷۹۷ حدیث روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں مٹر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے وضو کر لیں تو پانی سے وہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی

سے وضو کر لیا کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مرا ہوا جانور حلال ہے۔

(سنن ترمذی 'رقم الحدیث: ۷۸' سنن ابو داؤد 'رقم الحدیث: ۸۳' سنن نسائی 'رقم الحدیث: ۵۸' سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث: ۳۸۶' مسوط امام مالک 'رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد 'ج ۳' ۷۳۷ 'المستدرک' 'ج ۱' ص ۱۳۰)

خون کے شرعی احکام

اس آیت میں خون کو حرام کیا گیا ہے۔ اس سے مراد بننے والا خون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بننے والے خون کو حرام فرمایا ہے:

قُلْ لَا آحَدٌ فِي مَآ أَوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَبْطِغُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو وہ کھانا ہو 'صرف مردار' بننے والے خون اور خنزیر کے گوشت کو میں حرام پاتا ہوں 'کیونکہ وہ نجس ہے' یا غفرلہ کی وجہ سے جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بعد گوشت میں جو خون علواناً باقی رہ جاتا ہے وہ حرام نہیں ہے اور جو خون جلد ہو جیسے کھچی اور تلی وہ بھی حرام نہیں ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردے حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ پہلے مردے تو وہ پھل لور مذی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کھچی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۳' 'رقم الحدیث: ۳۳۱۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

بننے والے خون کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون نجس ہے اور اس میں جراثیم لور ذہریلے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کو ہضم کرنا مشکل ہے تمام قسم کی بیماریوں کے اجزاء اور جراثیم خون میں ہوتے ہیں۔ اس لیے باہری طور پر بھی خون کو کھانا صحت کے لیے نفع مند ہے۔

خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔ اسی طرح (الانعام: ۱۴۵) میں بھی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حج مکہ کے سال مکہ میں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر (شراب) مردار خنزیر اور بتوں کی بیج کو حرام فرمادیا ہے۔ (صحیح البخاری 'ج ۳' 'رقم الحدیث: ۲۲۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔ سلیمان بن بريدہ اپنے والد جابر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص زرد شیر کے ساتھ کھلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیا۔

(صحیح مسلم 'ج ۳' 'رقم الحدیث: ۲۲۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث میں آپ نے خنزیر کے خون اور گوشت سے نفرت دلائی ہے۔ خنزیر کا خون گوشت اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں۔ قرآن مجید میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا ہے کیونکہ کسی جانور کا ایم مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

خنزیر کے گوشت کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت گندہ اور نجس جانور ہے اور یہ بالعموم گندگی میں رہتا ہے۔ اس کے جسم اور بالوں میں کیڑے ہوتے ہیں۔ اس کا گوشت بہت ٹھیکل اور دیر ہضم ہوتا ہے اور اس میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خون میں کلشروں کی بہت زیادتی ہوتی ہے۔ جس جانور کا گوشت کھلایا جائے اس کے اوصاف کا انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ جانوروں میں خنزیر نہایت بے غیرت جانور ہے۔ اس کی مادہ سے ایک خنزیر جفتی کرتا ہے اور باقی کئی خنزیر اس کے قریب کھڑے اپنی باری کے منتظر رہتے ہیں جبکہ دوسرے جانور اپنی مادہ کے قریب دوسرے زکو آئے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اقوام خنزیر کا گوشت کھاتی ہیں وہ بھی بے غیرت ہوتی ہیں ان میں بہت زیادہ فحاشی اور بد چلتی ہوتی ہے۔ ہر حال اہل مسلمان کے لیے صرف یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمادیا خواہ حرمت کی یہ وجوہ ہوں یا نہ ہوں۔ ہم نے یہ وجوہ صرف اس لیے بیان کی ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے جن تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے اس کی وجوہ نہایت معقول ہیں۔

”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کا معنی اور اس کے شرعی احکام

علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۳۴ھ لکھتے ہیں ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کا معنی ہے جس پر غیر اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور یہ وہ جانور ہے جس کو جانوں کے لیے ذبح کیا جائے۔ احلال کا معنی ہے چاند دیکھتے وقت بلند آواز سے چلانا پھر ہر بلند آواز کو احلال کہا گیا۔ نو ذائقہ بچے کے رونے کو بھی احلال کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۵۳۳ مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ، ایران ۱۳۶۲ھ)

علامہ جون پوری متوفی ۸۳۰ھ لکھتے ہیں: ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کا معنی ہے جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو مثلاً لات، عزلی اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم کے نام پر۔ (تفسیرات مجموعہ ص ۴۴ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ پشاور)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں اس کا معنی ہے جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند آواز سے پکارنا اور احلال کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات اور عزلی اس کا ذبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا (روح المعانی ج ۶ ص ۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ”و آنچه نام غیر خدا بوقت ذبح اویا کردہ شود۔“ عام ازیں کہ ذبح کے وقت صرف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً مسیح کا نام لے کر ذبح کیا جائے یا اللہ کے ساتھ بطریق عطف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً یوں کہ اللہ اور مسیح کے نام سے ذبح کرتا ہوں تو یہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر غیر وقت ذبح میں غیر اللہ کے ساتھ وہ جانور ہمزہ ہو مثلاً قرین کے جانوروں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ محمود کا بکرا ہے یہ اسلم کا بکرا ہے یہ نعیم کی گائے ہے یا کسی نے اپنے والد عبدالرحیم کی طرف سے قرین کرنے کے لیے کوئی بکرا موسوم کیا ہو اور کسی نے حضرت غوث اعظم کو ایصال ثواب کرنے کے لیے بکرا ہمزہ کیا ہو یا کسی نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ثواب کرنے کے لیے کوئی بکرا ہمزہ کیا ہو پھر ان جانوروں کو اپنے وقت میں صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو یہ ذبح جائز ہے اور ان کا گوشت حلال ہے اور ان کا ایصال ثواب کرنا صحیح ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں حاکم یا کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر جانور ذبح کیا گیا تو یہ حرام ہے (اور اس ذبح سے جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو) صرف اس کا خون بہانا مطلوب ہو) کیونکہ یہ ”ما اھل بہ لغیر اللہ“ ہے۔ خواہ اس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اگر مسلمان کے لیے ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت خلیل

علیہ السلام کی سنت ہے اور مسلمان کی مکرم اللہ تعالیٰ کی مکرم ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو اس لیے ذبح کیا تاکہ یہ اس سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لیے ہوگا اور منفعت مسلمان کے لیے یا دعوت کے لیے یا نفع کے لیے ہوگی اور اگر اس نے کھانے کے لیے نہیں ذبح کیا بلکہ اس لیے کہ کسی غیر کے آنے پر محض اس کو ذبح کرے (یعنی صرف خون بہائے) تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہوگی سو یہ حرام ہوگا کیونکہ کافر ہو جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ (۱) نازیہ و شرح و صحابیہ میں کتابوں کہ منیہ کی کتاب البیہد میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب (بہ طور عیلت کیونکہ یہی مکفر ہے۔ شامی) حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ لہذا شرح الوصابیہ میں ذخیرہ سے اسی طرح مقول ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۶-۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن علی بن شامی حنفی رحمہ اللہ اس کی شرح میں وجہ فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ما اہل بہ لغیر اللہ" میں تعظیم اور غیر تعظیم کے لیے ذبح کا فرق یہ ہے کہ اگر دیوار پختہ وقت یا کسی مرض سے شفاء کے حصول کے وقت جانور ذبح کیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس ذبح کا مقصد صدقہ کرنا ہے (حموی) اسی طرح کسی نے سڑے سلامتی کے ساتھ آنے پر قربانی کی نذر مانی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (المحرر الرائق) اب اس پر لازم ہے کہ اس گوشت کو فقط فقرہ پر صدقہ کرے۔ (فتاویٰ الشلی) اور جو شخص کسی کے آنے پر جانور کو ذبح کرے اور پھر اس کو یونہی چھوڑ دے یا اس میں سے کھل یا بعض لے لے اور فرق کا مدار ابتداء ذبح کے وقت ہے۔ اگر اس نے مسلمان کے اکرام اور اس کو گوشت کھانے کے سبب سے جانور کو ذبح کیا ہے تو ذبح حلال ہے اور اگر اس نے کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے محض خون بہانے کے قصد سے جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ حرام ہے اور یہ فرق اس طرح مزید ظاہر ہوگا کہ اگر اس نے حاکم کی خیانت کی اور اس کے آنے پر جانور کو ذبح کیا۔ اگر اس ذبح سے اس کی تعظیم کا قصد کیا تو یہ ذبح حلال نہیں ہے اور اگر اس ذبح سے اس کی مصافحہ اور اس کے اکرام کا قصد کیا تو یہ ذبح حلال ہے۔ خواہ یہ ذبح مسلمان کے علاوہ کسی اور کو کھلا دے۔ جو شخص کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کرنا ہے تو یہ ذبح حرام ہے لیکن یہ کفر نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب علی وجہ العیلت حاصل کرے گا اور تکفیر کا اسی پر مدار ہے اور یہ مسلمان کے حال سے مستبعد ہے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ فعل دنیا داری کے لیے ہے یا اس کے سامنے اعتبار محبت کر کے اس کا مقبول بنا چاہتا ہے لیکن جبکہ اس حاکم کی تعظیم کی وجہ سے ذبح کرنا تھا تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا مکمل خالص اللہ کے لیے نہ تھا اور یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کہے "اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے" اس لیے یہ ذبح حرام ہوگا لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۶-۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

المنسحقۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

منسحقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹنے سے مر جائے عام ازیں کہ کسی نے قصد اس کا گلا گھونٹ دیا یا کسی حلوہ سے اچانک اس کا گلا گھٹ گیا ہو یہ موارد ہے اور شرعا مذبح نہیں ہے اس کو مواد میں شامل نہیں کیا بلکہ الگ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مواد وہ ہے جو بغیر کسی خارجی سبب کے طبی موت سے مر جائے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا ایک خارجی سبب سے مرنا ہے لیکن یہ مذبح نہیں ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کے گلے پر چھری پھیری جائے جس سے اس کی

چاروں رگیں کٹ جائیں اور جسم کا سارا خون بہ جائے۔

الموقودۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس غیر دھار والی بھاری چیز سے کسی جانور پر ضرب یا چوٹ لگائی جائے خواہ دور سے پتھر مارا جائے یا ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر اس سے مارا جائے اس چوٹ کے نتیجہ میں وہ جانور مر جائے تو وہ بھی شرفاء و روح نہیں ہے۔ یہ جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور زمانہ جاہلیت میں اس کو کھلایا جاتا تھا۔

اسلام میں ٹھیک شے کی ضرب یا چوٹ سے جانور کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے اور کسی دھار والی چیز سے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ جانور کو اذیت نہ پہنچے اور آسانی سے اس کی جان نکل جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا "منعقہ" وہ ہے جس کا کلا گھونٹا جائے اور وہ مر جائے۔ "موقودہ" وہ ہے جس کو گھڑی سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے۔ "مترد بہ" وہ ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور "نطیحہ" وہ ہے جس کو دوسری بکری نے بے گناہ مارا ہو اگر اس کی دم یا آنکھ مل رہی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔ (صحیح البخاری ج ۶، کتاب البیہود والذبیح ص ۷۸ باب ۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں حضرت شداد بن اوس جریجو بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو باتیں رسول اللہ ﷺ سے یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو درست طریقہ سے کرو اور جب تم ذبح کرو تو درست طریقہ سے ذبح کرو اور تم میں سے کسی شخص کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے تاکہ ذبیحہ کو آسانی ہو۔ (صحیح مسلم ج ۳، رقم المسند: ۴۵۵۵)

جب چھری تیز ہوگی تو جلدی سے جانور ذبح ہو جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے اور ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور جانور کو گھسیٹ کر ذبح نہ لے جایا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس چیز میں روح ہو اس کو (مقل کے لیے) نشانہ نہ بنو۔ (صحیح مسلم ج ۳، رقم المسند: ۴۵۵۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم جریجو بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض (بغیر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موتا ہو) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جب جانور اس کی دھار سے زخمی ہو تو اس کو کھالو اور جب جانور کو اس کی چوڑائی کی جانب تھم گئے اور وہ مر جائے تو اس کو مت کھالو کیونکہ وہ وقیز (چوٹ سے مراد) ہے۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم المسند: ۵۳۷۶)

موقودہ کی بحث میں بدوق سے کیے ہوئے شکار کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ بحث تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم جلد سولس میں لکھ دی ہے اور (المائدہ: ۳) میں بھی انشاء اللہ اس پر گفتگو کریں گے۔

المترد بہ کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم

جو جانور کسی پہاڑ سے یا کسی بلند جگہ سے غلط سمت سے گر جائے یا کوئی نہیں مرنے سے اس کی موت واقع ہو جائے اس کو مترد بہ کہتے ہیں۔ مردار کی طرح اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ لہذا یہ کہ اس میں کچھ رقی حیات ہو تو اس کو ذبح کر لیا جائے۔

النطیحة کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس جانور کو دوسرے جانور نے بے سگہ مارا ہو، اور وہ اس کے بے سگہ مارنے سے مرگیا، خواہ اس کے بے سگہ مارنے سے وہ زخمی ہو، اور اس کا خون بھی بہا ہو، اس کا حکم بھی مردار کی طرح ہے، اور اس کا کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو، اس کا شرعی حکم

کسی درندے مثلاً شیر، چیتے یا بھیڑیے نے کسی حلال جانور کو چیر پھاڑ کر زخمی کر دیا ہو اور اس کے کل یا بعض حصے کو کھالیا ہو، تو اس کا کھانا بلا حرج جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے جسم یا اس کے ذبح کی جگہ سے خون بہہ رہا ہو۔ زائد جاہلیت میں بعض عرب درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور میں سے بقیہ کو کھالیا کرتے تھے، لیکن طبائع سلیمہ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

”الاماذ کیتتم“ کے مستثنیٰ منہ کا بیان

مردار، خون، حنظل اور ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کے علاوہ باقی جانوروں میں سے جو جانور زندہ مل جائیں اور ان کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے، ان کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا۔ اس مستثنیٰ منہ میں المنحرفہ، الموقودہ، المترد بہ، النطیحة اور جن کو درندہ نے کھالیا ہو، داخل ہیں۔ اور بعض علماء نے ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کو بھی اس میں داخل کر لیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جس جانور کے ذبح کا موقع تمہیں مل جائے، پس طور کہ اس کی دم مل رہی ہو، یا وہ آگ سے دیکھ رہا ہو، اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کر دو، وہ حلال ہے۔

قلادہ نے بیان کیا کہ لعمریہ حنظل کے سوا باقی تمام کو ”الاماذ کیتتم“ کا استثناء لاحق ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہ جانور پلک جھپکا رہا ہے، دم ہلا رہا ہے، یا اس کی ٹانگ مضطرب ہو رہی ہے، تو تم اس کو ذبح کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جب تم موقودہ، مترد بہ، اور ظیمہ کو ہاتھ پیر ہلائے دیکھو تو اس کو (ذبح کر کے) کھاؤ۔

ان اقوال کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ موقودہ، مترد بہ، ظیمہ اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو، وہ تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں، لیکن اگر تم ان میں زندگی کے آثار دیکھو اور ان کے مرنے سے پہلے تمہیں ان کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں، تم ان کو ذبح کر کے کھاؤ۔

بعض علماء اہل مدینہ نے یہ کہا کہ یہ استثناء ان عمرات میں سے نہیں ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ یہ تحریم سے استثناء ہے، یعنی مردار، خون، حنظل، ”وما اھل لغیر اللہ بہ“ اور باقی نہ کورہ جانور تم پر حرام کر دیئے گئے۔ مگر جن حلال جانوروں کو تم شرعی طریقہ سے ذبح کر لو، وہ تم پر حلال ہیں۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ ایک درندہ ایک بھیڑ پر حملہ کرتا ہے اور اس کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ تو اگر اس کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو کیا اس کو کھانا جائز ہے؟ امام مالک نے کہا اگر اس کی ضرب اس کے پیٹ، جگر اور دل تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر اس کے ہاتھ پیر توڑے ہیں، تو پھر اس کو ذبح کر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان سے پوچھا گیا، اگر وہ اس پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے؟ امام مالک نے کہا اس کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا۔ میرے نزدیک اس کا کھانا ہتر نہیں ہے، ان سے پوچھا گیا کہ بھیڑ یا بکری کا پیٹ پھاڑ دے، لیکن اس کی آنتیں باہر نہ نکلیں، امام مالک نے کہا جب اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو میری رائے میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس تقدیر پر یہ استثناء منقطع ہے۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ میری رائے میں ”وما اھل لغیر اللہ بہ“ سے لے کر آخر آیت تک یہ استثناء لاحق ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں موت سے پہلے وہ جانور ذبح کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان جانوروں کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ کی قربانی کہلاتی ہیں اس لیے وہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور گلا گھٹنے سے مر جاتا ہے وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن جس جانور کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے یا جس جانور کا گلا گھونٹا گیا ہو اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا گیا ہو تو وہ حلال ہو گا۔ لہذا جس حلال جانور یا پرندہ کی روح نکلنے سے پہلے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے وہ حلال ہو گا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۹۹-۱۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ بتوں پر ذبح کیا گیا۔

نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں نصب کا لفظ ہے یعنی جو جانور نصب پر ذبح کیا گیا وہ بھی حرام ہے۔ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بتیں نصب کیے گئے تھے اور زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان بتوں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور بیت اللہ کے سامنے جو خون بہتا اس کو ان بتوں پر چھڑکتے تھے اور اس قربانی کو عیلات قرار دیتے تھے اور اس گوشت کے ٹکڑے ان بتوں پر رکھ دیتے تھے اس کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے۔ نصب، نصب کی جمع ہے۔ نصب اس بت کو کہتے ہیں جس کو کسی شے پر نصب کیا جاتا ہے۔ (المفردات، ص ۴۳) نصب بتوں کو نہیں کہتے، نصب غیر معقوش بتوں کو کہتے ہیں اور بت معقوش بت پر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرمادیا اور جو جانور نصب پر ذبح کیے جاتے ہیں ان کا کھانا ان پر حرام کر دیا۔ خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے تاکہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فل کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کلام) فسق ہیں۔ (المائدہ ۲)

ازلام کا معنی

ازلام زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا لکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کی نوک پر لوہے کا وہ پھل نہیں ہوتا جو شکار کو زخمی کرتا ہے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اس سے اپنی قسمت کا محل معلوم کرتے تھے۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ یہ تیر کاہنوں کے پاس ہوتے تھے جن میں سے کسی پر لکھا ہوتا تھا مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھا ہوتا تھا مجھے منع کیا ہے اور کوئی تیر سادہ ہوتا تھا جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا یا شادی کا ارادہ کرتا یا کسی نئے کام کا ارادہ کرتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا اور تیر سے فل نکالتا اگر اس کا تقاضا ہو تاکہ وہ اس کام کو کرے تو وہ کام کرتا اور اگر اس کا تقاضا ہوتا وہ کام نہ کرے تو پھر وہ کام نہ کرتا اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو دوبارہ فل نکالتا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نجومیوں کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت

جس طرح فل کے تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کا محل معلوم کرنا اور امور غیبیہ کو دریافت کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی طرح نجومیوں سے قسمت کا محل معلوم کرنا یا جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ دار ہیں ان سے مستقبل کا محل معلوم کرنا بھی ممنوع اور حرام ہے۔ ہمارے بعض اخبارات اور رسائل میں اس عنوان سے کالم چھپتے ہیں آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ اور انکل بچو سے غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں، نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ طوطا اپنی چونچ سے لغزہ نکالتا

ہے، بعض صوفی ہنسا قسم کے لوگ قرآن سے قل نکلتے ہیں۔ یہ تمام امور باطل، ناجائز اور حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا، یا جن امور پر وحی کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو مطلع فرماتا ہے، اس کے سوا اور کوئی غیب کو نہیں جانتا، لولہ اللہ کو جو اہام ہوتا ہے وہ ایک قطعی امر ہے، قطعی جرح نہیں ہے۔ نہانہ جاہلیت میں کافر اور مشرک کاذبوں کے پاس جاتے تھے اور انہیں مستقبل میں جس کام کے حلق تروہ ہوتا، ان سے معلوم کرتے اور وہ قل کے تیروں سے قل نکال کر اٹکل پک سے ان کو غیب کی باتیں بتاتے۔ اسلام نے اس طریقہ کی ممانعت کر دی، اب جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ داروں، نجومیوں اور طوطے والوں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے اور مستقبل کے حلق معلومات حاصل کرتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، طوائف (رہڑی) کے معوضہ اور کلہن کی مٹھائی دینے سے منع فرمایا۔
(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث ۲۳۳۷، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحديث ۵۱۷۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۳۳۸۱، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث ۲۰۷۸، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث ۲۱۵۹، مسند احمد ج ۶، رقم الحديث ۱۷۰۶۹، سنن دارمی ج ۲، رقم الحديث ۲۵۶۸، شرح السنہ ج ۳، رقم الحديث ۲۰۳۰، المعجم الکبیر ج ۱، رقم الحديث ۵۶، موطا امام مالک، رقم الحديث ۳۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶، ص ۲۳۳، سنن کبریٰ، للمصنفی ج ۶، ص ۱۸)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۴۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کلہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی، یا جس شخص نے حلقہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا، یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل سکوس کیا، تو وہ اس (دین) سے بری ہو گیا، جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۳۴۴۳)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ۲۵۹ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حلقہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا، یا جس نے کسی عورت کے ساتھ عمل سکوس کیا، یا جو شخص کسی کلہن کے پاس گیا، اس نے اس (دین) کے ساتھ کفر کیا، جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث تغلیظ پر محمول ہے۔ (سنن ترمذی ج ۱، رقم الحديث ۳۵۵، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث ۳۳۹۹، سنن کبریٰ، للمصنفی ج ۷، ص ۱۹۸) امام بخاری نے کہا اس حدیث کا کوئی حلیع نہیں ہے۔ اثرم کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے اور اثرم مگر الحدیث ہے۔ (الدرر الخ وکبیر ج ۱، ص ۱۸) امام ابن ہدی نے اس کو حلقہ میں بیان کیا ہے۔ (الکامل فی الفقہ ج ۲، ص ۳۷) تاہم اس حدیث کے شواہد ہیں۔

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ اس کو غیب کا علم ہے اور پھر حلال اور جائز سمجھ کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرے، وہ کافر ہو گیا اور اگر وہ ناجائز اور گناہ سمجھ کر یہ کام کرے، تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے۔ علامہ ابو سلیمان خطابی حنفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

عرب میں کلہن تھے اور وہ متعدد امور کی معرفت کا دعویٰ کرتے تھے، ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ جن آکران کو خبریں دیتے ہیں، اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ مستقبل کے امور کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں، اور بعض عراف کہلاتے تھے جو قرآن اور اسباب سے غلب چیزوں کا پتا چلا لیتے تھے۔ مثلاً انہوں نے کہاں شخص نے چوری کی ہے، اور کہاں شخص نے قاتل عورت

سے بدکاری کی ہے اور بعض نبوی اور ستارہ شناس کو کلین کہتے تھے۔ حدیث میں من تمام لوگوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے اور من کے اقوال اور ان کی خبروں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(معالم السنن ج ۵ ص ۳۷۱-۳۷۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

کسی درپیش مہم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت

ہر مل جو شخص بھی غیب کی خبروں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔ خواہ وہ کلین ہو، نبوی ہو، یا دست شناس ہو، اور جو شخص اس کی خبر کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور جن لوگوں کو مستقبل میں کسی کام کے حلق ترو ہو، مثلاً کسی جگہ رشتہ کرنا ہے، کسی شخص کے ساتھ شراکت میں کوئی کام کرنا ہے، کسی جگہ سفر پر جانا ہے اور لب وہ جانا چاہتا ہے کہ یہ کام اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں، تو اس کے لیے کسی نبوی وغیرہ کے پاس نہ جائے، بلکہ شریعت نے اس کے لیے ہمیں استخارہ کی تعلیم دی ہے، سو وہ اس کے لیے استخارہ کرے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا قصد کرے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے، پھر یہ دعا کرے: اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں اور تو غلام الخیوب ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور آخرت میں میرے لیے خیر ہو تو اس کام کو میرے لیے مقدر کر دے، اور میرے لیے آسان کر دے، پھر اس کام میں میرے لیے برکت ڈال اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے شر ہو تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے، اور مجھے اس کام سے دور کر دے، اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے، جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ۔ آپ نے فرمایا دعائیں اپنے اس کام کا ہم بھی لے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث ۳۳۷۳ سنن ترمذی ج ۲، رقم الحديث ۳۷۹۷ سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث ۳۸۸۳ مسند احمد ج ۵)

رقم الحديث ۳۷۹۷

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ بدر الدین محمد بن احمد غنی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر ایک بار دعا استخارہ کرنے کے بعد آدمی کا دل کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی طرف نہ جھکے تو آیا دوبارہ یہ عمل کرنا مشروع ہے یا نہیں، حتیٰ کہ اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے حلق شرح صدر ہو جائے۔ میں کتابوں کے علاوہ استخارہ اور دعا کو بار بار کرنا مستحب ہے۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! جب تم کسی کام کا قصد کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر یہ خود کرو کہ تمہارا دل کس جانب مائل ہوتا ہے، پس خیر اسی میں ہے۔ امام عقیلی اور امام ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ساقط ہے اور اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے۔ علامہ نووی نے کتاب التذکار میں لکھا ہے کہ صلاة استخارہ کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "قل یا ایہا

الکافروں " پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد "قل هو اللہ احد" پڑھے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اسی طرح لکھا ہے "اور ہمارے شیخ زین الدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے "ملاۃ استکارہ میں کسی سورت کی قرأت کرنا معین نہیں ہے" اور کسی حدیث میں اس تعین کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدة القاری 'ج ۷' ص ۲۲۳ 'مطبوعہ ادارۃ البیاض الخیر' مصر '۱۳۳۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شاہی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ دعا کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھے اور پہلی رکعت میں قرأت کے بعد یہ زیادہ پڑھے (اور بک بخلق ما یشاء ویستأمر) اور اس کو بعضوں تک پڑھے اور دوسری رکعت میں (و ما کان المؤمن ولا مؤمنة الا یہ) پوری آیت پڑھے اور استکارہ کا مکمل سات مرتبہ کرے "جیسا کہ امام ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلہ میں) روایت کیا ہے "اور شرح الشرح میں مذکور ہے کہ مثلاً یہ ہے کہ نماز استکارہ پڑھ کر اور دعا مذکور کرنے کے بعد بلا وضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے "اگر اسے خواب میں کوئی سفید یا سبز چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو یہ کلمہ اس کے لیے شر ہے اور اس کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(رد المحتار 'ج ۱' ص ۳۶۱ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۰۷ھ)

قرآن کی بناء پر مستقبل کے ظنی اور اک حاصل کرنے کا حکم

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں جب تیروں سے قسمت کامل معلوم کرنا فسق ہے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ نبی ﷺ قل (نیک شکون) کو پسند کرتے تھے اور تیروں سے اپنے سزا مستقبل کے کسی کام کے متعلق معلومات حاصل کرنا بھی ایک قسم کی ظن ہے تو پھر تیروں کے ذریعہ قل نکالنے کو کیوں فسق فرمایا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ تیروں سے قل نکالنا یا قسمت کامل معلوم کرنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں غیب کی معرفت کی طلب ہے اور یہ حرام ہے "کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَذِيرُنَّ نَفْسٌ مَّا دَا تَكُوْسِبُ غَدًا

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

(القمان: ۳۳)

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: ۲۵)

آپ کہئے کہ اللہ کے سوا جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے "وہ (بذات) غیب کو نہیں جانتا۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کلہن کے پاس گیا یا جس شخص نے تیروں کے ذریعہ قسمت کو معلوم کیا یا کسی چیز سے جو قل نکال کر سفر سے واپس ہوا "وہ قیامت کے دن جنت کے بلند درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (تفسیر کبیر 'ج ۳' ص ۲۵۷ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت '۱۳۹۸ھ)

اور کوئی معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر علالت متعارفہ کے ذریعہ ظنی علم حاصل کرنا (مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ درجہ حرارت یا بارش کے ہونے یا نہ ہونے کا علم حاصل کرنا) یا جدید سائنسی آلات کے ذریعہ سورج اور چاند کے گمن گھٹنے کا علم حاصل کرنا) معرفت غیب کی طلب ہو "تو پھر خواب کی تعبیر معلوم کرنے کا علم بھی کفر ہونا چاہیے "کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے" اور کسی چیز سے نیک قل نکالنا بھی کفر ہونا چاہیے "کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے" اور جو اصحاب کرامت اور اولیاء اللہ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں "وہ بھی کافر ہونے چاہئیں" اور یہ بداعت معلوم ہے کہ ان امور کا کفر ہونا باطل ہے "کیونکہ یہ تمام امور شریعت

سے ثابت ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز میں بد شگونی نہیں ہے اور سب سے عمدہ چیز قل ہے۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ اقل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے۔ (صحیح البخاری ۵۷۵۵، صحیح مسلم ۱۲۲۳) کسی پسندیدہ قول یا فعل سے برا معنی لینا بد شگونی ہے۔ عرب جب کہیں جلتا چاہتے تو وہ پرندہ یا کسی جانور کو ڈرا کر اڑاتے یا بھاگتے۔ اگر وہ دائیں جانب بھاگتا تو اس کو مبارک جانتے اور سفر پر چلے جلتے اور اگر وہ بائیں جانب جاتا تو اس کو منحوس جانتے اور سفر نہ جلتے یا جو کام کرنا ہوتا نہ کرتے اور قل کا معنی نیک اور اچھی بات ہے جس سے طبیعت میں خوشی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ جب کسی کام کے لیے جلتے تو آپ یہ سن کر خوش ہوتے تھے باراشد (اے ہدایت یافتہ) یا نہ صبح (اے کامیاب)۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۲۲)

عبداللہ بن عمرہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کسی چیز سے بد شگونی نہیں لیتے تھے۔ آپ جب کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے: جب آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی اور جب آپ کسی ہستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۴۲۰، مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، طبع تہذیب) سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں غیب کے جس علم کی طلب سے منع فرمایا ہے اس سے مراد غیب کا جہنی اور قطعی علم ہے اور علامات، آلات اور علم تعبیر اور قل سے مراد غیب کا اوراک حاصل ہوتا ہے وہ محض قن ہے۔ بعض صورتوں میں یہ قن قوی ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ قن ضعیف ہوتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ جو ان کو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ بتوں کے تصرف سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کا یہ عقیدہ فسق تھا اس لیے فرمایا کہ یہ فسق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے" سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔" (المائدہ ۲)

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تکفیر مسلمین پر بحث و نظر

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند عمرات کے کھانے سے منع فرمایا جن کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے اور تیروں سے قسمت کامل دریافت کرنے سے منع فرمایا۔ اور آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں احکام شرعیہ کے عمل پر برائگیختہ فرمایا اور ان کو غلبہ کی بشارت دی تاکہ شریعت پر عمل کرنے کا حزم اور قوی ہو اور ان کی شجاعت اور زیادہ ہو۔ یہ آیت دس جہی الوداع کے سال عرفہ کے دن نازل ہوئی وہ دن جمعہ کا تھا اور اس میں فرمایا کفار تمہارے دین کو باطل کرنے اور تم پر غلبہ پانے سے اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف تمہارے لوٹ جانے سے مایوس ہو چکے ہیں اور شیطان بھی مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں یہ یوم عرفہ تھا اور اس دن جمعہ تھا جب نبی

ﷺ نے میدانِ عرفات پر نظر ڈالی تو آپ کو مسجدین کے سوا کوئی نظر نہیں آیا اور آپ نے کسی مشرک کو نہیں دیکھا تب آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔

(جامع البیان ۶/۲۷۲ ص ۱۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قصوری حنفی ۹۷۰ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر جونیج بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جزیرہ عرب میں اپنی عہدت کیے جانے سے باہوس ہو گیا ہے، لیکن وہ ان (مسلمانوں) کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے گا۔

(صحیح مسلم ج ۳ رقم الحديث: ۲۸۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴-۳۸۵ ج ۳ ص ۱۲۶)

اس آیت اور ان احادیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جزیرہ عرب اور خصوصاً حرمین طہین میں شیطان کی عہدت نہیں ہو سکتی نہ بت پرستی ہوگی اور اس سے یہ واضح ہوا کہ ترکوں کے دور میں حرمین شریفین میں جو اہل سنت کے معمولات تھے۔ مسلمان روضہ انور کی جالیوں کو چوتے تھے اور نبی ﷺ سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے اسی طرح افاضل صحابہ اور اہل بیت کرام کی قبور سے استمداد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں تھی اور نہ شیطان کی عہدت تھی کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا شیطان جزیرہ عرب میں اپنی عہدت کیے جانے سے باہوس ہو چکا ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا ظہور ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے اور اس کو قتل کرنا سباح ہے۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب حنفی ۱۰۶۷ھ نے لکھا ہے:

تم یہ جان چکے ہو کہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوتے اور فرشتوں اور نبیوں کی شفاعت کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا اور ان کا مل لوٹنا سباح ہو گیا ہے۔ (کشف المشبات ص ۹ مطبوعہ مکتبہ سفیہ مدینہ منورہ)

شیخ مذکور کے بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب نے شیخ مذکور کے رد میں مسطور صدور حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس قدر چاہا اپنے حبیب سے مطلع فرمایا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر دے دی اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جزیرہ عرب میں شیطان اپنی عہدت سے باہوس ہو چکا ہے اور شداد کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ جزیرہ عرب میں بت پرستی نہیں ہوگی اور تمہارا مذہب ان حدیثوں کے برخلاف ہے کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بھروسہ اور اس کے گرد و نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بت پرستی ہوتی ہے اور یہاں کے مسلمان بت پرست اور کفار ہیں۔ حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برکت کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ سو یہ تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔ نیز امام احمد امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن احوص جونیج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شیطان ہمیشہ کے لیے اس سے باہوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں اس کی پرستش کی جائے۔ البتہ تمہاری آپس کی لڑائیوں میں اس کی پیروی ہوتی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کبھی مخالف واقع خبر نہیں دیتے اور جن چیزوں (توسل اور طلب شفاعت) کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو ان کے مرتکبین کو بت پرست کہتے ہو ان

تمام امور پر تمام اہل مکہ 'نہن کے عوام' امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے محل چڑھیں اور تمسار انگلیں ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور یہ اعلیٰ تہمتیں لگائی ہیں۔ (المصداق لابن مسعود ۳۶۳، مطبوعہ مکتبہ المصطفیٰ، استنبول)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی ۵۸۵ھ لکھتے ہیں: ہمارے زمانہ میں محمد بن عبد الوہاب کے متبعین نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے۔ یہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن 'نہن کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے مخالف ہوں وہ مشرک ہیں۔ انہوں نے لیل سنت کے قتل اور 'نہن کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔

(رد المحتار، ج ۳، ص ۳۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

شیخ محمد انور شاہ کشمیری حنفی ۵۸۵ھ لکھتے ہیں: محمد بن عبد الوہاب نجدی تو وہ پلید شخص تھا، حکم علم تھا، اور وہ بہت جلد کفر کا حکم لگاتا تھا۔ ملائکہ تکفیر اس شخص کو کہتی تھیں کہ جس کا علم بہت بلند ہو، اور وہ حاضر مدعا ہو، اور کفر کی وجہ اور اس کے اسباب کا جاننے والا ہو۔ (لیخ الباری، ج ۱، ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ المکاشی، القا، ۱۴۰۵ھ)

سید احمد بن زینی دحلان کی شافعی حنفی ۵۸۵ھ لکھتے ہیں: اور شیخ نجدی بہ صراحت کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے، اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا جو اس کی اتباع نہ کرے۔ خود وہ انتہائی پرہیزگار شخص ہی کیوں نہ ہو، وہ ایسے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کر دیتا، اور ان کے مل و مصلح کو لوٹنے کا حکم دیتا، اور جو شخص اس کی اتباع کرتا، اس کو مومن قرار دیتا۔ خود وہ شخص بدترین فاسق ہو۔ (خلاصۃ الکلام فی امر الجہلۃ الحرام، ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتبہ المصطفیٰ، استنبول)

سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں: محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ (یہ ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں مر گیا۔ سعیدی غفرلہ) اور چونکہ یہ خیالات بالکل اور عقائد فاسد رکھتا تھا، اس لیے اس نے لیل سنت والجماعت سے قتل و قتل کیا، ان کو پلہ اپنے خیالات کی تکلیف دینا رہا۔ 'نہن کے اموال کو غنیمت کامل اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرنا رہا، لیل حرمین کو خصوصاً اور اہل جہلہ کو عموماً تکلیف شدہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے لوثی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا، اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ (الحاصل) ان ایک ظالم و باغی و خونخوار شخص تھا۔ (شلب، قتب، ص ۳۲، مطبوعہ کتب خانہ امراۃ، دہلی، مطبعہ سلطنتی، لاہور)

نیز حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

۱۔ محمد بن عبد الوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمان زیادہ مشرک و کافر ہیں، اور ان سے قتل و قتل کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے، چنانچہ وہ اب مدینہ حسن ظن نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔

۲۔ نجدی اور اس کے اتباع کا لب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء عظیم اسلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے، بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (شلب، قتب، ص ۳۳)

۳۔ زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت، حرام و غیرہ لکھتا ہے، اس طرف اس نیت سے سفر کرنا مکتور و ممنوع جانتا ہے۔ بعض ان میں کے سفر زیارت کو مصلوۃ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں، اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو مصلوۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کو نہیں پڑھتے، بلکہ انہوں نے اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ لکھتے ہیں۔ (شلب، قتب، ص ۳۵)

۴۔ شان نبوت و حضرت رسالت علیٰ صاہمہ الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زندہ تبلیغ کی جاتے ہیں، اور اپنی شعلات قلبی و ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق لب ہم پر نہیں، اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذات پاک سے بعد وفات ہے، اور اسی وجہ سے توسل و دعا میں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بندوں کا مقولہ ہے: نقل کثر، کفر نہ باشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاشی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے، ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں، اور ذات فخر عالم پر چڑھ تو یہ بھی نہیں کر سکتے (شلب ثاقب، ص ۷۷)۔

۵۔ وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ ذکر و فکر و ارادت و مشغلت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت و غیرہ اعمال کو فضول و لغو و بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں، اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک و غیرہ کہتے ہیں، اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستحب، بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔ (شلب ثاقب، ص ۵۹)۔

۶۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور انہر اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ وہابیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت و الجماعت کے مخالف ہو گئے، چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شیعہ کے چرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت انکسار دعویٰ ضعیف ہوئے، مگر اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل در آمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (شلب ثاقب، ص ۷۳-۷۴)۔

۷۔ مثلاً علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استواء ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت بصیبت وغیرہ لازم آتا ہے۔ مسئلہ نداء رسول پیغمبر میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔ (الی قولہ) چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بار بار مانا گیا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کو سخت منع کرتے ہیں، اور اہل حرمین پر سخت نفیرن اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں، اور کلمات بشارتہ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگن دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ ہمیشہ نداء و خطاب کیوں نہ ہو، مستحب و مستحسن جانتے ہیں، اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (الی قولہ) وہابیہ نجد یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ نداء بر ملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے، اور یہ بھی ان کے نزدیک سب مخالفت کی ہے، حالانکہ یہ اکابر مقدسین دین متین اس کو ان اقسام استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجب شرک یا باعث ممانعت ہو۔ (شلب ثاقب، ص ۶۵-۶۶)۔

۸۔ وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ و سلام و درود و غیرہ الاہتمام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات و قصیدہ بردہ و قصیدہ ہمزہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و درود مانگنے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں، اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً

یا اشرف المخلوق ما لی من الذی بہ

سواک عند حلول الحادث العمم

”اے افضل مخلوقات! میرا کوئی نہیں جس کی ہلاکتوں بجز تیرے، بروقت نزول حلول“۔ (شلب ثاقب، ص ۶۶)۔

۹۔ وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کو پہنچا دیتے ہیں۔ (شلب ثاقب، ص ۶۷)۔

۱۰۔ وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار و خفائی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی

جانتے ہیں۔ (شباب ماقب ص ۶۷)

۱۱۔ وہابیہ نفس ذکر و عبادت حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح بدعت کہتے ہیں اور علیٰ هذا القیاس ازکار اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (شباب ماقب ص ۶۷)

وہابیہ نے علماء حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے جبکہ وہ غلبہ کر کے حرمین شریفین پر حاکم ہو گئے تھے ہزاروں کو قتل کر کے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں بار بار ان سے مباہلے ہوئے۔ ان سب امور میں ہمارے اکابر ان کے سخت مخالف ہیں۔ (شباب ماقب ص ۶۸-۶۷ مطبوعہ کتب خانہ اعجازیہ دیوبند، ضلع سارنپور)

شیخ خلیل ابیشہوی نے ایک کتاب لکھی ہے "اتصافات لرفع التلبسات" اس میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک محمد بن عبد الوہاب کا وہی حکم ہے جو صاحب الدر المختار نے خوارج کا لکھا ہے۔ اور جو علامہ شامی نے محمد بن عبد الوہاب کے متعلق لکھا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی، شیخ شبیر احمد عثمانی، شیخ حبیب الرحمن اور دیگر اکابر دیوبند نے اس کی تصدیق کی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے ہم سے بھی ناراض ہوتے ہیں، کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے وہ اپنے دل میں محمد بن عبد الوہاب کے خلاف سخت غم و غصہ لے کر آتا ہے۔ (موائد الموائد من میون الاخبار والفوائد ص ۱۳۸)

حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آج تمہارے دین (کی ناکامی) سے یابوس ہو گئے۔ پھر اس کو موکہ فرمایا تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص اور واجب الاطاعت نہیں تھی ورنہ جو شخص اس نص کو چھپانے کا ارادہ کرتا یا اس میں تغیر اور تحریف کا ارادہ کرتا وہ اس دین کی ناکامی سے یابوس ہو جاتا جیسا کہ اس آیت کا مقناض ہے اور صحابہ میں سے کوئی شخص بھی اس نص کو چھپانے پر قادر نہ ہوتا۔ اور جب اس نص کا کہیں کوئی ذکر نہیں آیا کسی حدیث اور کسی اثر میں اس کا بیان نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ شیعہ اور رافضیوں کا یہ پردہ پیچنا باطل ہے کہ حضرت علیؓ کی امامت اور خلافت کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نص صریح تھی اور صحابہ نے اس کو چھپایا۔ کیونکہ اگر اس نص کا تعلق دین کی کامیابی اور اس کے غلبہ سے ہوتا جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے تو پھر اس کے چھپانے سے دین کے مخالف یابوس ہو چکے تھے اور شیعہ صحابہ کو دین کا مخالف اور کافر ہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے

لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا (المائدہ: ۳)

تدریجاً احکام کا نزول دین کے کامل ہونے کے منافی نہیں

یہ آیت حجتہ الوداع کے سال دس ہجری کو عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور اس دن دین کامل ہوا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سے پہلے دس سال تک دین ناقص رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں فرائض اور واجبات اور محرمات اور مکروہات پر مشتمل احکام کا نزول تدریجاً ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا نزول بھی تدریجاً ہوا ہے اور اس آیت میں دین کے کامل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اصول اور فروع، عقائد اور احکام شرعیہ کے متعلق جتنی آیات نازل ہوئی تھیں وہ تمام آیات اللہ تعالیٰ نے نازل کر دی ہیں۔ عقائد کے باب میں تمام آیات نازل کر دی گئیں۔ اسی طرح قیامت تک پیش آنے والے مسائل اور

حوادث کے متعلق تمام احکام کے متعلق آیات نازل کر دی گئیں اور ان کی تشریح زبان رسالت سے کر دی گئی ہے۔ دین اسلام تو ہمیشہ سے کامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آسانی کے لیے اس کا بیان تدریجاً فرمایا، کیونکہ جو لوگ کفر اور برائی میں سرست پھرتے رہے ہوتے تھے، اگر ان کو یک لخت ان تمام احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی طبیعت پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی سہولت کی خاطر اس کا بیان رفتہ رفتہ اور تدریجاً فرمایا اور آج یہ بیان اپنے تمام و کمال کو پہنچ گیا۔

اسلام کا کامل دین ہونا ادیان سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں

اس آیت پر دو سو سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کو کامل دین فرمایا ہے، تو کیا حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء سابقین کا دین کامل نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ادیان سابقہ اپنے اپنے زمانوں کے لحاظ سے کامل تھے۔ ان کے زمانوں میں تہذیب و تمدن کے جو تقاضے تھے اور ان کی رعایت سے جس طرح کے شرعی احکام ہونے چاہئیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی احکام نازل فرمائے، پھر حالات کے بدلنے اور تہذیب و ثقافت کی ترقی سے تقاضے بدلنے لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر بعد کی شریعت میں پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کر دیئے اور نئے احکام کا یہ سلسلہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک جاری رہا، بلکہ آپ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کیے گئے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی حکم منسوخ نہیں ہو گا اور اب جس قدر احکام ہیں، وہ سب محکم ہیں اور ناقابل تنسیخ ہیں، اور قیامت تک یہ تمام احکام بغیر العمل رہیں گے، الا یہ کہ جس حکم کی مدت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادی ہے۔ مثلاً جزیہ کی مدت نزول عیسیٰ علیہ السلام تک ہے، اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس وقت سب مسلمان ہو جائیں گے۔ لہذا کسی سے جزیہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں سے ہر دین کامل تھا، لیکن اس کا کمال اضرائی تھا، وہ دین جس زمانہ اور جس قوم اور جس علاقہ کے لیے تھا، اس کے لحاظ سے وہ دین کامل تھا اور اسلام بھی دین کامل ہے اور اس کا کمال حقیقی ہے، یہ اپنے زمانہ نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے کامل ہے، تمام لوگوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے اب یہی دین ہے اور یہی کمال حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلْعَالَمِينَ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا (سبا: ۲۸۰) اور ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے
روحول بنایا اور آنکھیں آپ کو شجری دینے والے ہیں اور
دارانے والے ہیں۔

تَبَرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْعُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ
لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (المزمل: ۱) وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر کتاب
فیصل نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔
وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينَ فَاسْتَرْسِلْ بِهِ
(آل عمران: ۸۵) جس شخص نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ
اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چودہ وجود سے نسیات دی گئی ہے۔ مجھے
جوامع العلم (ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غصص میرے
لیے طال کر دی گئیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (آل نعمہ) اور مسجد بنادیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف
رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا اور حضرت جابر کی روایت میں ہے ہر نبی کو بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث

کیا جاتا تھا اور مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸۱-۵۸۲، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۹)
قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ کو قیامت تک تمام لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا ہے اور اسکا معنی یہ ہے کہ آپ کی شریعت قیامت تک کیلئے ہے، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ سو واضح ہو گیا کہ باقی ادیان اپنے اپنے زمانوں کے اعتبار سے کال تھے اور اسلام قیامت تک کیلئے کال دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے متعلق فرمایا کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کال کر دیا۔
یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۴۰ھ بیان کرتے ہیں: یہ آیت حجت الوداع کے سال یوم عرفہ کو ہمدوز جمعہ نازل ہوئی اس کے بعد فرائض سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی نہ حلال لحد حرام سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف اکیس روز زندہ رہے۔ ابن جریر سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں، عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی "الیوم اکملت لکم دینکم" الا یہ تو اس یہودی نے کہا اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوئی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے یوم الجمعہ اور یوم عرفہ کو۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید ہے اور عرفہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں انہوں نے اس حدیث پر غور نہیں کیا۔ البتہ ایہ کہا جاسکتا ہے کہ مشہور عیدیں صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں جن کے مخصوص احکام شرعیہ ہیں۔ عید الفطر میں صبح افطار کیا جاتا ہے اس کے بعد دو رکعت نماز عید گاہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اور عید الاضحیٰ میں پہلے نماز اور خطبہ ہے اور اس کے بعد صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے۔ جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اور اس میں قمر کے بدلہ میں نماز اور خطبہ فرض کیا گیا ہے اور عرفہ کے دن غیر حجاج کے لیے روزہ رکھنے میں بڑی فضیلت ہے اور اس سے دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علامہ رافع اسلمانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عید اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور شریعت میں عید کا دن یوم الفطر اور یوم النحر (قربانی کا دن) کے ساتھ مخصوص ہے اور جبکہ شریعت میں یہ دن خوشی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں متنبہ فرمایا ہے یہ کھانے پینے اور ازدواجی عمل کے دن ہیں اور عید کا لفظ ہر اس دن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خوشی حاصل ہو اور اس پر قرآن مجید کی اس آیت میں دلیل ہے:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا
لَأُولِيئَا وَآخِرُهَا وَآيَةً مِنْكَ (المائدہ: ۱۱۳)
عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا اے اللہ! ہمارے رب! آسمان سے ہم پر کھانے کا خوان نازل فرما جو ہمارے انگلیں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی۔

(المفردات، ص ۲۵۲، مطبوعہ المکتبۃ المشرقیہ، ۴، برائون، ۱۳۶۲ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفہ عید ہیں اور جس دن کوئی نعت اور خوشی حاصل ہو وہ بھی عرفہ عید کا دن ہے اور تمام نعتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعت حاصل ہوئی وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفہ عید ہے، شرعاً عید نہیں ہے اس لیے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بارہ ربیع الاول نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے اور بعض اقوال کے مطابق آپ کا یوم وفات بھی یہی ہے۔ تم اس دن نبی ﷺ کی ولادت پر خوشی مناتے ہو۔ اس دن آپ کی وفات پر سوگ کیوں نہیں مناتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں نعت پر خوشی منانے، اس کا اظہار اور بیان کرنے کا تو حکم دیا ہے اور کسی نعت کے چھ جانے پر سوگ منانے سے منع کیا ہے۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ ہم غم اور سوگ کیوں کریں؟ نبی ﷺ جس طرح پہلے زندہ تھے، اب بھی زندہ ہیں۔ پہلے دارالخلیق میں زندہ تھے، اب دارالجزاء اور جنت میں زندہ ہیں، آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیک اعمال پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال پر آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ آپ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، طالبین شفاعت کے لیے شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اور آپ کے مراتب اور درجات میں ہر آن اور ہر لمحہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس میں غم کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ جبکہ آپ نے خود یہ فرمایا ہے میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ (الوفاء باحوال الصطفیٰ ص ۸۰)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں: عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی، ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول کریم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے ایک عید بتادی، اس روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغوں کو عیادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی کوئی اصل صحابہ و تابعین اور اسلاف امت کے نقل میں نہیں ملتی۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۵، مطبوعہ دارالحدیث، کراچی ۱۳۹۷ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۶ھ نے ایک انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں۔ اس سوال کو جس کو حادی اسلام ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے حقیقت میں اسلامی تواریخ نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا، حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔ افسوس اس سوال کو دیوبالی اور دسروں کی شکل دے دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔

(نعت روزہ قتیل، لاہور ۳ جولائی ۱۹۶۶ء)

عام طور پر شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین اور علماء دیوبند یہ تاثر دیتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اصل سنت و جماعت کا طریقہ ہے اور ان کی ایجاد و اختراع ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے اہل اسلام بارہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں، اور ان ایام کو عید مناتے رہے ہیں۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۱۲۹۱ھ لکھتے ہیں:

ہمیشہ سے اہل اسلام رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے سینہ میں محفلیں منعقد کرتے رہے ہیں اور دعوتیں کرتے رہے ہیں، اور اس سینہ کی راتوں میں مختلف قسم کے صدقات کرتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور نیک اعمال زیادہ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس کی برکت سے ان پر فضل عام ظاہر ہوتا ہے۔ میلاد شریف منعقد کرنے سے یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنا نیک مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جس

نے مولود مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بنادیا۔ (الروایب اللہیہ، ج ۸، ص ۷۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)
علامہ قسطلانی نے علامہ محمد بن محمد ابن الجزری متوفی ۸۳۳ھ کی اس عبارت کو ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد بن عبد الہئی زرقلی مالکی متوفی ۱۲۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ میں اس محفل کے انعقاد کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ اس عمل میں بعض دنیا دار لوگوں نے جو منکرات شامل کر لیے ہیں، علامہ ابن الخلیج مالکی نے بدخل میں ان کا رد کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اس مہینہ میں نیکی کے کام زیادہ کرنے چاہئیں اور حد قلت، خیرات اور دیگر عبادات کو بہ کثرت کرنا چاہیے اور یہی مولود منانے کا مستحسن عمل ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ارمل کے پادشاہ ملک مظفر ابو سعید متوفی ۶۳۰ھ نے سب سے پہلے میلاد النبی کی محفل منعقد کی۔ یہ بہت بلور عالم، عاقل، نیک اور صالح پادشاہ تھا، یہ تین سو دینار خرچ کر کے بہت عظیم دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ (شرح الروایب اللہیہ، ج ۸، ص ۷۹، مطبوعہ دار العرفہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ہم نے بہت تفصیل سے میلاد النبی منانے پر بحث کی ہے اور علامہ سیوطی، طاعلی قاری اور دیگر علماء نے کتاب و سنت سے جو میلاد النبی کی اصل شکل ہے اور مستترین کے جوابات دیئے ہیں اور اس پر دلائل فراہم کیے ہیں، ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ بعض شہروں میں میلاد النبی کے جلوس میں بعض لوگ باجے گاتے اور غیر شرعی کام کرتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیشہ اس سے منع کرتے ہیں۔ تاہم اکثر شہروں میں بالکل پاکیزگی کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے۔ میں دو مرتبہ برطانیہ گیا اور میں نے وہاں اس مہینہ میں متعدد جلوسوں میں شرکت کی۔ ان جلوسوں میں نعت خوانی اور ذکر اذکار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوتا اور تمام شرکاء جلوس باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور بعد ازاں جلسہ ہوتا ہے جس میں نئی چیزوں کے فضائل اور مصلحت بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلے دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء عید میلاد النبی منانے اور جلوس نکالنے پر انکار کرتے تھے، لیکن اب تقریباً پندرہ بیس سال کے عرصہ سے دیوبند اور جماعت اسلامی کے مقتدر علماء میلاد النبی منانے کا جلوس نکالنے اور اس میں شرکت کرنے لگے ہیں اور سپاہ صحابہ کے اکابر علماء حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ایام بھی منانے لگے ہیں۔ ان دنوں میں جلوس نکالتے ہیں اور حکومت سے ان ایام میں سرکاری تعطیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ عید میلاد النبی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تحت نشی کا دن منایا جاتا ہے اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جس کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے، اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور غرضی یادگاروں کو چھوڑ کر اصولی اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنادیا۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۴، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی ۱۳۹۷ھ)

لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء دیوبند کی طرف سے نہ صرف ایام صحابہ منائے جاتے ہیں، بلکہ وہ اپنے اکابرین مثلاً شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کے ایام بھی مناتے ہیں اور دیوبند کا صد سالہ جشن بھی منایا گیا۔ ہم پہلے میلاد النبی کے جلوسوں اور جلوسوں میں مقتدر علماء دیوبند کی شرکت کو باحوالہ بیان کریں گے۔ پھر ایام صحابہ اور ایام اکابرین دیوبند کو ان حضرات کا منانا بیان کریں گے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے:

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد

حاصل کر لیا ہے جس کے لیے اس نے ان تحک اور مسلسل تحریک چلائی تھی۔ وہ آج یہاں مسجد نیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتحاد کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں، امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد فضل، وفاق ذریعہ قدرتی وسائل چودھری رحمت الہی اور مسلم لیگ ہٹھ گردپ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔ تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں یہ عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پنج کر ختم ہوا جس میں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ (روزنامہ جسارت، ۹ فروری ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتحاد کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیے۔

جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا، تقریبات کا آغاز ۱۱ توپوں کی سلامی سے ہو گا گورنری صدارت میں جلسہ ہو گا، شہر بھر میں جلوس نکالے جائیں گے، نشتہ پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں میں جلسے ہوں گے۔

(روزنامہ جنگ، کراچی، ۹ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ حریت کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی قوانین کے خلاف کے بعد قومی اتحاد کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہو گا۔ مفتی محمود نے کہا، معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا، عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت، ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

لاہور ۹ فروری (پ پ ا) قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی کے جلوس کی قیادت کریں گے، یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہو گا۔

(روزنامہ مشرق، کراچی، ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء)

جمعیت علماء اسلام کے مولانا محمد اجمل خاں نے مطالبہ کیا ہے کہ خلفاء راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۰ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے سربراہ ضیاء الرحمن فاروقی نے اعلان کیا ہے کہ یکم محرم کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت منایا جائے گا اور جلوس بھی نکالے جائیں گے۔ (نوائے وقت، لاہور، ۲۲ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی نے یکم محرم الحرام کو یوم فاروق اعظم کی سرکاری تعطیل پر کہا ہے کہ آج کا دن عید کا دن ہے۔ (نوائے وقت، ۱۷ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام گزشتہ روز ۲۲ فروری کو پورے ملک میں مولانا حق نواز بھنگوی شہید کا یوم شہادت انتہائی عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ سپاہ صحابہ جنگ کے زیر اہتمام احزاب پارک محلہ حق نواز شہید میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اعظم طارق ایم۔ این۔ اے نے کہا کہ ۲۲ فروری کی نسبت سے حضرت بھنگوی شہید کی شہادت کا دن ہے۔ اور ۲۱ رمضان المبارک کی نسبت کی وجہ سے یہی دن حضرت علی

مرتضیٰ شیر خدہ کی شہادت کا دن ہے۔ (نوائے وقت، لاہور، ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

سپاہ صحابہ کے ہانی مولانا حق نواز بھنگوی کی دوسری برسی کے موقع پر ۲۲ فروری کو پاکستان سمیت دیگر ممالک میں مولانا بھنگوی کی یاد میں سپاہ صحابہ جلسے 'سینٹار اور دیگر تقریبات منعقد کرے گی۔ سپاہ صحابہ کے تمام مراکز و دفاتر میں ایصال ثواب کے لیے صبح نو بجے قرآن خوانی ہوگی۔ مرکزی قریب جھنگ میں مولانا بھنگوی کی مسجد میں قرآن خوانی سے شروع ہوگی اور بعد میں عظیم الشان جلسہ ہوگا جس میں قائدین خطاب کریں گے۔ (وائے وقت لاہور ۲۱ فروری ۱۹۹۳ء)

یوم فاروق اعظم جہنم پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ

خلفائے راشدین کے یوم سرکاری سطح پر نہ منانا قاتل فہم ہے محمد احمد مدنی کا مظاہرین سے خطاب۔

کراچی (پ ر) سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام یوم شہادت فاروق اعظم جہنم جہنم عقیدت و احترام سے منایا گیا اس سلسلے میں جامعہ صدیق اکبر ناگن چورنگی میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈویژنل رہنما علامہ محمد اویس نے حضرت عمر فاروق کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں یوم شہادت حضرت عمر فاروق پر عام تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کے تحت احتجاجی مظاہرہ کیا گیا مظاہرین پلے کارڈ اور بینر اٹھائے ہوئے تھے جن پر یوم خلفائے راشدین کو سرکاری سطح پر منانے اس روز عام تعطیل کرنے اصحاب رسول ﷺ کے خلاف سڑیچر کی جھڑپ اور امیر رہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی پر مشتمل مطالبات درج تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا محمد احمد مدنی نے کہا کہ ملک میں ملکی اور علاقائی سطح کے رہنماؤں کے یوم منائے جاتے ہیں لیکن اسلامی ملک میں خلفائے راشدین کے یوم پر تعطیل نہ کرنا قاتل فہم ہے۔ اس موقع پر ایک قرارداد کے ذریعے مولانا علی شیر حیدری 'مولانا اعظم طارق 'حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ 'مولانا غفور ندیم اور دیگر کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ دریں اثناء سپاہ صحابہ اسٹوڈنٹس کراچی ڈویژن کے جنرل سیکرٹری حافظ سفیان عباسی 'شفیق الرحمن 'ابو محمد 'جی۔ اے قادری اور ایم۔ اے کشمیری نے مظاہرہ میں شرکت پر طلبہ کا شکریہ ادا کیا۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ مئی ۱۹۹۷ء)

عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا مفتی نعیم

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے کہا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تعلیمی، تحقیقی اور اصلاحی خدمات ہمارے لیے مشعل رہا ہیں جسے کوئی بھی عاشق رسول اور محب پاکستانی فراموش نہیں کر سکتا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہزار بزرگوں کے ساتھ لگاؤ اور تعلق اظہر من الشمس ہے۔ اجلاس میں سنی مجلس عمل پاکستان کے زیر اہتمام عشرہ حکیم الامت منانے کا اعلان کرتے ہوئے مفتی محمد نعیم نے کہا کہ کراچی کے تمام اضلاع میں مولانا اشرف علی تھانوی کی یاد میں مختلف پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ جون ۱۹۹۷ء)

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے جامع مسجد صدیق اورنگی ٹاؤن میں عشرہ حضرت حکیم الامت کے سلسلہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مذہب کسی پر بلا تحقیق بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جھوٹ، فریب اور غیبت سے پرہیز کیا جائے۔ اجتماع سے مولانا غلام رسول 'مولانا انور محمود اور مولانا محمد صدیق نے بھی خطاب کیا۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۳ جولائی ۱۹۹۷ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام چیز کھالے) در آنحالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (المائدہ: ۳)

ضرورت کی بنا پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا کھانا مسلمانوں پر عوام حالات میں حرام کر دیا ہے، اس سے ضرورت کے احوال مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بھوک کی شدت سے کسی شخص کی جان نکل رہی ہو اور اس کے پاس کوئی حلال چیز کھانے کے لیے نہ ہو تو وہ رفق حیات پر قرار رکھنے کے لیے حرام چیز کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے اس حرام چیز کھانے کا شوق اور میلان نہ ہو اور وہ بعد اس کی طرف راغب نہ ہو اور جس چیز کو کسی ضرورت کی بناء پر لیا جائے اس کو بہ قدر ضرورت لیا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اتنی مقدار میں حرام چیز کھائی جائے جتنی مقدار میں کھانے سے اس کی جان بچ جائے اور نذرت اندوزی کے لیے اس حد سے تجاوز نہ کرے، لیکن چیزوں کا کھانا ہر چند کہ بندوں پر حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم و کریم ہے اور وہ ضرورت کی وجہ سے اتنی مقدار کھانے کو معاف کر دے گا۔ اسی اصول پر ہمارے فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جان بچانے کے لیے حرام دوا کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مسلمان معالج یہ بتائے کہ اس کے علم اور اس کی دسترس میں اس کے سوا اور کوئی حلال چیز ذریعہ علاج نہیں ہے۔ لہذا جان بچانے کے لیے کسی انسان کو خون دیا جاسکتا ہے اور جن دواؤں میں الکحل ہوتی ہے ان کو بھی علاج کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ قلیل الکحل حرام اور نجس نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ نمکیات سے مخلوط ہو۔ اس کی مکمل اور باحوالہ بحث (البقرہ ۱۷۳) میں گزر چکی ہے اور شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بھی ہم نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہتے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں، اور آنہا ایک تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ سو اس (شکار) سے کھاؤ، جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں اور شکار چھوڑتے وقت اس شکاری جانور پر بسم اللہ پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا مہربان ہے (المائدہ ۱۷۳)۔

زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول معظم! آپ سے آپ کے اصحاب یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے کھانے کے لیے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہتے کہ جن جانوروں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے، ان کو ذبح کرنے کے بعد تم کھا سکتے ہو اور تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے جن جانوروں کو ذبح کر کے شکار کر لیا ہے، ان کو بھی تم کھا سکتے ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے تمہارے لیے طہیات کو حلال کر دیا ہے، طہیات کا معنی ہے وہ چیزیں جن سے طہائع سلیمہ نکلنے لگتی ہیں اور قحط اور متوحش نہ ہوں۔ یہ لمبی کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ طہیات وہ چیزیں ہیں جن کی تحریم میں نص وارد نہ ہو، نہ ان کی حرمت پر اجماع ہو اور نہ قیاس سے ان کی حرمت ثابت ہو۔ پہلے قول کی بناء پر اس سے مراد لذیذ اشیاء ہیں اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حلال اشیاء ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حلال اور لذیذ چیزیں ہیں۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے:

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اجازت دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں انہوں نے کہا، لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب ہے۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کے ہر گھر کو قتل

کردوں اس میں نے کتوں کو قتل کر دیا۔ پھر میں ایک عورت کے پاس پہنچا جس کے پاس کتا بھونک رہا تھا میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا پھر میں نے اس کو بھی قتل کر دیا پھر مسلمانوں نے آکر آپ سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی کوئی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہتے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سے کھالے ہیں اور آنکھ ایک تم انہیں شکار کے طریقہ سکھانے والے ہو۔ الایہ۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۳۵ المستدرک ج ۲ ص ۳۱۱)

شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام

علامہ نووی شافعی متونی ۶۶۷ھ لکھتے ہیں:

شکار کرنا مباح ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کتب سنت اور اجماع سے اس پر بکثرت دلائل ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص کسب معاش کے لیے شکار کرے یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے یا شکار یا اس کی قیمت سے نفع حاصل کرنے کے لیے شکار کرے تو ان تمام صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے۔ البتہ جو شخص بطور لہو و لعب کے شکار کھیلے لیکن اس کا قصد اس شکار کو ذبح کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہو اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور یسٹ اور ابن عبدالحکم نے اس کو جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کی نیت کے بغیر شکار کھیلے تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ زمین میں فساد کرنا ہے اور ایک جاندار کو بے مقصد ضائع کرنا ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ مطبوعہ کراچی)

علامہ دمشقی ابی مالکی متونی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ غنی نے شکار کے حکم کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) زندگی برقرار رکھنے کے لیے یعنی کھانے پینے کے لیے شکار کرنا مباح ہے (۲) اہل و عیال کی تنگی کے وقت یا سول سے بچنے کے لیے شکار کرنا مستحب ہے (۳) اپنے آپ کو بھوک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے شکار کرنا واجب ہے (۴) لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے جبکہ شکار کے بعد جانور کو ذبح کر کے کھا یا جائے۔ (۵) ذبح کرنے اور کھانے کی نیت کے بغیر شکار کرنا حرام ہے۔

علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں بلا ضرورت شخص لہو و لعب کے لیے شکار کرنے میں بہت مفاسد ہیں۔ اس میں گھوڑے کو کتے کے پیچھے بھاگ کر تھکانا ہے اور اگر باز سے شکار کیا جائے تو نظر کو اس کے پیچھے لگا کر تھکانا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کو کسی کھائی یا کنوئیں میں گرادے۔ (الکمل الکمل المصنوع ج ۵ ص ۲۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شکار کی شرائط کا بیان

شمس الائمہ علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

۱۔ جس جانور کے ساتھ شکار کھلیا جائے وہ سدھایا ہوا ہو۔

۲۔ جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے وہ ذخمی کرنے والا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "و ما علمتم من

الحوارح مکلسین تعلمونہن مما علمکم اللہ" اور جن شکاری جانوروں (ذخمی کرنے والے) کو تم نے سدھالیا ہے جن کو خدا کے دیئے ہوئے علم کے مطابق تم شکار کی تعلیم دیتے ہو حوارح (ذخمی کرنے والے) کے متعلق دونوں

ہیں۔ (۱) وہ جانور اپنے دانتوں اور پنجوں سے حقیقتاً زخم ڈالے (۲) وہ شکار کو پکڑ کر لانے والے جانور ہوں کیونکہ جرح کا معنی کسب بھی ہے۔

۳۔ شکاری جانور کو بھیجا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم جہنی سے فرمایا: جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بھیجا اور اس پر بسم اللہ پڑھ لی تو اس کو کھالو اور اگر تمہارے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا شریک ہو گیا تو پھر اس (شکار) کو مت کھاؤ اور جب دو کتوں میں سے ایک کتا بھیجا ہو انہو تو کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتے کو بھیجنا شرط ہے۔ نیز زکاۃ حلت کا جب اس وقت ہوتی ہے جب اس کا حصول کسی آدمی سے ہوا ہو اس لیے شکار کے آلہ کو آدمی کا قائم مقام بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں آدمی کا فعل داخل ہو اور یہ صرف شکاری جانور کو بھیجنے سے ہو سکتا ہے اور کتے کے لیے سدھائے ہونے کی شرط بھی اس میں بھیجنے کے تحقق کے لیے لگائی گئی ہے۔

۴۔ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو بھیجے۔

۵۔ اس کے بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دو سرا جانور شریک نہ ہو۔

۶۔ جس جانور کا شکار کیا جائے وہ فی نفسہ حلال ہو۔

شکار کرنے والے جانوروں کا بیان

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

سدھائے ہوئے کتے، چیتے، تمام زخمی کرنے والے اور سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام سدھائے ہوئے اور پھاڑنے والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے شکار کرنا جائز ہے۔ اور سدھائے ہوئے جانور کے سوا کسی اور جانور سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو ذبح کر لیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”و ما علمتم من الحیوان مکلین“ تم نے جو (شکار کا) کسب معاش کرنے والے جانور سدھائے ہیں اور آنحالیکہ وہ شکار پر مسلط ہونے والے ہیں یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام شکار کرنے والے جانوروں کو شامل ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم جہنی کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ہر چند کہ حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں کلب کا ذکر ہے۔ لیکن لغت کے اعتبار سے ہر درندے پر کلب کا اطلاق ہوتا ہے حتیٰ کہ شیر پر بھی کلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ان جانوروں سے شیر اور ریچھ کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ یہ جانور دو سروں کے لیے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمت کی وجہ سے اور ریچھ اپنی خستگی کی وجہ سے۔ بعض علماء نے چیل کا بھی اس کی خستگی کی وجہ سے استثناء کیا ہے۔ لیکن یہ بھی ان جانوروں سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے اس لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر ان شکاری جانوروں کو تعلیم دینا اور سدھانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح (و ما علمتم) میں تعلیم کی شرط کا ذکر ہے اور حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں بھی تعلیم کی شرط کا ذکر ہے۔ اور جانور کو چھوڑنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی تعلیم کا معیار ہے کہ جب جانور کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو پکڑ کر رکھے۔

(حدایہ اخیرین، ص ۵۰۲، مطبوعہ شرکت مطبعہ لبنان)

شکاری کتے کے معلم (سدھائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط

شمس الانسہ سرفی نے کلب معلم (سدھائے ہوئے کتے) کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ اپنے مالک کے پیچھے حملہ کرنے کے لیے نہ دوڑے۔

۲۔ مارے نہ کھائے بلکہ شکاری دوسرے کتے کو شکار کھانے پر مارے تاکہ اس سے وہ کتا سیکھ لے کہ شکار کو نہیں کھانا

چاہیے۔

جس شکار یا ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

اورائمہ خلافت کے دلائل کے جوابات

علامہ ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) امام مالک اور حسن بن صالح نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمان (شکار یا ذبیحہ پر) بسم اللہ ترک کر دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اگر نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر اس کو کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ کو کھایا جائے گا۔ امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب، ابن شلب اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو نسیاناً ترک کر دیا جائے اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا مسلمان کے دل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ جس طرح مشرک کا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا سود مند نہیں ہے اسی طرح مسلمان کا بھولے سے نام نہ لینا مضر نہیں ہے۔ ابن سیرین نے کہا اگر مسلمان نسیاناً بھی بسم اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ابراہیم نے کہا ایسے ذبیحہ کو نہ کھانا مستحب ہے۔

علامہ ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا نَسَاكُمْ بِذُنُوبِكُمْ الْوَعْدُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ أَسْفُودٍ (اسعاف ۶۶-۶۷)

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس (شکار یا ذبیحہ) پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کا کھانا حرام ہے۔ خواہ اللہ کا نام صرف اترک کیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن دلائل سے یہ ثابت ہے کہ یہاں نسیان مراد نہیں ہے۔ البتہ اس شخص کا قول اس آیت کے خلاف ہے جس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو ترک کر دیا گیا اس کا کھانا بھی جائز ہے اور اس شخص کا یہ قول بکثرت آثار اور احادیث کے بھی خلاف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں مشرکین کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مشرکوں نے کہا جس جانور کو تمہارے رب نے قتل کیا اور وہ مر گیا تو تم اس کو نہیں کھاتے اور جس جانور کو تم نے قتل کیا یعنی ذبح کیا اس کو تم کھا لیتے ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی مردار پر اور جب اس آیت میں مردار اور مشرکین کا ذبیحہ مراد ہے تو اس میں مسلمانوں کا ذبیحہ داخل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب کسی آیت کا مورد نزول خاص ہو اور اس کے الفاظ عام ہوں تو پھر خصوصیت مورد اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے اور خصوصیت مورد لحاظ نہیں ہے اور اگر یہاں مشرکین کے ذبح مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ صریحاً فرماتا اور صرف بسم اللہ کے ترک کرنے پر اقتصار نہ فرماتا اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مشرکین اگر اپنے ذبیحوں پر بسم اللہ پڑھ بھی لیں تب بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہو گا۔

اس آیت میں مشرکین کے ذبح مراد نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ مشرکوں کا ذبیحہ کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ خواہ وہ

بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں مشرکوں کے ذبیحوں کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ وہ ہے ”وما ذبح علی النصب“ اور جس جانور کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکوں کا ذبیحہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ان الشیاطین لبوحول الی اولیائہم لیجادلوکم (الانعام: ۱۳۱) بلاشبہ شیطان تم سے جھگڑا کرنے کے لیے اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسرے ڈالتے رہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ دوسرے ڈالتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو کھاؤ۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ“ (الانعام: ۱۳۱) جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ بتایا ہے کہ مشرکوں کا جھگڑا بسم اللہ کے ترک کرنے میں تھا اور یہ آیت بسم اللہ کو واجب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکوں کے ذبیحوں کے متعلق نازل ہوئی ہے نہ کہ مردار کے بارے میں۔ نیز بسم اللہ کو عہد اترک کرنے سے ذبیحہ یا شکار کے حرام ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ
الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْنَاهُ مِنَ الْحَوَائِجِ مَكْلَبٍ
تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا
أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
(المائدہ: ۴)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور تم نے جو شکاری جانور سدھالے ہیں در آنحایک تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو سو وہ (شکاری جانور) جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ اور (شکار پر چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا امر کیا گیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور یہ بدایت معلوم ہے کہ کھانا کھانے والے پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کی تائید حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اپنا سدھالیا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھ لو تو اس کو کھالیا کرو۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کا کھانا ممنوع ہو جس پر اللہ کا نام نہیں یاد کیا اور اس آیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بسم اللہ کو ترک کرنا ممنوع ہو اور اس ممانعت کی یہ تاکید آیت کے اس جزو سے ہوتی ہے و اما لفسق جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا گنہا ہے یا بسم اللہ کو ترک کرنا گنہا ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بسم اللہ کو عہد اترک کرنا گنہا ہے۔ کیونکہ بھول کر کوئی کام کرنا یا نہ کرنا گنہا نہیں ہوتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! در ساتی لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں۔ اور وہ نئے نئے کھرے نکلتے ہیں۔ ہم کو پتا نہیں کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ اگر بسم اللہ کو پڑھنا نسیج کی شرط نہ ہو تا تو آپ یہ فرماتے کہ اگر انہوں نے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو پھر کیا ہوا لیکن آپ نے فرمایا تم اس کو بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے افعال کو جواز اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے اور بغیر کسی دلیل کے مسلمانوں کے امور اور افعال کو فسور پر محمول نہیں کیا جاتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہ مراد ہو کہ بسم اللہ کو نہ پڑھنا گنہا ہے تو جو شخص ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھے وہ گنہگار ہوگا

حلال تک اس پر اجماع ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آیت میں مشرکین کے ذبحے یا مردار مراد ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ اجماع تسلیم نہیں ہے اور جو شخص ذبیحہ پر محمد اسم اللہ کو ترک کرے گا وہ بہر حال گناہ گار ہوگا۔

بالی رہا یہ کہ جو مسلمان بھول کر بسم اللہ ترک کر دے اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور اس کو گناہ فرمایا ہے۔ اور یہ گناہ اسی وقت ہوتا جب وہ محمد اسم اللہ کی خلاف ورزی کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز انسان کی قدرت اور استطاعت میں نہیں ہے کہ وہ بھول کر بھی کوئی غلط کام نہ کرے اور انسان اپنی قدرت کے مطابق ہی مکلف ہوتا ہے۔ اور امام اوزاعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا نسیان اور جبر سے درگزر فرمایا ہے اور جب وہ نسیان کی حالت میں بسم اللہ پڑھنے کا مکلف نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔ حالت نسیان میں بسم اللہ ترک کرنے کو حالت نسیان میں شرائط نماز (مثلاً تکبیر اور وضو وغیرہ) ترک کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب انسان کو یاد آجائے کہ اس نے بغیر وضو کے نماز پڑھی ہے تو اس پر اس کا تدارک فرض ہے۔ ہاں طور کہ وہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے اور جب اس نے بھول کر بسم اللہ پڑھے بغیر جانور کو ذبح کر دیا تو اب اس کا تدارک نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا ذبیحہ درست قرار پائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بھولے سے روزہ میں کچھ کھا یا پی لیا تو اس کا روزہ صحیح اور برقرار رہے گا۔ کیونکہ وہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنے قصد اور ارادے سے روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب کرے اور حالت نسیان میں بھی کھانے پینے سے اجتناب کرنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے اسی طرح حالت نسیان میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۵۰۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

غلیل، کمان اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم

جن آلات سے شکار کیا جاتا ہے ان تمام آلات کے لیے قلمدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر جانور اس آلہ کی ضرب سے دب کر یا چوٹ کھا کر مر گیا یا گلا گھٹنے سے مر گیا تو وہ حرام ہو گیا اور اگر جانور اس آلہ سے کٹ کر یا چھد کر مرا اس کے زخم آیا اور خون بہا تو پھر وہ جانور حلال ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا آلہ پھینکنا جس سے جانور کا جسم کٹے اور خون بے 'ذکاۃ اضطراری' ہے۔ اختیاری ذکاۃ یہ ہے کہ جانور کو پکڑ کر بسم اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے گلے پر اس طرح چھری پھیریں کہ اس کی چاروں رگیں کٹ جائیں اور جب جانور دور بیٹھا ہو یا بھاگ رہا ہو یا اڑ رہا ہو اور اس کو پکڑ کر معروف طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو بسم اللہ پڑھ کر اس پر تیرا کوئی اور آلہ جارح پھینک دیا جائے جس سے زخمی ہو کر وہ جانور مر جائے تو وہ حلال ہو گا اور یہ ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور اگر اس جانور پر لاشی 'پھریا کسی اور دزدنی چیز کی ضرب لگائی جائے جس سے وہ دب کر مر جائے یا اس کے گلے میں کوئی پھندا ڈالا جائے جس سے وہ گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر یہ جانور حرام ہے۔ یہ قلمدہ کلیہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخَيْْرِ لِمَا أَهْلَ لَحْيِهِمُ اللَّوْبَةُ وَالْمُسْخِيفَةُ وَ
الْمَوْفُودَةُ وَالْمُنْرَذِيَّةُ وَالنَّطِيطِيَّةُ وَمَا أَكَلَ
السُّعُومُ إِلَّا مَا دَكَّبْتُمْ (المائدہ: ۳)

تم پر یہ حرام کیے گئے ہیں۔ مردار، خون، خسریر کا
گوشت، جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جس کا گلا گھونٹا گیا ہو،
جو کسی ضرب سے دب کر مرا ہو، اوپر سے گرا ہو، سینک مارا
ہو اور جس کو درندہ نے کھا یا ہو، البتہ ان میں سے جس کو

تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا وہ حلال ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ موفودہ (جو کسی چیز کی ضرب سے دب کر اور چوٹ کھا کر مرا ہو) اور مسخفہ

زخم کرنا ضروری ہے تاکہ ذکاۃ اضطراری متحقق ہو اور ذکاۃ اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ شکاری کے آلہ استعمال کرنے کی وجہ سے شکار کے بدن کے کسی حصہ میں بھی زخم آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وما علمتم من الجوارح“ اور تم نے زخمی کرنے والے شکاری جانور سدھائے ہیں۔ اس آیت میں شکار کو زخمی کرنے کی شرط کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جوارح جرح سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ”زخمی کرنے والے“ (بدایہ الخیرین ص ۵۰۳) اور جو جانور ظلیل یا کلن کی گولی سے مرا ہو اس کو بھی کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ گولی شکار کے جسم کو کوئی ہے اور توڑتی ہے اور اس کو زخمی نہیں کرتی۔ سو یہ معراض کی طرح ہے جو شکار کے آر پار نہ ہو۔ اسی طرح اگر پتھر سے شکار کو مار ڈالا تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر پتھر بھڑکی اور دھار والا ہو تو اس سے مرنے والے جانور کو کھانا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ جانور کو زخمی کر دے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ جانور اس پتھر کے ثقل کی وجہ سے مرا ہو اور اگر وہ پتھر خفیف ہو اور اس میں دھار ہو اور جانور زخمی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب یہ متعین ہو گیا کہ جانور کی موت زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور اگر پتھر خفیف ہو اور وہ اس کو تیر کی طرح لبا کرے اور اس میں دھار ہو تو اس سے کیا ہوا شکار حلال ہے کیونکہ اس پتھر سے جانور زخمی ہو کر مرے گا۔ اگر شکاری نے دھار والی سنگ مرمر کو پھینکا اور اس نے جانور کو کھانا نہیں تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اب جانور اس کے کوٹنے سے مرا ہے۔ اسی طرح اگر اس پتھر کے پھینکنے سے اس کا سر الگ ہو گیا یا اس کی گردن کی رگیں الگ ہو گئیں تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح پتھر کی دھار سے رگیں نکلتی ہیں اسی طرح پتھر کے ثقل سے بھی رگیں کٹ جاتی ہیں۔ اس لیے اب شک واقع ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رگوں کے کٹنے سے پہلے وہ جانور مر گیا ہو اور اگر جانور کو لاشی یا لکڑی سے مار ڈالا تو وہ حلال نہیں ہے کیونکہ وہ لاشی یا لکڑی کے ثقل سے مرا ہے۔ پس اگر اس لکڑی یا لاشی کی دھار ہو اور اس سے جانور کٹ جائے تو اب اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ لاشی تھوڑا اور تیزے کے حکم میں ہے اور ان تمام مسائل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو جائے کہ شکار کی موت زخم کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حلال ہے اور جب یہ یقین ہو کہ موت ثقل کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حرام ہے اور جب یہ شک ہو اور یہ پتا نہ چلے کہ موت زخم سے ہوئی ہے یا ثقل سے تو پھر شکار کا حرام ہونا احتیاطاً ہے۔

(بدایہ الخیرین ص ۵۱۲-۵۱۱ مطبوعہ شرکت مطبعہ لبنان)

بندوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے دنیا بھر دی بندوق سے متعارف نہیں ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف میں لکھا ہے دستی بندوق کا استعمال یورپ میں ۱۳۶۵ء میں شروع ہوا تھا اور سلطان مملک میں اس کی ابتداء سلطان قانسیلی کے عہد میں ۵۸۹۵ھ / ۱۱۹۰ء میں ہوئی۔ (اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۳ ص ۸۸ مطبوعہ لاہور)

بہر حال اوسویں صدی تک بندوق کا استعمال عام نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارہویں صدی سے پہلے علماء نے بندوق سے کیے ہوئے شکار کے حکم پر بحث نہیں کی۔ بارہویں صدی میں علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی اور یہ بحث ہنوز جاری ہے۔ بعض علماء بندوق سے کیے ہوئے شکار کو اس بناء پر ناجائز کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار ٹوٹتا ہے کھتا نہیں اور جانور اس کے ثقل سے مرنے لے اس لیے یہ موقوفہ ہے اور حرام ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار زخمی ہوتا ہے اس کا خون بہتا ہے اور بعض اوقات گولی شکار کے آر پار ہو جاتی ہے اور ذکاۃ اضطراری کا دار زخم لگنے اور خون بہنے پر ہے اور وہ بندوق کے شکار سے حاصل ہو جاتا ہے اس لیے بندوق سے کیا ہوا شکار جائز ہے۔ ہم پہلے ماہرین کے دلائل پیش کریں گے۔ اس کے بعد مجوزین کے دلائل پیش کریں گے اور ”خرمیں اپنی رائے کا

ذکر کریں گے۔ فسقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

بندوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل

علامہ ابن عابدین شافعی متوفی ۲۴۵ھ لکھتے ہیں:

یہ بات واضح ہے کہ بندوق کی گولی پر شر سے نکلنے کی بنا پر جلاتی ہے اور اس کے بوجھ کی وجہ سے زخم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دھار نہیں ہوتی اس بنا پر بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(رد المحتار، ج ۵ ص ۳۱۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول ۱۳۲۷ھ)

مولانا امجد علی لکھتے ہیں بندوق کا شکار مرجائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا آگ جارد نہیں بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے۔ (بہار شریعت، ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں بندوق کا شکار اگر ذبح کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ کھانا اس کا حلال نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ۲ ص ۹۵۵، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

بندوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل

علامہ ابو البرکات احمد بن درودیر مالکی لکھتے ہیں:

بندوق کی گولی سے کیے ہوئے شکار کو کھایا جائے گا کیونکہ وہ ہتھیاروں سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ بعض فتناء نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے اس پر اٹھکوا کیا ہے۔ (شرح الصغیر علی اقرب المسائل، مطبوعہ دارالعارف، مصر ۱۹۳۷ء)

علامہ صلاوی مالکی متوفی ۸۲۳ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے شکار کے متعلق حقد میں کی تصانیف میں کوئی تصریح نہیں ہے کیونکہ بارودی بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے غلیل کی (مٹی کی خشک گولی پر قیوس کر کے اس کو ناجائز کہا ہے اور بعض علماء نے جائز کہا۔ چنانچہ ابو عبد اللہ القزوی، ابن عازمی اور سید عبد الرحمن فاسی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ بندوق کے ذریعے خون بہایا جاتا ہے اور بہت سرعت کے ساتھ شکار کا کھم تمام کر دیا جاتا ہے جس کے سبب سے ذکاۃ مشروع کیا گیا ہے۔ (ماہیہ الصلاوی علی الشرح الصغیر، مطبوعہ مصر)

بندوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر

قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء احناف کے قواعد کی روشنی میں مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ قرآن مجید نے شکار کی حلت کا ارشاد فرمایا ہے کہ شکار کو زخمی کرنا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الْفَلَّيْنِ وَمَا عَمِلْتُمُنَّ مِنْ
الْحَيَاةِ مُكَلِّبِينَ (المائدہ ۳۰)

اور جو تم نے زخمی کرنے والے جانور سدھالے ہیں۔

انجوارح جاردہ کی جمع ہے اور جاردہ زخمی کرنے والے جانور کو کہتے ہیں اور شکاری جانور کا کیا ہوا شکار اسی وقت حلال ہوتا ہے جب وہ شکار کو زخمی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جوارح کے کیے ہوئے شکار کو کھانے کا حکم دیا ہے اور جب مشتق پر حکم لگایا جائے تو مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے اس لیے شکار کے حلال ہونے کی علت اس کو زخمی کرنا ہے اور بندوق کی گولی یا اس کے چھروں سے بھی چونکہ شکار زخمی ہوتا ہے اس لیے آیت کی تصریح کے مطابق بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور یہ موقوف نہیں ہے کیونکہ موقوف وہ ہوتا ہے جو چوٹ سے مرے اس کو زخم آئے اور نہ اس سے خون نکلے۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں بھی بدوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ امام مسلم، حضرت عدی بن حاتم، جہنم سے روایت کرتے ہیں "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ادا رمیت بالمعراض فحزق فکله و ادا
 اصابه بعرضه فلا تاکله
 جب تم شکار پر معراض پھینکو اور معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو اس کو کھاؤ اور اگر شکار معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

اور بدوق کی گولی اور چھرے بھی شکار میں نفوذ کر جاتے ہیں اس لیے بدوق سے مارا ہوا شکار جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لفظ محض ("ر" کے ساتھ) ہے تو اس کا معنی ہے جانور میں سوراخ کرنا۔

(فتح الباری، ج ۹، ص ۶۰۰، طبع لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "ز" کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے نفوذ کرنا اور بدوق کی گولی شکار میں نفوذ کر جاتی ہے اور اگر یہ لفظ (ر) کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے سوراخ کرنا اور پھاڑنا اور بدوق کی گولی شکار کو پھاڑ دیتی ہے اور اس میں سوراخ کر دیتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مطابق ہر نقدیر پر بدوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جس آگ سے بھی جانور کا خون بہہ جائے وہ جائز ہے اور ذبیحہ اور شکار حلال ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج جہنم بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا جلدی کرنا۔ یا فرمایا اس کو جلدی فتح کرنا (تاکہ وہ طبیعتاً نہ مرجائے) جس چیز کا خون بہلا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھاؤ مگر دانت اور ہڈی نہ ہوں۔ دانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن حبشوں کی چھری ہے۔ (اس فروعہ میں) ہم کو بل غنیمت میں بکریاں اور اونٹ ملے۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگ لکھا ایک شخص نے اس کو تیر مارا (اللہ نے) اس اونٹ کو روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں میں سے بعض اونٹ وحشی جانوروں کی طرح ہیں جب ان میں سے کوئی تم پر غالب آجائے تو اسی طرح کیا کرو۔

(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج جہنم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانت اور ناخن کے سوا جو چیز بھی خون بہا دے اس (کے مارے ہوئے) کو کھاؤ۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، مطبوعہ کراچی)

بدوق کی گولی ناخن اور ہڈی نہیں ہے اور جانور کا خون بہا دیتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مطابق اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ بدوق سے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ہے جب جانور "معراض" کی دھار سے مرے تو اس کو کھاؤ اور جب وہ معراض کے عرض سے مرے تو وہ وقیعہ ہے اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۳۵، مطبوعہ کراچی)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بدوق کی گولی اور چھروں میں چونکہ دھار نہیں ہوتی اس لیے بدوق سے مارا ہوا جانور وقیعہ ہے

اور حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفہ کی یہ تفسیر نقل کی ہے موقوفہ وہ جانور ہے جس کو گٹھڑیوں کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۳۳، مطبوعہ کراچی) اور جو جانور معراض کے مرض سے مارا جائے وہ وقیفہ ہے۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کیونکہ اس صورت میں وہ معراض بھاری ٹکڑی پتھر اور بھاری چیز کے حکم میں ہے۔

(فتح الباری، ج ۹، ص ۶۰۰، مطبوعہ لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ وہ جانور ہے جس کو کسی بھاری اور دھنی چیز کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے اور بدوق کی گولی یا چھرے بھاری اور دھنی نہیں ہوتے اس لیے ان سے مارا ہوا جانور موقوفہ نہیں۔ بدوق کی گولی نوکدار ہوتی ہے اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ بدوق کے چھروں میں نوک نہیں ہوتی لیکن چونکہ وہ گوشت کو پھاڑتے ہیں اور خون بہاتے ہیں اس لیے وہ دھار والی چیز کے حکم میں ہیں۔ اس لیے بدوق کی گولی یا چھروں سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی جائز اور حلال کہتے ہیں۔ جبکہ غلیل کی گولی سے جانور کے زخم آتا ہے نہ خون بہتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کے وقیفہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کی حرمت حلق علیہ نہیں ہے تو بدوق کی گولی یا چھروں سے مارے ہوئے شکار کو حرام کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

امام عبد الرزاق بن ہمام حنفی رحمہ روایت کرتے ہیں:

ابن مسیب کہتے ہیں کہ جس وحشی جانور کو تم نے پتھر، غلیل کی گولی یا پتھر سے مارا اس کو کھاؤ۔

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے کہا جب تم پتھر یا غلیل کی گولی مارو اور بم اللہ پڑھ لو تو پھر کھاؤ۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے غلیل کے ساتھ ایک پرندہ یا شکار مارا پھر میں نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس کے حلق سوال کیا انہوں نے مجھ سے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

ابن طلحہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معراض کے شکار کے حلق یہ کیا۔

جب معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر تم نے ایسا تیر مارا جس میں لوبا یا

دھار نہیں تھا اور شکار گر گیا تو اس کو کھاؤ۔ (مصنف عبد الرزاق، ج ۳، ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، مطبوعہ بیروت)

ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی اور بغیر لوبہ کے حیر سے مارے ہوئے شکار کو

حلال اور جائز کہتے تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی اور بغیر دھار کے تیر سے مارے ہوئے شکار کی حرمت بھی

قطعی یعنی اور اتالیقی نہیں ہے۔ اور بدوق کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی اگرچہ بعض متاخرین فقہاء نے موقوفہ قرار دے

کر حرام کہا ہے لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ حقیق یہ ہے کہ بدوق کی گولی سے مارا ہوا شکار قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی

روشنی میں حلال اور طیب ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے بدوق سے مارے ہوئے شکار کا حکم واضح کرنے کے بعد اب ہم فقہاء احناف کے اصول اور

توالید کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں:

شمس المآثر محمد بن احمد سرخسی حنفی حنفی رحمہ لکھتے ہیں:

ذکاة (ذبح) کا معنی ہے قاصد اور نجس خون کو بہلا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری یہ ہے کہ قدرت اور اختیار کے وقت حیوان کے گلے پر چھری پھیرنا اور جب گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو جانور کے جسم کے کسی حصہ پر بھی ذبح یا زخم اضطراری ہے کیونکہ انسان اپنی قدرت کے اعتبار سے ممکن ہوتا ہے۔ سو جس صورت میں وہ حیوان کے گلے پر چھری پھیر سکتا ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیرے بغیر ذکاة حاصل نہیں ہوگی اور جس اس پر قدرت نہ ہو وہاں جانور کے جسم میں کہیں پر بھی ذبح یا زخم اس ذکاة کے قائم مقام ہے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ بیروت)

لاشعی اور پتھر سے مارے ہوئے شکار کو اسی لیے مجازاً کہا گیا ہے کہ علاؤ لاشعی اور پتھر سے اس وقت مارا جاتا ہے جب جانور قریب ہو۔ اور جب جانور قریب ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہی ذبح اختیاری ہے 'اضطراری نہیں ہے اور جب جانور دور ہو اور اس کو پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا قدرت میں نہ ہو مثلاً کسی درخت پر بیٹھا ہو یا اڑ رہا ہو یا بھاگ رہا ہو اور بندوق سے قتل کر کے ان جانوروں کو شکار کر لیا جائے اور گولی یا چھری لگنے سے وہ جانور زخمی ہو جائیں اور ان کے جسم سے خون بہہ جائے تو ان کا زخمی ہونا اور خون بہنا ذکاة اضطراری ہے۔ اور فقہاء کے اس بیان کو قاعدہ کے مطابق حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

نیز علامہ سرخسی خلی متونی ۸۳ ص ۱۰۰ لکھتے ہیں:

ایم ایہم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب معراض شکار کو پھاڑ دے تو کھال اور جب نہ پھاڑے تو نہ کھال۔ معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کا پیکان نہ ہو لایہ کہ اس کا سرد حار والا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بغیر کاتیر ہے۔ بسا اوقات تیر عرض کی جانب سے لگتا ہے اور شکار کو پھاڑتا نہیں تو زدنیتا ہے۔ اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر شکار تیر کی دھار سے مرے اور زخمی ہو تو کھال اور اگر حیر کے عرض سے مرے تو مت کھال اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ طلت کا دار نجس خون کے بہنے پر ہے اور یہ اسی وقت ہو گا جب معراض شکار کو پھاڑ دے اور اگر شکار کو پھاڑے بغیر تو زدنیتا ہے تو خون نہ بے لگ (مثلاً اس ضرب سے بڑی یا ٹانگ ٹوٹ جائے) اور یہ حکم موقوفہ ہے اور یہ نفس قتل سے حرام ہے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ بیروت)

علامہ سرخسی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ وہ جانور ہے جو کسی بھاری اور دزنی چیز سے ٹوٹ جائے (یعنی اس کی بڑی ٹوٹ جائے) اس کے جسم میں ذبح آئے اور نہ خون بے لور اگر کوئی تکہ جانور کے جسم کو پھاڑ دے اور اس کا خون بہائے تو یہ حلال ہے اور بندوق سے مارا ہوا شکار ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں ذبح آئے نہ خون بے۔ اس لیے وہ موقوفہ نہیں ہے بلکہ بندوق کی گولی اس کے جسم کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات گولی آر پار ہو جاتی ہے اس کے جسم میں ذبح آتا ہے اور خون بہتا ہے۔ (یاد رہے کہ ذکاة اضطراری میں پورے جسم سے خون بہنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ کتب کے مارے ہوئے شکار کے جسم میں بسا اوقات سارا خون نہیں بہتا) اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار حلال اور طیب ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

الحمد للہ علی احسنہ قرآن مجید 'احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ اس زمانہ میں بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ بندوق سے مارا ہوا شکار موقوفہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان علماء نے نیک نیتی سے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن یہ علماء اس مسئلہ میں زیادہ گہرائی اور گیرائی میں نہیں گئے اور ان کو اس مسئلہ میں اجتہادی خطا لاحق ہوئی۔ آج کل بندوق سے شکار عام ہو گیا ہے اور بکثرت لوگ اس میں مبتلا ہیں اور اگر گولی یا چھری لگنے سے جانور مر جائے تو اس کو اسی فتویٰ کی بناء پر مردار اور حرام قرار دیا جاتا

عبدالرزاق ۱۸۷۳، المعجم الکبیر ج ۲۲، رقم الحدیث ۵۲۱-۵۲۹، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۵۷۵۰-۵۷۷۰، شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث ۳۳۱، ص ۲۵۸، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۳۱۹ھ)

بھاڑنے والے درندوں سے حملہ آور جنگل جانور مراد ہیں، لہذا اس حدیث سے ہاتھی، ٹوٹری اور بکھو بھی حرام ہیں۔ نیز ہاتھی کی کچیلیں بھی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن کو دھوئے کا حکم دیا ہے، جس میں کتابتہ ذال دسے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حلب نجس ہے۔ اور حلب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کا گوشت بھی نجس ہو، اور ہر نجس حرام ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتے کا کھانا بھی حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتابتہ ذال دسے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۵۷۲، صحیح مسلم ج ۲، رقم الحدیث ۲۹، سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث ۷۷، سنن ترمذی ج ۱، رقم الحدیث ۷، سنن کبریٰ للسیوطی ج ۱، ص ۲۳۰، قدیم مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث ۸۳۳)

احمد محمد شاکر نے لکھا ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔ مطبوعہ دار الحدیث، القاہرہ ۱۳۱۹ھ)

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی بیچ کو حرام فرمایا ہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ کتابتہ نجس ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، قاشتہ کی اجرت اور کابن کی شیرینی سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث ۲۳۷۷، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث ۱۵۷۸، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۲۸، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۶، سنن نسائی ج ۷، رقم الحدیث ۳۳۰۳، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث ۳۱۵۹)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتے کی قیمت، کابن کی شیرینی اور قاشتہ کی اجرت حلال نہیں ہے۔ (سنن نسائی ج ۷، رقم الحدیث ۳۳۰۳، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۸۳)

رسول اللہ ﷺ نے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شکاری کتے، کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا اور کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں دی، اگر کتے کو کھانا حلال ہو تا تو مطلقاً کتے کو رکھنے کی اجازت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان (سب) کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کرو اور جن لوگوں نے کھیت، شکار اور مویشیوں کے بغیر کتار کھا، ان کے اجر میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

(سنن نسائی ج ۷، رقم الحدیث ۲۲۹، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۵۷۷۳، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث ۱۵۷۳، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۸۳۵، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۲۲۰۵، موطا امام مالک ج ۱، ص ۱۸۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۲۳۷۹، صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۵۳۸۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اگر کتے کا کھانا حلال ہو تا تو فرشتے

اس سے نفرت نہ کرتے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ بست پریشان تھے۔ حضرت میمونہ نے کہا: آج صبح سے میں آپ کو بست منہم وکچہ دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے رات کو ملاقات کا وعدہ کیا تھا وہ نہیں آئے۔ یہ خدا انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی یہی کیفیت رہی، پھر رسول اللہ ﷺ کو ایک کتے کے پلے کا خیال آیا جو طرے پر دے کے پیچھے تھا، آپ نے اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا تو اس کو نکل دیا گیا، پھر آپ نے پانی سے اس جگہ کو دھویا جہاں کتا تھا، جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے ان سے کہا: تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا: ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ پھر اس دن رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حتیٰ کہ چھوٹے بالغ (کی حفاظت) کے کتے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بڑے بالغ کی حفاظت کے کتے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۰۵، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۵۷، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۵۰، مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۲۷۰، قدیم)

عبارت النقص کے ساتھ آپ نے کتا کھانے کو حرام نہیں فرمایا، لیکن ان احادیث سے دلالت انص کے ساتھ کتا کھانے کی حرمت ثابت ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کتا کھانے کی حرمت حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کی ہے۔ نبی ﷺ نے پانچ گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمادیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے دن عورتوں سے حد کرنے کو اور پانچ گدھوں کے کھانے کو حرام فرمادیا (یہ حدیث حضرت جابر اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے) (صحیح ابوداؤد، ج ۵، رقم الحديث: ۲۲۱۱، صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۰۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۰۸، سنن دارقطنی، ج ۲، رقم الحديث: ۴۷۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۱۵)

نبی ﷺ نے چوہے، بچھو، بیل، گاوے اور بڑے کتے کے متعلق فرمایا، جن کو حرام میں بھی قتل کر دیا جائے گا اور ان کو فاسق فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں، جن کو حرام میں بھی قتل کر دیا جائے گا: چوہا، بچھو، بیل، گاوے اور بڑا کتا۔ (بعض روایات میں بچھو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے)

(صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۱۳، صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۱۸، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۲۸۲۹، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۸۳۸، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۴۳۸۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۸۷، مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۷۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کوا کو کون شخص کھائے گا، ملائکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو فاسق فرمایا

ہے۔ یہ خدا پاک جانوروں میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۲ رقم الحدیث: ۳۷۳۸)
نبی ﷺ نے چھیلی کو بھی حلال فرمایا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھیلی کو بھی کھانا حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھیلی کو فوسفی فرمایا۔ ہم شریک رضی اللہ عنہا
میان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھیلیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، صحیح مسلم ج ۳ رقم الحدیث: ۲۲۲۹)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:
ابو لاجح جسعی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن مسعود خطبہ دے رہے تھے۔ اسیثناء میں دیوار پر ایک سانپ گزر
رہا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے اپنا خطبہ منقطع کیا اور اس کو لافھی سے مار کر قتل کر دیا۔ پھر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ
فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی سانپ کو قتل کیا اس نے گویا اس شرک کو قتل کیا جس کا خون مہلح تھا۔ احمد محمد شاکر
نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد شرح احمد شاکر ج ۳ رقم الحدیث: ۳۹۹۵، مطبوعہ قاہرہ ۱۴۱۶ھ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چوہا سانپ، چھیلی اور کچھو حرام ہیں۔ فقہاء نے ان پر قیاس کر کے باقی حشرات الارض کو بھی
حرام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْمُتَعَبَّاتِ (الاعراف: ۱۵)

اور وہ ان کے لیے پاک اور مرغوب چیزوں کو حلال کرتے
ہیں اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔
اور طبیعت سلیبہ حشرات الارض سے نفرت کرتی ہے اور گھمن کھاتی ہے۔ اس لیے تمام حشرات الارض حرام ہیں۔ امام
ابو بکر احمد بن حنین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

ہم نے نبی ﷺ سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو سانپ اور کچھو کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور ان کے
حکم میں ہیں جن کو عرب غبیث قرار دیتے ہیں اور ان کو بڑا اضطراب نہیں کھاتے۔

(السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸، البدیع، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

نیز نبی ﷺ نے گدہ کو حرام فرمایا ہے اور گدہ حشرات الارض میں سے ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمسندی متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن شبل جریڈی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گدہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۷۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ کچھ اور بڑے بھی حشرات الارض میں سے ہیں اس لیے وہ بھی حرام ہیں۔ امام شافعی بھی اور گدہ کو حلال کہتے ہیں نبی
ﷺ نے کچھ کو حرام فرمایا ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید جریڈی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھونڈوں، ٹخموں اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے

سے منع فرمایا ہے اور حیوة نے یہ اضافہ کیا ہر کیلیوں والے درندے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۹۰، مطبوعہ بیروت)

نیا پیچھڑنے لے لو مڑی، بھیڑیے اور بچوں کے حلق خصوصیت کے ساتھ پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزیہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے جنگی جانوروں کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں، آپ لو مڑی کے حلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لو مڑی کو کون کھائے گا؟ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس میں کوئی خیر ہوگی وہ بھیڑیے کو کھائے گا؟

(سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۵، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۹۹، سنن کبریٰ، للبیہقی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۹۹)

مفہوم البدیہہ

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزیہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بچہ کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص بچہ کھائے گا؟ پھر میں نے بھیڑیے کے حلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا جس شخص میں کوئی خیر ہو وہ بھیڑیا کھائے گا؟ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۹۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم، بعض محدثین نے جمع کی ہے، لیکن کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا بھی اس کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کیلیوں اور ناخنوں سے چاڑنے، چرنے والے درندے اور پرندے، بچر اور پانچو گدھے، تٹا اور خنزیر، سانپ، بچو، بگو، گود اور دیگر حشرات الارض کو کھانا قرآن اور حدیث سے حرام ہے۔

سمندری جانوروں کے حلق تفصیل یہ ہے کہ لام شامی اور لام مالک کے نزدیک تمام مردار سمندری جانور حلال ہیں، خواہ بٹھا مرے ہوں یا شکار سے۔ امام احمد کے نزدیک جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں جیسے کھوا اور جن سمندری جانوروں میں بننے والا خون نہیں ہے۔ وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور جن میں بننے والا خون ہو، ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ ۹۷)

تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد سمندر کا شکار کرنا ہے اور حرام جانوروں کا بھی دیگر فائدوں کے لیے شکار کرنا جائز ہے۔ اس سے مراد شکار کھانا نہیں ہے اور طعام سے مراد مچھلی ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی تھوڑا سا ہوتا ہے، اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پر اسے رو جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (فقہاء احناف اس مردار کو مچھلی پر مشمول کرتے ہیں)

(سنن ترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۶۸، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۸۳، سنن نسائی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۵۰، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۸۶، السوطی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد 'ج' ۳، رقم الحدیث: ۷۲۳، المستدرک 'ج' ۱، ص ۳۰) فقہاء احناف اس حدیث میں بھی مردار کو پھلی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر قریب یہ حدیث ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں 'پھلی اور ٹڈی'۔ (سنن ابن ماجہ 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۲۲۱۸، مسند احمد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۵۷۷)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک پھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پھلی کے سوا تمام سمندری جانور نجس ہیں، یعنی غیر مرغوب ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ (الاعراف: ۱۵)

اور ناپاک اور غرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔ جو پھلی طبعی موت سے مر کر سلاخ آب پر آجائے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو سمندر پھینک دے یا جس سے سمندر کاپلی ہٹ جائے، اس کو کھالو، کور، جو پانی میں مر کر لوپر آجائے، سو تم اس کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۲۲، مسند احمد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۵۷۷)

محدثین نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیم الطاطلی ہے، اور یہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام بیہقی نے اس کو دیگر متعدد اسناد کے ساتھ بھی بروایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ 'ج' ۳، ص ۲۹-۵۹، البدیعہ) علاوہ ازیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا حلت کی روایات پر یہ حدیث راجح ہے۔

فحلی اور سمندری حرام جانوروں کی یہ تفصیل ہے، ان کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کی تفصیل (المائدہ: ۳) میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ غلہ، پھل اور میوہ جلت وغیرہ مراد نہیں ہیں، کیونکہ ذبیحہ وہ ہے جس کے طعام ہونے میں انسان کا دخل ہے۔ باقی کھانے پینے کی چیزیں تمام لوگوں کے لیے مباح ہیں۔ اس لیے ان کی اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ غریب ہم بعض آثار نقل کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، جن کے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اہل کتاب فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عَرَبٌ بَعْضُهُمْ أَلْفٌ وَقَالَتِ النَّصْرَى السَّوْبِغَةُ الْيَهُودُ (النسبہ: ۳) اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ

اللہ کا بیٹا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ابن شلب سے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا کیا تو انہوں نے کہا کہ ان کا ذبیحہ کھلایا جائے گا کیونکہ وہ دین میں اہل کتاب ہیں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کے متعلق فرمایا: ”وہ حلال نہیں ہے۔“

مجید بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو نہ کھلو کیونکہ وہ شراب پینے کے سوا ضرانیت کی اور کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

لیکن اکثر فقہاء تابعین مثلاً حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، سعید بن المسیب، شعبی اور ابن شلب وغیرہ نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۷ مطبوعہ بیروت)

ابن زید سے سوال کیا گیا کہ عیسائیوں نے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو گر جا کے لیے ذبح کیا آیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتاب کے طعام کو حلال کیا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۱۳۰ مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ زبلی نے کہا ہے کہ بعض اہل دین کا اعتقاد ہے کہ اس کے پاس کتاب ہو، جیسے حضرت امیر ایمن علیہ السلام کے صحائف یا حضرت شیث کے یا حضرت داؤد کی زبور ہو، اہل کتاب میں سے ہے اور ان کے ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔

مستثنیٰ میں مذکور ہے کہ ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں یہ قید ہے کہ وہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں اور اسی کے موافق شیخ الاسلام کی مہسوط میں مذکور ہے کہ اگر وہ مسیح کی الوہیت یا عزیر کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں تو واجب ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھلایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ مذہب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ شمس اللائمہ برخی نے مہسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ تین میں سے تیسرے کا قول کریں یا نہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کے طعام کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مطلقاً اجازت دی ہے۔ علامہ ابن حام نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہی دلیل کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب پر مشرکین کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور مشرک اس کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور کسی نبی کی اتباع کا مدعی نہ ہو۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن حام نے لکھا ہے کہ لوطی یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ کھائے نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۸ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص کسی عیسائی سے ذبح کے وقت یہ سنے کہ وہ مسیح کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے اور اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور اس سے ار لہو مسیح کا کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ صراحتاً اللہ کے نام سے جو تین میں کا تیسرا ہے تو پھر اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ

جب عیسائی ذبح کر کے لے آئے تو اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ (حنبل) جیسا کہ اس نے صرف اللہ کا نام لیکر سامنے ذبح کیا ہو۔
(رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۳۰ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۸۰ھ لکھتے ہیں:

غیر اہل کتاب کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ بت پرست ہو، مجوسی ہو، مرتد ہو، جنی ہو یا جبری ہو۔ اگر یہودی یا عیسائی، مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہو گا اور اگر مجوسی یہودی یا عیسائی ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہو جائے گا۔

(رد المحتار مع رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۹، مطبوعہ بیروت، ۱۴۳۰ھ)

اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے، اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، اور نکاح کے متعلق فرمایا اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اور تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے طہت ہے اور وجہ فرقی ظاہر ہے، کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طہام کا حلال ہونا کسی شرعی غرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہو تا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہو تا اور شوہر بیوی پر حاکم ہوتا ہے تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ تَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۷۴)
اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ

دیگر کفار کے برعکس صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں متعدد امور مشترک ہیں، یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں۔ اللہ تعالیٰ، فرشتے، انبیاء، علیم السلام، آسمانی کتابیں، قیامت، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جزا، سزا اور جنت و دوزخ کے دونوں قائل ہیں۔ اس کے علاوہ جانور کی طہت اور حرمت میں بھی ان میں کئی امور مشترک ہیں۔ اسلام میں مواد جانور، جس کا گھٹا گھونٹا گیا ہو، جس کو دردے نے پھاڑا ہو، جو جوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور خون اور خضار حرام ہیں اور موجودہ جیسی ہوئی کتاب مقدس (بائبل) میں بھی ان کی حرمت بیان کی ہے۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو دردوں نے پھاڑا ہو، کن کی چربی اور کام میں لاؤ، پر اسے تم کسی حل میں نہ کھاؤ۔

(پرانامہ نامہ، اجبار، باب: ۷، آیت ۲۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چمے ہوئے ہیں، پر وہ جگہ نہیں کرتا، وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے، تم ان کا گوشت نہ کھاؤ۔ (پرانامہ نامہ، اجبار، باب: ۷، آیت ۲۴، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے، ان کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف جوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

(پرانامہ نامہ، رسولوں کے اعمال، باب: ۲۱، آیت ۲۵، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ

اس تخصیص کی بھی یہ وجہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو، فرشتوں کو،

آپنی کتابوں کو انبیاء عظیم اسلام کو مرنے کے بعد اٹھنے کو بڑا دسزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب ملنے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھٹی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے:

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے، بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے، تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے، تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو، چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو، خواہ اور کیسے، بے پردہ نہ کرنا، تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے، تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے، تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے، تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا، وہ تیری بیٹی ہے، تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے، سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، تو اپنی بھولج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خیانت ہے، تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سو کن نہ بٹانا کہ دوسری کے جتنے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے، اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے ناپاک ہے، اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا۔

(پرانامہ نامہ، احبار، باب: ۱۸، آیت ۱۹، ۷، مطبوعہ ہائیکل موسائی، لاہور)

آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانو! تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حنبی ہوں، حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مراد کر دو "مرکا ذکر اس لیے کیا ہے" تاکہ اس کا وجوب اور موکد ہونا ظاہر ہو۔ یہ نکاح کے حلال ہونے کی شرط نہیں ہے اور آزاد عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا اولیٰ اور رائج ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آنحضرتؐ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو، نہ اعلانِ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا ہونے والے اور جس نے ایمان (لانے) سے انکار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے پہلو نہ نہ ظاہر ابدکاری کو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی صحیح اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانِ بدکاری سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شریعہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو گا، اس آیت میں ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے بھی مراد ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ارتداد سے تمام اعمال ضائع ہو

جلتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

کو کہنیوں سمیت وضو کرو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو تختوں سمیت

إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى

وضو کرو، اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرو، اور اگر تم بیمار ہو

أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايَةِ أَوْ لَمْ تَمْسُوا السَّاءَ

یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی تھک جانت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ

پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سر تم اپنے چہروں اور ہاتھوں

وَأَيْدِيَكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

پر اس پاک مٹی سے مسح کرو، اللہ تم پر تسکین کرنا نہیں چاہتا، لیکن

وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

وہ تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دے تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

شکر ادا کرو ۵

آیت وضو کی سابقہ آیات سے مناسبت

انسان کے طبعی تقاضے دو چیزوں میں منحصر ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل ازواج۔ اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اس کے لیے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام ہیں اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کے لیے کون سی عورتیں اس کے لیے حلال ہیں اور کون سی عورتیں حرام ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض ہیں اور ان عبادت میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور

طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے تو طہارت تمیم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس آیت میں وضو، غسل اور تمیم کا بیان فرمایا ہے۔

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مل (مل حرام) سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اصح الاسانید ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۵۸۷، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۰۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۱۸۹)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔

علامہ احمد محمد شاہر متوفی ۷۷۷ھ نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔
(مسند احمد، تحقیق احمد شاہر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۳۵۹۷، مطبوعہ القاہرہ)

آیت وضو کا شان نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مقام بیداء میں میرا ہار گر گیا اس وقت ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے۔ نبی ﷺ نے لوٹنے کو بٹھایا اور لوٹنے سے انہیں روکے، آپ نے میری گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابو بکر آئے اور انہوں نے زور سے مجھے گھونٹے مارے اور کہا تم نے تمام لوگوں کو ہار کی وجہ سے ٹھہرا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑنے سے مجھے موت کی طرح لگ رہا تھا، ملا کہ حضرت ابو بکر نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی تھی، پھر نبی ﷺ بیدار ہوئے اس وقت صبح ہو چکی تھی، پانی کو تلاش کیا گیا تو پانی نہیں ملا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: "یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فامسوا وادابسوا" (المائدہ: ۶) حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے آل ہو! اللہ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت رکھی ہے تمہارا وجود ان کے لیے محض برکت ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس آیت میں وضو اور تمیم دونوں کا ذکر ہے۔ تمیم کا ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے اور اس آیت میں بھی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ النساء کی آیت نازل ہوئی تھی یا سورۃ المائدہ کی زیر تفسیر آیت۔ محققین کے نزدیک ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری کی اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حدیث ۳۲۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: پھر اللہ نے تمیم کی آیت نازل کر دی اور اس آیت کی تعمین نہیں کی اور مذکورہ صدر روایت میں تصریح کر دی کہ یہ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

(فتح الباری، ج ۱، ص ۴۳۲، مطبوعہ لاہور، عمدة القاری، ج ۴، ص ۵، مطبوعہ مصر)
حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۳۴۸ھ لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر غزوہ بدر میں

میں ہوا تھا جو بنو مسلم بن خزامہ کے خلاف تھا یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔

(الاسناد کا رج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان

اس جگہ ایک بحث یہ ہے کہ آیت وضو تو پانچ یا چھ ہجری میں نازل ہوئی اور نماز ابتدا و حجت کے ساتھ مکہ میں فرض ہو گئی تھی تو ابتدا میں نماز وضو کے ساتھ پڑھی جاتی تھی یا بلا وضو؟

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے: ”پھر اللہ نے تمہم کی آیت نازل کر دی“ اس سے مراد آیت وضو ہے جو سورۃ

المائدہ میں ہے۔ یا وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے۔ ان دو آیتوں کے سوال اور کسی آیت میں تمہم کا ذکر نہیں ہے اور یہ دونوں مانی سورتیں ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ غسل جبیت وضو سے پہلے فرض نہیں ہوا تھا۔ پس جس طرح مصنفین سیرت کے نزدیک یہ امر متحقق ہے کہ نبی ﷺ پر مکہ میں نماز فرض ہوئی ہے اور غسل جبیت بھی مکہ میں فرض ہوا ہے اور یہ کہ آپ نے مکہ میں کوئی نماز بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور آپ اسی طرح وضو کرتے تھے جس طرح مہینہ میں آپ نے وضو کیا یا جس طرح اب ہم وضو کرتے ہیں اور یہ وہ امر ہے کہ اس سے کوئی عالم بھی عواقف نہیں ہے اور سوائے ہٹ و حرم کے اس کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ (الاسناد کا رج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سفاقی نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کرنا ان پر لازم تھا اور تمہم کی آیت سورۃ المائدہ میں ہے اور سورۃ النساء میں ہے اور یہ دونوں مانی سورتیں ہیں اور اس سے پہلے کوئی نماز بغیر وضو کے مشروع نہیں تھی۔ اس لیے جب تمہم کی آیت نازل ہوئی تو وضو کا ذکر نہیں کیا کیونکہ تمہم کا حکم وضو کے حکم کی فرع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے اس آیت کا وہ حصہ نازل ہوا جس میں وضو کا ذکر ہے اور پھر اس آیت کا دوسرا حصہ نازل ہوا جس میں تمہم کا ذکر ہے۔ پھر یہ آیت پوری ہو گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے مشروع ہوا نہ کہ قرآن سے پھر بعد میں ان دونوں کا حکم اکٹھے نازل ہوا اور حضرت عائشہ نے اس کو تمہم سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس موقع پر یہی مقصود تھا (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ امام حنفی کی اس روایت پر مطلع ہو جاتے جس میں حضرت عائشہ نے فرمایا ہے پھر یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الى الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم وایديکم۔ الا یہ (المائدہ: ۶) تو ان لمخاطبات میں نہ پڑتے۔ (عمدة القاری رج ۳ ص ۵ مطبوعہ ادارہ المدینہ المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے ثابت تھا اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

آیت وضو اجملاً مانی ہے اور تمام اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل مکہ میں نماز کے ساتھ فرض ہو گئے تھے اور نبی ﷺ نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی بلکہ ہم سے پہلے شریعت میں بھی وضو فرض تھا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور اصول فقہ میں یہ مقرر ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول بغیر انکار کے کوئی قصہ بیان کریں اور اس کا صحیح ظاہر نہ ہو تو وہ بھی ہماری شریعت ہے اور اس آیت کے نزول کا یہ قائلہ ہے کہ جو حکم پہلے ثابت ہو چکا تھا اس کو مقرر اور ثابت کیا جائے۔ (الدر المختار مع رد المحتار رج ۳ ص ۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا یا اور ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: یہ وضو کا وہ طریقہ ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا۔ آپ نے پھر پانی منگوا یا اور دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا اس کے لیے دگنا اجر ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پانی منگوا یا اور اس سے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۰، المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۳۶۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۸۰)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو متعدد اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے، ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے وہ حسن فقیرہ ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی وضو مشروع تھا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے صرف تین (ظاہری اور صوری) جھوٹ بولے، جب انہیں باطل خداؤں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کہا اسی سقیم میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا "سعدہ کبیر ہم هذا ان کے اس بڑے سنے یہ کلام کیا ہے" اور انہوں نے (حضرت) سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے، حضرت ابراہیم ایک بہتی میں گئے جس میں ایک جلیہ پوشہ تھا اس کو بتلایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) سب سے حسین عورت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے ہیں، اس پوشہ نے ان کے پاس اپنا ہر کارہ بھیجا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا اس کو بھیج دو۔ آپ نے ان کو اس کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میری بات کو جھٹلانا نہیں میں نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ تم میری بہن ہو اور اس سر زمین پر میرے نور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف افتخار حضرت سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی، اور اللہ سے دعا کی اے اللہ! بے شک تجھے علم ہے کہ میں تجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ سو اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی۔ حضرت سارہ نے کہا یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے مار دیا۔ پھر اس کو زمین سے چھوڑ دیا، وہ پھر حضرت سارہ کی طرف بڑھا، حضرت سارہ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائی ہوں، اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے، سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ پس اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی، اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی، پھر حضرت سارہ نے کہا یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا، پھر اس کو چھوڑ دیا گیا، پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ اس پوشہ نے کہا تم نے میرے پاس کس جہنی کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کو داپس کر دو اور اس عورت کو باجرہ دے دو، وہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیم سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کافر کے عکر کو باطل کر دیا اور خدا مست کے لیے ایک بانڈی دے دی۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۴۰۳، ۴۰۴، طبع قدیم، بیروت، احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم،

سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، اور مسند ابویعلیٰ میں بھی یہ حدیث اختصار سے مروی ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۹، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۳۶۹ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ حضرت سارہ نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو جریج کہا جاتا تھا، وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس کی ماں نے آکر اس کو بلایا، وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا اور کہا کیا نماز کی حالت میں میں اس کو جواب دوں؟ اس کی ماں آئی اور اس نے کہا: اے اللہ! اس پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا، جب تک یہ بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ جریج اپنے گرجا میں مبلوت کرتا تھا، ایک عورت نے کہا: میں جریج کو فتنہ میں ڈالوں گی، اس عورت نے اس کو گنہگار کی دعوت دی، جریج نے انکار کیا۔ اس نے ایک چرواہے سے اپنی خواہش پوری کر لی، اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، اس نے لوگوں سے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے اور انہوں نے اس کا گر جاتوڑ دیا اور اس کو گر جات سے نکل دیا اور اس کو برا کہا، جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر اس کو زانیہ بچہ سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا: چرواہا۔ لوگوں نے کہا: ہم تمہارا گر جاسو نے کا بتادیں، اس نے کہا: نہیں صرف مٹی کا ہی بتا دو۔

(صحیح بخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام عبد السلام بن ہشام متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا: مجھے بعض اہل علم نے یہ حدیث بیان کی کہ جب رسول اللہ ﷺ پر نماز فرض ہوئی تو آپ کے پاس جبرائیل آئے وہ اس وقت مکہ کی بلند داوی پر تھے۔ انہوں نے ولوی پر اپنی ایڑی ماری تو اس سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا، پھر جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور نبی ﷺ ان کو دیکھتے رہے کہ وہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں؟ پھر نبی ﷺ نے اس طرح وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا تھا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور نبی ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جبرائیل علیہ السلام لوٹ گئے اور نبی ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس آئے، پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو وضو کر کے دکھایا کہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں، جس طرح آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دکھایا تھا، پھر حضرت خدیجہ نے وضو کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو اس طرح نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبرائیل نے نماز پڑھائی تھی۔ (السيرة النبوية معروض الخلف، ج ۱، ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ مکتب)

علامہ مہلبی متوفی ۵۸۱ھ نے اس حدیث کی سند کو منقطع لکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ایسی حدیث احکام شرعیہ کی اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن ان کے استاد قاضی ابوبکر محمد بن العربی حنفی ۴۴۳ھ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ ہر چند کہ اس کو اہل صحیح نے روایت نہیں کیا، لیکن انہوں نے اس حدیث کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ اور علماء اس حدیث سے تعاضل کرتے تھے، جس کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تایم علامہ عبد الرحمن بن عبد اللہ سیہلی متوفی ۵۸۸ھ نے اپنے استاذ حافظ ابن العربی کی سند سے روایت کیا ہے۔
حضرت زید بن عارضہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس حضرت
جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ کو وضو سکھایا اور جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلو میں پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑکا اس
حدیث کی بناء پر وضو مکہ میں فرض ہوا اور اس کی تلاوت عینہ میں ہوئی۔

(الروض الانف 'ج' ۱، ص ۱۶۳-۱۶۴، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ، لبنان)

وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن
عمر محجل (جس کا منہ نور ہاتھ پر سفید ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا اس کا سبب وضو کے آثار ہیں۔ سو تم میں سے جو شخص
اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہتا ہو (وہ اعضا وضو کو مقررہ حد سے زیادہ دھو کر اپنی سفیدی کو زیادہ کر لے۔

(صحیح بخاری 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۶، صحیح مسلم 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۶، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۲۳، سنن نسائی 'ج' ۱، رقم
الحدیث: ۵۸، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۸۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے تو وہ جب
چہرے کو دھو تا ہے تو پانی کے قطرہوں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گندہ حل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا اور جب
وہ ہاتھوں کو دھو تا ہے تو پانی کے قطرہوں کے ساتھ اس کا ہر وہ گندہ حل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا حتیٰ کہ وہ گناہوں سے
صاف ہو جاتا ہے۔

(سنن ترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲، صحیح مسلم 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳، الترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۳، سنن دارمی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳،
مسند احمد 'ج' ۳، رقم الحدیث: ۸۰۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج' ۱، ص ۸۸، صحیح ابن خزیمہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۴)

امام عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کر
کے مسجد میں جائے اور اس کا مسجد میں جانا صرف نماز کے لیے ہو تو اس کے ہر قدم سے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا
ایک گندہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۸۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا پھر کہا:
”اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله“ اللہم اجعلنی
من التوابین واجعلنی من المنطہرین“ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ
جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

(سنن ترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۵۵، صحیح مسلم 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۴، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۸۸، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم

الحديث ۲۷۰۰ ج ۲، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث ۱۷۳۱۱

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں سلیمان کے ساتھ تھا، انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا اور کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا تو اس کے گنہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (المصنف ج ۲، ص ۸۰۷، مطبوعہ دار الفکر، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۳۵۵ھ لکھتے ہیں:

سالم بن عبد اللہ بن عمر کعب اخبار سے روایت کرتے ہیں کہ کن سے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ لوگوں کو حساب کے لیے جمع کیا گیا، پھر انبیاء علیہم السلام کو بلایا گیا، ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی اور اس نے دیکھا کہ ہر نبی کے ساتھ دو نور ہیں جو ان کے درمیان چل رہے ہیں، نور ان کی امت میں سے جو ان کے متبعین تھے، کن کے لیے ایک نور تھا، حتیٰ کہ سیدنا محمد ﷺ کو بلایا گیا، آپ کے سر کے بالوں اور آپ کے پورے چہرے پر نور تھا، جو ہر دیکھنے والے کو نظر آ رہا تھا، اور آپ کی امت میں سے آپ کے متبعین کے لیے دو نور تھے، جس طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے نور تھے۔ کعب بیان کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ خواب نہیں تھا، انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اور تم کو اس کا علم کس طرح ہوا تو اس نے بتایا کہ اس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر کعب نے اسے اللہ کی قسم دے کر کہا، کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا تھا؟ اس نے کہا ہاں، میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ کعب نے کہا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! یا کہا، اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا، یہ سیدنا احمد ﷺ اور آپ کی امت کی صفت ہے، اور اللہ کی کتاب تورات میں انبیاء کی صفت ہے، جس طرح میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں نے تمہید (ج ۲، ص ۲۵۹) میں بیان کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں اور یہ چیز میرے نزدیک کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔ (الاشعبار ج ۲، ص ۱۸۰، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو اور اس وقت تم بے وضو ہو تو تم پر وضو کرنا فرض ہے، اور جب کوئی شخص با وضو ہو تو اس پر نماز پڑھنے کے لیے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، وہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس جو پیش بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔ راوی نے پوچھا آپ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا، ہم میں سے کسی ایک شخص کے لیے وضو کافی ہوتا تھا، جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث ۲۱۳، سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحديث ۱۷۱، سنن ترمذی ج ۱، رقم الحديث ۵۸)

سید بن فضل بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہبہ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے جب طعام منگوایا تو صرف ستولائے گئے، ہم نے ان کو کھلایا اور پیا، پھر نبی ﷺ مغرب کے لیے اٹھے، آپ نے کھانے کی اور ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث ۲۱۵)

غزوہ خیبر، غزوہ فتح مکہ سے پہلے سات جہری میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک وضو

سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "آج آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جو آپ (پہلے) نہیں کرتے تھے" آپ نے فرمایا میں نے عمر کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

امام ابو یسلی محمد بن یسلی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے جس میں فتح مکہ ہوا آپ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں نے عمر کیا ہے"۔ (سنن ترمذی ج ۱، رقم الحدیث: ۲۷۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سے پہلے صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۳۵۵) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے سال بھی دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نماز کے لیے زیاد وضو کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جو شخص بے وضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

وضو کے متعلق علیہ فرائض

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بل جہاں سے اگنے شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نچلے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دو کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی چھدری داڑھی ہو اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھل کو دھونا ضروری ہے اور جس کی گھٹی داڑھی ہو وہ صرف بالوں میں خلاں کرے داڑھی کو دھونا اس پر واجب نہیں ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم فقیر بیان کریں گے۔

وضو میں ہاتھوں کا دھونا بھی فرض ہے اٹھویں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے مسح کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی نے کہا مسح کی اتنی مقدار ہے جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق آسکے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بخاری شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم تین بالوں یا ان سے زائد پر مسح کیا جائے یہ مقدار فرض ہے۔ کیونکہ "وامسحوا برءوسکم" میں با کا معنی جعیف ہے اور آیت کا معنی ہے اپنے سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ اور حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پیشانی پر یا سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: المسلسل ص ۲۰ رقم الحدیث: الکلب ۸۸۸) اور ابو حنیفہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کر رہے تھے اور آپ کے سر پر قطری علامہ تھا آپ نے اپنا ہاتھ علامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور علامہ کو نہیں کھولا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۰ سنن کبریٰ لکھنؤ ج ۱ ص ۴۸) البتہ امام شافعی کے

نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا تھا۔

(الحادی الکبیر، ج ۱، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام شافعی کی اس دلیل پر دودھ سے نقص ہے۔ ایک تو یہ کہ باہ کا شفق علیہ معنی الصلح ہے۔ تبغیض نہیں ہے۔ دو سرا یہ کہ اگر تین بالوں پر مسح کرنا فرض ہوتا تو نبی ﷺ بیان جواز کے لیے کبھی تو صرف تین بالوں پر مسح کرتے یا پھر اس مقدار کا صراحتاً بیان فرماتے۔

امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں۔
چہرہ اس عضو کا نام ہے جس پر آنکھیں، ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر اس عضو کا نام جس پر بل ہیں، سو جس طرح چہرہ دھونے کا معنی یہ ہے اس تمام عضو کو دھویا جائے جس پر آنکھیں، ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر پر مسح کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کے تمام بالوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرے اور سر کے بعض حصہ پر مسح کرے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ صحیح ہے؟ امام مالک نے جواب دیا: اگر کوئی شخص وضو کرے اور چہرے کے بعض حصہ کو دھوئے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ جائز ہو گا؟ (احکام القرآن، ج ۲، ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن العربی نے امام مالک کے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن زید جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں کو سر کے ابتدائی حصہ سے پیچھے اپنی گدی کی طرف لے گئے اور پھر گدی سے سر کے اگلے حصے تک لائے۔ جہاں سے آپ نے ابتداء کی تھی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۸۸۹، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۴، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۸۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۵۹، مکتب المعروف، ج ۱، ص ۲۳)

حضرت مقدم بن معدی کرب جو پیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو آپ نے سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں، پھر آپ ان ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے ان کو گدی تک لائے، پھر ان سے مسح کرتے ہوئے ان کو واپس اسی جگہ لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۲۳-۱۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۵۹)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۵۴۰ھ نے لکھا ہے کہ سر کے مسح کے متعلق امام احمد کے تین قول ہیں۔ (۱) پورے سر کا مسح فرض ہے (۲) پیشانی کے برابر یعنی جو قعائی سر کا مسح فرض ہے (۳) سر کے اکثر حصہ کا مسح کرنا فرض ہے۔

(المغنی، ج ۱، ص ۸۷-۸۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

پورے سر کا مسح کرنے یا اکثر حصہ کا مسح کرنے کا قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے سر پر پیشانی کی مقدار کے برابر بھی مسح کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو قعائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بعض مشائخ اختلاف کے نزدیک تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

علامہ علی بن ابی بکر الرضی اللہ عنہ متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

پیشانی کی مقدار چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے پھر پیشاب کیا اور پیشانی کی مقدار (پہر) مسح کیا اور سوزنوں پر مسح کیا اور قرآن مجید میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف دلیل ہے جو تین ہاتھوں کی مقدار کا قول کرتے ہیں اور امام مالک پر بھی حجت ہے جو پورے سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنے کو فرض کہا ہے کیونکہ مسح کرنے کا آلہ ہاتھ ہے اور اس کی اکثر مقدار تین انگلیاں ہیں۔

(حدایہ اولین، ص ۱۷۱، مطبوعہ شرکت مطبعہ لبنان)

سر پر مسح کرنا فرض قطعی ہے اور اس کی مقدار فرض ظنی ہے فرض ظنی میں اختلاف یا اس کا انکار جائز نہیں ہے اور فرض ظنی میں مجتہد دلائل سے اختلاف کر سکتا ہے اسی طرح رذائل فضل کی حرمت بھی ظنی ہے اور اس کی حرمت کی علت میں بھی مجتہدین کا اختلاف ہے۔

بیروں کے دھونے پر دلائل

قرآن مجید، احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں بیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں بیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں بیروں پر مسح کیا جائے ان کو دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے وارجلکم اور لام پر نصب ہے اور اس کا مطلق "وجوهکم وایدیکم" پر ہے یعنی اپنے چروں، ہاتھوں اور بیروں کو دھوؤ۔ صحابہ میں سے حضرت علیؓ، جبریلؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جبریلؓ کی یہی قرات ہے اور قراء میں سے ابن عمرؓ، بلغؓ اور کسائی کی یہی قرات ہے اور عام سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (اللدی الکبیر، ج ۱، ص ۳۹) اور اس قرات کا یہ تقاضا ہے کہ بیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ بیروں کا دھونا فرض ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آگے آئے اور آٹھ ایک ہم نے عصر کی نماز میں دیر کر دی تھی سو ہم وضو کرنے لگے اور بیروں پر مسح کرنے لگے تو آپ نے ہلکا سا بلند دویا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو ان کو آگ کا عذاب ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰۹۵، صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۰۰۲، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۷، سنن نسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۰، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۰)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن خنس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے بیروں کو دھو رہا تھا آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حادث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اپنے بیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابو قتاہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جبریلؓ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ کو دھونے سے چھوڑ دیا تھا آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قراتیں ہیں۔ نصب کی قرات (ارجلکم) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قرات (ارجلکم) سے مسح ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف ہر دو سکم پر ہوگا اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی قرات پر بھی ارجلکم کا عطف ایدہ یکم پر ہے، نور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے اس کی نظیر آیت ہے:

رَازِقِیْ اَنْعَافٍ عَلَیْکُمْ عَذَابٌ یَّوْمَ الْبَیْمِ ۔ بے شک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا ہوں۔ (ہود: ۳۶) ہوں۔

اس آیت میں البیم عذاب کی صفت ہے اس اعتبار سے اس پر نصب (ذمما ہونی چاہیے تھی) لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوہ حکم اور ایدہ یکم پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے جوار میں ہر دو سکم چونکہ مجرور ہے اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ لہذا یہ جر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف ہر دو سکم پر ہے، نور اس سے پہلے و امسحوا مقدر ہے لیکن و امسحوا ہر دو سکم میں مسح کا حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلہا ہاتھ پھیرنا اور و امسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونے کا معنی عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بدش نے زمین کو دھو ڈالا۔ و مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں بھی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا (نساء: ۴۳)

اے ایمان والو! اپنے حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ سمجھ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب جاؤ حتیٰ کہ تم غسل کر لو! (نساء: ۴۳)

(مسجد میں صرف اور حد عبور کرنا ہو۔)

اس آیت میں ولا جنبا کا عطف لا تقربوا الصلوة پر ہے اور اس سے پہلے بھی لا تقربوا الصلوة مقدر ہے لیکن معطوف علیہ میں الصلوة کا معنی حقیقی مراد ہے یعنی نماز، نور معطوف میں الصلوة کا معنی مجاز مراد ہے یعنی مسجد اور محل صلوٰۃ۔ اسی طرح آیت وضو میں و امسحوا ہر دو سکم میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور و امسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم اور ارجلکم دو متواتر قراتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے اسی طرح قرآن مجید کی قرات میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ارجلکم کا معنی ہے بیروں کا دھونا اور ارجلکم کا معنی ہے بیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے ارجلکم کی قرات اس محل پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ارجلکم کی قرات اس محل پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں تو بیروں پر مسح کر لو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو بیروں کو دھو لو۔ اس طرح ان دونوں قراتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کر دیا جاتا ہے ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہو تا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ، ہاتھ اور پیروں تو ان کو دھویا جائے اور جس عضو پر مسح کا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو کے لیے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دونوں کے الگ الگ صراحتاً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحتاً حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے اسی طرح غسل کی فرع ہے اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کر دیا جاتا ہے تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھویا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کر لیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس قاسد ہے۔

وضو کے مختلف فیہ فرائض

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بخاری شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو سے اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ نیت نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۱۰) نیز تیمم بغیر نیت کے جائز نہیں ہے اور یہ دونوں طہارتیں ہیں تو دونوں کا حکم مختلف کیسے ہو گا۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک نیت طہارت کی شرط ہے۔

(معنی: ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۷، البخاری الکبیر ج ۱ ص ۱۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۴ھ)

اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ بیع، شراء، نکاح، طلاق، رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہ ہو۔ اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہالیا تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہو گا اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل جوہر کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمم سب میں پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے حضرت ابو ہریرہ جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہو گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ رقم الحدیث ۱۹، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹، علامہ احمد شاہر متوفی ۷۷۳ھ نے کہا ہے اس کی اسناد جید حسن ہے) پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو طہارت ہے اور باقی طہارتوں کی طرح اس میں بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے اور اس حدیث میں وضو کی نئی نئی کھل پر محمول ہے جیسے آپ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی اور دوسری روایت اس حدیث کے ظاہر معنی پر محمول ہے۔ اگر اس نے عہد اہم اللہ کو ترک کیا تو وضو نہیں ہو گا اور

اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا۔ (المعنی 'ج' ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو میں وہ ترتیب بھی فرض ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے، یعنی پہلے چہرہ دھوئے پھر ہاتھ، پھر سر کا مسح کرے اور پھر پیروں کو دھوئے۔

ابو الحسن علی بن محمد باوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

بخاری دلیل اس آیت میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فاغسلوا وجوهکم وابدیکم" (الایہ) اور "قا"

عقیب اور تاخیر کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد کا بھی یہی موقف ہے۔ (الکبیر 'ج' ص ۱۱۸)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے کیونکہ ان کے درمیان حرف واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے۔ نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ میں خواہ کسی عضو کے ساتھ وضو کی ابتداء کروں۔ (سنن کبریٰ، للمصنفی 'ج' ص ۸۷) نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم وضو میں ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 'ج' ص ۳۹) امام بیہقی نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ 'ج' ص ۸۷) نیز جب بے وضو آدمی وضو کی نیت سے سر یا دریا میں غسل کرے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور بلا تعلق اس کا وضو ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے، یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرے عضو کو دھونا بشرطیکہ اس کو یاد رہے۔ علامہ احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے بشرطیکہ اس کو یاد ہو اور کوئی عذر نہ ہو اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک موالات فرض نہیں ہے۔ امام مالک کا استدلال اس آیت میں لفظ "قا" سے ہے۔ کیونکہ "قا" ترتیب علی الفور کے لیے آتی ہے (ہدایت المجتہد 'ج' ص ۳۳) اور جمود کا استدلال لفظ "واؤ" سے ہے کیونکہ "واؤ" مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور ان اعضاء کے درمیان "واؤ" کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے "امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یسوعہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی پیچھے نے اس طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں مگر پیروں کو نہیں دھویا، آپ نے استنجاء کیا اور جو ناگوار چیز لگی تھی اس کو صف کیا، پھر تمام جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو کر اپنے پیروں کو دھویا، یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔ (صحیح البخاری 'ج' رقم الحدیث ۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے پیروں کے دھونے کو باقی اعضاء سے موخر کر دیا، اس سے واضح ہو گیا کہ وضو میں

موالات فرض نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو پانی کے

برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لے، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کمال

گزاری ہے؟ صحیح مسلم کی روایت میں تین دفعہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

(مصحح ابھاری، رقم المخطوٹ: ۱۳، صحیح مسلم ۲، سنن ابوداؤد ۴، سنن ترمذی ۲۴، سنن ابن ماجہ ۳۹۳، سنن دارقطنی ۷، مسند احمد ج ۲، ص ۵۰۷-۵۰۸، ۴۵۵، ۲۸۳، ۲۸۵، طبع قدیم)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ امام ابو داؤد، مجتہد حنفی ۷۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۰۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۹۹، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۲۰، المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۶)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! جب تم وضو کرو تو کہو بسم اللہ والحمد للہ، پھر تمہارے کرنا کا تبین اس وقت تک تمہاری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ۱۳۶) اس حدیث کی سند میں ابوداؤد بن عمر مقبول ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا اس کی روایات منکر ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج ۱) ص ۱۸۱، امام ابن عدی نے کہا اس کی روایات ضعیف ہیں (کتاب المصنف، ج ۱ ص ۲۶۰) حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (معجم الزوائد، ج ۱ ص ۲۷۰)

مسواک کرنی چاہیے، لکڑی کی معروف مسواک نہ ہو تو انگلی سے یا پرش سے دانت صاف کرنے سے بھی منت ادا ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہؓ چوتھے بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ رات کو اٹھے تو سواک کرتے۔

۱) صحیح بخاری: رقم المصحف: ۲۳۵، صحیح مسلم: رقم المصحف: ۲۵۵، سنن ابی داؤد: رقم المصحف: ۵۵، سنن ابن ماجہ: رقم المصحف: ۲۸۶، سنن دارمی: رقم المصحف: ۲۸۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحديث: ۸۸۷، مسلم: رقم الحديث: ۲۵۲، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۹، سنن ترمذی: رقم الحديث: ۲۲، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث: ۲۸۷، سنن داری: رقم الحديث: ۷۸، مسند احمد: ج ۲، ص ۵۳، طبع قدیم)

بعض روایات میں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے، امام بخاری نے صحیحاً روایت کیا ہے:
حضرت ابو ہریرہؓ جو بیٹہ عین کرتے ہیں کہ مجھے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری 'باب السواک' الرطب واليابس للعائم 'سنن کبریٰ' للبیہقی 'ج ۱' ص ۳۵ 'مسند احمد' ج ۲' ص ۴۶۰-۵۷۱)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھ پر آپ نے ہمیں مسواک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے وضو کے وقت تمہاری دو انگلیاں مسواک چیں جن کو تم دائیں ہاتھ پر پھیرتے ہو 'بخیر نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا' اور ثواب کی نیت کے بغیر کوئی اجر نہیں ہوتا۔ امام بیہقی نے کہا 'اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔' (سنن کبریٰ 'ج ۱' ص ۳۵) 'مطبوعہ نثر النہ' ملتان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کے ساتھ نماز پر ستر درجہ زیادہ ہے۔

(علامہ احمد شاکر متوفی ۷۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۳۱۸، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، ص ۷۱، رقم ۳۷۷، حاکم نے کہا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو، اس کو نبی ﷺ اس نماز پر ستر درجہ فضیلت دیتے تھے جو مسواک کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۸، رقم الحدیث: ۴۷۳۸، مطبوعہ داراللمعات، بیروت، مسند ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۳۲، رقم ۵۹، سنن کبریٰ ج ۱، ص ۱۳۸) کلی کرنا، ٹاک میں پانی ڈالنا اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

عمرو بن ابی حسن نے حضرت عبد اللہ بن زید جریر سے نبی ﷺ کے وضو کے متعلق سوال کیا؟ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوا لیا اور انہیں نبی ﷺ کی طرح وضو کر کے دکھایا۔ انہوں نے اس برتن سے پانی اندر ل کر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ٹاک میں پانی ڈالا، پھر ہاتھ سے پانی لے کر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر سمیت دو مرتبہ دھویا، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے سے پچھلے حصے تک اور ایک مرتبہ پچھلے حصے سے اگلے حصے تک پھیرا۔ پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۹۰۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۰۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۰۵، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۳۹۸)

کھنوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کھنوں کا مسح کیا، کھنوں کے اندر اپنی انگلیاں (سبابہ) ڈالیں اور کھنوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کھنوں کے ظاہر اور باطن پر مسح کیا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۹، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۰، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۰۱)

داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یوسف ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی میں خلال کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۱، المستدرک، ج ۱، ص ۱۵۰-۱۴۹)

ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یوسف ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی

انگلیوں میں خلال کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۳۲)

ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

عمو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے ایک برتن میں پانی منگو لیا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دو (سبیلہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے اپنے کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کان کے باطن پر مسح کیا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو تین تین بار دھویا پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی اس نے یر اکام کیا اور عظم کی۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۳۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے نا کافی جان کر زیادتی کی اس نے عظم کیا۔ ورنہ اگر مزید صفائی کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ مباح ہے۔ اور یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے زائد جان کر کمی کی اس نے عظم کیا ورنہ ایک بار دھونا بھی آپ سے ثابت ہے۔ وضو کے مستحبات

وضو میں نیت کرنا علامہ ابوالحسن احمد قدوری متوفی ۱۳۲۸ھ کے نزدیک مستحب ہے اور علامہ الرغینانی المتوفی ۱۳۹۳ھ حنفی کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ وضو کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت میں ثواب کی شرط اخلاص ہے اور اخلاص کا معنی نیت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدينَ (البیہ: ۵)

اور ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں
ورنہ انہیں وہ صرف اسی کے لیے اخلاص سے اطاعت کرنے
والے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور صرف نیت پر ہے ہر شخص کے لیے وہی صلہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف (محسوب ہوگی) جس کی طرف اس نے نیت کی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۰ سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۲۹ سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۶۳ سنن نسائی، رقم الحدیث: ۵۵ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۲ مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۵۰۲ طبع قدیم)

وضو کو اس ترتیب سے کرنا جس ترتیب سے قرآن مجید میں اعضا کو دھونے کا حکم ہے یہ بھی مستحب ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں اس ترتیب کا ذکر ہوتا ہے اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا اس ترتیب سے وضو کرنا لکھا ہے۔ علامہ قدوری کے نزدیک یہ مستحب ہے اور علامہ الرغینانی کے نزدیک سنت ہے۔

دائیں عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا مستحب ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر کلام میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا پسند تھا حتیٰ کہ جوتی پینے میں کنگھی کرنے میں وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۸۸ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۸۸ سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۳۰ سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۶۰۸)

سنن نسائی، رقم الحديث ۳۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحديث ۲۵۸۷، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۳۲ھ
وضو کے آداب

علامہ مکمل الدین محمد بن عبد الواحد سکندری حنفی حنفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں: وضو کے حسب ذیل آداب ہیں:

- (۱) اسراف کو ترک کرنا (۲) ہمت کم پانی لینے کو ترک کرنا (۳) اس کپڑے سے اعضاء وضو کو نہ پونچھنا جن سے استنجا کی جگہ کو پونچھا ہو (۴) لوگوں سے باتیں نہ کرنا (۵) بلا ضرورت وضو میں لوگوں سے مدد نہ لینا ویری نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کو وضو کراتے تھے۔ (۶) وضو کے لیے خود پانی لانا (۷) استنجا کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو۔ (۸) وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا (۹) ہر عضو دھوئے وقت کلمہ شہادت پڑھنا (۱۰) قبلہ رو ہو کر وضو کرنا (۱۱) انگوٹھی کے نیچے سے پانی گزارنا (۱۲) چہرے پر پانی سے تھپکے نہ مارنا (۱۳) جن اعضاء کو دھوئے ان پر ہاتھ پھیرے (۱۴) اطمینان سے وضو کرنا (۱۵) مل جل کر دھونا خصوصاً سرہوں میں (۱۶) چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا تاکہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ اعضاء سفید ہوں (۱۷) وضو کے بعد یہ پڑھنا سبحانک اللہم اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا عبدہ ورسولہ اللہم اجعل لی من التوابین (الحج) (۱۸) قبلہ رو کھڑے ہو کر وضو کا پانی چٹا۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر چاہے تو بیٹھ کر (اسی طرح آب زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے "ومن بعظم شعائر اللہ فاسہا من تقوی القلوب" (الحج: ۳۲) اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالایا تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔" علامہ شامی نے لکھا ہے یہ مستحب نہیں، مباح ہے۔ افضل ان پانیوں کو بیٹھ کر پینا ہے۔ لیکن شاید انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ سعیدی (غفرلہ) (۱۹) وضو کے بعد دو رکعت نماز ملت الوضو پڑھنا (۲۰) اپنے کپڑوں کو وضو کے قطروں سے چھلکا (۲۱) ہاتھیں ہاتھ سے ٹاک صاف کرنا۔ (۲۲) وضو کے پانی میں نہ تھوکرنا (۲۳) تین دفعہ سے زیادہ نہ دھونا (۲۴) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو نہ کرنا۔

(فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وضو توڑنے والے امور

سہلین یعنی اگلے عرج اور پچھلے عرج سے جو چیز نکلے مثلاً بول اور براز اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں وضو ٹوٹنے کے اسباب میں بیان فرمایا ہے:

أَوْ حَاثَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ يَسَّ الْفَأْطَوٰطِ (المائدہ: ۴۰) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے۔

جسم سے خون یا پیپ نکلے یا منہ بھر کرتے آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت فاطمہ بنت ابی حیش رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جس کو مسلسل حیض آتا رہتا ہے اور میں بالکل پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں، نہیں! یہ صرف رگ (سے خون نکلتا ہے) رحم سے نہیں نکلتا ہے۔ سو جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون دھو لو اور نماز پڑھو۔ پھر ہر نماز کے لیے ایک بار وضو کر لو حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۲۸، صحیح مسلم، رقم الحديث: ۳۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۲۹۷-۲۹۸، سنن ترمذی، رقم الحديث: ۷۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۳، الموطاء، رقم الحديث: ۳۷، مسند احمد، ج ۹، رقم الحديث: ۲۵۶۷۹، طبع دار الفکر، ۱۳۷۳ھ، ج ۶، ص ۳۳-۳۴-۳۵، طبع قدیم)

اس حدیث میں رگ سے نکلنے والے خون کو وضو ٹوٹنے کی علت فرمایا۔ سو جس بھی یہ علت پائی جائیگی، وضو ٹوٹ جائیگا۔
امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت تمیم داری جو بخاری بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر بنے والے خون سے وضو (لازم) ہے۔

اس حدیث کی سند منقطع ہے، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کا تمیم داری سے سماع نہیں ہے اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد ضعیف ہیں۔ (سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ جو بخاری سے روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: خون کے ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضو نہیں ہے، سوائے کہ بنے والا خون نکلے۔ (سنن دار قطنی، رقم الحديث: ۵۷۳-۵۷۴)

امام دار قطنی نے ان دونوں سندوں کو بھی ضعیف کہا ہے، لیکن تعدد اسناد سے حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ لائق استدلال ہوتی ہے۔ ابن جریر اپنے والد جو بخاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے منہ بھر کرے کی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی، وہ واپس لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن دار قطنی، رقم الحديث: ۵۵۸، سنن ابن ماجہ، ۱۲۲۱، سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ۱، ص ۱۵۳، کمال ابن عدی، ج ۱، ص ۱۲۹۳، امام دار قطنی نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحديث: ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱) نیز امام دار قطنی نے اس حدیث کو ابن جریر کے والد سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحديث: ۵۶۳) دو سندوں کے ساتھ حضرت علی جو بخاری سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحديث: ۵۵۶-۵۵۷) نیز اور کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحديث: ۵۷۰، ۵۶۹، ۵۶۸، ۵۶۷)

ہر چند کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں، لیکن تعدد اسناد کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور لائق استدلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قے کرنے سے اور غیر خمرجین سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (المحلی الکبیر، ج ۱، ص ۲۳۳)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ جو بخاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو صرف پلو نکلنے سے یا ہوا خارج ہونے سے لازم آتا ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحديث: ۵۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۵۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحديث: ۳۲۳، دار الفکر، سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ۱، ص ۱۷۷)

اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ بول و براز نکلنے سے خند سے اور جماع سے بھی وضو نہ ٹوٹے۔ جب کہ شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے اس حدیث میں غیر خمرجین سے خون نکلنے اور منہ بھر کے قے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث اس شخص کو سنائی ہے جس کو ہوا خارج ہونے کا شک ہو تا رہتا تھا اس لیے انہوں نے کہا جب تک آواز نہ نکلے، یا بدو نہ آئے، وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام شافعی نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ امام ابو داؤد حنفی ۷۷۷۷ حدیث کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں گئے، ایک شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا، اس مشرک نے قسم کھائی میں اس وقت تک من کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک کہ اصحاب محمد ﷺ اس سے کسی کا خون نہ بھادوں۔ وہ نبی ﷺ کا پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ نبی ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ہمارا پہرہ کون دے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصاری نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں گھٹی کے منہ پر کھڑے رہنا، جب وہ دونوں گھٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اس مشرک نے اس انصاری کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی حفاظت کر رہا ہے، اس نے اپنا تیر ٹکڑ کر کلن میں رکھا اور لگا تیر تین تیر مارے۔ وہ انصاری اسی طرح نماز میں رکوع اور سجود کرتا رہا، حتیٰ کہ مہاجر بیدار ہو گیا۔ جب اس مشرک کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ چمکے ہوئے ہیں تو وہ بھاگ گیا، جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا: بھائی اللہ! جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انصاری نے کہا: میں قرآن مجید کی جس سورت کو پڑھ رہا تھا میں نے اس کو مستطیع کرنا پسند نہیں کیا۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۸۸، سند احمد، ج ۳، ص ۲۳۲-۲۳۳، طبع قدیم، سنن کبریٰ للبخاری، ج ۱، ص ۳۰، صحیح ابن خزمہ، رقم الحدیث: ۳۹، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۸۵۸، المستدرک، ج ۱، ص ۱۵۶)

امام شافعی رحمہ اللہ کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہو تا جب نبی ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا جاتا اور آپ اس نماز کو دہرائے کا حکم نہ دیتے۔ ثانیا: حافظ منذری نے لکھا ہے کہ جب کہ تیر لگ کر پہنچے والا خون اس انصاری کے بدن، اس کی کھال اور اس کے کپڑوں پر بھی پھینکا گیا ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں نماز صحیح نہیں ہوتی، خلوہ خون تھوڑا ہی ہو، اور اگر یہ کما جائے کہ خون کی دھار اس طرح بھی تھی کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر خون نہیں لگا تو یہ بہت تعجب خیز بات اور بہت بعید احتمال ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد، ج ۱، ص ۱۳۳)

علامہ ابو روی شافعی نے بعض آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔ اگر کسی شخص کو لپٹے ہوئے نیند آ جائے یا کسی چیز سے اس طرح ٹک لگائے ہوئے نیند آ جائے کہ اگر اس چیز کو ہٹایا جائے تو وہ گر جائے، تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۷۷۷۷ حدیث کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں سوئے ہوئے تھے، حتیٰ کہ آپ نے خزانے لیے پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پوری کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو سو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جب انسان لیٹ جاتا ہے تو اس کے اعضاء اٹھلے ہو جاتے ہیں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۷، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۰۲، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۲۱، سند احمد، ج ۱، ص ۲۵۶، طبع قدیم)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے سند صحیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سوئے تھے، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا نیند سے مل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا، میں نے دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ آپ نے

فرمایا نہیں، جب تک تم اپنا پہلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۵۰ کمال ابن عدی ج ۲ ص ۵۵)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حسن ظہیر ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت معلویہ بن ابی سفیان جڑی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آنکھ سرن کی رسی ہے جب آنکھ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے سو جو شخص سو جائے وہ وضو کرے۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۵۸۷، المعجم الکبیر ج ۱۹، رقم الحدیث: ۸۷۵، سند احمد ج ۳ ص ۹۷-۹۸، سند ابو حلی ج ۱۳، رقم الحدیث: ۷۳۷، سنن دارمی ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۰۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۹، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۵۳۳)

اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی مریم ضعیف راوی ہے اور بقیہ بن الولید اس ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ المیشی اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم یہ حدیث دیگر احادیث صحیحہ اور حسنہ کی مؤید ہے۔

نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے، کیونکہ بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلی، لیکن حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قیاس پر حدیث کو مقدم رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

بلیح بن اسامہ اپنے والد جڑی سے روایت کرتے ہیں، ایک بار بنا شخص آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا، ہم اس سے ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ہم کو پورا وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا اور نماز کو شروع سے دہرانے کا حکم دیا۔

(سنن دارقطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹۱)

اس حدیث کی سند میں حسن بن دینار متروک ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۲)

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب مرد عورت کے یا عورت مرد کے بدن کو بلا حجاب چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زیر تفسیر آیت میں "اولمسنم النساء فلم یجدوا ماء فتیمموا صعبا طبا" (المائدہ: ۶) وہ اس آیت میں لمس کا معنی چھونا کرتے ہیں، یعنی یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تمیم کرو۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس آیت میں لمس جماع سے کنایہ ہے، یعنی جماع اور مباشرت سے وضو ٹوٹتا ہے، صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں لمس، مس کے الفاظ جماع سے کنایہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوری تھی اور میرے دونوں پیر آپ کے سامنے تھے۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے، میں اپنے پیر کھینچ لیتی، جب

کیونکہ لولہ تو یہ دیگر اعضاء کی طرح ایک عضو ہے جس طرح دیگر اعضاء کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا اس کو چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہوتا۔ غرض اس لیے کہ خون، پیپ اور بول، براز کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جو نجس العین ہیں تو جو عضو فی خفیہ ظاہر ہے اس کو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹے گا؟

نیم کی شرط، طریقہ اور دیگر احکام

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص سفر کے دوران پانی نہ پائے یا وہ شخص شہر سے باہر ہو اور شہر اس سے ایک میل (انگریزی ڈیڑھ میل) یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ پاک مٹی سے نیم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلم نجدوا ماء فتبعموا صعبا طيبا" (المائدہ ۶۰) پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے نیم کرو۔ حضرت ابوذر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ خواہ اس کو دس میل تک پانی نہ ملے، سو جب اس کو پانی مل جائے تو وہ اس سے اپنی کھل ترک کرے، یعنی وضو کرے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ محمود کی روایت میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحديث: ۳۳، سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۳۳، سنن نسائی رقم الحديث: ۳۱، سنن دار قطنی ج ۱ رقم الحديث: ۱۱، مسند احمد ج ۸ رقم الحديث: ۲۱۷۳، المستدرک ج ۱ ص ۷۷، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۲۲۰، ۲۲۱)

ایک (شرعی) میل کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ ایک میل کی مسافت سے وضو کے لیے شہر میں جانے سے ضرر ہو گا، اعتبار مسافت کا ہے، تنگی وقت یا نماز فوت ہونے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ تفسیر اس کی طرف سے ہے اور اگر اس کو پانی دستیاب ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ نیم کرے۔ اگر جیسی کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سردی سے مر جائے گا یا بیمار ہو جائے گا تو وہ نیم کرے، خواہ وہ شہر میں ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردی کی رات میں جیسی ہو گئے۔ انہوں نے نیم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما (النساء ۲۹) تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے، پھر انہوں نے اس کا نمی پیچھا سے ذکر کیا تو آپ نے ان کو طاعت نہیں کی۔ (صحیح بخاری، کتاب النیم، باب ۷)

نیم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دو بار ہاتھ مارے۔ ایک بار ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملے اور دوسری بار کھینچ کر سمیت ہاتھوں پر ملے، ہاتھوں سے مٹی کو جھاڑے، تاکہ چہرہ خراب نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زمین کی جنس سے ہر چیز کے ساتھ نیم کرنا جائز ہے۔ مثلاً مٹی، ریت، پتھر، چونا اور بڑتل (ایک قسم کی زرد اور زہریلی وحلت) وغیرہ۔ نیم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ نیز جب انسان کو پانی مل جائے اور وہ اس کے استعمال پر قادر ہو تو اس سے بھی نیم ٹوٹ جاتا ہے۔ نیم سے فرائض اور نوافل سب کچھ پڑھ سکتا ہے، اگر نماز جنازہ یا عید کی نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو شہر میں بلا عذر بھی نیم کرنا جائز ہے۔

(بدایہ النور، ص ۵۶، ۵۷، مطبوعہ شرکت طبعہ، لبنان)

نیم سے متعلق دیگر مباحث ہم نے (المائدہ: ۳۳) میں بیان کر دیے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الّٰلِیَّ وَ اَتَقَكُمُ

اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پہلے کے ساتھ

بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ

تم سے یا ہے، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتیں

يَذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

کو جاننے والا ہے ۝ اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم

بِاللَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّ شَنَاةُ قَوْمٍ عَلَى

رہنے والے ہو جاؤ۔ اور ان مایک تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت

أَلَّا تَعْدِلُوا إْعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ

نہیں بے انصافی پر نہ اجماع ہے۔ تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو،

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

بیشک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے ۝ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ۝ اور جو لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اور ہماری آیتوں کو بھٹایا وہ لوگ دوزخی ہیں ۝ اے ایمان والو!

آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَسْطُوا إِلَيْكُمْ

تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہتھ بڑھانے کا

أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ

ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور ایمان والوں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس حمد و بیان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے۔ جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

(المائدہ: ۷۰)

اللہ کی نعمت اور اس کے حمد و میثاق کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس حمد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ تمہیں خوشی ہو یا رنج، سہولت ہو یا تنگی، ہر حال میں تم اللہ کے احکام من کر قبول کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے اور تم نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں جس چیز کا حکم دیں گے ہم اس کو بجالائیں گے اور جس حکم سے منع کریں گے اس سے باز رہیں گے اور تم پر یہ بھی اللہ کا انعام تھا کہ تم نے یہ حمد کیا سو اسے مسلمانو! تم اپنے اس حمد کو پورا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔

تم اس حمد کو توڑنے یا پورا نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرنا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرو اور دل میں اس کے خلاف ہو اور اپنے ظاہر اور باطن میں اس حمد کی خلاف ورزی کرنے سے اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی معین نعمت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ جس نعمت کا ذکر فرمایا ہے اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جو نعمتیں دی ہیں ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ اس نے حیات عطا فرمائی، صحت دی، عقل اور ہدایت دی۔ آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بہت اچھائیاں عطا فرمائیں، بندوں کو چاہیے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کریں اس کا شکر بجالائیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم ان نعمتوں کو یاد کرو اور یاد کرنا بھولنے کی فرغ ہے یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ننگ و بد میں لگا رہتا ہے اور جب کوئی نعمت چلی جاتی ہے تو پھر اس نعمت کو یاد کرتا ہے حالانکہ اسے چاہیے کہ وہ نعمت کی حالت میں اپنے منعم کو یاد رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ کرنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس کی طرف متنبہ کرنے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا حمد و میثاق ہے۔ اس میثاق کی ایک تفسیر وہ ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے وقت آپ کی اطاعت کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لیا کہ وہ تورات پر ایمان لائیں اور تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارت ہے تو انہوں نے تورات کے ضمن میں آپ کی نبوت پر ایمان لائے کا بھی اقرار کیا تھا سو اس سے یہ میثاق مراد ہے اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا تو ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور جو تھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور شریعت پر جو عقلی دلائل اور شرعی براہین قائم کی ہیں عہد اور میثاق سے وہ دلائل اور براہین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ، در آنحالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔ (المائدہ: ۸۱)

صحیح اور سچی شہادت کی اہمیت

یہ آیت بھی سابقہ آیت سے متصل ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برکتیختہ کرتا ہے۔ اس آیت میں دو حکم ہیں (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خلاصہ بھی دو چیزیں ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور بندوں پر شفقت کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اس کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اس کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے قرابت داروں اور دوستوں کی محبت کی وجہ سے شہادت دینے میں کوتاہی یا کمی نہ کرو اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بغض کی وجہ سے شہادت میں کوئی رد و بدل نہ کرو صرف انصاف کی رو سے شہادت دو خواہ اس سے تمہارے دوستوں کو نقصان پہنچے یا تمہارے دشمنوں کو فائدہ پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی قوم کی عدالت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر عام ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر نہ ابھارے ہائیں طور کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو بلکہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ بدی اور برائی کی ہو اور مخلوق میں سے ہر ایک کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرو اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو چھ جہری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا۔ سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کو کفار پر ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کو جہاں پائیں، قتل کر دیں اور میدان جنگ میں آئے والے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیں اور ان کے اموال لوٹ لیں تو پھر اور ظلم اور زیادتی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم یہ ہے کہ جب وہ اسلام لائیں تو ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے ان کے بچوں کو قتل کیا جائے بڑوں کا مثلہ کیا جائے اور ان سے کیے ہوئے معاملہوں کو توڑ دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ تقویٰ کے معنی ہیں خوف خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا اور جو شخص عدل کرتا ہے وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص عدل کرتا ہے وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے (المائدہ: ۸)

یعنی اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے سو اگر تم نے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دی یا کسی کے حق میں جھوٹی گواہی دی اور بے انصافی کی تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ پھر صحیح اور سچی گواہی پر اجر و ثواب کی بشارت دی اور جھوٹی گواہی پر عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (المائدہ: ۹) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخی ہیں۔

(المائدہ: ۱۰)

نا اہل کو سند یا لائسنس دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۶۶ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جانا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصوصیات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح احتمالات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پردائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

(معارف القرآن، ج ۲، ص ۷۱-۷۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

ہمارے نزدیک اگر کوئی ڈاکٹر کسی صحت مند شخص کو کسی تعلق کی بنا پر یا رشوت لے کر بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے تو اس کے سر پر ایک گناہ تو رشوت لینے کا ہے اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا گناہ ہے۔ اور دو سر گناہ اس کا جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے:

أَن لَّعَنَتِ اللّٰهُ عَالِمِيْنَ كَذِبٍ ۚ ۱۸۰
اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو بے شک اس پر اللہ کی لعنت (النور: ۱۸۰)

اور جھوٹ پر عذاب کی وعید سنائی ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۸۱
اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ (البقرہ: ۱۸۱) بولتے تھے۔

اگر کوئی متحج کسی طالب علم کے پرچہ میں رشوت لے کر یا سفارش یا تعلق کی بنا پر زیادہ نمبر لگاتا ہے یا دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس کے نمبر کم لگاتا ہے تو یہ ظلم ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔ علامہ میرید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور اس کا شرعی معنی ہے حق سے باطل کی طرف تہلوز کرنا اور اس کو جوہر کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا ظلم ہے اور حد سے تہلوز کرنا ظلم ہے۔

(الکتاب الصریحات، ص ۶۲، مطبوعہ ایران، التہامیہ، ج ۲، ص ۶۱، المفردات، ص ۳۱۶-۳۱۵)

اور ظلم بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت فرمائی ہے:

أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِیْنَ (ہود: ۱۸۰)
سو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس لیے کسی ڈاکٹر کا صحت مند کو بیماری کا سرٹیفکیٹ دینا یا کسی افسر کا انڈی کو ڈرائیونگ لائسنس دینا یا کسی جیکسی ڈرائیور کے غلط میٹر کی صحیح میٹر کا سند دینا یا رشوت لے کر کسی غیر محل کو قوی شناختی کارڈ دینا یا کسی یونیورسٹی یا ادارہ کی جعلی سند جاری کر دینا اور اس نوع کی تمام جھوٹی اور جعلی دستاویزات، جھوٹ اور ظلم پر حتیٰ چیں، اور گناہ کبیرہ ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹی شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے، خصوصاً متحج کے نمبر لگانے کا معاملہ کسی طور پر شہادت نہیں ہے۔ اس کے لگائے ہوئے نمبر شہادت

نہیں بلکہ ایک قسم کا فیصلہ ہیں اگر وہ غلط نمبر لگائے گا تو یہ اس کی عدالت کے خلاف ہو گا اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍۭ عَلٰی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا ۚ اَعْدِلُوْا هُمْ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ: ۸۰)

کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ تم عدل کرو اور تمہیں زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کا پرچہ چمک کر کے جو نمبر لگاتا ہے وہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے۔ اسی طرح جو انہر گاڑی کی فٹ نہیں کا سرٹیکٹ دیتا ہے یا میٹر کو صحیح قرار دیتا ہے یہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے اور ڈاکٹر جو سرٹیکٹ دیتا ہے یہ اس کی ماہرانہ رائے ہے۔ یہ تمام امور مشابہ بالقضاء ہیں شہادت نہیں۔ پس شہادت دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی میں شہادت دیتا ہوں جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ اس لیے اگر یہ لوگ غلط فیصلہ کریں گے اور خلاف واقع تحریر کریں گے تو عدل کے خلاف ہو گا اور ظلم اور جھوٹ ہو گا اور یہ کام مؤخر بہ وقت ہے اور گناہ کبیرہ ہیں لیکن یہ شہادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اب ہم آپ کے سامنے شہادت کی تعریف اور ارکان بیان کر رہے ہیں۔

شہادت کی تعریف

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں قاضی کے سامنے ایک شخص کے دوسرے شخص پر حق کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینا (مثلاً کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں آدمی فلاں شخص پر فلاں حق ہے) شریعت میں شہادت ہے۔ (کتاب التعلیقات ص ۵۷ مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد رافع اسلمانی متوفی ۵۵۰ھ لکھتے ہیں:

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم علم اور یقین کے قائم مقام ہے اس میں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ دوسری قسم وہ ہے جو قسم کے قائم مقام ہے اس میں مثلاً یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ زید چلنے والا ہے۔ (المفردات ص ۳۱۸)

علامہ محمد بن محمود دہلوی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

جب گواہ مسوعیت کی جنس سے کوئی بات سنے مثلاً بیع اقرار یا حاکم کے حکم کو سنے یا مبعرات میں سے کسی چیز کو دیکھے مثلاً کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھے یا کسی کو نصب کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ گواہی دے کہ میں گواہی دیتا ہوں فلاں شخص نے بیع کی یا حاکم نے فیصلہ کیا تو اس کو گواہ نہ بتایا گیا ہو۔

(مناہج مع القدر بر ج ۷ ص ۳۵۷ طبع بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۸۶ھ نے لکھا ہے کہ شہادت میں لفظ شہادت (مثلاً میں شہادت دیتا ہوں) کہنا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ساتھ شہادت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

وَأَشْهِدُوا ذَوٰی بَعْدِکُمْ (الطلاق: ۴)
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: ۲۸۲)
وَأَشْهِدُوا شَہِیْدَیْنِ مِنْ رِجَالِکُمْ (البقرہ: ۲۸۲)

اور تم میں سے دو ایک شخص شہادت دیں۔
جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو شاہد (گواہ) بتاؤ۔
اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہد طلب کرو۔

اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔

وَ أَقِیْمُوا الشَّہَادَۃَ لَکُمْ (الطلاق: ۴)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے شہادت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اس کی مثل ہو تو شہادت دو، ورنہ چھوڑ دو۔

(المستدرک ج ۳، ص ۱۹۸، سنن کبریٰ ج ۱۰، ص ۱۵۶)

ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی سنی ہوئی بات یا کسی وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر جو کسی مریض کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہے، یا مستحق کسی پرچہ پر نمبر لگاتا ہے، اس میں کسی واقعہ یا حادثہ کی خبر نہیں دی جاتی، بلکہ اپنی طرف سے ایک رائے دی جاتی ہے یا ایک حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لیے ان امور کو شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر بدعتی کی وجہ سے صحیح رائے نہ لکھی جائے یا صحیح حکم نہ لگایا جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے اور ظلم ہے، اور اگر اس نے دانت اپنی فی الواقعہ رائے کے خلاف لکھا تو یہ جھوٹ ہے اور ہر حال گناہ کبیرہ ہے۔

نا اہل شخص کو ووٹ دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

کامیاب ہونے والے قاری تحصیل طلباء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کا ذکر کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قوی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ہمارے نمائندوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ گواہی جی اور صحیح ثابت ہو سکے، مگر ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو محض ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے، کبھی کسی دہاکے تحت استعمال کیا جاتا ہے، کبھی پٹا پندار دوستوں اور ذلیل و خردوں کے بھروسہ پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تو اور، لکھے پڑھے دہدار مسلمان بھی نا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہو چکا ہے:

وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ
نَصِيبٌ مِّمَّا وَصَّيْنَا وَلَمْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً
يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّمَّا وَصَّيْنَا۔

یعنی جو شخص اچھی اور جی سفارش کرے گا تو جس کے حق میں سفارش کی ہے اس کے نیک عمل کا حصہ اس کو بھی ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرنا ہے، یعنی کسی نا اہل اور برے شخص کو کامیاب بنانے کی سعی کرنا ہے، اس کو اس کے برے اعمال کا حصہ ملے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ امیدوار اپنی کارکردگی کے بیچ سالہ دور میں غلط اور ناجائز کام کرے گا، ان سب کا وہل ووٹ دینے

والے کو بھی پہنچے گا۔

دوٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ دوٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کیلئے وکیل بناتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکالت اسکے کسی شخص حق کے متعلق ہوتی اور اسکا نفع نقصان صرف اسکی ذات کو پہنچتا تو اسکا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اسکے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لیے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لیے دوٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اسکی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا دوٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک شہادت، دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔ تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صلح قتل آدمی کو دوٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو دوٹ دینا بھونٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے بدلہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ دوٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کر لے کہ جس کو دوٹ دے رہا ہے وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، اور دیانت دار ہے یا نہیں، شخص فطرت و سہ پر وای سے بلاوجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ بنے۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۷۲، ۷۳، مطبوعہ ادارہ المعارف کراچی)

جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نا اہل ہو، اس کو دوٹ دینا ہمارے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دوٹ کسی کے حق میں شہادت ہے، یا وکالت ہے، یا شفاعت ہے، اس کا شہادت نہ ہونا تو ہماری پہلی تقریر سے واضح ہو گیا۔ شہادت میں کسی دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے واقعہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دی جاتی ہے، اور دوٹ دینے کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ شفاعت اس لیے نہیں ہے کہ شفاعت میں کسی تیسرے شخص کے پاس کسی منصب کے لیے سفارش کی جاتی ہے، اور اس تیسرے شخص کے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا ہے کہ خواہ اس شفاعت کو قبول کرے خواہ رد کر دے، جبکہ دوٹ کی حیثیت اس طرح نہیں ہے۔ جس نمائندہ کے دوٹ ڈالے گئے ہیں، اگر اس کے دوٹ اپنے مقلد سے زیادہ ہوں تو وہ اسمبلی کا ممبر بن جائے گا۔ اس میں کسی کے قبول کرنے نہ کرنے کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس طرح دوٹ وکالت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وکالت میں موکل کسی شخص کو وکیل بنانے کے بعد اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ (حدیث اخیرین ص ۱۹۹) اور ووٹر کسی امیدوار کو دوٹ ڈالنے کے بعد اپنے دوٹ کو کینسل نہیں کر سکتا، اور نہ ہی منتخب ہونے کے بعد اس امیدوار کو معزول کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی تعلق یا لالچ یا دھوکا کی وجہ سے کسی نا اہل شخص کو دوٹ ڈال رہا ہے، تو اس عمل کے ناجائز ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک منصب کے لیے نا اہل شخص کو مقرر کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اور اسلام میں کسی نا اہل کو منصب دینے سے منع کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اپنی بات عمل کر کے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب کسی نا اہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹، سند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۸، رقم الحدیث: ۸۷۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۸۸۷، الجامع

المکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۹۵)

جو کسی ایسے شخص کو قوی یا صوبائی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے جو دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ مند نہ ہو اور اس کا بد چلن اور بد کردار ہو یا بالکل واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے نا اہل شخص کو منتخب کر رہا ہے اور نا اہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا اس حدیث کے مطابق قیامت آجانے کے حروف ہے۔ نیز اس سلسلہ میں مزید احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا، مگر نہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کا فرماں بردار بندہ تھا تو بتانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۹۳-۹۲ مطبوعہ دار الباز، مکہ المکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا، مگر نہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (کنز العمال ج ۹ ص ۷۷ مطبوعہ موسسہ الرسلہ، بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ایوب جریر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ روئے اور جب نا اہل والی ہو تو پھر دین پر روئے۔ علامہ احمد شاکر حنفی ۷۷۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۱۷، رقم الحدیث ۲۳۳۷۷، حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک ج ۳ ص ۵۵ نیز امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ المسند للشیخ ج ۳، رقم الحدیث ۳۹۹۹۹

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص بیسویں کے لائق ہو مگر کسی یا کسی آدمی کے دہائی وجہ سے نا اہل کو ووٹ ڈالتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرنا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نا اہل شخص کو ووٹ ڈالنا ظلم ہے کیونکہ ظلم کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور خالصوں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ظلم مکمل کبیرہ ہے۔

نیز جب کوئی بد کردار اور فاسق و فاجر یا بد مذہب شخص اسمبلی میں پہنچے گا اور اس کو قانون سازی کا اختیار ملے گا تو یہ ممکن ہے کہ وہ خلاف شرع قانون بنائے یا اس کے حق میں ووٹ دے۔ جیسے ابوب خلن کے دور میں عائلی قوانین بن گئے جو سراسر غیر اسلامی ہیں اور ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۷ء کی وفاق کابینہ نے یہ مسودہ قانون منظور کیا کہ عورت خولہ قاتل ہو اس کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہ صریح قرآن کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے ایسے بے دین لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچایا یا جنہوں نے خلاف شرع قانون سازی کی وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اس لیے جو لوگ غیر حدیث اور غیر صلح لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائیں گے وہ بھی برابر کے مجرم ہوں گے۔ اس لیے نا اہل شخص کو ووٹ دینا بالکل جائز نہیں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے، ظلم ہے، ظلم خلاف شرع قانون بنانے کا ذریعہ ہے۔

طلب منصب کی تحقیق

ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خلی ہے کہ قوی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے، مگر اسلام میں از خود عمدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاذنی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک

فحص نے کیا یا رسول اللہ اللہ نے جن چیزوں پر آپ کو ولایت دی ہے ان میں سے بعض پر ہمیں امیر بنادیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا آپ نے فرمایا بخیر ۱۱ ہم اس فحص کو کسی منصب پر امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ اس کو جو اس کی حرم کرے گا۔ (صحیح مسلم ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا (یوسف: ۵۵) حضرت یوسف نے (عزیز مصر سے) کہا: ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے ہوا حکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخیر ۱۱ ہم اس فحص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس فحص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرم کرے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی طور پر یقینی ہوتا ہے نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افضل کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی طور پر یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو فحص اہل ہو اس کا حصہ نہ مت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ ہمیں اس مقدمہ کی صحت سے انکار نہیں ہے لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر شراب اور خمر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی فحص ضرورت کے حوالے سے محدود اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر علاقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کتو-لنسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے اور ہر امیدوار کے حلقے یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بنا پر کھڑا ہوا ہے براہتہ باطل ہے۔ کیونکہ ہر علاقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چوتھ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں۔

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

در حقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت و نای فیہ اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیر اعظم، صدر مملکت اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ

اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربراہ اور وہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے، لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی مہم شرائع رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حل ہی میں صدر مملکت چیف ایگیشن کشن اور بالواسطہ طور پر عدلیہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور پر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی وضاحت ۳۳ اور ۳۳ تا قتل اطلاق اور ناقابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبیر کی حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق و فاجر جہل اور نا تجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی عہدہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (المائدہ ۵)

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۳۰ھ نے اس آیت کے حسب زیل دو شان نزول بیان کیے ہیں۔

یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کے پاس ایک ریت کے محلہ میں گئے (دعاری مسلمانوں کو محمود بن امیہ خمری نے قتل کر دیا تھا۔ آپ یودیوں سے ان کی ریت وصول کرنے تشریف لے گئے تھے) آپ نے ان یودیوں سے فرمایا اس ریت (کی وصول پالی میں) میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم! اب آپ کو ہم سے کام درپیش ہوا ہے۔ آپ بیٹھے ہم آپ کو کچھ کھلاتے ہیں اور آپ کا مطلوب مہیا کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ سے یہ گفتگو کئی بنی انتہا بنی تھی وہ یودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا جس قدر اب یہ تمہارے قریب ہیں اس سے زیادہ قریب تم ان کو کبھی نہ پاؤ گے۔ ان کو چھوڑنا سے مار کر قتل کر دو پھر اس کے بعد تم کو کبھی مصیبت کا سامنا نہیں ہو گا۔ وہ چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ لے کر آئے تاکہ اس کو آپ پر گرا دیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے آپ کو بچالیا اور جبرائیل آپ کو وہاں سے اٹھ کر لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر جونیڈی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل پر ٹھہرے اور مسلمان مختلف درختوں کے نیچے ان کے ساتھیوں میں لیٹ گئے نبی ﷺ نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے ایک اعرابی آیا اس نے آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور وہ آپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ! اس اعرابی نے تلوار میان میں ڈال لی۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو اعرابی کے واقعہ کی خبر دی اور انہیں کہہ دیا کہ وہ آپ کے

پہلو میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ قلم نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض دشمن آپ کی غفلت میں آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس اعرابی کو بھیجا تھا۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۰۱-۳۰۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۳-۲۹۱۰ مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث: ۱۱۳۴۱) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی ﷺ اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی ﷺ سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور بیشک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد کیا اور ان میں سے ہم نے بارہ نگران

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ

مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم

الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّيْتُمْهُمْ

رکھی اور زکوٰۃ ادا کی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تنظیم کے ساتھ مدد کی

وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا تُكْفِرُنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا،

وَلَا تُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ

اور میں تم کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں سو تم میں سے جس

بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۳ فَبِمَا نَقُضُوا

نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ بیشک سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا ۝ تو ان کے عہد توڑنے

مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ

کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا (اللہ کے) کلام کو اس کے

عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

مقامات سے بدل جیتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو انہی نے بھلا دیا اور آپ ان کی خیانت

عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ

پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے ، آپ ان کو معاف کیجیے اور درگزر کیجیے ،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي

بیشک اللہ نیک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۱۳ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

نصاری میں تو اس کے برعکس مجھے کہ انہوں نے بھلا دیا ہمیں کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يَنْبِئُهُمُ

کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا اور مقترب اللہ انہیں ان کاموں

اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾

کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے ۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے بے شک بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ مہاجر مقرر کیے۔
(المائدہ: ۱۲)

سابقہ آیات سے ارتباط

یہ آیت سابقہ آیتوں کے ساتھ تین وجوہوں سے مربوط ہے:

۱۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے چٹائی کے ساتھ تم سے لیا ہے (المائدہ: ۹) اور اب یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا لیکن انہوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا تو اسے مسلمانوں تم اس برائی میں یہودی کی مثل نہ ہو چلا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب اس کی نعمت کا حصد ملین جاؤ اور تم پر بھی بذلت اور مستکبری ذل دی جائے۔

۲۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا (المائدہ: ۱۱) اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ یہ آیت یہود کے متعلق ہے جب انہوں نے نبی ﷺ اور آپ کے بعض اصحاب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودی کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں کہ انہوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی بلکہ انہوں نے خدا اللہ کے ساتھ کچے ہوئے عہد و پیمان کو بھی توڑ ڈالا تھا۔

۳۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی

یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔
حل لغات

دیوار یا گڑی میں سوراخ کو قنب کہتے ہیں۔ پھاڑوں میں جو سرنگ پھل جاتے ہیں کو منقبہ کہتے ہیں کسی نیک انسان کے انقباض کو بھی منقبہ کہتے ہیں کیونکہ جس طرح گڑی یا دیوار میں سوراخ موثر ہوتا ہے اسی طرح نیک آدمی کے انقباض بھی دوسرے لوگوں میں تاثر کرتے ہیں۔ قوم کا رئیس جو قوم کے احوال کی تحقیق کرتا ہے اور ان میں موثر ہوتا ہے اس کو قنب کہتے ہیں۔ اس کی جمع قبایہ ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہم نے بنو اسرائیل کے بارہ قبایہ مقرر کیے ہیں یعنی ان کو بارہ گروہوں میں بٹھادیا اور ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا۔ (المفردات ص ۳۳ مطبوعہ ایران)

اس آیت میں فرمایا ہے "وَعَزَّزْنَاهُمْ" تم نے رسولوں کی تصویر کی۔ تصویر کا معنی ہے تقسیم کے ساتھ مدد کرنا تصویر حد سے کم درجہ کی سزا کو بھی کہتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کی نصرت ہے کیونکہ جس شخص میں کوئی ایسی خصلت ہو جس سے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرر پہنچے تصویر کے ذریعہ اس خصلت کو مٹا کر اس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تادیب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی تقسیم کے ساتھ مدد کرنا ہے۔

(المفردات ص ۳۳ مطبوعہ ایران)

کامیت کا معنی ہے سخت جلد جو کسی قسم کی خیر کو قبول نہ کرے، تحریف کا معنی ہے کسی شے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا۔

بنو اسرائیل کی عمدہ شکنی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ص ۱۰۳ لکھتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم بنو اسرائیل کے بارہ سرداروں کو منتخب کر کے جہاد کی سر زمین شام میں بھیجیں تاکہ وہ اس قوم کے احوال کی تحقیق کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کریں اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس قوم کا وارث بنائے اور اس سر زمین میں آباد کرے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی اور ان کو مصر سے نکال لیا تھا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق بارہ قبیلوں کو بھیجا یہ بارہ قبیہ جہاد کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ ہو گئے ان کو راستہ میں ایک شخص ملا جس کا نام علیج تھا۔ (عروج بن حنی) وہ اس قدر لبا اور جہیم تھا کہ اس نے ان بارہ قبیلوں کو بکرا کر اپنے بیٹھ میں اڑا لیا اس کے سر پر گڑیوں کا گٹھا تھا وہ ان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہلا دیکھو یہ لوگ اپنے زعم میں ہم سے لڑنے آئے تھے۔ پھر اس نے ان سب کو اپنے بیٹھ سے نکل کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کیا خیال ہے میں ان سب کو اپنے قدموں تلے روند کر نہیں ڈالوں؟ اس کی بیوی نے کہا نہیں بلکہ ان کو چھوڑ دو تاکہ یہ اپنی قوم کو جا کر ہماری قوت اور طاقت کا حال بتائیں۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا اگر تم نے بنو اسرائیل کو اس قوم کا حال بیان کر دیا تو وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے اس لیے تم صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس خبر سے مطلع کرنا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اس پر عہد و پیمان لیا لیکن ان میں سے صرف دو اس عہد پر قائم رہے۔ وہ یوشع بن نون اور کلاب بن یوشع تھے اور باقی دس نے اس عہد کو توڑ کر تمام بنو اسرائیل سے علیج کا واقعہ بیان کر دیا۔ بنو اسرائیل کو جب جہاد کی قوت اور طاقت کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا

قَادُھَبْ اَنْتَ وَرَثُکَ فَمَا یَلَکَ اِذَاھُمَا
(المائدہ: ۳۳) یہاں بیٹھے والے ہیں۔
آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں، سو وہ جنگ کریں، ہم
قائِدُوں۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۰۶-۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ، الویسط، ج ۲، ص ۱۶۶، طبع بیروت)
ہام نضر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد اور میثاق لیا تھا کہ وہ جبیرہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر
آئے تھے اس کی بنو اسرائیل کو خبر نہ دیں، لیکن انہوں نے ان کو یہ خبر دے دی اور یہی ان کا عہد توڑنا تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابو العلیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی کی
عبادت نہ کریں اور مقاتل نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں۔

(ازار المسیر، ج ۲، ص ۳۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا
کی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کی ساتھ مدد کی اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے
تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا۔ (المائدہ: ۳۴)

بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں ہوگی، خواہ نیک عمل کیے ہوں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں، اس کا معنی ہے میں علم اور قدرت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ یہ بارہ نقیبوں سے خطاب ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کے ہر فرد سے خطاب ہو، یعنی میں تمہارا کلام سن رہا
ہوں اور تمہارے افعال دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم اس عہد کو پورا کر دے تو میں تم کو اس کی جزا دینے پر قادر ہوں اور اگر تم اس عہد
کو پورا نہیں کر دے تو اس کی سزا دینے پر قادر ہوں۔ پھر جزا کا ذکر فرمایا، میں تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا اور تم کو جنتوں
میں داخل کروں گا، پھر سزا کا ذکر فرمایا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر
دیا۔

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو پہلے ذکر کیا اور رسولوں پر ایمان لانے کو بعد میں ذکر کیا، جبکہ یہ ظاہر
رسولوں پر ایمان لانے کا پہلے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا بعد میں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اس کا اقرار
کرتے تھے کہ نجات کے لیے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، اس کے باوجود وہ بعض رسولوں کے انکار پر اصرار کرتے
تھے۔ اس لیے ان سے فرمایا کہ تم میرے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، ورنہ اس کے بغیر کھنڈ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے
تمہاری نجات نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اللہ کو اچھا قرض دینے کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ زکوٰۃ سے مراد صدقات واجبہ ہیں اور اللہ کو اچھا قرض
دینے سے مراد نفل صدقات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت
کر دیا۔ (المائدہ: ۳۴)

اس آیت میں یہود کے عہد توڑنے کا ذکر فرمایا ہے، ان کے عہد توڑنے کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بعض نبیوں کی تکفیر کرتے تھے اور ان کو قتل کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ تورات میں مذکور نبی چچم کی صفات کو چھپاتے تھے۔
 اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کی بھی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ دوسری یہ کہ ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنادیا اور تیسری یہ کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ نیز فرمایا ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ایسا کر دیا کہ وہ دلائل دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کے کلام کو اس کے مقلات سے بدل دیتے ہیں (الحاندہ ۳)

تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات

یہود نے تورات میں جو تحریف کی ہے اس کے حعلق کئی اقوال ہیں:

۱۔ یہود تورات کی آیتوں میں رد و بدل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبارات بنا کر آیات میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

قَوْلُ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ يَأْتِيَهُمْ
 نُمْ يَمْشُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْبُفْرہ ۷۷
 ان لوگوں کے لیے جو ان کتاب کے لیے بڑا عذاب ہے جو اللہ کی کتاب میں (اپنی طرف سے) لکھیں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۲۔ تحریف کے متعلق دو اقوال یہ ہیں کہ وہ تورات کی آیتوں کی اپنی طرف سے باطل تویل کرتے تھے۔ امام رازی کا یہی عقار ہے۔ وہ لفظی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کتاب تواتر سے منقول ہو اس میں لفظی تغیر نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۸۳)

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ تورات کی جن آیات میں سیدنا محمد چچم کی صفات ہیں وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۱۲ مطبوعہ بیروت)

ڈاکٹر وجہ زحلی لکھتے ہیں:

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کائناتوں نے حکم دیا تھا اس کا صرف ایک نسخہ تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اور جب اہل بابل نے ان کے جھیل کو جلادیا تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

اور وہ پانچ سو تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں جن میں حضرت موسیٰ کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہو گا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کل عرصہ گزر جانے کے بعد بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کو خدا کا کہنے نے لکھا تھا جو بنو اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کل زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔

(التفسیر المنیر ج ۶ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ تورات اور انجیل کلیتہً ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔ موجودہ تورات اور انجیل خواہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد لکھی گئی ہوں، لیکن ان میں بہر حال اصل تورات اور انجیل کی بہت آیات موجود ہیں اور بعد کی بطلانی ہوئی آیات بھی ان میں موجود ہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کتابوں کا اعتبار کیا ہے اور قرآن مجید کو ان کا مصدق قرار دیا ہے۔ اور

ان کتابوں کے حاملین کو اہل کتب فرمایا ہے اور ہمارے نزدیک ان کتابوں میں ہر طرح سے تحریف کی گئی ہے۔ اصل آیات نکل کر اور اپنی طرف سے آیات بنا کر ان میں داخل کی گئی ہیں اور اصل آیات کی باطل تلوٹات بھی کی گئی ہیں اور جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی آمد کی بشارت پر مشتمل تھیں ان کو چھپایا اور نکالا بھی گیا ہے۔ حدود کی آیات میں حسب فشاء تفسیر بھی کیا گیا اور بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی پڑھا گیا ہے تاکہ معنی کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصہ کو انہوں نے بھلا دیا۔

(المائدہ: ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تو رات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی وساطت سے ان سے جو عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اس عہد کو انہوں نے پورا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ ان کی خیانت پر بیش مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔

اہم ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جب آپ عامروں کی دست وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ٹکر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۱۳ مطبوعہ بیروت)

اس آیت میں فرمایا ہے "ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں۔

اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بے شک اللہ نیک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قریظہ کے ساتھ نبی ﷺ نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی ﷺ کی طرف سے مامون رہیں گے اور ان کے اسوا اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے یہ معاہدہ بیشق مدینہ مکمل تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو صرف حجاز سے جلا وطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَجَدْتُمُوهُمْ تَوْتُمْ شُرَكِيْنَ كُو قُل كُرْدَانِ جَاں پَاؤ۔

(التوبہ: ۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا۔ (الانبیاء: ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نصاریٰ سے بھی اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور

آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے، لیکن انہوں نے بھی یہود کی طرح اس عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت اور بغض کو ڈال دیا اور وہ قیامت تک اسی کائنات میں برقرار رہیں گے۔ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور عقرب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ان کے کام کی خبر دے گا جو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر التزام باہم اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا اور اس کا شریک بنایا اور آخرت میں ان کو ان کے اس شرک کی سزا دے گا۔

اتخراج مسائل

- ۱۔ یہود نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا تو اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے کی سزا لعنت ہے۔
- ۲۔ احکام شریعہ کی تبلیغ کے لیے بنو اسرائیل میں بارہ نقیب مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے۔
- ۳۔ بارہ نقیبوں کو جہاں کے احوال کی تحقیق کے لیے شام بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے علاقہ میں جاسوس بھیجنا جائز ہے۔
- ۴۔ اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانا "نماز پڑھنا" زکوٰۃ ادا کرنا اور نفل صدقات دینا گناہوں کی مغفرت اور دخول جنت کا سبب ہے۔
- ۵۔ یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا

اے اہل کتاب! بیشک تمہاریس پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے

كُنْتُمْ تَخْفَوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ

جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، بیشک آگیا تمہارے

مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ

پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشنی کا کتاب ۵ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں

رَضُوا أَنَّهُ سَبِيلُ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

کو پھلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

يُذِنُهُ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ

لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ۵ بیشک ان لوگوں نے کفر کیا

قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ

جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے ، آپ کہیے کہ اگر اللہ مسیح ابن

مَنْ اللَّهَ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ

مریم ، اس کی ماں اور تمام زمین و آسمانوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو

أُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے ؛ اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور

وَمَا يَنْبَغِي لَهَا أَنْ يَخْلُقَ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾

جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے (المائدہ: ۱۵)

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ حالانکہ ہمارے نبی ای ہیں انہوں نے کسی درس میں تعلیم حاصل نہیں کی اس کے باوجود ان کا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا ان کے معجزات میں سے ہے۔

یہود و جم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا اس کی پاداش میں ان کو بندر بنادیا گیا اس کو بھی وہ چھپاتے تھے اور سیدنا محمد ﷺ نے ان امور کو بیان فرمادیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے تھے ان کو نبی ﷺ نے نہیں بیان فرمایا کیونکہ ان کے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ: ۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق علماء کے نظریات

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آگئی۔ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرمادیے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے نور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرمادیا جس میں ان کا اختلاف تھا مثلاً اللہ کی توحید حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا

جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۳۵ھ)
علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت یعنی اسلام۔ قلوہ نے کہا اس سے نبی ﷺ مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں نور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ (الوسیط، ج ۲، ص ۲۸۸-۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)
حسب ذیل تفسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قلوہ نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی ﷺ ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۷۸، مطبوعہ بیروت، فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۳، قلوہ المستور، ج ۲، ص ۲۸۸، نظم الدرر، ج ۶، ص ۶۳، زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۱۹)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں نور قرآن اور نور وہ ہے جس سے اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور آنکھیں اس کی حقیقت کو دیکھتی ہیں۔ قرآن کو نور فرمایا ہے کیونکہ وہ دلوں میں نور کی طرح واقع ہوتا ہے کیونکہ جب قرآن دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سرقندی، ج ۱، ص ۲۲۴، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ)
امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۲۔ نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۳۔ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ عطف تفسیر کو چاہتا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت حقائق اور معنویات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیوں کو دور کرتا ہے اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا آغاز واضح ہو اور ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ (علامہ بیضاوی کی پہلی تفسیر مغشوری سے مستفاد ہے کشاف، ج ۱، ص ۶۷)
علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے۔ دوسری تفسیر جس کے مطابق نبی ﷺ کو نور فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے معجزات کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ (نور نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کر دے)

(علائقہ القاضی، ج ۳، ص ۲۲۶، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔ قلم کا بھی مذہب ہے اور نبی زجلج کا مختار ہے۔ ابو علی جبلی (معتزلی) نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اقتصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہو گا کہ عطف تختار کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو تختار کس طرح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عنوان کا تختار کافی ہے۔ معطوف علیہ میں قرآن کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کو کتب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تختار کو تختار بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتب مبین دونوں سے مراد نبی ﷺ ہوں اور یہاں بھی صحت عطف کے لیے عنوان کا تختار کافی ہو گا اور نبی ﷺ پر نور اور کتب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی 'جز ۶' ص ۷۷) 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا کیونکہ آپ امیر جمیعوں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی تختار کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی ﷺ کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں کیونکہ انوار میں آپ کا کمال ظہور ہے اور آپ کتب مبین ہیں کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام 'احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ (شرح الصفات 'علی حاشیہ نسیم الریاض' ج ۱ ص ۳۴) 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۷۳ھ لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر و دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(غزائن العرفان 'ص ۱۷۶' 'مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ کراچی)

اکثر مفسرین کا مختار یہی ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد نور ہدایت اور نور معنوی ہے یا اس سے مراد نور حسی ہے۔ جیسے چاند اور سورج کا نور ہے۔ امام ابن جریر 'علامہ سمرقندی حنفی' قاضی بیضاوی شافعی 'علامہ احمد قفلی حنفی' ملا علی قاری حنفی 'اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علامہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور حسی ہیں۔

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد القاسمی المالکی الشافعی ابن الحاج المتوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو عبد الرحمن الصفی رحمہ اللہ نے کتب اللہ لائے میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیدنا محمد ﷺ کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا پھر سیدنا محمد ﷺ کے نور سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔ (یہاں علامہ صفی کی عبارت ختم ہوئی) اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں 'قیسہ خطیب ابو الریح نے اپنی کتب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا

تو اللہ سبحانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیع اعلیٰ کے فرشتے مجھے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے۔ اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا، حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی۔ اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش 'کری' آسمانوں 'زمینوں' پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ ﷺ کے مدہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے، وہ خاتم الانبیاء ہیں، اللہ ان کو تمہاری پشت سے نکلے گا، تم میرے عہد اور ميثق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحوں میں رکھنا۔ حضرت آدم نے کہا میں تیرے عہد اور ميثق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ کا نور حضرت آدم کی پشت میں چمکتا تھا، نور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور ﷺ کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

علامہ ابن الخلیج اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا، دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔ پھر قلم سے فرمایا جل لکھ اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا: میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں، پھر قلم لوح پر چلے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا کیا، دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنگھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا، حتیٰ کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ پس عرش کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور سورج، چاند اور آنگھوں کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے۔ (اس روایت کی عبارت ختم ہوئی)

اس کے بعد علامہ ابن الخلیج لکھتے ہیں:

اس معنی میں بکثرت روایات ہیں۔ جو ان پر مطلع ہونا چاہے، وہ ابوالریج کی کتب الشفاء کا مطالعہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کہا اے دعا جو معنی میرے باپ ہیں اور صورت میرے بیٹے ہیں، اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (البدخل ج ۲ ص ۳۳-۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۱۱۵۵ھ لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جیسا کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔ بعض علماء نے کہا اس حدیث اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اللہ نے سب

سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور مطابقت اس طرح ہے کہ معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبداء تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے الفاظ میں واسطہ ہے وہ سید الانبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا نور ہے۔

(شرح مواقف، ج ۷، ص ۲۵۳، مطبوعہ ایران ۱۳۲۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا: لکھ! تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دیا۔ حسن عطاء اور مجاہد کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے نور اور خلقت کو پیدا کیا پھر ان کو ممتاز کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا۔ تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(محرمہ القاری، ج ۱۵، ص ۱۰۹، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متونی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سب کے لیے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے اللہ کے فیضان کا واسطہ ہیں اسی وجہ سے حضور ﷺ کا نور اول المخلوقات ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ (روح المعانی، ج ۱۵، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت مکی ہے جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور ایک حیثیت بشری ہے جس سے آپ فیض دیتے ہیں اور قرآن مجید آپ ﷺ کی روح پر نازل کیا جاتا ہے کیونکہ آپ کی روح صفات ملکیت کے ساتھ متصف ہے جن کی وجہ سے آپ روح امین سے فیض لیتے ہیں۔

(روح المعانی، ج ۱۹، ص ۱۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نواب وحید الزمان (غیر مقلدین کے مشہور عالم) متونی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی پھر عرش کو پیدا کیا پھر پانی کو پھر ہوا کو پھر روایات، قلم اور لوح کو پیدا کیا پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اس سے مراد اولیت اضافی ہے۔ (حدیث البدی، ص ۵۶، مطبوعہ سیالکوٹ)

جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا بعض علماء نے کہا اس حدیث میں نور سے مراد روح ہے۔ ملا علی قاری متونی ۱۰۷۷ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے سب سے پہلے میری روح کو

پیدا کیا، ان دونوں روایتوں سے مراد واحد ہے، کیونکہ ارواح روحانی ہوتی ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۱۶۷، مطبوعہ مکتبۃ امدادیہ، لبنان، ۱۳۹۰ھ)

نہی پیچھے کے نور ہدایت ہونے پر دلائل

نہی پیچھے کے نور حسی ہونے کے متعلق علماء کے یہ نظریات ہیں، جن کو ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ البتہ ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہی پیچھے انسان اور بشر ہیں، لیکن آپ انسان کامل اور افضل البشر ہیں۔ اور ہر نہی انسان اور بشر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نہی پیچھے کو ہماری جنس سے مبعوث کیا ہے اور اسی کو ہمارے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۳۴) ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

یہ کتنی عجیب ہمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمائے کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے رسول کو تم میں سے بھیجا اور ہم یہ کہیں کہ نہیں رسول ہماری جنس سے نہیں ہیں، ان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ رسول اللہ پیچھے کا ہم میں سے ہونا ہمارے لیے اس وجہ سے احسان ہے، تاکہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہمارے لیے نمونہ اور حجت ہوں، اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث ہوتے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہم پر حجت نہیں ہیں، کیونکہ آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری حقیقت اور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ افعال اور عبادات کر سکتے ہوں اور ہم نہ کر سکیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

(التوبہ: ۳۸)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رَحَلًا نُوْحِيْهِ إِلَيْهِمْ (الانبیاء: ۷) ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں ہی کو رسول بنا دیا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

کفار یہ کہتے تھے کہ کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَحَلًا وَلَكُنَّا عَلَيْهِمْ قَائِلِينَ (الانعام: ۹) صورت میں بناتے اور ان پر وحی شہد ازال دیتے جو شہد وہ

(اب) کر رہے ہیں۔

ان تمام آیات میں تصریح ہے کہ نہی پیچھے بشر انسان اور مویں لیکن آپ افضل البشر انسان کامل اور سب سے اعلیٰ مرد ہیں، اور اگر نور سے مراد نور ہدایت لیا جائے تو ان آیتوں میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے نور ہدایت ہی مراد لیا ہے۔ اور اگر آپ کو چاند اور سورج کی طرح نور حسی ملتا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے، تو قرآن مجید کی ان صریح آیات کو ان اقوال کے تابع کرنا لازم آئے گا اور کیا قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں ان اقوال کو عقیدہ کی اساس بنانا صحیح ہوگا؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے، لیکن اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا فرشتے اور حضرت جبرائیل چاند اور سورج کی طرح نور حسی ہیں؟ کیا رات کے وقت ہمارے ساتھ مگر نکیر نہیں ہوتے؟ پھر کیا ان کے ساتھ ہونے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے؟ کیا جب رات کو نہی پیچھے کے پاس حضرت جبرائیل آتے تھے تو روشنی ہو جاتی تھی، فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے وہ

کس قسم کے نور سے بنائے گئے؟ لیکن یہ بہر حال مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ چاند اور سورج کی طرح نور حسی نہیں ہیں، کیونکہ دنیا میں ہر جگہ ہر وقت فرشتے موجود ہوتے ہیں، اس کے باوجود دنیا میں رات کو اندھیرا بھی ہوتا ہے۔

البتہ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نور حسی سے بھی وا فر حصہ عنایت فرمایا تھا۔ امام ابو بکر احمر بن حسین بسطی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔ جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمل کو بیان کرتا، اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دینا اور کہنا کہ آپ ہماری نظر میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ کا رنگ چمکدار اور چہرہ منور تھا اور چاند کی طرح چمکتا تھا۔ (دلائل النبوة، ج ۱، ص ۳۰۰، مطبوعہ بیروت، 'خصائص کبریٰ' ج ۱، ص ۶۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا اور کھائی دیتا تھا۔

(شکل محمدیہ، رقم الحديث: ۱۵، المعجم الکبیر، ج ۱، رقم الحديث: ۱۷۸۸، المعجم للاوساط، ج ۱، رقم الحديث: ۷، دلائل النبوة للسیوطی، ج ۱، ص ۲۱۵، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۷۹، سنن داری، ج ۱، رقم الحديث: ۵۸)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی شخص کو حتیٰ دیکھا، نہ پہلور نہ روشن چہرے والا۔ (سنن داری، ج ۱، رقم الحديث: ۵۹، حجة الله على العالمين، ص ۲۸۹)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چاندنی رات میں دیکھا۔ میں بھی آپ کی طرف دیکھا اور بھی چاند کی طرف۔ بخدا! آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

(شکل محمدیہ، رقم الحديث: ۲۰، سنن داری، ج ۱، رقم الحديث: ۵۷، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۳۲، المستدرک، ج ۳، ص ۱۸۶، حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے ریح بنت معوذ بن عفرہ سے کہا: ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا: میرے بیٹے! اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو تم ظلم ہونے والے آفتاب کو دیکھتے۔

(سنن داری، ج ۱، رقم الحديث: ۲۰، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۶، حجة الله على العالمين، ص ۲۸۹، معجم الکبیر، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۳۲، المستدرک، ج ۳، ص ۱۸۶، حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

نبی ﷺ کے حسن و جمال اور آپ کی حسی نورانیت سے متعلق ہم نے یہ احادیث تلاش کر کے نقل کی ہیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چاند اور سورج سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کا چہرہ بہت منور اور روشن تھا اور آپ کے دانتوں کی جھری میں سے نور کی مانند کوئی چیز نکلتی تھی، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا خیر مٹی سے بنایا گیا تھا اور آپ انسان اور بشر تھے، لیکن آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المستفیض والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابو بکر و عمر ایک مٹی سے بنے، اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ، ص ۹۷-۹۸، مطبوعہ مکتبہ جہانگیر، کراچی)

نیز امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے۔ قال تعالیٰ: قل سبحان ربی هل کنت الالبشرا رسولاً (فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے آپ کے نور ہدایت ہونے کی تصریح کی ہے۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر و رعب ہوتی اور راہ حق واضح ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں، کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نور ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو غلظہ و افرطہ ہے۔ جو آپ کو اپنی مثل بشریت سے وہ بد عقیدگی کا شکار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے باوراء ہے، سودا گار شرمیدہ کی روشنی میں اس قول کا برحق ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے، جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں، اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱۶)

قرآن مجید کے نواکھ اور مقاصد

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے پر چلاتا ہے، جن کا مقصد محض دین کی پیروی کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین پر عمل کرنا ہو اور جو بغیر غور و فکر کے صرف اپنے باپ دلوں کے طریقہ پر چلنا چاہتے ہوں، وہ اللہ کی رضا کے طالب نہیں ہیں۔

اللہ عز و جل کی رضا کا معنی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ کی رضا کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی عمل کو قبول کرے اور اس کی مدح و ثناء فرمائے۔ بعض علماء نے کہا اللہ جس کے ایمان کو قبول کرے اور اس کے باطن کو پاکیزہ کرے، وہ اس سے راضی ہے اور بعض نے کہا اللہ جس پر ناراض نہ ہو، وہ اس سے راضی ہے۔

سلامتی کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے شروع کیے ہیں اور جن پر چلنے کی بندوں کو دعوت دی ہے اور جن راستوں کی اس کے رسولوں نے پیروی کی ہے اور اس کا مقصد اہل دین اسلام ہے۔ اللہ اسلام کے سوال اور کسی طریقہ کو قبول نہیں کرے گا۔ نہ یہودیت کو نہ عیسائیت کو اور نہ مجوسیت کو۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ سلامتی کے راستوں سے

مراد سلامتی کے رستوں کا گھر ہے اور وہ جنت ہے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہو گا کہ اللہ اس کتاب کے ذریعہ جنت کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ ان کو اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکل کر نور ایمان کی طرف لاتا ہے۔ کفر کے اندھیرے اس لیے فرمایا کہ جس طرح انسان اندھیرے میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے اسی طرح کافر بھی اپنے کفر میں حیران ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'وہ اپنے لڑکوں سے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی توفیق سے انہیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ پھر فرمایا: انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ صراطِ مستقیم سے مراد دین حق ہے کیونکہ دین حق واحد راستہ ہے اور اس کی تمام جہات متفق ہیں۔ اس کے برخلاف دین باطل میں متعدد جہات ہوتی ہیں اور اس کے راستہ میں کجی ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین قاصدے بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اللہ کی رضا کی پیروی کرے اس کو قرآن مجید اخروی عذاب سے سلامتی اور نجات کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مومنوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لاتا ہے اور تیسرا یہ کہ وہ دین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے صبح اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ آپ کہنے کہ اگر اللہ 'مسیح ابن مریم' اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؟ (المائدہ ۷۱)

حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ عیسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ موجودہ جیسی ہوئی انجیل کے نمائندہ پر یہ لکھا ہوا ہے انجیل مقدس یعنی ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعمِ فاسد کا رد کیا اور فرمایا: اے نبی! آپ ان عیسائیوں سے یہ کہنے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں سے موت کو دور کرنے پر کون قادر ہے؟ بلکہ اگر وہ تمام مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس کے فیصلہ کو رد کر سکتا ہے؟ نہ اس کے حکم کو ٹل سکتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ کے مقابلہ میں کسی کا زور نہیں اور جب مسیح اپنے نفس سے اور اپنی ماں سے ہلاکت اور موت کو دور نہیں کر سکتے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد فرمایا:

اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ ۷۲)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ حقیقت میں وہ ہے جو مالک علی الاطلاق ہو اور اس کا تصرف آسمانوں اور زمینوں میں نافذ ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو انسان، جن، فرشتے اور جس قدر بھی مخلوقات ہیں ان سب پر اسکی سلطنت اور حکومت ہو اور اللہ ہی اپنی حکمت اور ارادہ سے مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش کیلئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ظاہری سبب بتایا، لیکن اس نے چاہا تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو عورت کے

بغیر حضرت حوا کو پیدا کر دیا اور اس نے پہلا آدمی کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہر چیز پر ہر طرح قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہیے

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ

پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا بلکہ تم ان میں سے بشر ہو جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اللہ جس کو

لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ

چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ ۱۸ يَأْهَلُ الْكِتَابِ

زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ۝ اے اہل کتاب !

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ

بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو انقطاعِ رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکامِ شریعہ) بیان

تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ

کہتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت نہیں دینے والا اور نہ ڈرانے والا نہیں آیا، پس بیشک تمہارے پاس

وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۱۹

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آپ کا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غور یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہئے پھر تمہارے

گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ (المائدہ: ۱۸)

یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں

مکرر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس (یہود میں سے) نعمان بن رضاء

بحری بن عمرو اور شاہ بن عدی آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا آپ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ اس کا سنی یہ ہے کہ اے جو لوگو! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ کیونکہ کوئی

مغص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہیں عذاب دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ جتنے دن انہوں نے چھڑے کی عجلت کی تھی اتنے دن ان کو عذاب ہو گا اور یہ مدت چالیس دن تھی۔ حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو اور کوئی شخص اپنے دوست کو عذاب نہیں دیتا۔ (جامع البیان ج ۶، ص ۲۲۵-۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ ان سے کہئے کہ جس طرح تم نے گمان کیا ہے اس طرح نہیں ہے، بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ تم عام لوگوں کی طرح بشر ہو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایمان نہیں لائے تو سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے سزا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے تو تم بھی اللہ کے مملوک اور اس کے بندے ہو، اس کے بیٹے اور اس کے محبوب نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا، جو اختطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وحب رضی اللہ عنہم نے یہودیوں سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ بخدا تم کو یقیناً معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی صفات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وہب بن یسودا اور رافع نے کہا ہم نے تم سے یہ نہیں سنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب نازل کی اور نہ کسی رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ذوالنہد ج ۲، ص ۳۹، الدر المنثور ج ۲، ص ۲۲۹)

فنرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب فنرت کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا، جب کسی چیز کی حدت اور تیزی ختم ہو جائے اور اس کا پسلا اثر منقطع ہو جائے تو اس کو فنرت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دو عجوبوں کے درمیان اس زمانہ کو فنرت کہتے ہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کوئی رسول نہیں آیا، اس لیے یہ زمانہ فنرت تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! فنرت رسل کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں، تمام انبیاء علیائی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۲۲، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۶۵، طبع بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ساک بن حرب جہنی نے نبی ﷺ سے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا وہ نبی ہیں، ان کی قوم نے ان کو خلع کر دیا۔ نیز حضرت ساک بن حرب نے کہا کہ خالد بن سنان گالیابی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے مرحبہ! امام حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے، لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲، ص ۶۰۰-۵۹۹)

علامہ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی اس (مذکور الصدور) حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ہمارے نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ سورہ یٰسین میں جب تین رسولوں کا ذکر ہے جن کو ہستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے تھے اور جبریلؑ، نذیر بن سنان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مقابلہ میں بلا تردد ضعیف ہے یا پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۹ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ محمد بن ظیفہ دمشقی ابی یاسین متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان رسول اور انبیاء ہیں اور حواری بھی نبی تھے جو حضرت عیسیٰ کے بعد لوگوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے مسلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔ (اکل اکل المصنوع ج ۸ ص ۵۷ مطبوعہ بیروت ۱۳۳۵ھ)

حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

تقدیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ جوہری بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا ہاں اس نے پوچھا ان کے اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: میں صدیاں۔ اس نے پوچھا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا دس صدیاں اس نے پوچھا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو پندرہ۔

(تفسیر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر منیر ج ۶ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا ذُكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

(اور یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو

إِذْ جَعَلْ فِيكُمْ أَنْبِيََاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ

جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۰﴾ يَقُومُوا دُخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

کسی کو نہیں دیا تھا ۰ اے میری قوم اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ

الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا

جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پائے

خَسِرِينَ ﴿۲۱﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا

ولے ہو جاؤ گے ۰ انہوں نے کہا اے موسیٰ اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جبروں والے لوگ ہیں، اور ہم اس زمین

لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا

میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور

دَاخِلُونَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلَيْنِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنَّ اللَّهَ

اس میں داخل ہوں گے ۰ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا

عَلَيْهِمَا أَذْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ عَلَيْهِ

تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بیشک تم ہی قاب رہو گے

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ

اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو ۰ انہوں نے کہا اے موسیٰ

إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ

بیشک ہم ہرگز کسی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب جی

فَقَاتِلْ إِنَّا هُمْ نَا قُودُونَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا

اور دونوں (ان سے) جگ کریں بیشک ہم ہی ہی رہیں گے ۰ موسیٰ نے کہا اے میرے رب: بیشک میں صرف اپنے آپ کا

نَفْسِي وَآخِي فَأَفْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۵﴾

اور اپنے بھائی کا تک ہوں تو مجھے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے ۰

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي

(اللہ نے) فرمایا یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکے

الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾

پھریں گئے، سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد رکھئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بٹایا اور تم کو بلاد شام عطا کیا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہلوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ (المائدہ: ۲۰)

آیات سابقہ سے مناسبت اس آیت کی سابقہ آیات سے مناسبت اس طرح ہے کہ اس سے پہلے (المائدہ: ۲۰) میں فرمایا تھا اور بے شک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ مگران مقرر کیے۔ اس آیت میں بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اس کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمدؐ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کیے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں جو یہود کے عقائد پر دلائل کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔ ان آیتوں سے نبیؐ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر یہود عقائد کے جب آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ عقائد تو ان کی سرشت ہے یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر چکے ہیں۔ بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنی نعمتیں انعام فرمائیں وہ قوم فرعون کی غلامی کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے نجات دی لیکن ان میں انبیاء کو مبعوث فرمایا جو وحی سے ان کے پاس اللہ کے احکام لاتے اور ان کو فیہ کی خبریں دیتے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبوت کا معنی ہے وحی کے ذریعہ فیہ کی خبریں بیان کرنا۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بٹایا۔

علامہ محمود آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں نبیوں سے مراد ہیں حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ عظیم السلام کی تمام اولاد۔ جو ایک قول کے مطابق نبی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ ستر افراد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے میثاق کے لیے چنا تھا ابن السائب اور مقاتل نے کہا یہ نبی تھے۔ اور علامہ بخاری و ذہبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو اس کے بعد بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔ اور تحقق وقوع کے لیے ان کی بشارت کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تم میں نبیوں کو بٹایا اس سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ انبیاء مقدم ہوں یا موخر اور کسی امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں کیے

گئے، جتنے انبیاء بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے تھے۔ (روح المعانی، ج ۶، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)
بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان

اس آیت میں بنو اسرائیل پر دوسری نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملوک (بادشاہ) بنایا۔
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو ایسا بنادیا کہ تم اپنے معاملات کے مالک تھے اور تم پر کوئی غالب نہیں تھا، جبکہ اس سے پہلے تم فرعون کے ملوک اور غلام تھے، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے تم کو اس کی غلامی سے نجات دی۔ حسن بصری اور سدی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اہل اپنی جان اور اپنے مال کا مالک تھا، وہ اس اعتبار سے ملوک تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کسی شخص کے گھر میں کوئی انسان اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے، تو وہ ملک (بادشاہ) ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کیا ہم قراء اور مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبد اللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں، پھر پوچھا کیا تمہاری رہائش کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا، تم انبیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک غلام بھی ہے۔ فرمایا: پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ان کو اس لیے ملوک فرمایا کیونکہ ان پر من و سلویٰ نازل ہوا۔ ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چٹھے پھوٹ پڑے اور ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ (المجامع لاحکام القرآن، ج ۲، ص ۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

یہ حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے خطاب ہے۔ ان کو جو کچھ دیا، اس سے مراد من و سلویٰ، پتھر سے پانی نکالنا اور بادل کا ان پر سایہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے ان میں بہ کثرت انبیاء کا مبعوث ہونا مراد ہے اور اللہ کی طرف سے جو ان کے پاس نشانیاں آئیں۔ مثلاً سمندر کو چیر دینا اور ان کے دشمن کو غرق کر دینا وغیرہ جو نشانیاں ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ کی امت سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کو سب سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں، جو اس زمانہ میں اور کسی کو نہیں دی گئیں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میری قوم! اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (المائدہ: ۲۶)

ارض مقدسہ کا مصداق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ارض مقدسہ کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد طور اور اس کے ارد گرد کی زمین ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد شام ہے۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد ارمینا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دمشق، فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ ارض مقدسہ کو عموم اور اطلاق پر رکھنا چاہیے اور اس کو کسی علاقہ کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بغیر کسی حدیث کے ارض مقدسہ کی تعین جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ ڈاکٹر وجہ زحلی نے کہا ہے کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے فرمایا ہے کہ یہ جگہ شرک سے پاک ہے، کیونکہ یہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن ہے، یا اس لیے کہ اس جگہ عبادت کرنے سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ زمین لکھ دی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سورت کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی تو جب اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین ان کے لیے لکھ دی تھی تو وہ چالیس سال تک ان پر حرام کیسے ہو گئی؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

- ۱- اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انجلم کار یہ سرزمین بنو اسرائیل کے لیے لکھ دی گئی ہے۔
- ۲- اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جن یہودیوں کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا ان کے لیے یہ سرزمین لکھ دی گئی ہے اور چالیس سال تک ان ہی لوگوں پر اس میں داخل ہونا حرام فرمایا۔
- ۳- اس آیت میں اگرچہ عمومی طور پر بنو اسرائیل کا ذکر ہے مگر اس سے مراد خاص شخص ہیں۔ یوشع اور کلب جو ارض مقدسہ میں داخل ہو گئے تھے اور باقی بنو اسرائیل جو یزدانی کی وجہ سے اس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔ ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام قرار دے دیا۔

۴- بنو اسرائیل کے لیے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر اس میں داخل ہونے کو فرض کر دیا تھا اور جب وہ داخل نہیں ہوئے تو بطور سزا ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس زمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ (المائدہ: ۲۷)

جبارین کا بیان .

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس کی یہ وجہ بیان کی اس جگہ جبارین رجتے ہیں جن سے ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو جبارین اس لیے کہا کہ ان کے جسم بہت بڑے بڑے تھے۔ اصل میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اور دوسروں کے معاملات کی اصلاح کرنے والا ہو۔ پھر اس کے استعمال میں وسعت ہوئی اور ہر اس شخص کو جبار کہا جانے لگا جو زور اور طاقت سے نفع حاصل کرے خواہ وہ اس کا حق ہو یا نہ ہو۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبارین کے شر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس شہر کے قریب پہنچ گئے اس شہر کا نام اریحا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو چن لیا اور ان بارہ آدمیوں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے ان کے شہر بھیجا جب وہ لوگ اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے غیر معمولی جسامت والے انسان دیکھے۔ وہ ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ باغ وانا اپنے باغ سے پھل توڑ رہا ہے اس نے ان جاسوسوں کو دیکھ لیا۔ اس نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنی آستین میں ڈال لیا پھر ان کو اپنے بلاشلہ کے پاس لے گیا اور آستین سے نکل کر ان کو زمین پر ڈال دیا بلاشلہ نے ان سے کھانا ہماری جسامت اور طاقت کا حال دیکھ لیا ہے جلا جا کر اپنے سردار کو مطلع کر دو۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۳۸-۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر

غالب ہوں گے۔ پھر ان جاسوسوں نے آکر بیان کیا کہ ابن جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں ہم تو ان کی نظروں میں ٹڈوں کی طرح ہیں یہ سن کر بنو اسرائیل آہ بکا کرنے لگے۔ انہوں نے ہم یہاں کیوں آ گئے۔ کاش ہم مصری میں رہتے اور انہوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

(جامع البیان ج ۶، ص ۲۳۹، مطبوعہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا کہ تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے۔ (المائدہ: ۲۳)

جملہ نے بیان کیا ہے یہ دو آدمی یوشع بن نون اور کلاب بن یو قاتھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ جاسوسوں سے عہد لیا تھا کہ جبارین کا محل صرف مجھے بتانا، قوم کو نہ بتانا، تو اس عہد کو ان دو نے پورا کیا تھا۔ باقی نے نہیں کیا اور قوم کے سامنے جبارین کی غیر معمولی جسامت کو بیان کر دیا۔ اسی وجہ سے قوم نے بزدلی دکھائی اور یہی دو شخص اللہ سے ڈرنے والے تھے، اور حضرت موسیٰ پر کمال ایمان لانے والے تھے۔ انہوں نے قوم کو حضرت موسیٰ کی اطاعت کرنے اور جبارین کے خلاف جملہ کرنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ تم اللہ پر توکل کر کے ان پر حملہ کر دو اور دروازہ سے داخل ہو جاؤ، تم ہی کامیاب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز بھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

(المائدہ: ۲۴)

فاذهب انت وربک فی بنو اسرائیل کے کفر اور فسق کی وجوہات

بنو اسرائیل کا یہ کہنا کہ جب تک کہ جبارین اس زمین میں ہیں ہم اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے۔ جملہ کے حکم سے علاوہ انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے باز رہتا ہے اور انہوں نے جو یہ کہنا کہ تم لوگ تمہارا رب جاؤ اور جا کر لڑو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے صریح جہالت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے جانے اور خفیل ہونے سے منزہ ہے اور ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشبہ کی طرح اللہ کی جہیت کے قائل تھے۔ حسن بصری نے کہا اس وجہ سے ان کا یہ قول کفر ہے اور اگر ان کے قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر آپ رسول برحق ہیں تو ہماری یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لیے اللہ کی نصرت پر توکل کر کے آپ ہی جا کر ان سے لڑیں تب بھی یہ قول کفر ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے قول میں رب سے مراد حضرت ہارون ہیں۔ کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے اور حضرت موسیٰ ان کی اطاعت کرتے تھے تب بھی ان کے اس قول کے فسق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمد والی آیت میں ان کو فاسق ہی فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں کا اپنے نبی کے ساتھ سلوک تھا اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ معاملہ دیکھئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود جو پیش بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت مقداد نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے لیکن آپ چلے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تو گویا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے پریشانی کا بادل

تبیان القرآن

جھٹ گیا۔ (ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مقداد سے سن کر دوسرے صحابہ بھی اسی طرح کہنے لگے)

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۳۶۰۹، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۹۸، جامع البیان ج ۶، ص ۳۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو

ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (المائدہ: ۲۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کی دعا کی تھی اس کے دو محمل ہیں:

۱۔ چونکہ وہ حق سے دور چلے گئے تھے اور نافرمانی کر کے راہ راست سے ہٹ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کو میدان تیبہ میں بھٹکنے کی سزا دی گئی تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔

۲۔ ان کو ہم سے الگ اور حتمیز کر دیا جائے اور ان کو دی جانے والی سزا کے ساتھ ہمیں لاحق نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ نے) فرمایا: یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی یہ زمین میں بھٹکتے

پھریں گے سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ۳۶)

میدان تیبہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان نافرمان یہودیوں کو چالیس سال تک میدان تیبہ میں بھٹکنے کی

سزا دی۔ تیبہ کالغوی معنی ہے حیرت کہ میدان چوہ فرخ کا تھا، یعنی اٹھارہ شری میل اور ستائیس انگریزی میل کا۔ وہ دن رات چلتے

رہتے تھے، لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے، وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے، شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام

کو جہاں سے چلتے تھے، صبح پھر وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ان کے

ساتھ تھے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے، کیونکہ میدان تیبہ میں ہونا ان کیلئے سزا تھا۔ انہوں نے چالیس دن

پھنڑے کی عبادت کی تھی، تو ایک دن کے مقابلہ میں ایک سال ان کی سزا مقرر کی گئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی

کہ ہم میں اور ان فاسقوں میں فیصلہ یا علیحدگی کر دے۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہوتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ

ان کے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امر آسان کر دیا تھا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں داخلہ کو ان لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ ارض مقدسہ میں

داخل نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی اولاد داخل ہوئی اور یوشع اور کلاب داخل ہوئے، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا، اور وہ جبارین سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ حضرت یوشع ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارض

مقدسہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہیں سل سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیبہ میں داخل ہوا، وہ مر گیا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی تیبہ میں فوت ہو گئے۔ پہلے حضرت ہارون فوت ہوئے، حضرت یوشع ان یہودیوں کی اولاد کے

ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے، جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شر کو فتح کر لیا۔

(جامع البیان ج ۲، ص ۲۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبوت عطا کی اور ان کو جبارین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقابلہ میں سورج کو ٹھہرا دیا گیا، حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل ہو گئے اور اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی خیانت کی وجہ سے آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلا یا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۰۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء (سابقین) میں سے ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزارا ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو، وہ میرے ساتھ نہ جائے اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز بھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گائے خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو۔ پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت آیا اس کے قریب وہ ایک دہشت میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم الہی کے ماتحت ہو اور میں بھی حکم الہی کے ماتحت ہوں۔ اے اللہ اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے پھر سورج روک دیا گیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی۔ آپ نے فرمایا پھر انہوں نے مال غنیمت جمع کیا، پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی، لیکن اس نے مال کو نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے، سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے۔ لہذا اب تمہارا ہر قبیلہ میری بیعت کرے، انہوں نے بیعت کی، آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغبر کے ہاتھ سے چٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے۔ بلا خردہ گائے کے سر کے برابر سونا نکل کر لائے۔ نبی نے فرمایا اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو۔ پھر آگ نے آکر اس مال کو کھالیا (آپ نے فرمایا) سو ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور ہمزہ دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث ۱۷۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نبی پیغبر کا سورج کو لوٹانا

اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون کے لیے غروب سے پہلے سورج کے ٹھہرانے کا ذکر ہے اور نبی پیغبر نے غروب کے بعد سورج کو لوٹا دیا تھا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت جمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اے اللہ ابے شک علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے، تو ان پر سورج لوٹا دے۔ حضرت اسماء نے کہا میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔

(المعجم الکبیر، ج ۲۳، رقم الحدیث ۳۹۰، ص ۵۵۲-۵۵۳، مشکل الآثار للعلوی، ج ۳، رقم الحدیث ۳۸۵۰، ص ۲۶۸، مختصر تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۳۷۸، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۲، ص ۳۳۹-۳۴۰، اندک، ص ۵۷، شرح مشکل الآثار للعلوی، ج ۳، رقم الحدیث ۱۰۶۸-۱۰۶۹)

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند

رکھا۔ اس لیے آپ نے ان کے لیے سورج لوٹانے کی دعا کی۔ اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(شرح مشکل الآثار ج ۳، ص ۹۸-۹۷، مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت)

حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق

ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن تیمیہ، ابن القیم، ذہبی، ابن کثیر اور ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے۔ امام ابوالحسن فضلی متوفی ۴۰۷ھ نے اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کیا ہے اور ایک رسالہ لکھا ہے "تصحیح حدیث رد الشمس" اور امام سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے "كشف اللبس عن حدیث الشمس" اور امام محمد بن یوسف دمشقی نے ایک رسالہ لکھا ہے "مرئیل اللبس عن حدیث رد الشمس"۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن ستوری متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے ابن کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن امام طحاوی اور صاحب الشفاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاپین نے اس کو اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردیہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی پیغمبر نے اس دن سورج کو لوٹایا جس دن آپ نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا اس روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا تو نبی پیغمبر کیلئے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا (الحج)

(القاصد الحسنہ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ شباب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی پیغمبر نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے انکا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی 'حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے، لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر جریج سے یہ روایت ہے کہ نبی پیغمبر نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور منہ احمد میں یہ روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوال اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی پیغمبر کیلئے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی پیغمبر سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی اور اسکے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپکا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

البتہ قاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی پیغمبر کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔

(فتح الباری ج ۶، ص ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین بخاری نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۵، ص ۳۳، مطبوعہ ادارہ الطباعة الخیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

خامی بن سلطان محمد القاری متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے ابن عثمد کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کو برا کہتا تھا۔ علامہ علی قاری فرماتے ہیں کہ محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (شرح السنن علی حاشیہ نسیم الریاض ج ۳ ص ۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شمس الدین احمد خاکی متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی اور علامہ سہوی نے کہا ہے کہ ابن الجوزی کی کتب الموضوعات کا اکثر حصہ مردود ہے حتیٰ کہ انہوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی متعدد اسنادیں ہیں جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں اور ابن سے پہلے بکثرت ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طحاوی، امام ابن شامین اور امام ابن مندہ اور انہوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ میثقی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔ (المعجم الاوسط ج ۵ رقم الحدیث ۳۵۵۵) اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایک حدیث کی سند صحیح ہے۔ وہ ابوالیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ہم نے اس روایت کو درج کیا ہے)

(المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث ۳۹۰۰ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۷-۲۹۸ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد مجملی متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ موضوع ہے لیکن ابن کی خطا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو امام ابن مندہ اور امام ابن شامین نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردودہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور ابن دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام حاکم نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس کی اس حدیث کو نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(کنز الخفاء و منزل الالباس ج ۱ ص ۲۲۰ مطبوعہ مکتبہ النورانی دمشق)

اس حدیث پر مزید بحث و تحقیق ہم نے شرح معجم جلد خاص میں بیان کر دی ہے۔

وَأَنشُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور آپ ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ تلاوت کیجیے، جب (ان) دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی

مقبول ہوئی

طبہان القرآن

جلد سوم

مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ

قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں قبول کی گئی ، اس (دوسرے) نے کہا میں تجھ کو قتل کروں گا وہی

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ

نے کہ اللہ صرف متقین رگوں سے قبول فرماتا ہے ۵ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری

لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ بِيَدَيْ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَنَّكَ إِنِّي أَخَافُ

موت بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری موت بڑھانے والا نہیں ہوں ، میں اللہ سے ڈرتا

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۹﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبْوَأَ بَاثْنِي وَاشْمَكَ

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے ۵ میں چاہتا ہوں کہ میرا اللہ تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور

فَتَكُونُ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾ فَطَوَّعَتْ

تو جہنم سے ہر جانے والا یہی ظالموں کی سزا ہے ۵ تو اس نے اپنے

لَهُ نَفْسُهُ قَتَلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۴۱﴾

بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۵

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي

پھر اللہ نے ایک کراہیجا جو زمین کو یہ رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی

سَوْءَةَ أَخِيهِ ۖ قَالَ يُوَيَّلَتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا

کی لاش چھپائے ، اس نے کہا ہاں افسوس ! میں اس کو تو بھیا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی

الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوْءَةَ أَخِي ۚ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۴۲﴾

لاش چھپا دیتا ، پس وہ پھٹانے والوں میں سے ہو گیا ۵

رابطہ آیات اور مناسبت

یہود اپنے ضد اور بغض کی وجہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جو ظلمہ کار دہائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپ کو آزار پہنچانے کی تک دہشیں لگے رہتے تھے اور توریت کے ضمن میں انہوں نے آپ پر ایسا لالچ کا جو عہد و میثاق کیا تھا اس کو توڑ

چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قتل دینے کے لیے اس سے پہلی آیتوں میں یہودی عہد شکنیوں کو بیان فرمایا کہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کر کے اس کو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے کہ جس طرح یہود نے عہد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا اور آپ کی مخالفت کی اس طرح آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قابیل نے عہد کی وجہ سے بن کے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے، قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی، قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قہدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا، لیکن قابیل نے انکار کیا۔ اس نے کہا یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے، قابیل نے کہا ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے، قابیل نے حضرت آدم کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو، تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو گئی، وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہو گا؟ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھایا اور قابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہو گیا اور ہابیل سے کہا میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا، ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متعین سے قربانی کو قبول کرتا ہے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۵۷-۲۵۸)

متعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈر کر ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کو مکلف کیا ہے اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے باز رہتے ہیں۔

ہابیل نے کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھے، لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی سوحہ سے قتل کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تاکہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا تھا جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لیے رافعت کرنا جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۹۹، مطبوعہ دار العکبر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہابیل نے کہا) میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ لگے (المائدہ ۲۹)

ہائیل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

اصنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لیے روانہ ہوا میری حضرت ابو بکر سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا واپس جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان کھادوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱)

گویا کہ ہائیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں۔ پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفسد کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے کہا ہم میں مفسد وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سلطنت ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مفسد وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو کسی پر سخت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل ۲۵۸۱، رقم الحدیث الکتاب ۵۹)

اس حدیث کے اعتبار سے ہائیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کیو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں گی اور پھر بھی حق پورا نہ ہو تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَبِخْوَلْتُمْ أَنْفَالَهُمْ وَأَنْفَالًا مَعَهُمْ أَنْفَالَهُمْ (العنکبوت: ۳۳) اور وہ ضرور اپنے بوجہ افغانیں گے اور اپنے بوجہوں کے ساتھ گلی اور بوجہ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلم قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۲، سنن نسائی رقم الحدیث:

۲۶۹۶، سنن ابن ماجہ ۲۷۶۱، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۳۰، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۳۶۳، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۱۱۵)

ابو الحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گناہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہائیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قاتل ان کی طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا ہائیل نے یہ کیسے کہا میرے گناہ اور تمہارے گناہ جبکہ انہیں ظلم قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی، تم

ان دونوں گناہوں کا بوجھ اٹھو گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم مجھ کو قتل کرنے کا کلمہ اٹھو گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا کلمہ اٹھو گے۔ (المائدہ الاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا (المائدہ ۳۰)

قاتل کے قتل کرنے کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہاتل کہاں جا رہے تھے تو قاتل نے ہاتل کو قتل کر دیا۔ قاتل ہاتل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آ سکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہاتل کی گردن موڑی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا تب شیطان آیا اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا اس کا سر ایک پتھر پر رکھا پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا قاتل دیکھ رہا تھا اس نے بھی اسی طرح ہاتل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر میں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کیفیت کا بیان فرمایا سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہیے جتنا رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

ہر نیک اور بد کام کے ایجاب کرنے والوں کو بعد والوں کے عمل سے حصہ ملتا رہتا ہے

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی غلا قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (کلمہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاب کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے کلمہ میں اس کا بھی حصہ ہو گا اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم پر حسد کیا اور اللہ کے سامنے تکبر کیا تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کا بھی حصہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت میں کو نکالے جیسے رافضیوں نے صحابہ کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاب کیا اور اس کو دین میں داخل کر لیا اور کلمہ ثواب قرار دیا ان کا بھی یہی ملے گا اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہو گا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں ہتھکڑیاں پہننے کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں عراب بننے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ موجد محفل میلاد کی ابتداء ارمل کے پوتہ ابو سعید مظفر متوفی ۳۳۰ھ نے کی اور اذانوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی ابتداء ۸۷ھ میں سلطان صلاح الدین ابو الطغر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک پوتہ کے ہاتھ پر سلام پڑھا جاتا تھا السلام علی الامام الظاہر۔ سلطان ابو الطغر نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا اور نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے طریقہ کو شروع کر دیا۔ علامہ ابن حجر مکی علامہ علاء الدین صکنی علامہ لعلی اور شامی نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا۔ یہ تمام نیک کام ہیں اور ہر نیک ایجاب کرنے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاب کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے اپنا اپنا حصہ ملتا رہے گا حدیث میں ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایبیلو کیا اور اس کے بعد اس طریقہ چلایا گیا اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا اور ان کے اجر میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایبیلو کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گنہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶۶۹، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۸۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۷، مسوط امام مالک، رقم الحدیث: ۵۰۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۴۰۵۷، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۵۰۳، تحقیق احمد شاکر، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۳۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ گمراہ کرنے والے ائمہ ہیں۔

(مسند احمد، ص ۳۹، طبع قدیم، حروت، طائرہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸، مطبوعہ دار الحدیث، کراچہ)

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گنہ اس وقت ہو گا جب وہ اس گنہ سے توبہ نہ کرے اور اگر وہ اس گنہ سے توبہ کر لے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انہوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم بدولی کی، کیونکہ قرآن مجید نے خود شلوت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا" (طہ: ۸۵) "سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصہ نہیں پایا اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور بعد کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد بہت سنگین فضیلتی مرض ہے۔ اس حسد کی وجہ سے قاتل نے ہاتھل کے ساتھ خونِ رشتہ کا لٹاٹ نہیں کیا اور اپنے گئے بھائی کو قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اللہ نے ایک کو ابھیہما جو زمین کبید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا اپنے افسوس بامیں اس کو بے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتائے والوں میں سے ہو گیا۔ (المائدہ: ۳۱)

قاتل کا انجام

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قاتل ہاتھل کو ایک جراب (جرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھر تارہا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ابھیہما جو زمین کبید رہا تھا پھر اس نے زمین میں اس مردہ کو بے کوفن کر دیا۔ تب اس نے کہا

ظہان القرآن

ہے افسوس میں اس کو بے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا رکھتا ہو۔ وہ بچھڑنے والوں میں سے ہو گیا۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

قاتل کا بچھڑانا اس کی توبہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا اس کے قتل کرنے پر افسوس نہیں کیا تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر وہ اس کے قتل پر ملوم ہوتا تو یہ نہ امت توبہ ہو جاتی وہ اس وجہ سے ملوم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اس باب میں اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

روایت ہے کہ حضرت آدم اور حوا ہاتل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے پھر قاتل ایک پاڑ کی چوٹی پر گیا وہاں ایک ہاتل نے اس کو بیگہ مار کر پیچھے کر دیا اور وہ مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہاتل کو قتل کرنے کے بعد جنگوں میں چلا گیا وہ کسی جانور کو بندی سے زمین پر گرا دیا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھالیتا چوٹ کھانے سے مرا ہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا جو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قاتل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا وہ ہاتل تھا۔ اسی وجہ سے قاتل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حد سب سے بڑی غرہاں اور بہت بڑا جرم ہے۔ قاتل نے اس حد کی آگ کی وجہ سے اپنے گھر بھائی ہاتل کو قتل کر دیا۔ (آیت ۲۹) میں ہے 'ہاتل نے قاتل سے کہا اور تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاتل مذہب ہو گا لیکن گنج یہ ہے کہ وہ ظالم تھا کافر نہیں تھا۔ آیت ۲۸-۲۷ میں 'ہاتل نے قاتل کو قتل کرنے سے باز رہنے کے تین محرکات بیان کیے۔ اول یہ کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں 'ثانی یہ کہ قتل کرنے سے پہلے اور قتل کے گناہ قاتل کے ذمہ لگیں اور وہ دوزخ کا سزاوار ہو گا اور ثالث یہ کہ وہ ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ سو جو شخص بھی کسی گناہ سے باز رہنا چاہے اس کو گناہ سے باز رکھنے کے یہی تین محرکات ہوں گے۔ خوف خدا دوزخ کی سزا اور ارثاب ظلم سے بچنا۔

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِیْلَ أَنَّهُ مَنْ

اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر بیان کے ہار کے یا

قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا

زمین میں ناسد پیدا کرنے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ

کو۔ قتل کیا اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچایا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ انْ كَثُرُوا فَمِنْهُمْ

بچا لیا ، اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات سے کر آئے ، پھر اس کے باوجود ان میں سے

يَعَادِلُكَ فِي الْأَرْضِ كُسُوفُونَ ﴿٣٢﴾ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ

بہت سے زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے تھے ۵ اور جو لوگ اندہ اندہ اس کے رسول

يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا

سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر

أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يَصَلَّبُوا أَوْ تُنَقَّطَ أَيْدِيُهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ

قتل کی جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے

خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ جِزَاؤُهُمْ فِي الدُّنْيَا

کٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے ، یہ ان کے لیے دنیا میں سزائی ہے اور

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن

آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۵ مگر ان لوگوں کے جنہوں نے تھہرے

قَبْلِ أَنْ تُقَادَرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین

میں فساد پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا تو گویا

اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔ (المائدہ ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قاتل اور ہاتل کے قصہ میں اور بنو اسرائیل پر قصاص کے وجوب میں کیا مناسبت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل اور ہاتل کے قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید ممانعت اور اس کی

ناراضگی ہے۔ نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا دوزخی ہے۔ قصاص اٹھانے والا ہے اور بچھانے والا ہے تو جو لکھ

قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص (بدلہ لینے) کو واجب کر دیا تاکہ لوگ قتل

کرنے سے باز رہیں۔

اس آیت پر دو سو اسوئل یہ ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل سے پہلی امتوں پر بھی قتل کرنا حرام تھا اور ان پر قصاص واجب تھا۔ پھر اس آیت میں بنو اسرائیل کا خصوصیت سے کہیں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء علیہم السلام زبانی وجوب قصاص کا ذکر فرماتے تھے اور بنو اسرائیل میں سب سے پہلے اس حکم کو کتاب میں نازل کیا گیا۔ دو سری وجہ یہ ہے کہ قاتل نے ہاتل کو حسد کی وجہ سے قتل کیا تھا اور بنو اسرائیل میں بھی حسد بہت زیادہ تھا اور انہوں نے بیشتر قتل حسد کی بناء پر کیے تھے۔ انہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور دو مرتبہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں جب آپ بنو قینقاع کے پاس ایک مسلمان کی دست وصول کرنے کے سلسلہ میں گئے تھے اور دو سری مرتبہ خیبر میں جب ایک یہودی بڑھیا نے آپ کو زہر آلود گوشت کھانے کے لیے دیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عموماً قتل کا سبب قسوت قلبی یعنی سنگ دل اور عدوان اور سرکشی ہوتا ہے اور بنو اسرائیل میں یہ سبب بہ درجہ اتم موجود تھا حتیٰ کہ انہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے برابر کس طرح ہو گا؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک وجہ قصاص ہے دو سری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرنا ہے تیسری وجہ ارتداد ہے چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرنا ہے اور پانچویں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔ پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

اس آیت پر یہ سؤل ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنے کے کیسے مساوی ہو سکتا ہے؟ حتیٰ کہ اس آیت میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ ایک بے قصور انسان کو عداقت اور اقل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے جتنا تمام انسانوں کو قتل کرنا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عداقت کرنے کی سزا جہنم مقرر کی۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔ نیز اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عداوت شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عداقت کرنا اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

دو سو اسوئل یہ ہے کہ جو شخص کسی بے قصور انسان کو عداقت کرتا ہے اس کی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کر سکتا ہے وہ اس کے بعد دوسرے شخص کو پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ امریکہ کے ایک صدر کے فیصلہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے۔ اس طرح اب بھی اگر جوش غضب سے مغلوب ہونے والا کوئی امریکی صدر ہو تو اس کے پاس اب ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں جن سے پوری دنیا کو ہلاک اور چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔ ایک انسان کا تمام انسانوں کو ہلاک کرنا ممکن ہے۔ سو جو شخص جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک بے قصور انسان کو ہلاک کر سکتا ہے اگر اس کے بس میں ہو تو وہ تمام انسانوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کو مرنے سے بچا لیا اس نے گویا تمام انسانوں کو بچا لیا۔ مثلاً کوئی شخص آگ میں جل رہا

تھا یا دریا میں ڈوب رہا تھا یا بھوک سے مر رہا تھا یا شدید سردی میں ٹھہر کر مرنے والا تھا اور کسی انسان نے اس کو اس مصیبت سے نکل کر اس کی جان بچالی تو اللہ کے نزدیک اس کی یہ نیکی اتنی عظیم ہے جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کرالیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی بھی سزا ہے کہ ان کو جن جن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کلٹ دیئے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکل دیا جائے“

شان نزول

امام مسلم بن حجاج قشیری متون ۳۶۸ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آئے انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو صدقہ کی لونٹوں کی چراگاہ میں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو انہوں نے اسی طرح کیا اور سترت ہو گئے۔ پھر انہوں نے لونٹوں کے چراہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ لے کر بھاگ گئے نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا ان کو پکڑ کر لایا گیا آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹا دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں اور ان کو پتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۱۷۱۱، صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۲۵۹۱، سنن ترمذی: رقم الحدیث: ۷۷، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۳۶۷، سنن نسائی: رقم الحدیث: ۴۰۳۶، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۲۵۷۸، مسند احمد: ج ۳، رقم الحدیث: ۱۰۷۳-۱۰۷۴)

امام رازی شافعی نے اسی آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت عرینہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابوہریرہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا رسول اللہ ﷺ سے معاملہ تھا لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں:

(الف) مرتد کو قتل کرنا زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول سے جنگ کرنے پر موقوف نہیں ہے جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے اس کو قتل کیا جائے گا۔

(ب) مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہید کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے جبکہ اس آیت کی رو سے یہ جائز ہے۔

(ج) مرتد کو سولی پر چڑھانا مشروع نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

(د) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں ان کو یہ سزائیں دی جائیں۔ خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اہل علم سے عقل نہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر: ج ۳، ص ۳۹۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

حزابہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی

علامہ زبیری لکھتے ہیں 'حرب کا معنی ہے جنگ۔ صلح کی ضد' اور حرب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل قبی دست چھوڑ دینا۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۳۹۶)

ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکٹر ذہبہ زحیلی لکھتے ہیں 'باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی نیویں سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی نیویں کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حزابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے 'مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے' کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور 'محفوظ' امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے 'اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطريق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور وہی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ علاناً اس مال کو بچھانا مشکل ہو۔ (الفتاویٰ اسلامی و لدات ج ۳ ص ۳۸۸-۳۸۹)

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے۔ خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت 'جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو' خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاشی یا اینٹ یا پتھر ہوں 'کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالنا جاسکتا ہے' خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض محلون ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو 'اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۹۰)

ڈاکہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ ڈاکو مرد ہو 'اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے' لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر ہیں 'اور دونوں پر حد ہوگی۔ روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا علناً عورتوں سے متصور نہیں ہے 'اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح بقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے 'عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

۳۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے 'وہ مسلمان یا ذی ہوں' اگر ان غیر مسلموں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسپورٹ کے ذریعہ دارالاسلام میں

آئے ہوں تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے (بلکہ تعزیر ہے)

۴۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔

۵۔ جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ قیمت و لابل ہو اور محفوظ ہو اس میں کسی اور کا حق نہ ہو نہ اس میں لینے کی کوئی تاویل ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مل دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲.۲۵ تولہ چاندی ہو جو ۳.۶۸ گرام چاندی کے برابر ہے) اگر متحدہ ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کامل ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مل نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔

۶۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ دار الاسلام ہو اگر دارالحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دارالحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ دارالحرب میں حد جاری کرنے پر قائل نہیں ہے۔ (علامہ کاسطانی نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں جا کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ مجاز طریق سے کفار کامل لینا بمرحلہ گنہ ہے خواہ ان کامل سود کے ذریعہ لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔ (سعیدی ظفر)۔

۷۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ شہر نہ ہو۔ اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعہ ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے یہ استحسان ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کا سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطريق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہروں کے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی علوت چھوڑ دی ہے۔ اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔

۸۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اسٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل

ڈاکو کی سزاؤں میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈاکہ ڈالنا اور دھمکانا کسی کو قتل کرنا نہ مل لوٹنا۔

۲۔ صرف مل لوٹنا۔ ۳۔ صرف قتل کرنا۔ ۴۔ مل لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی ائمہ کے نزدیک ایک الگ سزا ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزا میں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتلا سے دے سکتا ہے۔ اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔ ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتلا سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے نہ مل لوئے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شریدر کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوبسوا من الارض "یا ان کو شریدر کر دیا جائے"

علامہ موفق الدین ابن تہامہ حنبلی لکھتے ہیں جب ڈاکو راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں نہ قتل کریں اور نہ مل لوئیں تو ان کو زمین سے نکل دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوبسوا من الارض (مائدہ ۳۶) اس حالت میں جلا وطن کرنا حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہی نفعی قتلہ اور عطاء غراسل کا قول ہے اور زمین سے نکلنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکل دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانہ ہو۔ اس طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے جس طرح زانی کو شریدر کیا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے اس میں اس کو قید کر دیا جائے جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے۔ امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو کو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام ڈاکوؤں پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے۔ ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے۔ یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر میں بھیجیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذا پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن تہامہ حنبلی لکھتے ہیں "ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے۔ اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکل دیا جائے تو اس کی دلیل "اوبسوا من الارض" (المائدہ ۳۶) ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکل دیا جائے بقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شریدر کیا جائے؟ تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شریدر کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے شریدر کیا جائے۔

(المعنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۰۸-۳۰۷)

علامہ ابو بکر رازی بھاہی حنفی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں زمین سے نکلنے کی تین صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ڈاکو کو تمام زمینوں سے نکل دیا جائے۔

دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا وہاں سے نکل دیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دارالاسلام سے نکل دیا جائے۔

پہلی صورت مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام زمینوں سے نکل دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آچکا ہے۔ دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالے گا اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا اور تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں بھیجا جائے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں نفی من الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکل کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جس پر اس کا قتلہ کرنا متصور نہ ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳)

میں لائے سرخی خفی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیں اور اللہ کے قول ”وایسفو امن الارض“ سے بھی یہی مراد ہے۔ یعنی ان کو قید کر لیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ سرخی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا ہاتھ پیر کاٹنا انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔ (مبسوط للشرعی ج ۹ ص ۱۸۵) اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے۔ یعنی ان کو طلب کرنا تاکہ ان کو ہر جگہ سے بھاگادیا جائے کیونکہ قید کر کے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔ (المبسوط ج ۹ ص ۱۸۶)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔ یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر اس سے زیادہ سزائیں دی جائے گی۔ اگر اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر پہلے کٹا ہوا تھا تو اب اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو تعزیر اقلید کیا جائے گا اور اگر اس کا پہلے ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ وہ ڈاکو کو قتل کر دے یا سولی دے۔ یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔ البتہ اس صورت میں اس کو شریہ رکھنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائے گا۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شریہ رکھنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔

علامہ محنون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹا جا چکا ہے اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دے۔ (بدایہ المجتہد ج ۲ ص ۳۳۱)

ملک العلماء علامہ کاسانی خفی لکھتے ہیں ”جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔“ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں ”اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر نصاب سے کم مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا۔“ (ارونہ الطالین ج ۱ ص ۱۵۶)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا

ملک العلماء علامہ کاسانی خفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا اس کے متعلق امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس کو قتل کر دے یا سولی دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دے دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور

پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے 'حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (بدائع الصنائع 'ج ۱' ص ۹۳)

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ ایک جرم ہے اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی۔ نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حد سرقہ 'حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔ سعیدی غفرلہ) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے 'اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے 'اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے 'کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے 'وہ امن میں ظلم ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کاٹنا ایک حد ہے جبکہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں 'اور امام محمد نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثل دی ہے 'وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے 'اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے 'اس کو ترک نہ کیا جائے 'کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابو حنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے 'لہذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع 'ج ۱' ص ۵۳۶)

علامہ سخون مالکی لکھتے ہیں 'میں نے امام ابن قاسم مالکی سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے 'تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا 'اور اس کو قتل کیا جائے گا یا اس کو صرف قتل کیا جائے گا 'اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو)۔ (المدونۃ الکبریٰ 'ج ۳' ص ۳۲۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو سولی دی جائے گی 'اور یہ اس وقت ہے جب مال نصاب کے برابر ہو اور مذہب یہی ہے۔ ابن سلمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا 'اور قتل کیا جائے اور اس کو سولی دی جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔ (ردۃ الطالبین 'ج ۲' ص ۵۵-۵۶)

علامہ ابو القاسم قرنی حنبلی لکھتے ہیں 'جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا 'اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور اس کو سولی دی جائے گی 'حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور اس کی لاش ڈاکوؤں کے حوالے کر دی جائے گی۔

(المقتب مع المغنی والشرح 'ج ۱۰' ص ۲۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے" ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر کھوپانے سے پہلے توبہ کر لی 'سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

(المائدہ ۳۳-۳۲)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہو گا 'البتہ! جو لوگ توبہ کر لیں گے 'ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظریہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں 'وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے 'تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت

رہے۔

علامہ ابو بکر جصاص حنفی متونی ۷۰۷ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلقاً حدود کفارہ نہیں ہوتیں بلکہ اگر مسلمان مجرم اجراء حد سے پہلے توبہ کر لے تو پھر حد اس کے لیے اخروی عذاب سے کفارہ ہو جاتی ہے اور اگر اس نے اجراء حد سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ عذاب اخروی کا مستحق ہو گا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ لاہور)

علامہ قرطبی مالکی متونی ۷۱۸ھ نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ اور احناف کا جواب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متونی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی گنہ کار کو تائب کیا پھر اس پر حد لگادی گئی تو وہ حد اس کے گنہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۷۳ مطبوعہ کراچی)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبید بن صامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور وہ شب عتبہ کے قبلاء میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے (ان امور پر) بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ تم کسی بے قصور پر ہتھکن بناؤ گے اور نہ کسی تنگی میں نافرمانی کرو گے۔ سو تم میں سے جو شخص اس حد کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ (اکرم پر) ہے اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کر لیا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کر لیا پھر اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو وہ اللہ کی طرف منووس ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔ سو ہم نے (ان امور پر) آپ سے بیعت کر لی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۳، ۶۷۸۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۴۳، سنن نسائی رقم

الحدیث: ۳۱۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶۳، مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۷۵، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۸۷، سنن دارمی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۳۱)

حافظ شباب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متونی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستقل ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا مجرم کے گنہ کا کفارہ ہے۔ خواہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ لاہور)

علامہ علاء الدین منصور بن الحسن الترمذی انکار دینی الشافعی المتونی ۸۶۴ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام نووی نے اپنے فتاویٰ اور شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے اخروی عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کس طرح ہو گا؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ ڈاکو جب قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے قتل کا گنہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو ڈرانے اور ہلکانے کا گنہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچتا ہے سو اس کو ڈرانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب عظیم ہو گا اور یہ سزا ہر ڈاکو کے لیے عام ہے۔ لیکن یہ امر حدیث صحیح کے خلاف ہے جس

میں نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی تو اس کے لیے آخرت میں یہ سزا کفارہ ہو جائے گی، کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو نے فقط ڈیر لیا تو دھمکیاں اور اس کو سزا کے طور پر جلا وطن کر دیا گیا، تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، لیکن آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا اور اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سزا ملنے سے وہ عذاب ساقط ہو جائے گا جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے، اور بندہ کا حق باقی رہے گا اور اس کی آخرت میں سزا ہوگی، کیونکہ جس ڈاکو نے لوگوں کو ڈیر لیا دھمکیاں اس نے اللہ کی حکم عدولی بھی کی اور بندوں کو بھی نقصان پہنچایا، اور حد جاری کرنے سے اللہ کے حق ضائع کرنے کی طاعت ہوگی، بندوں کے حق کی طاعت نہیں ہوگی۔ سو اس بنا پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ (حاشیہ انکار دینی علی البضای ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۲۱ھ)

علامہ کازرونی نے نہایت عمدہ توجیہ کی ہے، لیکن فقہاء شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد مطلقاً عذاب نہیں ہوگا، جیسا کہ ہم علامہ نووی اور علامہ عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متونی ۵۷۰ھ امام شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد توبہ کے بغیر آیا کوئی شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے پاک کرنا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ پس جب ایک شخص پر حد قائم کی گئی اور اس نے توبہ نہیں کی، تو ہمارے نزدیک اس سے وہ گناہ ساقط نہیں ہوگا۔ ہمارے علماء نے قرآن مجید میں قطع طریق کی آیت پر عمل کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلک لہم عسری فی الدنیا ولہم فی الآخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا یہ ان (ڈاکوؤں) کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے، سو ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو توبہ سے ساقط کیا ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے دنیا کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ استثناء عذاب آخرت ہی کی طرف راجع ہے، اور وہ جو بخاری کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی، تو وہ اس کا کفارہ ہے، تو اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے، جب اس نے سزا کے وقت توبہ کر لی ہو، کیونکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے، اور جب ظنی اور قطعی میں تعارض ہو تو ظنی کو قطعی کے موافق کرنا واجب ہے، اور اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۳، مطبوعہ مطبع مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابوالفرج عبد الرحمن بن علی القرطبی الجوزی الحنبلی المتونی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمان ڈاکوؤں کی سزائیں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ کی حدود ساقط ہو جاتی ہیں مثلاً قتل کرنا، سولی دینا، ہاتھ پیر کاٹنا اور شریعت کرنا۔ توبہ کے بعد یہ حدود نافذ نہیں ہوں گی، لیکن انسان کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے مثلاً مال لوٹا ہے تو واپس لیا جائے گا اور کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(ازاد المسیر ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ بلوردی شافعی متونی ۵۰۰ھ نے بھی امام شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔

(الکتب والعیون ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۳۰ھ لکھتے ہیں:

اگر ڈاکوؤں نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لی تو ان سے اللہ کی حدود ساقط ہو جائیں گی لیکن اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا مل لوٹا ہے تو ان سے بدلہ لیا جائے گا، ماسوا اس کے کہ صاحب حق اس کو معاف کر دے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے، اس وجہ سے ڈاکوؤں سے حتی قتل، سولی، ہاتھ پیر کاٹنے اور شریہ کرنے کی حدود ساقط ہو جائے گی، اور ان پر قتل کرنے، زخمی کرنے اور مل لوٹنے کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر انہوں نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی ہے تو ان سے کوئی حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے لن کو پکڑنے سے پہلے توبہ کر لی۔ (المائدہ: ۳۴) سو پکڑے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے حدود واجب کر دی۔

(المعنی ج ۹ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو حدیثوں میں تطبیق

ہم اس سے پہلے کتب صحاح کے حوالے سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ جب مجرم پر حد لگادی جائے تو وہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جاتی ہے، لیکن ایک روایت اس کے خلاف ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں (از خود) نہیں جانتا کہ بیعت نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ ذو القرنین نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ حدود ان کے اصحاب کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور مجھے اس کی کسی علت (ضعف) کا پتا نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ابی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۲۹، لمعان)

اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے، اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے، مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت اسلام لائے تھے اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث جس میں مذکور ہے حدود کفارہ ہوتی ہیں، یہ بعد کا واقعہ ہے، کیونکہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد لی گئی تھی۔ کیونکہ امام مسلم نے اس کے بعد دو سری حدیث (رقم الحدیث: ۴۳۸۲) جو ذکر کی ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم پر عورتوں کی آیت عطاوت کی، اور لا یشترکس باللہ شیشاً (الممتحنہ: ۳۴) اور عجم طبرانی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس طرح بیعت لی جس طرح فتح مکہ کے موقع پر بیعت لی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مقدم ہے اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث موخر ہے۔ نیز تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ سے جب عقبہ اونٹنی کے موقع پر آپ نے بیعت لی تھی، اس وقت تو حدود نازل ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ کا یہ فرمان جس پر حد جاری ہو گئی وہ اس کا کفارہ ہے، اس موقع کا نہیں ہو سکتا۔ لا محالہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے، جب آپ نے دو سری مرتبہ بیعت لی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ پہلے کا واقعہ ہے اور بعد میں آپ کو اللہ نے علم عطا فرمادیا اور آپ نے فرمایا حدود کفارہ ہیں، (یعنی بشرط توبہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَ

اسے لیجان والو : اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو ، اور

جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۵۔ بیگم جن لوگوں نے کفر کیا

لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ

اگر ان کے قبضہ میں مدینے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن

مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

مذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں، تو وہ (قدیر) ان کو قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے

أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ

بنیاد وہ دنیا کا عذاب ۵۔ وہ (دفعہ کی) آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں مگر اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے

مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا

اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے ۵۔ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں ہاتھ

أَيْدِيَهُمَا جَزَاءُ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

کو کاٹ دو ، یہ ان کے لیے جو سزا ہے اور اللہ کی جزا جرت تک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب بنیاد محنت لائی ۵

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ط

پھر جس نے اپنے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا ،

إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ

بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے اور ہم فراموشی والے غافل ، کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک

وَالْأَرْضِ مَنْ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى

اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز

ظہان القرآن جلد سوم

کُلُّ شَيْءٍ عِندَ اللَّهِ

پر متاثر ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو۔" (الحج)

(انسائیکلو: ۳۵)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر ان کی جسارت اور دیدہ و لیری کو بیان فرمایا تھا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے ان کے بعد نور ووری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ اس کے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادت کا بھالنا ہے۔ یہود نے اس وسیلہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یہود کے برعکس ہونا چاہیے تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کر کے اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور اپنے باپ دادا کے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہیں اپنے اکابر اور اصناف پر فخر کرنے کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرنی چاہیے اور عبادت کے ذریعہ اس کے قرب اور نجات کے وسیلہ کو تلاش کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ بست بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ قبولیت توبہ کے لیے اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ یہ معنی ذریعہ تقرب

علامہ حسین بن محمد رافع اصلطی متوفی ۵۵۲ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے اور اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم نور عبادت کے ساتھ اسکے راست کی رعایت کرنا اور شریعت پر عمل کرنا اور اللہ کا وسیلہ اللہ کا قرب ہے۔ (المفردات، ص ۵۲۳-۵۲۴، مطبوعہ ایران ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(نہایہ، ج ۵، ص ۱۸۵، مطبوعہ ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ محمد بن مکرّم بن منکور افریقی متوفی ۷۷۵ھ لکھتے ہیں:

اہم لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(صحاح جوہری، ج ۵، ص ۱۸۴، لسان العرب، ج ۸، ص ۷۲۵-۷۲۴، مطبوعہ ایران ۱۳۰۵ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواز

امام محمد بن محمد جزیری متوفی ۸۳۳ھ آداب دعا میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حسن صحیح، ص ۲۴، مطبوعہ مطبع مصلیٰ البانی و اولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

احمد شاکر، رقم الحديث: ۲۶۸، سند ابوسهل، ۷۰۸، صحیح ابن حبان، رقم الحديث: ۳۳، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۳۹، الخطاب للعلی، ج ۱، ص ۱۳۹

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ولی اور نبی سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا اور ان کی دعا رد نہیں فرمائے گا اور ان کا اللہ پر یہی حق ہے اور یہی ان کی بارگاہ میں وجاہت اور حرمت ہے۔ اس لیے انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا یا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنا صحیح ہے اور اب ہم اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ عرض کرتے تھے اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برساتا تھا (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محرم) کو حیرتی طرف وسیلہ پیش کرتے ہیں تو تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس نے کہا پھر لوگوں پر بارش ہوئی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۱۰۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ، المعجم الکبیر، ج ۱، رقم الحديث: ۸۳، کتاب اللہ عام للطبوعہ، رقم الحديث: ۹۵، شرح منہ للبخاری، ج ۲، رقم الحديث: ۱۳۱۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ایسا شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اس نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو مؤخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا محمد ﷺ) نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو اے اللہ! میرے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرما۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۳، رقم الحديث: ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، طبع قاہرہ، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۵۸۹، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث: ۳۸۵، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۱، رقم الحديث: ۱۰۳۹۱، عمل الیوم واللیلہ للنسائی، رقم الحديث: ۲۳، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحديث: ۳۳، السنن رک ج ۱، ص ۵۹، دلائل النبوة، ج ۱، ص ۱۷، امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ المعجم الصغیر، ج ۱، رقم الحديث: ۵۰۸، المعجم الکبیر، ج ۱، رقم الحديث: ۸۳۱، حافظ منذری نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ الترفیب والترغیب، ج ۱، ص ۴۷، ۴۸، ۴۹، حافظ البیہقی نے بھی لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۹، مختصر تاریخ دمشق، ج ۲، ص ۳۰۴)

شیخ ابن تیمیہ، قاضی شوکانی، علامہ نووی اور امام محمد جزری وغیرہم نے امام ترمذی کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں لیکن ہمیں جو ترمذی کے پاکستانی اور بیروت کے نسخے دستیاب ہیں ان میں یا محمد کے الفاظ نہیں

ہیں۔ سنن ترمذی کے علاوہ ہم نے باقی جن کتب حدیث کے حوالے دیئے ہیں ان سب میں یا محمد کے الفاظ ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور اس نے یہ دعا کی "اے اللہ! تجھ پر ساتین کا جو حق ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں" اور میرے اس (نماز کے لیے) جانے کا جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں" کیونکہ میں بغیر اڑنے اور اترنے اور بغیر دکھانے اور سنانے کے (محض) تیری ناراضگی کے ڈر اور تیری رضا کی طلب میں نکلا ہوں" سو میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو جہنم سے مجھے اپنی بندہ میں رکھنا اور میرے گناہوں کو بخش دینا اور بلاشبہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ (سو جو شخص یہ دعا کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۷۷۷، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۸۵، الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۲۵۲، صحیح ابن خزمہ، ج ۲، ص ۲۵۸، علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۹۹) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن یزید روایت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے اصحاب کو خوب علم تھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ قریب اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ تھے۔

(مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۵، داراللمعہ بیروت، طبع قدیم، علامہ احمد شاکر، متوفی ۱۷۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۳۲۹، طبع ۱۹۶۹ء) وسیلہ بہ معنی درجہ جنت

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۷۲۶ھ لکھتے ہیں:

وسیلہ کا ایک معنی جنت کے درجات میں سے ایک (مخصوص) درجہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (نمایہ، ج ۵، ص ۱۸۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم موزن (کی لوزن) کو سنو تو اس کے کلمات کی مثل کو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا، اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو حاصل ہو گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا، اس کے حق میں میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۸۲۶ (۳۸۳)، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۳۲، صحیح ابویاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۷۷۷، عمل الیوم واللیلہ للسنی، رقم الحدیث: ۲۵، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۸۵، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۶۸، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۹۳، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۳۰۴، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۱۸۸۸، مطبوعہ مکتبۃ اثریہ، فیصل آباد)

دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے "اے اللہ! اس دعوت کلمہ اور (اس کے نتیجہ میں) کھڑی ہونے والی نماز کے رب! اپنے بندے اور اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔" (المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۷۵، مکتبہ المدینہ، الرياض ۱۴۰۵ھ)
حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں صدق بن عبد اللہ السکینی ہے۔ امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دحیم اور ابو حاتم اور احمد بن صالح مصری نے اس کی توثیق کی ہے۔

(المجمع الزوائد ج ۱، ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

حافظ جمال الدین یوسف مزی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

صدق بن عبد اللہ السکینی کی روایات سے امام ترمذی، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے استدلال کیا ہے۔ ہر چند کہ امام احمد اور شیعین نے اس کو ضعیف کہا ہے، لیکن سعید بن عبد العزیز اور امام ابو زہری نے اس کو ثقہ کہا۔ عبد الرحمن بن ابراہیم نے کہا: صدق ہمارے شیوخ میں سے ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احمد بن صالح مصری نے کہا اس کی روایت صحیح اور مقبول ہے۔ دحیم نے کہا اگرچہ یہ قدریہ کی طرف مائل تھا، لیکن روایت میں صلوٰۃ تھا۔ ولید بن مسلم نے کہا یہ ۳۶۱ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب الکمال ج ۱، ص ۸۸، ملخصاً: میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۲۵-۳۲۶، تہذیب الحدیث ج ۲، ص ۳۸۱)
امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبده ورسوله" اے اللہ! آپ پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں داخل کر دے، سو جو شخص یہ دعا کرے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲، رقم الحدیث: ۴۵۵۳، الجامع الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۲۲۱۱۸، معجم القاری ج ۵، ص ۱۱۴)

حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں اسحاق بن عبد اللہ بن کیسان ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (المجمع الزوائد ج ۱، ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ جمال الدین ابوالنجم یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ نے متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں سے اسحاق بن عبد اللہ کا ضعف نقل کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے اسحاق بن عبد اللہ کی صرف ایک حدیث صحیحہ درج کی ہے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس کی روایات کو درج کیا ہے۔ اسحاق بن عبد اللہ بن کیسان ۳۴۳ھ میں فوت ہوا تھا۔

(تہذیب الکمال ج ۱، ص ۶۲-۵۷، میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۲۶، کتاب الجرح والاعتدال ج ۲، ص ۲۲۸)

ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

وعائے اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق

اس بحث کے اخیر میں ہم ایک اور حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں "انک لا تحلف بالمیعاد" کا ذکر ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اے اللہ! میں تجھ سے اس دعوت کلمہ اور اس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ سیدنا محمد

پیغمبر کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے لیے مخصوص ہے اور آپ کو فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، بے شک تو وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنے صحیح میں علی بن عیاش سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۴۰ مطبوعہ شریفہ ٹرسٹ)

اس دعا میں الوسیلة اور الفضیلة کے بعد والدرجۃ الرفیعة کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے:

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۰۱ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب اور جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت کلمہ "لا اے اللہ! اس دعوت تاملہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے درجات بلند فرما تو اس کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المصنف ج ۱ ص ۴۹۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

وسیلہ بہ معنی مرشد کامل

ایمان، اعمال صالحہ، فرائض کی ادائیگی، اجتماع سنت، اور محرمات اور مکرمات سے بچنا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جس موصلاً اور مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک مسلمان گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے جو اس کو مسلسل نیکی کی تلقین کرتا ہے اور اس کی روحانی تربیت کرتا ہے اس شیخ کے وسیلہ اور قرب الہی کے ذریعہ میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ شہادہ اللہ دہلوی قول جیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ اور شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۳۶۱ھ لکھتے ہیں:

اہل سلوک اس آیت کو راہ حقیقت کے سلوک کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر حقیقی کامیابی اور مجاہدہ سے پہلے مرشد کو تلاش کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے اس لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس راہ کا ملنا شاذ و نادر ہے۔ (صراط المستقیم افکار ص ۵۰ مطبوعہ مکتبہ سفیہ لاہور)

اسلام میں بیعت کا تصور شیخ طریقت کی شرائط، بیعت برکت، بیعت ارباب، تہذیبی بیعت اور تجریدی بیعت کا حکم کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض ہے، ان تمام عنوانات پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کے اخیر میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو حضرات ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے ندامت دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ ۳۶)

آیا اللہ نے کافر کے کفر کا ارادہ کیا تھا یا اس کے ایمان کا؟

اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے کہ جن یہودیوں نے اللہ کی رویت کا انکار کیا اور چھڑے کی عبادت کی اور جن مشرکوں نے بتوں، انسانوں یا عناصر کی عبادت کی اور وہ توبہ کرنے سے پہلے مر گئے تو وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر تمام روئے زمین کے برابر فدیہ بھی دے دیں تب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دامنِ درد دینے والے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد فرمایا ہے جنہوں نے کہا تھا ہم کو صرف چند دن عذاب ہو گا اور اسی طرح بت پرست

کافروں کو عذاب کی وعید سنائی ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اپنے آباء و اجداد کے وسیلہ سے دوزخ کے داغی درودینے والے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا یہ بتا اگر تیرے پاس روئے زمین جتنا سونا ہو تو کیا تو اس کو ندیہ میں دے دے گا؟ وہ کہے گا ہاں پھر اس سے کہا جائے گا (دنیا میں) تجھ سے اس کی بہ نسبت بہت آسان سوال کیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۵۳۸، صحیح مسلم، ص ۵۳، ۵۴، ۲۸۰۵، ۲۸۵۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابی عمران کی روایت میں ہے اللہ فرمائے گا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا میں نے تجھ سے اس کی بہ نسبت آسان چیز کا سوال کیا تھا یہ کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو شرک کے بغیر نہیں بنا اور ثابت کی روایت میں ہے ہم نے تجھ سے اس کی بہ نسبت کم چیز کا سوال کیا تھا میں تو نے نہیں کیا پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ حاضی عیاض نے کہا اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَآشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ۔
اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے اوپر انہیں گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۱۷۲)

یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد سے لیا تھا۔ جس نے بعد میں آکر دنیا میں اس عہد کو پورا کیا وہ مومن ہے اور جس نے اس عہد کو پورا نہیں کیا وہ کافر ہے۔ سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں جب تم کو دنیا میں نکالوں گا تو تم اس عہد کو پورا کرنا لیکن تم نے اس کا انکار کر کے شرک کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارادہ سے مراد طلب ہو۔ یعنی میں نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور تم ایمان نہیں لائے ہو کیونکہ اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ معتزلہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کافر کے کفر کا اور اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ کرتا تو وہ ایمان لے آتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو مقدر کرتا تو وہ ایمان لے آتا اس کے برخلاف معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مومن نے اس پر لبیک کہا اور کافر نے انکار کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کفر شر اور برائی ہے اور کفر کا ارادہ بھی شر اور برائی سے منزه ہے۔ اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی کے کفر کا ارادہ کرے۔ اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر ہے۔ خالق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے مخلوق کے لیے شر کا ارادہ کرنا اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے جو اس کو امر کرے۔ اس لیے مخلوق کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز مخلوق جب کسی

چیز کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو تو یہ تعلق کے ضعف اور اس کے عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضعف اور عجز سے پاک ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کافر کے ایمان کا ارادہ کرے اور وہ ایمان نہ لائے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الرمرز)

اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر راضی نہیں ہوتا۔

تو جب اللہ کفر سے راضی نہیں ہے تو وہ کافر کے کفر کا ارادہ کیسے کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ رضا کا معنی ہے ثواب دینا یعنی وہ کفر پر ثواب نہیں دیتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ارادہ عام ہے اور رضا خاص ہے۔ رضا کا معنی ہے خیر کا ارادہ کرنا جس طرح ہمارا منگی اور غضب کا معنی ہے شر کا ارادہ کرنا۔

(فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ دار الفکر، لبنان، ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اہل سنت و جماعت کا جو مذہب نقل کیا ہے اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۲۵۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن قلعہ السلی جرح بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت سے ایک تعلق کو نکالا۔ پھر فرمایا: یہ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ دوزخ میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ پر۔

(معجم ابن حبان، ج ۲، رقم الحديث ۳۳۸، المستدرک، ج ۱، ص ۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۸۶، طبع قدیم، علامہ البیہقی نے کہا اس

حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ معجم الزوائد، ج ۷، ص ۱۸۶)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب جرح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے جو آدم کی پشتوں سے بن کی اولاد کو نکالا (اعراف: ۱۷۲) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے بن لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے بن لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ اہل جنت کے اعمال کرتا ہوا مرنے لے۔ پس اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال کرتا ہوا مرنے لے۔ پس اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحديث ۳۰۸۶، سنن ابو داؤد، رقم الحديث ۴۷۴، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۱، رقم الحديث ۱۱۹۰، موطا امام مالک،

رقم الحديث ۳۳۸، مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث ۳۷۱، معجم ابن حبان، رقم الحديث ۳۳۱، المستدرک، ج ۱، ص ۲، ج ۲، ص ۲۲۲، ج ۲،

ص ۵۳۳، کلام ذہبی نے تینوں حدیثوں میں حاکم کی موافقت کی ہے)

امام ابو عبد اللہ محمد بن حنفیہ ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن دہلی بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ پر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اس سے میرا

دین فاسد نہ ہو جائے اور ایمان نہ جاتا رہے۔ پس میں حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا اے ابوالمنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا ہے، اور مجھے خدشہ ہوا ہے کہ اس سے میرا دین اور ایمان فاسد نہ ہو جائے۔ آپ میری تسلی کے لیے کوئی حدیث بیان کیجئے۔ شاید اللہ اس سے مجھے نفع پہنچائے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کہہ اگے اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا، اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ (کیونکہ وہ ان سب کا مالک ہے) اور سب اس کی مملوک ہیں، اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ تم سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ پس تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو مصیبت پہنچی ہے، وہ تم سے ٹٹنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹٹ گئی ہے، وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی، اور اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے، اور تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے، تم جا کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھ لو، میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی حضرت ابی بن کعبؓ کی طرح جواب دیا اور فرمایا: تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے، تم جا کر حضرت حذیفہ سے سوال کرو۔ میں نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی ان دونوں کی طرح جواب دیا اور کہہ اب تم جا کر حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کرو، میں نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا؟ تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا، اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ تم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ اس وقت تک تم سے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم ہر تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ یقین نہ رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے، وہ تم سے ٹٹنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹٹ گئی ہے، وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے سوا کسی اور عقیدہ پر مر گئے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث ۱۷۷۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث ۳۷۸۸، مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث ۲۳۱۷، طبع دار الفکر، بیروت، علامہ احمد شاکر، حوالی ۷/۳۳۷ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۸، رقم الحدیث ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، ۲۳۱۹، طبع دار الفکر، قاہرہ ۱۳۲۹ھ)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کافر کا کفر اور مومن کا ایمان اللہ کے ارادہ سے ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں۔ اس نے جس کو جنت کے لیے پیدا کیا، اس کے لیے جنت کے اعمال آسان کر دیے اور جس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا، اس کے لیے دوزخ کے اعمال آسان کر دیئے۔ اللہ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے ہم کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازا۔ اے اللہ! ہمارا خاتمہ بھی ایمان اور اعمال صالحہ پر کرنا اور اسی عقیدہ پر ہمارا حشر کرنا، ہم دوزخ سے اور دوزخیوں کے اعمال سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

مفسرین نے اس کی توجیہ میں یوں کہا ہے کہ چونکہ کافر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفر کو پیدا کر دیا اور مومن نے ایمان کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس میں ایمان کو پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر اور شر کا اختیار دیا جو خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس میں خیر پیدا کر دیتا ہے اور جو شر کا ارادہ کرتا ہے، اس میں شر کو پیدا کر دیتا ہے، بدوہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں۔ کسب کا تعلق بدوہ سے ہے اور خلق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور انسان کو جزا اور سزا اس کے کسب اور ارادہ کی وجہ سے ملتی ہے، اور اگر بدوہ کے افعال میں اس کے کسب اور ارادہ کا دخل نہ ملتا جائے، تو پھر دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل کو بھیجا اور

آسمانی کتابوں کو نازل کرنا اور آخرت میں جزاء اور سزا کا انتظام قائم کرنا سب بے معنی اور خلاف حکمت ہو گا۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت تاکہ تحریر ہے اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے (المائدہ: ۳۹)
 آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتلایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کلٹ دیئے جائیں اور اس آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ دوسری چوری پر اس کا پیر کلٹ دیا جائے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا جب کسی شخص نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پیر کلٹ دیا جائے گا۔

(کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور یہاں فرمایا کہ اگر انسان چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

سرقۃ کا لغوی معنی

علامہ جمل الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں:

ال عیب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے۔ اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلا لے تو وہ اچکا اور لیرا (مختلس اور مستہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو صاحب ہے۔

(لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۵۶ مطبوعہ نثر ادب الخورہ، قم ایران ۱۳۰۵ھ)

سرقۃ کا اصطلاحی معنی

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام خفی متوفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں:

عائل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھالے جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو اور آنچائیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقۃ (چوری) ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

شان نزول

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۷۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت طعمہ بن امیرق کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ذرہ کی چوری کی تھی۔ اس کی تفصیل ہم النساء ۱۰۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ (اسباب النزول ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۷۸ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا وہ ولید بن مغیرہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا وہ خیابن بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے مگر عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے وہ مروہ بنت

سفیان بن عبد اللہ تھیں۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابو بکر نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے بارہ بار چاہا تھا۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کرے تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گو وہ قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مل لے جاتا ہے، لہذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے، اس لیے اس کی سزا سخت رکھی تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو فوراً جوڑ دیا جائے تو یہ جائز ہے لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے، یہ اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے، اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گا اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے، اس کی مکمل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں کی ہے۔ ایک بحث یہ ہے کہ چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا آلہ قاتل کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور کا جب ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ موجود ہوتا ہے جس سے وہ کام کاج کر سکتا ہے، جبکہ زانی کے پاس دوسرا آلہ نہیں ہوتا۔ دو سراجواب یہ ہے کہ حدود اس لیے مقرر کی گئی ہیں کہ لوگ دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ کتنا ہوا ہاتھ تو دکھائی دیتا ہے اور آلہ مستور ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آلہ قاتل کاٹ دینے سے فروغ نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور ہاتھ کاٹنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ زانی سزا میں جرم تو صرف ایک جرنے کیا ہے اور کوڑوں یا رجم کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے، اس لیے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔

محبت حدیث پر دلیل

اس آیت میں کئی وجوہ سے اجمل ہے۔ اول یہ کہ مطلقاً چوری کرنے پر حد واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک پیسہ یا روپیہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ ایک معین مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس آیت میں اس مقدار کا بیان نہیں ہے۔ ثانیاً اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں پر، پٹیل پر، پہنچے تک، گلائی کے وسط تک، کہنی تک اور بازو تک پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ثالثاً اس آیت میں یہ بیان نہیں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم امت کے عام افراد کو دیا گیا ہے یا یہ حکم صرف مسلمان حاکم کے لیے ہے۔ ان تمام امور کا بیان نبی ﷺ کی سنت اور احادیث میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن شافعی متوفی ۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا جس دن اس نے چوری کی تھی۔ اگر اس کی قیمت چو تھلی دینار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(الامام ج ۶ ص ۱۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چو تھلی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۷۷۸، صحیح مسلم حدود: ۳۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۳، سنن نسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۸۹، مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۵، مسند ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۲۷۰، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۳، مسند حیدری رقم الحدیث: ۲۷۹، مسند الشافعی ج ۲، رقم الحدیث: ۸۳، شرح السنن للبیہقی رقم الحدیث: ۲۵۹۵)

واضح رہے کہ چو تھلی دینار تین درہم کے مساوی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چو تھلی دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو اور تینوں میں چو تھلی دینار تین درہم کے برابر تھا اور دینار بارہ درہم کا تھا اور اگر چوری چو تھلی درہم سے کم ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کستی۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۹۶-۲۳۹۶۰، طبع ۱۴۰۶ھ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ

امام متون بن سعید اشعری مالکی متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالک سے پوچھا یہ بتائیے کہ اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چو تھلی دینار کے برابر آج نہ ہوں، کیونکہ دینار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو کیا آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ امام مالک نے فرمایا ہاں اس کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا، جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی قیمت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا اور حضرت عثمان جوڑیہ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا۔

(البدیع الکبریٰ ج ۶ ص ۲۶۵ مطبوعہ مطبع الطحاوی مصر ۱۳۲۳ھ)

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بن انس ابی متوفی ۲۴۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذوال حل کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(الموطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۵، مسند الشافعی ج ۲، رقم الحدیث: ۸۳، صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۷۷۸، صحیح مسلم حدود: ۳۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱، سنن نسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۵۳۳، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۳، سنن دار قطنی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۹، شرح السنن للبیہقی رقم الحدیث: ۲۵۹۵)

حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لہذا حسن بصری، داؤد ظاہری، امام شافعی کے واسطے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی، چور کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما (المائدہ: ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کٹ دو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کٹ دیا جاتا ہے (صحیح بخاری، صحیح مسلم) نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین چو تھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا (صحیح بخاری، صحیح مسلم) اور اس پر مصلحہ کا مصلع ہے اور مصلع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے جس کی قیمت ربع دینار ہو (جیسے جمادات کی رسی، سعیدی) اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈا نہ ہو بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی "خود" مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔ ابو اسحاق جوزجانی سے ربع طللی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے، یا جو ان کی ہدایت ہو۔ امام مالک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چو تھائی دینار یا تین درہم کی ہدایت نصاب ہے اور ان میں سے کم تر ہدایت کو نصاب مانا جائے گا۔ لیث اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا صرف چو تھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبد العزیز، "نوزائی" امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اور عثمان بنی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت عمر سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس ڈھل کے عوض ہاتھ کٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ علامہ امام ابو حنیفہ اور ابن کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ قبل بن اوطا نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں قطع نہ نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھل کے عوض ایک توی کا ہاتھ کٹ دیا اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخی سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھل کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) علامہ ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں لعل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھل پر قطع یہ کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹا جائز نہیں کیونکہ جو تین

درہم کی چوری پر ہاتھ کٹتے ہیں وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کٹتے ہیں۔

(المفنی ج ۹ ص ۹۵-۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے جوابات

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۸۳ ص ۴۸۳ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دھل کی قیمت کے بارے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے اور ان دونوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی مگر اس میں یہ دلیل ہے کہ چور کا ہاتھ کٹنے کے لیے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام شافعی نے کہا چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک نے کہا تین درہم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری نے کہا چالیس درہم ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے 'نہی ﷺ نے فرمایا چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف دھل کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور دھل کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور کم سے کم قیمت جو محمول ہے وہ تین درہم ہے۔ اس لیے امام مالک نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والدہ خود از جد خود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً طور مرفوعاً مروی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ دس درہم سے کم میں حد نہیں ہے اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ابن ابی ایمن حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جس دھل کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا وہ دس درہم کی تھی اور ان صحابہ کرام کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدین میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دھل کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے تاکہ حد کو ساقط کیا جاسکے اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت متعین ہو گا جب دھل کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا جس نے کپڑا چاہا تھا۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کر دی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ نیز انصاب حد کو نصاب صریح قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم صریح دس درہم ہے اور نکاح اور ہاتھ کٹنے دونوں میں ایک عضو پر تصرف کیا جاتا ہے جو شریعت میں تصرف کرنے سے محفوظ اور مامون ہے۔ اس لیے اس تصرف کا استحقاق مال کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو تھائی دینار کی جو حدیث مروی ہے، اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے اور اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشہور قول یہ ہے کہ کسی معمولی چیز کے عوض ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا، بلکہ ذحل کی قیمت کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو تھائی دینار کی صریح حدیث ہوتی تو وہ یہ ہم جواب نہ دیتیں۔ پھر یہ بھی احتمال ہے کہ ابتداء میں جو تھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہو، بعد میں دس درہم کو نصاب سرقہ مقرر کر کے جو تھائی دینار کے حکم کو منسوخ کر دیا، تاکہ باطل حکم، منسوخ حکم سے خفیف اور آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں، یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔ (المائدہ ج ۹، ص ۳۶۳، ۳۶۴، مطبوعہ دار العرف، بیروت ۱۳۹۸ھ)

مذہب احناف کے ثبوت میں احادیث

علامہ سرخسی کی اس مفصل عبارت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب آگیا ہے، تاہم علامہ سرخسی نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے، ہم ان کی تخریج اور مذہب احناف کی تائید میں مزید احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ایمن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف ذحل کی قیمت میں ہاتھ کاٹا ہے، اور اس دن ذحل کی قیمت ایک دینار تھی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو چھ مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔ ہارون بن عبد اللہ کی روایت میں ہے، اس کی قیمت ایک دینار، دس درہم تھی۔

(سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۹۶۳، ۳۹۶۲، ۳۹۶۱، ۳۹۶۰، ۳۹۵۹، ۳۹۵۸)

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ذحل کی قیمت اس دن دس درہم تھی۔

(سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۹۶۱، ۳۹۶۰، ۳۹۵۹، ۳۹۵۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۳۸۷، یہ حدیث عطا سے مرسلہ بھی روایت کی ہے۔ رقم الحدیث: ۳۹۶۸، ۳۹۶۷، المستدرک، ج ۳، ص ۲۷۹، حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ امام بیہقی نے متعدد اسانید کے ساتھ ایمن سے روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۳۷۳، مصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، ص ۲۳۳، سنن دارقطنی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۳۴، ۲۲۳۵، ۲۲۳۶، ۲۲۳۷)

امام نسائی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں، ذحل کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس درہم تھی۔ (سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۹۵۷، سنن دارقطنی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۸۸، ۲۲۸۷)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں قطعید (ہاتھ کاٹا) نہیں ہے۔ (علامہ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۹۰۰، سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۳۷۳)

امام عبدالرزاق بن حاتم صنعانی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

قاسم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرا لیا تھا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کی قیمت لگاو۔ حضرت عثمان نے اس کی آٹھ درہم قیمت لگائی، تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف، ج ۱۰، ص ۲۳۳، ۲۳۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۳۷۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۲۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۲۰ کتاب الآثار لام محمد

ص ۳۷ سنن دار قطنی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۳۹۹)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۲۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ذہل سے کم قیمت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ذہل کی قیمت دس درہم تھی اور

اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب الآثار ص ۱۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۰ھ)

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب چور اس قدر (مل کی) چوری کرے جو ذہل کی قیمت کو پہنچ جائے

تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس وقت ذہل کی قیمت دس درہم تھی۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۲۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مل کا وزن تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے

اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ دس درہم دو اعشاریہ چھ دوپانچ (۲۷۵) تولا اور تیس اعشاریہ چھ ایک

آٹھ (۳۷۸) گرام چاندی کے برابر ہے۔ اور تین درہم ستر اعشاریہ سات آٹھ سات پانچ (۸۷۵) تولا اور نو اعشاریہ ایک

آٹھ پانچ چار (۵۷۵) گرام چاندی کے برابر ہے۔

کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے ؟

چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ امام بیہقی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ ہماری قرائت میں ہے "فأقطعوا

ایمانہما" چوری کرنے والے مولود چوری کرنے والی عورت کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۷۰ مطبوعہ نشر المکتبۃ)

دایاں ہاتھ پیچھے سے کاٹا جائے گا۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والدہ خود از جد خود حضرت صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سوئے ہوئے تھے ان کے سر ہاتھ ان

کے کپڑے تھے ایک چور آکر کپڑے لے گیا وہ اس چور کو پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے آئے اس نے چوری کا اقرار کر لیا۔

نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان نے کہا یا رسول اللہ اکابر کے ایک شخص کا میرے کپڑوں کے عوض

ہاتھ کاٹا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میرے پاس پکڑ کر لانے سے پہلے یہ عرب نہیں تھا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جب تک مجرم حاکم کے پاس نہ پہنچے تم شفاعت کر سکتے ہو۔ اور جب وہ حاکم تک پہنچ گیا پھر اس کو معاف کیا تو اللہ اس کو معاف نہ

کرے پھر آپ نے حکم دیا کہ پیچھے (پیشانی اور کلائی کا جوڑا) سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

(سنن دار قطنی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

عمری بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑے کاٹ دیا۔
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑے کاٹ دیا۔ عمرو بن دینار
بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑے کاٹ دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۷۱، مطبوعہ نثر السنہ، لبنان)

جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا

فقہی عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں:

- ۱۔ جو چیز دارالاسلام میں مباح یا خبیث اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے اقلہ، لکڑی، گھاس، پھوس، سرکنڈا، پھلی، ہڑتیل اور چونا وغیرہ۔ (ہدایہ کافی، نور الہدیٰ)
- ۲۔ سونا، چاندی اگر مٹی یا پتھر میں مخلوط ہو اور اس کو اس شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (ظاہر الروایہ)
- ۳۔ جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے، جیسے دودھ، گوشت، لور، تانہ، پھل، کن کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (ہدایہ)
- ۴۔ جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو اس کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)
- ۵۔ قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے۔ خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو، حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ ہو، اور قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے، پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو، لیکن غیر محفوظ ہو، پھر بھی حد نہیں ہے۔ (ذخیرۃ)
- ۶۔ مٹی کی دستچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (تہمین)
- ۷۔ درخت کو بلغ سے جز سمیت چرانے پر حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)
- ۸۔ ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔ (مہینار)
- ۹۔ شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (فتح القدر)
- ۱۰۔ جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے، کن کے چرانے پر حد نہیں ہے، خواہ وہ وحشی ہوں یا فیرو وحشی، بری ہوں یا بحری۔ (نثار غانیہ)
- ۱۱۔ مندی، مزیوں، تانہ، پھلوں، گھاس، پانی، ہتھیلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ الا یہ کہ کھال سے مصلیٰ یا کوئی اور چیز بنائی گئی ہو۔ (مکاسب)
- ۱۲۔ غمر، خنزیر، بلی، پرندوں، وحشی جانوروں، کتے، بچے، مرغی، بچہ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ترغی)
- ۱۳۔ طنبور، دف، مزار اور باقی گانے بجانے کے آلات کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)
- ۱۴۔ طبل، لور، برہلا، اگر لہو و لعب کے لیے ہوں، تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے، لور اگر جلد کا طبل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ (محیط)
- ۱۵۔ بنیر اور روٹی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)
- ۱۶۔ شطرنج اور چو سر خوانہ سونے کی بنی ہوئی ہوں، ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (محیط)
- ۱۷۔ مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)
- ۱۸۔ فقہ، نحو، لغت اور شعر و ادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۱۹- تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

۲۰- سونے یا چاندی کی صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ البتہ اسونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں ان پر حد ہے۔ (مکاسبہ)

۲۱- بڑی عمر یا سمجھ دار غلام کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ہزقاتی)

۲۲- جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر موجدل قرض لیا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت کی چیز چرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض موجدل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور اتھمن کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔ (الراج الوہاج)

۲۳- اگر مبلغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔ (مید)

۲۴- اگر چاندی کے برتن میں نمیز یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی اس کو چرایا تو حد نہیں ہے۔

۲۵- جس برتن میں غیر (شراب) تھی اس کو چرایا تو اس میں حد نہیں ہے۔ (مید)

۲۶- اگر قبر سے درہم رنار یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس پر حد نہیں ہے۔ (الراج الوہاج)

۲۷- کفن چرانے پر حد نہیں ہے۔ (کافی)

۲۸- مال نصیحت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (نہیہ)

۲۹- جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔ (شرح اللہوی غلیبہ)

۳۰- حلی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (مبسوط)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

۳۱- مسجد کا سلن مثلاً چٹائیں اور قدیل چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۲- کعب کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۳- جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہو یا چھاپا ہو ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۴- اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۵- شیرے اور اپنے چہرے پر حد نہیں ہے۔

۳۶- اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۷- ماں، باپ، کولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔

۳۸- اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۹- اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۰- غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالک کے غلام کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۱- اگر مالک نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۲- حمام یا جس گھر میں جانے کا وزن عام ہو اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔

افتاویٰ مائتیری، ج ۲، ص ۱۷۹-۱۷۵، مطبوعہ مطبعہ امیریہ، کبری بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) لیا تو نے ہمیں جانا کہ بلاشبہ تمام انسانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کا ہے وہ

نے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۳۰)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر چہ نے توبہ نہ کی اور وہ پکڑا گیا تو اس پر حد بھی جاری ہوگی اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا اور اگر اس نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ آخرت کی سزا معاف فرمادے گا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا یا معاف فرمادینا اس وجہ سے ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اس کا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اس کا معاف فرمادینا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ اہل سنت کا مذہب ہے عذاب دینا اس کا عدل ہے اور معاف فرمادینا اور ٹوبہ عطا فرمادینا اس کا کرم ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے ہم اس کے عذاب سے اس کی پٹہ طلب کرتے ہیں اور اس کے غم و درد گزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں، ان میں سے

الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِمَا فُورَاهُمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَفَمِنْ

بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے بھروسے کیا ہم ایمان لے آئے، حالانکہ ان کے دل یمن نہیں ہیں اور بعض

الَّذِينَ هَادُوا أَشْجَعُونَ لِلْكَذِبِ سَاعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ

یہودی ہیں جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے

لَمْ يَأْتُوكَ يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَا وَضَعَهُ يَقُولُونَ إِنْ

پاس نہیں آئے، (لاندھے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ

أَوْتِيْتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاخْذَرُوا وَمَنْ يُرِدْ

(دعہ) دیا جائے تو اس کو مان لو، اور اگر یہ (دعہ) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو، اور جسے حق طلب ہے

اللَّهُ فَنُتَتْهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہتے تو، تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے

لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَظْهَرِ قُلُوبُهُمْ طَلَمٌ فِي الدُّنْيَا خَذَىٰ وَلَهُمْ

دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں

فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ سَاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ

ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۝ (یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ

لِلشُّحِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ

کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اصرار نہ کریں

وَأِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ

اور اگر آپ ان سے اصرار کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۲۳﴾ وَكَيْفَ

ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور وہ آپ

يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ

کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ

بَعْدَ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۴﴾

روگردان کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زد نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں (المائدہ ۲۱) اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ لور چوری سے متعلق احکام شریفہ ارشاد فرمائے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ منافقین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کی سرگرمیوں کی پروا نہ کریں، ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہے اور ان کے کفر فریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ اسی طرح آپ یہود کی ریشہ داندیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں، یہ دونوں فریق یہود کے اہبار اور رہبان سے دین اسلام کے متعلق جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں۔ آپ کی نبوت میں شبہات اور تورات میں تحریف پر مشتمل باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے یہ ان کے جاسوس ہیں، آپ پر جھوٹ باندھنے کے لیے یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں اس میں تغیر اور تبدل کر کے پورے آپس سے جھوٹ ملا کر یہودیوں کو پہنچائیں۔

قرآن مجید میں دو جگہ آپ کو یا ایہا الرسول کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ایک یہ جگہ ہے (المائدہ ۲۱) اور دوسری آیت یہ ہے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک (المائدہ ۶۷) ان کے علاوہ باقی ہر جگہ آپ کو یا ایہا السبی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت معہم باشندگان آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو (المائدہ ۲۴)

یسود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا

یسود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی بھی۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیتے تھے یا اس لفظ کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنی بدل جاتا تھا اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹ تفسیر بیان کرتے یا باطل توہیل کرتے اگر ان سے آخری نبی کی مخالفت پر بھی جاتیں تو دجل کی مخالفت پڑھ کر سنا دیتے۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری حنفی ۱۰۳ھ نے بیان کیا ہے کہ یسود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیا۔ اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی ﷺ) اہل بیت اور ان کے کا حکم دیں تو یمن لینا ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۲۳)

امام ابن جریر نے یسود کی تحریف کی یہ مثل دی ہے کہ تورات میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۲۱)

نبی ﷺ کا یسودی زانیوں کو رجم کرانا

امام مسلم بن حجاج قشیری حنفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یسودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یسود کے پاس تشریف لے گئے آپ نے فرمایا جو شخص زنا کرے اس کے حلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں پھر ان کا پکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لانا وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام جو پیشو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے پیچھے رجم کی آیت تھی پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح مسلم حدود ۲۶۱، سنن ترمذی ۱۳۵۷۷، سنن ابوداؤد ۴۸۳۱، سنن ابویوسف ۴۸۳۱، سنن ابوالخدیج ج ۸، رقم الحديث ۷۸۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحديث ۴۸۳۱، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث ۷۸۳۱، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحديث ۳۳۵، صحیف عبدالرزاق رقم الحديث ۳۳۱۱، سنن دارمی ج ۲، رقم الحديث ۲۳۲۱، شرح السنن للبغوی رقم الحديث ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۳۳)

امام مسلم نے اس حدیث کو اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم حدود ۲۶۱، سنن ابوالخدیج ج ۸، رقم الحديث ۷۸۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحديث ۴۸۳۱، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث ۷۸۳۱، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحديث ۳۳۵، صحیف عبدالرزاق رقم الحديث ۳۳۱۱، سنن دارمی ج ۲، رقم الحديث ۲۳۲۱، شرح السنن للبغوی رقم الحديث ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۳۳

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری حنفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت یزید بن عازب جو پیشو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک یسودی گزارا گیا جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا تم اپنی کلب میں زانی کی حد اسی طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پھر آپ نے ان کے غلو میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو

نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا۔ ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں، لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں تو پھر ہم نے رجم (سنگسار کرنے) کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو مقرر کر دیا۔ سورہ سولہ اللہ ﷻ نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مار لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو۔ (المائدہ: ۳۱) (یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جلا، اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سودی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ۳۳)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سودی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۳۵)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سودی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۳۷)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔

(صحیح مسلم، حدیث ۲۸۰۰، (۱۷۰۰) ۳۳۹۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۴۳۸-۴۴۳۹، سنن ابن ماجہ، ۲۵۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جسے اللہ قتل میں ڈالنا چاہے، تو تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔ (المائدہ: ۳۱)

یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

جس کو اللہ قتل میں ڈالنا چاہے، اس کا معنی ہے جس کو اللہ دنیا میں گمراہ اور رسوا کرنا چاہے اور آخرت میں عذاب دینا چاہے، تو اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کو اس شخص سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ نے بندہ کو گمراہ کر دیا، تو پھر اس کو دنیا میں طاقت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخرت میں اس کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ جب کوئی ایسا بڑا جرم کر لیتا ہے جس کی اللہ کے نزدیک معافی نہیں ہے، تو وہ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔ اب کوئی خواہ کتنی کوشش کیوں نہ کرے، وہ اس کو راہ پر نہیں لاسکتا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ سے کسی مجرم کو طلب کرے اور مجرم دیکھنے کے بعد پھر ایمان نہ لائے، یا نبی ﷺ کی اہانت اور گستاخی کرے، تو پھر دنیا میں گمراہی اور رسوائی اور آخرت کا عذاب اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے، یعنی ان پر جزیہ مسلط کیا جائے گا اور وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے۔ نیز فرمایا: اور آخرت میں ان کے لیے عذاب ہے، یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہودیوں اور منافقوں کے ایمان نہ لانے اور اخلاص سے اطاعت نہ کرنے پر آپ مغموم نہ ہوں اور آپ یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی تبلیغ اور پیغام رسائی میں کوئی کمی ہے جو یہ ایمان نہیں لارہے اور اخلاص سے اطاعت نہیں کر رہے، آپ کی تبلیغ کمال ہے اور آپ کی پیغام رسائی مکمل ہے۔ دراصل ان کی عظیم اہانتوں اور مہر میوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور اللہ نے ان کو اس قاتل نہیں جانا کہ ان کو آپ کے مخلصین اور اطاعت گزاروں میں شامل کرے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ آپ پر ایمان نہیں لارہے، اور آپ کو منصب

نبوت کا اہل نہیں سمجھتے اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو آپ کی غلامی اور آپ پر ایمان لانے کے لائق نہیں جلا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (المائدہ: ۴۲)
سحت کا معنی اور اس کا حکم

یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وہ سحت بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ لغت میں سحت کا معنی حلاک کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيٰٓأَيُّكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ
كُذِّبَ بِاٰفِيْئَتِكُمْ بِعَذَابٍ (طہ: ۶)

اور سحت کا معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔ عرب سر موڑنے والے کے متعلق کہتے ہیں اسحت اس نے
بل جڑ سے اکھاڑ دیئے۔ بل حرام کو بھی سحت کہتے ہیں کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور لمبا میٹ کر دیتا ہے۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سحت رشوت ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا حاکم کو رشوت دینا سحت
ہے۔

امام احمد بن علی بن حنبل جیسی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

سوق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے ان سے پوچھا سحت کبے
کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا فیصلہ کرنے میں رشوت لینا فرمایا یہ کفر ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اٰمَرَ اللّٰهُ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (المائدہ: ۴۴) اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ 'ج ۹' رقم الحدیث: ۵۳۶۶، المعجم الکبیر 'ج ۹' رقم الحدیث: ۵۵۰۰، حاشیہ البیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد
'ج ۴' ص ۲۰۰، المطالب العالیہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۲' ص ۱۳۹)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سوق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سحت کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا ایک
شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے وہ اس کی حاجت پوری کرے، پھر وہ اس کو ہدیہ دے جس کو وہ قبول کر لے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زانیہ کی اجرت سحت ہے، زکی جفتی کی اجرت سحت ہے، نقد لگوانے (رگ
کانٹے) والے کی اجرت سحت ہے، اور کتے کی قیمت سحت ہے۔

نقد لگوانے (رگ کانٹے) کی اجرت جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نقد لگوا کر اجرت دی ہے، اس لیے حدیث کا
یہ جز منسوخ ہے۔ امام مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بنو یاسر کے ایک غلام نے نبی ﷺ کو
نقد لگائی اور نبی ﷺ نے اس غلام کو اجرت دی، اور اس کے مالک سے اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ اگر یہ
اجرت سحت (حرام) ہوتی تو آپ ﷺ عطاء نہ کرتے۔

(صحیح مسلم '۱۳۴۱' ۳۹۶۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳، مسند احمد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۸۸، ۲۹۸۹، ۲۹۹۰، ۳۰۷۸، مطبوعہ دار الحدیث
قاہرہ، نیز امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے نقد لگوائی۔ حجام کو اجرت دی اور ناک میں دو اڈالے۔ صحیح
بخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۰، ۵۶۸۱، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی رقم الحدیث: ۷۵۸۰، مسند احمد 'ج ۱' رقم
الحدیث: ۳۰۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مسلم بن صالح بیان کرتے ہیں کہ سبوت نے کسی شخص کی کسی کام میں شفاعت کی، اس شخص نے ہدیہ میں انہیں ہاندی پیش کی، تو سبوت بہت سخت غضبناک ہوئے اور کہنا لگا مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کوئے تو میں تمہارے کام میں سفارش نہ کرتا، اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لیے سفارش کرے، یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے، پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ ابن سے کہا گیا اے ابو عبد الرحمن! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے، آپ نے فرمایا: فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں: رگ کاٹنے والے کی اجرت، زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت، جلد فیصلہ کرانے کی اجرت، نبوی کی مٹائی، نر کی جھتی کی اجرت، عظم میں رشوت، شراب کی قیمت اور موار کی قیمت سحت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے پھلایا ہو، اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا حکم میں رشوت و بخل (جامع البیان، ج ۲، ص ۲۲۸-۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ حسن بن منصورؒ (مؤلف) (السرور، پہ قاضی خاں) متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

- ۱۔ منصب تھا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔
- ۲۔ کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے، یہ رشوت جالبین سے حرام ہے، خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا، یہ بھی جالبین سے حرام ہے، کیونکہ وہ کام اس افسر کی ذمہ داری ہے۔) (سعیدی غفرلہ)
- ۳۔ اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا، یہ رشوت صرف لینے والے پر حرام ہے، دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

۴۔ کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بلا شلہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے، اور لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی حاشیہ المند، ج ۲، ص ۳۳-۳۴، بیہ علی اللہ ایہ، ج ۸، ص ۷، فتح القدر، ج ۷، ص ۲۳۶، البحر الرائق، ج ۷، ص ۳۳-۳۴، رد المحتار، ج ۲، ص ۳-۳۴، مکمل القرآن، ج ۲، ص ۳۳۳)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۴۳۳)

و حسب بن منہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے، یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۳۹، مطبوعہ نشر المکتب، لبنان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں، خواہ ان

سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ: ۴۲)

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۷۸ھ لکھتے ہیں:

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا، یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا اہم پر واجب نہیں ہے۔

اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور ذی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ محدوی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالک اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں، اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی۔ امام ابو حنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی اور دیگر کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف وغیرہ جاتے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

ابن خوینہ منداد نے کہا ہے کہ جب ذی ایک دوسرے پر زیادتی کریں تو امام ان کو طلب نہیں کرے گا، پس اگر وہ ایسی کارروائی کریں جس سے ملک میں فساد اور افراتفری ہو، مثلاً وہ لوگوں کو قتل کریں اور لوٹ مار کریں، تو پھر امام اس کا سدباب کرے گا۔ لیکن ان کے تجارتی قرضوں، طلاق اور دیگر نجی معاملات میں امام ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر وہ ملی الاعلان شراب فروخت کریں یا زنا کریں یا اور کوئی برا کام کریں، تو ان کو اس سے روکا جائے گا، تاکہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔

عمر بن عبد العزیز اور نخعی نے یہ کہا ہے کہ زیر بحث آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے

(المائدہ: ۴۹) (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔

امام زہری نے کہا ہے اس پر عمل ہوتا رہا ہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور ذراعت کے معاملات میں ان کے دینی احکام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پس اگر وہ اللہ کے حکم سے اعراض کریں تو انہیں اللہ کے حکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ علامہ سمرقندی نے کہا یہ قول امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ہے کہ جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں، ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور امام نحاس نے النسخ والمنسوخ میں زیر تفسیر آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی ﷺ ابتدائے مدینہ میں آئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں یہودی بہت زیادہ تھے اور اس وقت کے حالات کے یہی مناسب تھا کہ انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹایا جائے اور جب اسلام قوی ہو گیا تو اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل کی اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، زہری،

عمر بن عبد العزیز اور سدی کا یہی قول ہے 'اور یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
 حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ
 (المائدہ: ۲۴) ہوں۔

ان کے ذیل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اور ان کو ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے اور جب یہ واجب ہے تو زیر تفسیر آیت کا منسوخ ہونا واجب ہوا۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اہل کتب امام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں تو امام کے لیے اس کا فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خلوہ آئے تو امام ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اور اگر صرف عورت آئے اور اس کا خلوہ راضی نہ ہو تو فیصلہ نہ کرے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ۲' ص ۱۳۳-۱۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
 قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

جب قاضی کے پاس اہل کتب (ذی) مقدمہ وائز کریں تو اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے یا اس کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام شافعی کا یہ قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے کیونکہ ہم نے جزیہ لے کر ان سے ظلم کو دور کرنے کا التزام کیا ہے 'اور یہ آیت اہل ذمہ کے متعلق نہیں ہے۔

(انوار التوزیل مع حاشیۃ الکازر دنی 'ج ۲' ص ۳۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)
 علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ آیت سورۃ المائدہ ۴۷ سے منسوخ ہے اور اب حاکم پر لازم ہے کہ جب اس کے پاس اہل ذمہ مقدمہ لائیں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباس، عطاء، مجاہد، حرمہ اور سدی کا یہی قول ہے۔

(ازاد المسیر 'ج ۲' ص ۳۶۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)
 علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی بھاس خفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت فان جاء وکث فاحکم بینہم او اعرض عنہم (المائدہ ۴۲) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے۔ لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت وان احکم بینہم بماسئل اللہ (المائدہ ۴۹) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ: ۴۴)
 جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں۔

سو جس نے اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ نہیں کیا وہ اس وعید کا مستحق ہو گیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی فان جاء وکث فاحکم بینہم او اعرض عنہم (المائدہ: ۴۲) اس وقت یہودیوں کو ذی نہیں قرار دیا تھا 'اور نہ ان پر جزیہ فرض کیا گیا تھا 'اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر اسلام کے احکام جاری کیے تو پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

(احکام القرآن 'ج ۲' ص ۴۳۵، مطبوعہ مکتب اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)
 خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ ۴۲) سے منسوخ ہو گئی ہے 'اور ابتداء اسلام میں

حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے، لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی، کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔ البتہ اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو یا بے حیائی اور بد چلتی کو فروغ ہو تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے مگر ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے باوجود وہ رد گردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (المائدہ: ۴۴)

موجودہ تورات میں آیت رجم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زنا کرنے والوں کے لیے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم تورات میں موجود ہے اور اس سے پہلے ہم صحیح مسلم حدیث نمبر (۲۷۹۹) ۴۵: ۴۳ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب نبی ﷺ کے پاس یہودی دو زانیوں (مرد اور عورت) کا مقدمہ لے کر آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا تورات کو پڑھو جب یہودی عالم نے تورات کو پڑھا شروع کیا تو اس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اس سے فرمائیں یہ اپنا ہاتھ ہٹائے ہاتھ ہٹایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اب ۱۷ سال گزر گئے اس عرصہ میں تورات میں بہت تحریکات کی گئیں، لیکن یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ تورات میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکل لائیں اور اس کے شر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحش پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے محبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی مرد اسے شرمس پا کر اس سے محبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شر کے پھانک پر نکل لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں لڑکی کو اس لیے کہ وہ شرمس ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(کتاب مقدس (پہلا حصہ) استثناء باب ۲۲ - آیت ۲۳-۲۴ آیت ۱۸ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ

بیشک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے

الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا

اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے

اَسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا

کتاب اللہ کی حفاظت کرانی چھی تھی ، اور وہ اس پر گواہ تھے ، سو تم لوگوں سے ڈرو

النَّاسَ وَآخِشُونَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ

بدم سے ڈرد ، اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو ، اور جو اللہ کے نازل

يَحْكُمُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۴۳﴾ وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ

کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں ○ اور ہم نے ان پر تورات

فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ، اور ناک کا بدلہ ناک

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ

اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ

قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ

ہے ، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے ، اور جو اللہ کے نازل کیے

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۴﴾

ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدہ: ۴۴) شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا

اس آیت میں ہدایت سے مراد احکام شریعہ ہیں اور نور سے مراد اصول اور عقائد ہیں۔ دو سرائقوں یہ ہے کہ ہدایت سے مراد دین حق کی طرف رہنمائی ہے اور نور سے مراد دین احکام کو کھول کر بیان کرنا ہے جو حق پر غلطی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد وہ مسائل ہیں جن کو وہ نبی ﷺ سے پوچھتے تھے اور نور سے مراد اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہم پر لازم ہے "تو قیگہ اس کا منسوخ ہونا ہم کو معلوم ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تورات میں ہدایت اور نور ہے" اگر تورات کے احکام حجت نہ ہوں تو وہ ہدایت اور نور نہیں رہے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ ذاتیوں کا جو مقدمہ لے کر یہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں انبیاء سابقین جو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور راہروار تھے وہ ایسے عقائد کا تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں اور انبیاء اور علماء بھی اس کے

مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بنی زانیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ کیا ہے وہ بھی تورات کے مطابق ہے اور بنی عیساٰ سے تورات کی حفاظت کر لی گئی ہے اور یہ علماء اس کی شہادت دیتے تھے کہ نبیوں نے جو یہودیوں کے مقدمات میں تورات کے مطابق فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ والے اور علماء نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتے تھے کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں آپ پر اللہ کی طرف سے کلام نازل ہوا ہے اور یہودیوں کے اس مقدمہ میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے اور تورات کے مطابق ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء اور راہبوں سے فرمایا: سو تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو یعنی امیر لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے کے سلسلہ میں تم یہ خوف نہ کرو کہ پھر تمہارے نذرانے اور وظیفے جو امیروں سے ملتے تھے وہ بند ہو جائیں گے بلکہ اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ کی حدود کو نافذ نہ کیا اور امیروں کے نذرانوں کے لالچ میں تورات کی آجوں کا غلط مطلب بیان کیا تو پھر آخرت میں تم کو بہت ہولناک اور دائمی عذاب ہو گا۔ اس آیت کے اس حصہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تورات کے جو احکام قرآن اور حدیث میں بغیر انکار کے بیان کیے گئے ہیں وہ بھی ہم پر حجت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ کافر ہیں۔

(المائدہ: ۴۴)

قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق حکم نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اس کو کفر قرار دیا ہے اور اس سے یہ ظاہر خوارج کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے اور اس آیت سے یہی مراد ہے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہوئے یا قرآن کا رد کرتے ہوئے یا قرآن مجید کی توجہ نہ کرتے ہوئے اس کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔ یا اس سے مراد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر کے مشابہ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق یہود کے متعلق ہے سو یہ وعید یہود کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵) اور اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ فاسق ہیں۔

(المائدہ: ۴۷)

اور بنی آجوں کا مضموم عام ہے کیونکہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ نہ کرنا ظلم اور فسق ہے خواہ فیصلہ نہ کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا عیسائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکام پر تین باتیں فرض کی ہیں:

- ۱۔ فیصلہ کرنے میں اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع نہ کریں بلکہ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔
- ۲۔ فیصلہ کرنے میں لوگوں سے نہ ڈریں اللہ سے ڈریں۔
- ۳۔ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ رشوت یا نذرانہ لے کر عدل کو ترک کر کے بے انصافی سے فیصلہ نہ کریں اس سلسلہ میں یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے:

امام احمد بن علی التمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق گوئی یا عظیم نصیحت کرنے سے باز نہ رکھے۔ جب اس کا علم ہو کہ یہ خوف نہ موت کو نزدیک کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۱، المعجم الاوسط ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۲۵، المطالب العالیہ ۲۵۳۶، حاشیہ البیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷، ص ۴۴۳-۴۴۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

قصاص کے حکم کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریر بیان کرتے ہیں جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا اے محمد ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ نبی ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے افضل، برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ اسے آدمی سے دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا قریظہ کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر بنو نضیر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم جاہلیت کے حکم کو طلب کر رہے ہو؟ (المائدہ: ۵۰) اور یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ (الایہ)

ذی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذہاب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ذی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابو حنیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا ہمارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ماسوا اس قسم کے جو قرآن کو سمجھنے کے لیے دی گئی ہے اور ماسوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۳، رقم الحديث: ۳۰۳۷، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۳۱، سنن ندائی، رقم الحديث: ۳۷۵۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۵۸، مسند احمد ج ۱، رقم الحديث: ۴۴۳-۴۴۴)

امام اعظم اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حلی ہے یعنی کافر حلی کے بدلہ میں

مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، تاکہ قرآن مجید اور حدیث میں تناقض نہ ہو اور قرآن کے عموم کو متعید کرنے کے بجائے حدیث کو متعید کر کے قرآن مجید کے تابع کرنا اصول کے مطابق ہے۔ امام اعظم کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت امین عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معابد (جس کافر سے معابد ہوا) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے معابد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للصحیح، ج ۸، ص ۳۰)

عبدالرحمن بن ابیہلیلی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ رملی نے کہا مسلمان سے ذی کا قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۳)

عبدالرحمن بن ابیہلیلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۴)

ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں، لیکن تعداد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن فیروہ ہیں اور لائق استدلال ہیں، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصل استدلال قرآن مجید سے ہے، اور یہ احادیث تائید کے مرتبہ میں ہیں۔

تورات میں قرآن مجید کی صداقت

قرآن مجید نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ (الخ) یہ آیات اب بھی تورات میں موجود ہیں: اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے، اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنادے تو جیسا اس نے کیا، ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلہ میں عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت، جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے، ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

(پرانامہ نامہ، اجبار، باب ۲۳، آیت ۲۱-۲۰، کتاب مقدس، ص ۱۱۸، مطبوعہ لاہور،

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں

ہو۔) (پرانامہ نامہ، استثناء، باب ۸، آیت ۲۱، کتاب مقدس، ص ۱۸۵، مطبوعہ لاہور)

سینکڑوں سال گزر گئے، تورات میں بہت زیادہ تحریف کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے تورات کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، وہ آج بھی تورات میں اسی طرح موجود ہے، اور یہ قرآن مجید کے صلوٰۃ اور برحق ہونے کی بہت قوی دلیل ہے، حالانکہ یہودی اس آیت کو تورات سے نکل سکتے تھے اور پھر مسلمانوں سے کہتے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ تورات میں یہ حکم ہے، حالانکہ تورات میں یہ حکم نہیں ہے، لیکن وہ ایسا کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھوں سے اس آیت کی حفاظت کرائی جو قرآن مجید کی صداقت ہے۔

اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذہب اربعہ

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی، صاص خفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے، ہمارے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور شیشہ گرم کر کے دوسری آنکھ

پر رکھ دیا جائے حتیٰ کہ اس کی مدہنی چلی جائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی کی آنکھ نکالی ہے اس کی آنکھ اور جس کی آنکھ نکالی گئی ہے اس کی آنکھ دونوں بالکل مساوی نہیں ہیں اس لیے اگر بجلی علیہ کی آنکھ کے بدلہ میں جلی کی آنکھ نکال دی جائے تو پورا بدلہ نہیں ہوگا اور قیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا معنی ہے کسی شے کی مثل لینا۔ اسی طرح پوری ناک میں بھی قصاص متصور نہیں ہے کیونکہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ناک کا صرف نرم حصہ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر ناک جڑ سے کاٹ دی گئی ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح آلہ تناسل اور زبان میں بھی قصاص لیا جائے گا اور امام محمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی ناک، زبان یا آنکھ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اعضاء دوسرے اعضاء کی مثل اور مساوی نہیں ہوتے) اگر کلن کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح دانت میں بھی قصاص لیا جائے گا اور دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیلوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کلن اور دانت کے بدلہ دانت کو نکال دیا جائے گا۔

(انوار التنزیل مع انوار الدلی، ج ۲، ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ان اعضاء میں قصاص لیا جائے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، ج ۳، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۴۷۸ھ نے لکھا ہے کہ ان اعضاء کے قصاص میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز خامس، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بدلہ نہ لینے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جانیات (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ امام مسلم حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، پھری نہ کریں، زنا نہ کریں اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ (اکرم) پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم، حدود ۴۱، صحیح بخاری، ۴۷۴۳) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جانیات (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس سے بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے:

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

(الشوری: ۴۰) (اکرم) پر ہے۔

اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابو السمر بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کا دانت توڑ دیا، انصاری نے حضرت معلویہؓ کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت معلویہ نے اس سے کہا ہم تمہیں راضی کریں گے۔ اس قریشی نے حضرت معلویہ سے بہت منت سماجت کی کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے، حضرت معلویہ نے اس انصاری کو بہت سمجھایا، لیکن اس کو بدلہ نہ لینے پر راضی نہ کر سکے۔ پھر حضرت معلویہ نے اس سے کہا تم اس سے بدلہ لے لو۔ اس مجلس میں حضرت ابوالدرداءؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، جس کو میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ انصاری نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خود یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ تب انصاری نے کہا میں اس کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت معلویہ نے کہا ہم تمہیں کبھی محروم نہیں کریں گے، پھر اس کو بل دینے کا حکم دیا۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحديث: ۳۵۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۷۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحديث: ۲۷۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۵۵، جامع البیان، ج ۲، ص ۳۵۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔ (علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۲، رقم الحديث: ۲۲۸۰۰-۲۲۸۰۱، مطبوعہ دار الحديث، قاہرہ)

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

يَدَّيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۖ وَإَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۚ

جو ان کے سامنے تھی، اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا، اور وہ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ

اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے سامنے تھی، اور وہ (انجیل) متین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِينَ ۚ ۝ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ إِنَّمَا أُنْزِلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ

نصیحت تھی ۝ اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے، اور

مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں ۝ اور

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ

دوسرے رسول مکرم) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس

الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ

کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے اور آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجیے

أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً

اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے

وَمِنْهَا جَاءًا وَكَوْشَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ

اللہ ایک شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے

فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

(اللہ ایک، احکام دیے، سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۳۸﴾ وَأِنْ أَحْكَمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

غیر ملے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۰ اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا

موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے بریاریاں دیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا

أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَكُمْ

تہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ ردگردانی کریں تو آپ جانیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے

بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿۳۹﴾

سزا دینا چاہتا ہے اور یہ شک بہت سے لوگ فاسق فاسق ہیں ۰

أَفَحُكْمُ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا

کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور

لِقَوْمٍ یُّوقِنُونَ ﴿۵۰﴾

کس کا حکم ہو سکتا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس کے سامنے تھی اور وہ (انجیل) مستقین کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ (المائدہ: ۳۶)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے۔ ایک یہ کہ انہوں نے زنا کی حد میں تحریف کر دی پھر وہ حرج میں مبتلا ہوئے اور اس معاملہ میں نبی مریم کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کر دی اور بنو نضیر کے خون کی پوری ریت اور بنو لویہ کے خون کی آدمی دیت مقرر کی۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں و مصلحین اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ حضرت زکریا کے بعد مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا۔ یہ حقیقی تصدیق ہے اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں ماسوائے ان احکام کے جن کو انجیل نے منسوخ کر دیا۔ نیز فرمایا: انجیل مستقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے یعنی وہ پسندیدہ اعمال سے منع کرتی ہے اور پسندیدہ اعمال کی طرف ہدایت دیتی ہے۔ مستقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

نزل قرآن کے بعد انجیل پر مکمل کے حکم کی توجیہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم نے عیسائیوں کو انجیل عطا کی اس وقت ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان احکام پر عمل کریں جو انجیل میں مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد انجیل پر عمل کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس کے چند جوابات ہیں۔ اول یہ کہ انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل موجود ہیں اہل انجیل کو چاہیے کہ ان دلائل کے مطابق آپ پر ایمان لے آئیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل انجیل ان احکام پر عمل کریں جن کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ انجیل کے احکام پر عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں تحریف نہ کریں جس طرح یہود نے تورات میں تحریف کر دی ہے۔ لیکن حقیقی یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے انجیل کو نازل کیا تھا اور نزول قرآن کے بعد قرآن مجید کے علاوہ کسی آسمانی کتب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اسلام کے علاوہ اور کوئی دین مقبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ پر یہ کتب حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتب ہے یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔ تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ: ۴۸)

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا

اس آیت میں قرآن مجید کو سابقہ کتب سلویہ کا محافظ اور تحفیان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات، زبور اور انجیل میں کی پیشی اور تحریف ہوتی رہی۔ اس لیے ان کتابوں کا آسمانی اور الہامی کتب ہونا منکوح ہو گیا۔ اس لیے کسی ایسی مستحکم دلیل کی ضرورت تھی جس سے ان کا آسمانی کتب ہونا ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۵۰﴾

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی (الحجر: ۵۰) حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکے فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

اس میں باطل نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے نہ ان کے (خمس السجدہ: ۳۲) پیچھے سے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے جہت فرمایا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی یا اس کی کسی ایک سورت کی مثل نہیں لاسکے

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَإِذْعُوا نُهْذِئْكُمْ مِّنْ

ذُوقُوا الْعَذَابَ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرہ: ۲۳)

اگر تم اس (کلام) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے (مقدس) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے

آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حائسوں کو بھی بلاؤ اگر تم سچے ہو۔

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دن بہ دن علم و فن میں ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالف بھی بہت زیادہ ہیں لیکن آج

تک کوئی شخص قرآن مجید میں کسی کلمہ کی زیادتی نہ لے سکتا نہ کسی اور نہ اس کی کسی سورت کی کوئی مثل لاسکے اس لیے ہر دور میں

قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت ہو رہا ہے اور چونکہ قرآن مجید نے تورات، انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے اس

لیے ان کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا صدق اور محافظ ہے کیونکہ اگر قرآن

مجید نہ ہوتا تو محض ان کتابوں سے تو ان کا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا ہے

حتیٰ کہ اب وہ عبرانی نسخے بھی موجود نہیں ہیں جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے

اعراض کریں۔ (المائدہ: ۴۲) اور اس آیت میں فرمایا ہے تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (الحکم) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ

کیجئے۔ (المائدہ: ۴۷) اس آیت سے پہلی آیت منسوخ ہو گئی ہے یا پہلی آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور دوسری

آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ یا پہلی آیت ان اہل کتاب کے متعلق ہے جن سے ابتداء ہجرت میں سابقہ پڑا تھا اور

دوسری آیت اہل ذمہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بتائی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم

سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے (الک الگ الگ احکام دیئے۔ سو تم ایک دوسرے سے براہ کر نیکیاں کرو

تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (المائدہ: ۴۸)

شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی وضاحت

اس آیت میں منسلح سے مراد دین ہے اور دین سے مراد وہ عقائد اور اصول ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک

رہے۔ مثلاً توحید، اللہ تعالیٰ کی صفات، نبوت، آسمانی کتابوں، فرشتوں، مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لانا اور جو احکام سب میں مشترک رہے، مثلاً قتل، جھوٹ اور زنا کا حرام ہونا اور شریعت سے مراد ہر نبی کے بیان کیے ہوئے عبادات اور معاملات کے مخصوص طریقے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے، 'شرائع سابقہ ہم پر حجت نہیں ہیں اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر نبی کی الگ الگ شریعت ہوتی ہے۔ اگر سابقہ شریعت ہم پر حجت ہو تو پھر ہمارے نبی کی الگ شریعت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سابقہ شرائع کے جو احکام بغیر انکار کے ہم سے بیان فرمائے، وہ دراصل ہماری ہی شریعت ہیں، کیونکہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم ان احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ پچھلی شریعتوں کے احکام ہیں، بلکہ ہم ان پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حج کے اکثر و بیشتر اہل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں، قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اسی طرح وضو میں کلی کرنا، ٹاک میں پانی ڈالنا اور طہارت کی دیگر دس سنتیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں، رجم اور قصاص کے احکام تورات میں بھی تھے اور شروع میں نبی ﷺ نے زنا کار یودیوں کو تورات کے فیصلہ کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا اور ہم ان تمام احکام پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اور احادیث مجھ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں آپ کو ان بعض احکام سے ہٹانہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں۔ پھر اگر یہ رد گردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے، اور بے شک بہت سے لوگ ضرور قاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۶)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۴۳ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اسد، ابن سلول، عبد اللہ بن صوری اور شام بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا چلو (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جائیں۔ شاید ہم ان کو ان کے دین سے درغلانے میں کامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ بشر ہیں، وہ گئے اور آپ سے کہلایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یود کے معزز علماء اور سردار ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو تمام یود آپ کی پیروی کریں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے، ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے، ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے۔ آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کر دیں، تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(المائدہ: ۵۰-۴۶)

(المیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۰-۱۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جامع البیان، ج ۶، ص ۱۵۳، مدار الفکر، بیروت، اسباب النزول

للنہدی، ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جزیہ، جلا وطن کرنے اور قتل کرنے کی سزا دینا چاہتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں اور یقین رکھتے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور کس کا حکم

تبیان القرآن

جلد سوم

ہو سکتا ہے؟ (المائدہ: ۵۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا، پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ مگر ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وعدہ انیت کا اقرار کرنا ہو اور اس کی رویت پر یقین رکھتا ہو اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ ط

کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہو گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۵۱ فَتَرَى الَّذِينَ فِي

بے شک اللہ نام لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۵۱ اور آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں

قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ

میں اتفاق کی ایسی ری ہے وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گروہ

تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۖ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ وَأَمْرٍ مِّنْ

ہر آ جائے پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی

عِنْدَهُ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَدُوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝۵۲ وَ

حکایت کہ انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے وہ اس پر پھٹانے والے ہو جائیں ۵۲ اور

يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلَاءُ الَّذِينَ اقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدًا

ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی ہمتیں لگا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

أَيُّمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَبَعَكُمْ ط حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَاصْبِرُوا خَيْرٌ مِّنْ

تباہی سے سہتر ہیں، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے ۵۳

وقف (زمر)
وقف غفران
وقف معلول عبد البص

وقف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے رتد ہو جائے گا، تو مغرب اللہ ایسی

اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ

قوم کرے آئے گا جس کے اندر محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی، وہ کمزوروں پر نرم ہوں گے اور کافروں

عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ

پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی عتاب سے ڈرنے والے کی عتاب سے نہیں ڈریں گے

لَا يَمُذِّدُ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۶﴾

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی دست والا بہت علم والا ہے ۵

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۷﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ

زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے راجحی سے) بگنے والے ہیں ۵ اور جو اللہ اور اس کے رسول

وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۸﴾

اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنو، ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں

سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہو گا۔ بے شک اللہ عالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سو آپ دیکھیں گے کہ

جن لوگوں کے دلوں میں (خلق کی) بیماری ہے وہ ان کی طرف سے کہتے ہوئے دوزیوں کے نہیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ

آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے

وہ اس پر بچھپانے والے ہو جائیں۔ اور ایمان والے یہ کہیں کہ جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳-۵۱)

شان نزول

امام ابو عمر عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۴۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن عبادہ بن الصامت نے بیان کیا کہ جب جو یسقلع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول

جلد سوم

طہان القرآن

نے جو قیقل کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ حضرت مہوہ بن الصامت رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور وہ بھی بنو حوف کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عبد اللہ بن ابی کی طرف گنہگار کی حمایت کرنے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے اس حلف کو توڑ دیا اور اللہ عز و جل اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر ان کے حلف سے بری ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہوں اور ان کافروں کے حلف اور ان کی دوستی سے بری ہوتا ہوں۔ سو حضرت عبادہ بن الصامت اور عبد اللہ بن ابی کے متعلق سورۃ المائدہ ۵۳-۵۴ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(السیرۃ النبویہ: ج ۲ ص ۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت جامع البیان: ج ۶ ص ۷۳ مطبوعہ دار الفکر سبب نزول القرآن للواحدی: ص ۲۰۰-۲۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قسطنطین طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور حسب ذیل آیتوں میں بھی اس پر دلیل ہے:

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ فَلَکُمْ مَوَاقِفَتْکُمْ
النَّارُ (ہود: ۸۳)

لَا تَجِدُ الْمُؤْمِنِينَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ
دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران ۶۸)

لَا تَجِدُ الْوَاطِنَةَ مِنْ دُونِکُمْ
بِأَتَمِّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجِدُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّکُمْ
أَوْلِيَاءَ تُلَقُّونَ إِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ
كَفَرُوا بِمَا جَاءَکُمْ مِنَ الْحَقِّ الْمُبِينِ

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا
آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ
(المجادلة: ۲۲)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار
الام سلم بن بلال القسری متوفی ۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود اور نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو جب تم ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے ٹھکراستے چلنے میں مجبور کرو۔

(صحیح مسلم، السلام: ۳۳ (۳۱۷۷) ۵۵۵۷ سنن ترمذی: ج ۳ رقم الحدیث: ۲۰۸ صحیح ابن حبان: ۵۰۰ مسند احمد: ج ۳ رقم الحدیث: ۷۳۱ مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: ۸۳۵ طبیب المفرد: رقم الحدیث: ۵۸ سنن کبریٰ لمصنفی: ج ۹ ص ۴۴۳)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے سوا کسی کو سانپ نہ بٹھو اور متقی کے علاوہ

اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۰۳ سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۳۲ سے احمد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۵۳۳۶ شعب الایمان 'رقم الحدیث: ۱۳۸۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ کلبی چہڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مشرکین کے ساتھ ٹھہرا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (شعب الایمان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۰۳۰ ذکر الکتاب الطیب 'تہذیب: ۵۳۱۰)

حضرت انس بن مالک چہڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی انگوٹھیوں میں مٹی کو نقش نہ کرو اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت انس نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اپنی انگوٹھیوں میں محمد نہ لکھو اور اپنے معاملات میں مشرکین سے مشورہ نہ کرو۔ (شعب الایمان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۰۵۷)

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس ایک نصرانی کتاب تھا۔ حضرت عمر چہڑ اس کی کتابت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے تو حضرت ابو موسیٰ نے کہا حضرت عمر نے مجھے اٹھا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا: اس کو نکل دو اور یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! اپنے اور میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحن: ۱) اور یہ آیت پڑھی:

اے ایمان والو! یسود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا' ہے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ خدا میں اس سے دوستی نہیں رکھتا یہ صرف کتابت کرنا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تمہیں مسلمانوں میں کوئی کتاب نہیں ملتا تھا؟ جب اللہ نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب نہ کرو اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ بناؤ؟ اور جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کو عزت مت دو۔ سنن کبریٰ کی آداب القضا میں ہم نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (شعب الایمان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۸۳)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب چہڑ نے فرمایا اللہ کے دشمنوں یسود اور نصاریٰ سے ان کی عید اور ان کے اجتماع کے دنوں میں ان سے اجتناب کرو، کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ تم پر بھی وہ غضب نہ آ جائے اور ان کو اپنے راز نہ بتاؤ۔ ورنہ تم بھی ان کے اخلاق اختیار کر لو گے۔ (شعب الایمان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۸۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے مجھوں کے ملک میں نشوونما پائی اور ان کے نو روز اور عرجان کو منایا اور ان کی مشابہت اختیار کی اور اسی طریقہ پر مر گیا تو وہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

(شعب الایمان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۸۷)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ چہڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شتم کی طرف ایک لشکر بھیجا وہاں کے لوگوں نے مسجدوں میں پتلا لٹی شروع کر دی۔ لشکر نے ان کو جلدی جلدی قتل کرنا شروع کر دیا جب نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے آدمی دست کا حکم فرمایا اور فرمایا: میں مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے، مصلحہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس لیے؟ آپ نے فرمایا ان دونوں کے (جولوں کی) آگ اکٹھی نہ دکھائی دے۔

حضرت سرور بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کے ساتھ سکونت نہ کرو نہ ان کے ساتھ جمع ہو جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان کے ساتھ جمع ہوا وہ ان کی مثل ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۱۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۶۳۵، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۷۹۳) علامہ تفتازانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک قوم اسلام لانے کے بعد مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک ساتھ دکھائی نہ دے، یعنی یہ واجب ہے کہ جب ایک آگ جلائے تو دوسرا نظر نہ آئے، وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی دور رہیں۔ علامہ ابن اثیر جزیری نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ مسلمان کافر مشرک کے گھر سے دور ہو اور جب اس کے گھر آگ جلتے تو اس سے مشرک کا گھر نظر نہ آئے، مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے بہانوں کا بطلان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے جو من کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہو گا۔ (المائدہ: ۵۱)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دور اور الگ رہنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منع کرنے کے باوجود جو شخص کافروں سے دوستی رکھے گا وہ کافروں کی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ لہذا کافروں کی طرح اس سے عداوت رکھنا بھی واجب ہے اور وہ بھی دوزخ کا مستحق ہو گا جیسے کافر دوزخ کے مستحق ہیں اور وہ کافروں کے اصحاب سے شمار کیا جائے گا اور یا اس لیے کہ کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے والے منافق تھے اور ان کا شمار بھی کافروں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کے دلوں میں (غفلت کی) بیماری ہے، وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ (المائدہ: ۵۲)

منافق یہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ کا ساتھ دینے کی وجہ سے کہیں من پر قحط نہ طاری ہو جائے۔ اور کہیں حالات بدل گئے اور یہود غالب آگئے اور (سیدنا) محمد ﷺ کی حکومت نہ رہی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا میں نے بہ کثرت یہودیوں سے دوستی اور محبت کا عہد کیا ہوا تھا، لیکن میں اللہ اور رسول کی خاطر اس عہد کو توڑتا ہوں، عہد اللہ بن ابی نے کہا میں گردش ایام سے ڈرتا ہوں اور اپنے دوستوں سے کیے ہوئے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت، تو جو کچھ انہوں نے اپنے دلوں میں پھیلایا ہے، وہ اس پر پھٹکنے والے ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۳)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے۔ یا رسول اللہ ﷺ کو منافقوں کی سازشوں سے مطلع فرمادے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فتح یہ تھی کہ بنو لویہ کے جو انہوں کو قتل کیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے شہروں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور فتح کی علامت سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے مطلع کیا گیا، ان کے ہم پٹے گئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور مل غنیمت کی کثرت سے وہ خوش حال ہو گئے اور جب منافقوں نے مسلمانوں کا غلبہ، خوش حالی اور امن پر اللہ کی نصرت دیکھی، تب وہ کفار سے دوستی رکھنے پر غم ہوئے اور اس وقت غم ہوئے جب انہیں موت کے وقت عذاب دکھایا

کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں کو قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کا حکم دیا گیا تو مسلمانوں نے یہودیوں کو جھڑکتے ہوئے منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری مدد کریں گے یا مسلمانوں نے ایک دوسرے سے کہا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے منافق کا پردہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے کیونکہ انہیں ثواب کے بدلہ عذاب ہو گا اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلا وطن ہونے کے بعد ان کا کوئی سہارا نہ رہا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو عقرب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی طاقت کرنے والے کی طاقت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت عظیم والا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)

عہد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کافروں کے ساتھ دوستی رکھے گا اس کا ان ہی میں شمار ہو گا اور اس اہمیت میں صراحتاً فرمادیا جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ آپ کے بعد مرتد ہوئے۔ علامہ زمخشری نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ ہار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

مرتدین کے گیارہ فرقے تھے تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے۔

ایک فرقہ بنو منیج تھا ان کا رئیس ذوالخمار تھا اور یہی مسود حسی تھا۔ یہ شخص کابن تھا اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ان شہوں پر غلبہ پالیا اس نے رسول اللہ ﷺ کے بعض عاملوں کو قتل دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے سرداروں کے ہم خط لکھ کر اللہ تعالیٰ نے فیروز دہلی کے ہاتھوں اس کو ہلاک کرا دیا انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جس رات وہ قتل ہوا اسی رات رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی جس سے مسلمان خوش ہوئے پھر اس کے دوسرے روز رسول اللہ ﷺ مفتی اعلیٰ سے واصل ہو گئے اور وہاں سے اس کی خبر بیچ الاول کے آخر میں پہنچی تھی۔

دوسرا فرقہ بنو حنیفہ ہے۔ یہ مسیلہ کی قوم تھی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مکتوب لکھا "از مسیلہ رسول اللہ برائے محمد رسول اللہ بعد ازیں یہ کہتا ہے کہ یہ زمین آدمی آپ کی ہے اور آدمی میری ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا "از محمد رسول اللہ برائے مسیلہ کذاب بعد ازیں یہ کہتا ہے کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام متعین کے لیے ہے۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے جنگ کی اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت وحشی کہتے تھے میں نے

اپنی جاہلیت کے زمانہ میں سب سے نیک شخص کو قتل کیا اور اپنے اسلام کے زمانہ میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا۔ تیسرا فرقہ بنو سہم تھا یہ طلحہ بن خزیلہ کی قوم تھی اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سے جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا یہ شکست کھانے کے بعد شام بھاگ گیا پھر مسلمان ہو گیا اور اس نے نیک عمل کیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدین کے سات فرتے تھے۔ (۱) عینہ بن صحن کی قوم لزارہ (۲) قرہ بن قیسوی کی قوم غطفان (۳) لہوہ بن عبد یلیل کی قوم بنو سلیم (۴) ملک بن لویہ کی قوم بنو یویع (۵) سہل بنت المنذر۔ یہ وہ عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور میلہ کذاب سے نکاح کیا اور اس کی قوم تمیم کے بعض لوگ۔ (۶) اشعث بن قیس کی قوم کنندہ (۷) حکیم بن زید کی قوم بنو بکر بن وائل یہ عین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ان ساتوں مرتد فرقوں کا مکمل استیصال کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص مرتد ہوا تھا یہ حسان کی قوم کاجلہ بن اسم تھا اس کو ایک تھپڑ نے نصرانی بنادیا اور یہ اسلام سے مرتد ہو کر روم کے شہروں کی طرف نکل گیا جلد کی چادر پر ایک شخص کا پیر پڑ گیا اس نے اس کے تھپڑ مارا اس شخص نے حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے فرمایا اب یہ تمہارے تھپڑ مارے گا اس نے تھپڑ کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی فیکش کی مگر وہ شخص نہ ملک جلد نے مسلت طلب کی اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔

(۱) کتاب ج ۱ ص ۶۳۶-۶۳۷ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، ایران ۱۴۱۳ھ

اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو متعجب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی (المائدہ ۵۴)

اس آیت کے مصداق کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابو بکر اور ان کے اصحاب ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

میں نے ﷺ کے وصل کے بعد کابل مدینہ کابل کہ اور کابل عین کے سوا علم عرب اسلام سے مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا اللہ کی قسم جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے اگر اس میں سے یہ ایک رسی بھی نہ دیں تو میں ان سے جنگ کروں گا پھر حضرت ابو بکر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے لڑ لیا حتیٰ کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کر لیا۔

(جامع البیان ۶۲ ص ۳۸۳-۳۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وہ سراقول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے۔

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ قوم یہ ہیں۔ (جامع البیان ۶۲ ص ۳۸۳ المستدرک ج ۲ ص ۳۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل یمن ہیں۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ان کے پاس ایک پیغام بھیجا وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے ان سے اس آیت کا مصداق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کاش یا میں اس قوم سے ہوتا۔ (جامع البیان ۶۲ ص ۳۸۴ مطبوعہ بیروت)

ہام ابن جریر نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور نہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق نبی ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ اور ہام راہزی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر جیٹھو اور ان کے اصحاب ہیں۔

حضرت ابو بکر کی خلافت پر دلائل

ردافض اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت اور امامت کا اقرار کیا وہ سب کافر اور مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نص صریح کا انکار کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہو تو لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب قوم کو لاتا جو ان سب سے جدا کر لی اور ان کو حضرت علی کی امامت اور خلافت ماننے پر مجبور کر دیتی جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ردافض اور شیعہ کا مضموم قاسد ہے۔

ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر جیٹھو کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت ان کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے جنگ کی اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا صدیق قرار دیا صحیح نہیں ہے۔ لہذا اس لیے کہ آپ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ جنگ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ ثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب اللہ اسی قوم کو لے آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قوم اس وقت موجود نہیں تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابو بکر تو اس وقت موجود تھے تو پھر وہ بھی مراد نہیں ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اس وقت موجود تھے لیکن یہ حیثیت سرورہ موجود نہیں تھی اور ان کی حیثیت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو کسی پر حملہ کرنے کا حکم دیتے اور اس آیت کے صدیق حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کو مرتدین کے ساتھ لڑنے کے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے ان کی امامت کا انکار کیا وہ مرتد ہو گیا اور امامت کے منکرین کے خلاف انہوں نے جنگ کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا معنی یہ ہے جو شریعت اسلام سے مرتد ہو جائے اور اگر مرتد کا یہی معنی کیا جائے جو حضرت علی کی امامت سے مرتد ہو؟ تو پھر خلفاء ثلاثہ اور ان کے ماننے والے تمام مسلمان مرتد تھے کیونکہ انہوں نے اس وقت میں حضرت علی کی امامت کو نہیں مانا تو چاہیے تھا کہ حضرت علی ان سے جنگ کرتے اور جب حضرت علی نے ان سے جنگ نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کی بیعت کی اور ان سے تعاون کیا۔ اور اہل یمن بھی اس آیت کا صدیق نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ نہیں کی اور حدیث کا مکمل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی اس قوم میں سے ہیں کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری جیٹھو بھی حضرت ابو بکر جیٹھو کے اصحاب میں سے ہیں اور اسی طرح دیگر اہل یمن بھی اور اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر جیٹھو کے ساتھ مختص ہے۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بھی مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی تب بھی حضرت ابو بکر جیٹھو نے جو مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی وہ بہت اہل اور افضل تھی اور اسلام میں بعد دور رس جنگ کی حامل تھی کیونکہ حضرت ابو بکر کی جنگ اسلام کے لیے تھی اور حضرت علی کی جنگ اپنی خلافت کی جاکے لیے تھی۔ کیونکہ یہ امر تو اتار سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بعد اعراب مرتد ہو گئے تو نبوت کے مدعیوں اور ذکوۃ کے منکروں کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق جیٹھو نے تلوار اٹھائی اور مرتدین کے ساتوں فرقوں کا مکمل استیصال کیا اور حضرت ابو بکر کی جدوجہد کے نتیجہ میں اسلام کو استقامت ملی اور شرق و غرب میں اسلام پھیلنے لگا اور تمام حمول دنیا کے حکمران مغلوب ہوئے لگے اور اسلام کے علاوہ باقی ادیان اور مل کے چراغ بجھنے

گئے اور آفتاب اسلام پوری آب و تاب سے جھلکے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت تک اسلام پوری دنیا میں ایک غالب دین کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں وہ صرف اسلام کی نصرت اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہوئیں۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو جنگیں ہوئیں، لکن کی خلافت کے منکرین کے ساتھ تھیں۔ اگر بتول شیعہ من کو باغرض مرتد مان بھی لیا جائے تب بھی حضرت ابو بکر کی جنگیں ان سے بہر حال افضل اور اعلیٰ تھیں۔

اس آیت میں حضرت ابو بکر کی امت پر یہ دلیل بھی ہے کہ مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے والی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اللہ کا محبوب اور محبوب ہو وہی خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔

یہاں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت یہ ذکر کی کہ وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے اور پوری امت میں سب سے زیادہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت ابو بکر ہیں اللہ ص ۱۱۷ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۶۱، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۵۳۰، صحیح ابن حبان ج ۱۷، رقم الحدیث: ۷۳۸، ۷۳۹، المستدرک ج ۳، ص ۳۲۳۔ یہ حدیث صحیح کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ مسند البیہقی، رقم الحدیث: ۲۰۹۱، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۷۴۴۳، فضائل الصحابہ للشیخ زرقانی، رقم الحدیث: ۱۷۸، سنن کبریٰ للشیخ ص ۱۶، ص ۲۸، طبعہ دار البیہقی ج ۳، ص ۱۳۲)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مومنوں پر امت پر نرم تھے۔ نبوت کی ابتداء میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے۔ اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور آپ کی خدمت کرتے تھے اور بڑے بڑے کافر سرداروں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ امام بخاری حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مشرکین سے سب سے سخت تکلیف پہنچی وہ یہ تھی کہ ایک دن نبی ﷺ عظیم کعب میں نماز پڑھ رہے تھے اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا رسول اللہ ﷺ کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلابت سختی سے گھونٹا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر آئے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر نبی ﷺ سے پرے دھکیلا اور کہا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ (بخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۵۶) اور مسلمانوں کے ساتھ رحمت کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے سات ایسے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں مکہ میں سخت عذاب دیا جاتا تھا ان کے نام یہ ہیں: حضرت بلال، حضرت عامر بن نفیر، حضرت زبیر، حضرت نمدیہ اور لن کی بیٹی بنو مویل کی باندی اور ام حبیب۔ (الاصابہ ج ۲، ص ۳۲۳) اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بہت جرات اور دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے جنگ کی اور صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت میں فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ہر چند کہ دوسرے خلفاء اور ائمہ نے بھی جہاد کیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جس نے سب سے

پہلے جملہ کیا، حضرت ابو بکرؓ تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت جملہ کیا جب ملک کے اندر ماہین زکوٰۃ اور مرتدین کے فتنے کھڑے ہو چکے تھے اور اس وقت ملک سے باہر فوج بھیجنے کی سب نے مخالفت کی تھی، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے کماشام کے خلاف فوج کشی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اور میں کسی حالت میں بھی اس حکم کو موخر نہیں کروں گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے (المائدہ: ۵۴)

حضرت ابو بکرؓ کے فضائل

یہ آیت بھی حضرت ابو بکرؓ کے صل کے مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیت میں بھی حضرت ابو بکرؓ کو صاحب فضل فرمایا ہے۔ کیونکہ صلح جڑی حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ الاولیٰ تھے یہ بلا وار مجاہد تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت ابو بکرؓ کی ملی اہل لو کیا کرتے تھے لیکن انہوں نے بھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نصرت لگنے والوں کی موافقت کی جس سے حضرت ابو بکرؓ کو بہت رنج ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین کی براہمت بیان کر دی تو حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ صلح کی ملی اہل لو نہیں کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعْيُ أَنْ يَخْرُجُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحْسِنُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے صاحب فضل اور صاحب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بدرجہم فرماتے والا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا ہے شک میری آرزو ہے کہ اللہ مجھے بخش دے اور میں صلح کے ساتھ جو حسن سلوک کرتا تھا اس کو کبھی موقوف نہیں کروں گا۔

حضرت بلالؓ اسے بن خلف کے غلام تھے وہ حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان کے لوہے بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے بن خلف کو اس عظم و ستم سے منع کیا اس نے کہا اگر تم کو اس کی تکلیف ناگوار لگتی ہے تو اس کو خرید لو۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے بن خلف سے ایک گراں قیمت پر حضرت بلالؓ کو خرید اور آزاد کر دیا اتنی بڑی قیمت پر حضرت بلالؓ کو خریدنے سے مشرکین کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا ضرور بلالؓ کا ابو بکرؓ کوئی احسان ہو گا۔ اس کا بدلہ امانہ کے لیے ابو بکرؓ نے اتنی بھاری قیمت پر بلالؓ کو خرید لیا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس طعن کے جواب میں حضرت ابو بکرؓ کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَسَبِّحْهَا الَّتِي ۖ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۖ وَمِنَ الْأَمْوَالِ الَّتِي عَنْدَهُ مِنَ تَعَصُّمِ تَعَزَّىٰ ۖ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ (اللیل: ۱۷-۱۸)

اور جو سب سے زیادہ متقی ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا جو پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے) اور وہ ضرور مغرب و راضی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اے مشرک و ابلال کے احسان کی بہت کرتے ہو ابو بکرؓ اس کائنات میں کسی کا کوئی

دنیاوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے اس نے صرف اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنے کے لیے بخل کو خرید کر آڑ لیا ہے اور اللہ عظیم اس کو راضی کر دے گا۔

حضرت ابو بکر چیتو کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و اکرام اپنے فضل سے عطا کیا ہے اسی طرح نبی ﷺ نے بھی حضرت ابو بکر چیتو کو انصاف سے نوازا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری چیتو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ حبرر تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا کی تروتازگی میں جو وہ چاہے اسے دینے کا اور آخرت میں اس کے پاس جو اجر ہے اسے دینے کا اختیار دیا اس بندہ نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے اور کہنے لگے 'ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ ہمیں من پر تعجب ہوا اور لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو رسول اللہ ﷺ ایک ایسے بندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی تروتازگی سے یا اللہ کے پاس آجائے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے باپ اور ہماری مائیں فدا ہو جائیں اور دراصل یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا تھا اور اس ہمت کو ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابو بکر تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی رفاقت اور اپنے مل کے ذریعہ میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے ابو بکر ہیں اور میں اپنی امت میں سے اگر کسی کو ظلیل بنانا تو ابو بکر کو ظلیل بنانا لیکن من کے ساتھ اسلام کی ملت (دستی) ہے سبھا (جہی) میں ابو بکر کی کمزری کے سوا اور کوئی کمزری باقی نہ رکھی جائے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم المسند: ۳۹۰۳، صحیح مسلم، رقم المسند: ۲۳۸۸، سنن ترمذی ج ۵، رقم المسند: ۳۶۷۹، صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم المسند: ۲۸۸۶)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ چیتو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی ہم نے اس کا بدلہ دے دیا، ماسوا ابو بکر کے کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایک ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی شخص کے مل نے مجھے ہرگز وہ نفع نہیں پہنچایا جو ابو بکر کے مل نے نفع پہنچایا اور اگر میں کسی کو ظلیل بنانا تو ابو بکر کو ظلیل بنانا اور سنوا تمہارے پیغمبر اللہ کے ظلیل ہیں۔ اس سند کے ساتھ یہ حدیث حسن فریب ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم المسند: ۳۶۸۱، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم المسند: ۹۳)

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ چیتو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک نوع کی دوجہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو جنت میں بلایا جائے گا اے اللہ کے بندے یہ خبر ہے سو جو نمازی ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو مہاجر ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہوگا اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے مل باپ فدا ہوں کیا کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم من لوگوں میں سے ہو۔

(صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم المسند: ۶۸۶۶، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۸۵، سنن نسائی ج ۳، رقم المسند: ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہوگا جس

کے متعلق جنت کے ہر گھر والے اور ہر ملاخلہ والے یہ کہیں گے 'مرحبا' 'مرحبا' ہمارے پاس آئیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ اس شخص کو اس دن کوئی نقصان نہیں ہو گا آپ نے فرمایا میں اسے ابو بکر کا شخص کہوں گا۔

(صحیح ابن حبان 'ج ۵' رقم الحديث ۶۸۶۷، المعجم الکبیر 'ج ۶' رقم الحديث ۱۷۷۷۷، المعجم الأوسط 'ج ۲' رقم الحديث ۳۸۵، حاشیہ البیہقی لکھا ہے اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، سوا احمد بن ابی بکر سالی کے 'نور' بھی تھے ہیں۔ مجمع الزوائد 'ج ۶' ص ۴۶) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق ہم نے شرح مسلم 'جلد سولس' (۱) میں بہت تفصیل سے دلائل بیان کیے ہیں 'اہل علم اور ارباب ادق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابو بکر کے فضائل میں موضوع احادیث

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بعض علماء نے موضوع نور ہے اصل احادیث کو بھی درج کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ احادیث ذکر کی ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے بعد میں ڈالا ہے وہ سب میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

(تفسیر کبیر 'ج ۳' ص ۳۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت '۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

جو جہل خود کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ حدیثیں وضع کر لی ہیں 'اللہ قیامت کے دن لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور حدیث جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے وہ سب میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا اور حدیث "رسول اللہ ﷺ کو جب جنت کا شوق ہوتا تو وہ ابو بکر کے سفید بالوں کو بوسہ دیتے اور حدیث "میں اور ابو بکر گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہیں" (یہ ضرب النمل ہے) اس کا معنی ہے دونوں مسلوں ہیں اور حدیث "جب اللہ نے دو حوں کو پسند کیا تو ابو بکر کی روح کو پسند کیا"

(موضوعات کبیر ص ۱۰۶، مطبوعہ مطبع بیجاں، دہلی)

شیخ عبدالحق محدث راوی متوفی ۵۵۵ھ ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ وہ احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ محمد الدین شیرازی نے سطر الخطۃ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان احادیث کا باطل ہو جا بہت عقل سے معلوم ہے۔ (شیخ عبدالحق فرماتے ہیں) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احادیث سے حضرت ابو بکر کی تمام مخلوق پر فضیلت لازم آتی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں اور حضرت ابو بکر کی سید المرسلین رضی اللہ عنہ سے مساوات لازم آتی ہے۔ اگرچہ ان حدیثوں کی تحویل متنبہ نہیں ہے اور حدیث اللہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اس کو "تزیہ الشریعہ" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خطیب نور ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کا ضعف میں ذکر کیا ہے ذہبی نے اس کو موضوع کہا ہے اور بعض نے اس کو حسن کہا ہے 'حاکم نے اس کو مسند رک میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں درج کیا ہے۔

(اشعۃ النکات 'ج ۴' ص ۶۳۳، مطبوعہ نجف، کمار، لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) چمکنے والے ہیں۔ (المائدہ ۵۵)

آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام ابو محمد عبد الملک بن شام متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بنو عوف سے تھے اور انہوں نے بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح قینقاع کا ساتھ دینے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت عبادہ نے یہ حلف توڑ دیا اور بنو قینقاع سے بری ہو گئے اور کہا میں اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بناتا ہوں تو ان کے متعلق سورہ مائدہ کی آیت ۵۵ اور آیت ۵۶ نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ (الایہ)

(السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۶-۵۵ جامع البیان ج ۶ ص ۳۸۸-۳۸۹)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نئی پہچان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ انہوں نے فطیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کریں گے اور ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ مجلس کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ ان کے گھر ہم سے دور ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست رکھنے پر راضی ہو گئے۔

(اسباب نزول القرآن ص ۲۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز امام واحدی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ آئے اور اسی دوران ایمان لائی تھی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر دور ہیں اور ہماری کوئی مجلس اور بات کرنے کی جگہ نہیں ہے اور ہماری قوم جب یہ دیکھے گی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان کی تصدیق کر چکے ہیں تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ نشست و برخاست نہ کریں گے اور کھانے پینے کو ترک کرنے کی قسم کھالیں گے اور یہ ہم پر بہت دشوار ہو گا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت پڑھی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں پھر نبی ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں مسلمان قیام اور رکوع میں تھے آپ نے ایک سائل کو دیکھ کر پوچھا کیا کسی نے تم کو کچھ دیا ہے اس نے کہا ہاں سونے کی ایک انگوٹھی۔ آپ نے پوچھا تم کو وہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا انہوں نے تم کو یہ کس حل میں دی ہے؟ اس نے کہا انہوں نے حالت رکوع میں مجھ کو یہ انگوٹھی دی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر! پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(المائدہ ۵۶ اسباب نزول القرآن ص ۲۰۲ جامع البیان ج ۶ ص ۳۹)

امام طبرانی نے سائل کو حضرت علی کی انگوٹھی دینے کا واقعہ حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۲ رقم الحدیث: ۶۲۲۸)

حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل

شیخ طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اور

امامت کے مستحق تھے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں اور مومنین سے مراد اس آیت میں حضرت علیؓ ہیں، کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور مذکور القدر شان نزول کے مطابق حضرت علیؓ اس آیت کے مصداق ہیں، کیونکہ آپؓ نے حالت رکوع میں سائل کو سونے کی انگوٹھی دی تھی۔ لہذا حضرت علیؓ جہیز مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اولیٰ اور احق ہے۔ سو حضرت علیؓ جہیز مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ جہیز مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء شیعہ کی دلیل کا جواب

شیخ طوسی کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ ولی کا معنی اولیٰ اور احق نہیں ہے، بلکہ ولی کا معنی محب اور ہمسر ہے۔

علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۱۱۰۱ھ لکھتے ہیں:

ولی جب اسم ہو تو اس کا معنی محب، صدیق (دوست) اور نصیر ہے اور مصدر ہو تو اس کا معنی المارۃ اور سلطان ہے۔

(القاموس المحیط، ج ۴، ص ۵۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

۲۔ اس آیت میں ولی محب، دوست اور مددگار ہی کے معنی میں ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اولیاء نہ بناؤ یعنی ان کو دوست نہ بناؤ۔ سو اس آیت میں فرمایا تمہارا ولی یعنی دوست اللہ ہے۔ اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں۔

۳۔ اگر اس آیت میں ولی کا معنی اولیٰ بلا امامت ہو اور مومنین سے مراد حضرت علیؓ ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت مسلمانوں کی امامت کے زیادہ لائق حضرت علیؓ ہوں، حالانکہ اس وقت تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں موجود اور تشریف فرما تھے اور آپؐ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت اور حکومت کے زیادہ لائق اور حقدار ہونا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۴۔ اگر یہ آیت حضرت علیؓ کی امامت کے حقدار ہونے پر دلالت کرتی تو حضرت علیؓ جہیز ضرور کسی نہ کسی محفل میں اس آیت سے استدلال کرتے، حالانکہ آپؓ نے کبھی بھی اس آیت سے اپنی امامت پر استدلال نہیں کیا۔ آپؓ نے شوریٰ کے دن حدیث غدیر اور آیت مباہلہ سے اپنے فضائل پر استدلال کیا، لیکن اس آیت کو آپؓ نے کبھی پیش نہیں کیا۔

۵۔ شیخ طوسی اور دیگر علماء شیعہ کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد حضرت علیؓ ہوں۔ ہر چند کہ تفسیر جامع کا واحد پر اطلاق جائز ہے، لیکن یہ مجاز ہے، اور بلا ضرورت شرعی کسی آیت کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

۶۔ نیز ایہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ حضرت علیؓ جہیز نماز کی حالت میں سائل کی طرف متوجہ ہوں اور حالت رکوع میں سونے کی انگوٹھی سائل کو دینے کی نیت سے گرائیں اور نماز میں نماز کے علاوہ کوئی اور عمل کریں۔ حالانکہ حضرت علیؓ جہیز جس طرح انصاک اور استغراق اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، یہ کہانی اس کے سراسر خلاف ہے۔

۷۔ عہد رسالت میں حضرت علیؓ جہیز بہت تنگ دست تھے، بعض اوقات آپؓ اپنے حصہ کی روٹی سائل کو دے کر خود بھوکے رات گزارتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ فرض کرنا کہ وہ صاحب زکوٰۃ تھے اور ان کے پاس سونے کی انگوٹھی تھی۔ یہ

بہت بیدار معلوم ہوتا ہے بلکہ اس روایت کے ساتھ لاکھابار ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

۸۔ نبی ﷺ نے عہدوں پر سونا حرام کر دیا تھا اور سورۃ النجمہ احکام سے متعلق آخری سورت ہے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پہننا بھی اس روایت کے غیر مستحکم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت میں راکھوں اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے، اس کا معنی ہے جھگڑنے والے، یعنی ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھگڑنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔ (المائدہ ۵۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے من تمام عہدوں کو خبر دی ہے جو اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کی رضا جوئی کے لیے یہودی دوستی اور من کے حلف سے بیزار ہو گئے تھے اور من کو بھی خبر دی ہے جنہوں نے یہودی دوستی اور من کے حلف کو برقرار رکھا اور گردش ایام کے خوف سے من کی دوستی کی طرف دوڑے۔ من سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھے تو من ہی کو غلبہ ہو گا کیونکہ یہ اللہ کی جماعت ہے اور من کی جماعت ہی کو غلبہ ہو گا نہ کہ شیطان کی جماعت کو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِيْنَكُمْ هُنَا

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابی دین لیا تھا ان کو اور کافروں کو جنہوں نے

وَلِعِبَادٍ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَافِرَ أَوْلِيَائًا

جبائے دین کو اپنی اور کھیل بنا رکھا ہے، دوست نہ بناؤ، اور

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ

اللہ سے ڈرتے ہو، اگر تم مومن ہو ۵ اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو

اتَّخِذُوا هَٰؤُلَاءِ وَلِعِبَادٍ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾

وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ۵

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقُصُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّنَّا بِاللَّهِ وَ

آپ کیسے کہہ لے اہل کتاب تم کو صرف یہ ناگوار لگتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور

مَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۹﴾

اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بیشک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ۵

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مِمَّنْ

آپ کیسے کہیں ہیں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اسی سے بھی بدتر ہے، جن پر اللہ

لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَاةَ وَالْخَنَازِيرَ

نے نعمت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو غریب بنا دیا

وَعَبْدَ الطَّاغُوتِ * أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءٍ

اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی، اسی کو شکنا بدترین ہے اور یہ سید سے راستے سے ہٹے ہوئے

السَّيِّئِ ۖ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ خَلَوْنَا بِالْكَفْرِ

ہیں ○ اور جب وہ اچکے پاس آئے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا إِلَيْهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦١﴾

ہم نے جے اور کفر (ای) کے ساتھ تاریخ ہجری کے اور اشیاء طلب جانتے ہیں وہ چھپاتے تھے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو نفی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بننا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔ (المائدہ: ۵۷)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یسوع اور نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا تھا۔ اسی سیاق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ "اور اس میں مزید یہ فرمایا ہے کہ کافروں کو بھی دوست نہ بنانا۔"

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

رفیقہ بن لید بن الکلبتہ اور سیدہ بن الخدرث دونوں نے اسلام کا پر کیا اور دراصل یہ دونوں منافق تھے 'پور سے مسلمان بن سے محبت رکھتے تھے 'تو اللہ نے ان دونوں کے حلق پر آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ لایہ

(السيرة النبوية: ج ٢، ص ١٨١، جامع البيان: ج ٦، ص ٣٩١، أسباب نزول القرآن: ص ٢٠٢)

یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح

اس آیت میں کفار سے مراد مشرکین ہیں نہ ہر جہ کہ یہود و نصاریٰ اور یہت پرست سب کافر ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق کرتا ہے اور یہت پرستوں پر کفار اور مشرکین کا اطلاق کرتا ہے۔ حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان سجدہ کرتے تو یہود اور مشرکین ان کا لائق اڑاتے تھے اور جب مسلمان ٹھوٹے رہتے تو وہ کہتے یہ اس طرح چلا رہا ہے جس جیسے کاٹے والے چلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کو دوست بنانے

سے مسلمانوں کو منع فرمادیا۔

ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذہب امام مسلم بن حجاج شافعی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے، جب آپ حرۃ ابورہ (مدینہ سے چار میل ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا جس کی جرأت اور بدکاری کا بہت بڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی ابتلا کون اور مل غنیمت حاصل کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ، میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا وہ چلا گیا، حتیٰ کہ جب ہم ایک درخت کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اپنی پشیمانی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر بھی جواب دیا کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا وہ چلا گیا، پھر مقام بیداء پر ملا، اور اس نے پھر پشیمانی کی۔ آپ نے فرمایا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اس نے کہا ہاں تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چلو۔

(صحیح مسلم، البدلہ، ۵: ۱۸۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث ۵۷۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۷۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۲۸۳۲، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث ۲۳۶۱، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث ۲۵۳۳، طبع دار الفکر، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱، رقم الحدیث ۲۳۶۱، طبع دار الحدیث، قاہرہ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور دوسرے علماء نے کہا ہے: اگر مسلمانوں کے حلق کافر کی رائے اچھی ہو اور اس کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے، ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے اور یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے، اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر سے خدمت لی جائے تو اسے کچھ معاوضہ دے دیا جائے اور اس کا جسد نہ نکالا جائے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم نماز کے لیے نہ اکرے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بتا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (اعلانیہ: ۵۸)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس آیت میں دین اسلام کے ایک خاص شعار اذان کے حلق ان کا استہزاء بیان فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واسعی متوفی ۳۷۸ھ بیان کرتے ہیں:

کفار نے جب اذان کو سنا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے حسد کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے، جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلے امتوں میں نہیں سنا۔ اگر آپ نہت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے اس اذان کو ایجاد کر کے انبیاء سابقین کے طریقہ کی مخالفت کی ہے، اور اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو آپ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کا طریقہ ہی بہتر تھا، جس طرح قافلے والے چلاتے ہیں آپ نے اس طرح چلانے کو اپنا شعار بنالیا ہے، یہ کس قدر بری آواز ہے! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور درج ذیل آیت نازل کی:

وَمَنْ أَحْسَرَ قَوْلًا قِمْتُ دَعَا إِلَى الثَّوَابِ عَمِلَ
صَالِحًا وَقَالَ رَبِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝
اور اس سے ابھی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی
طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں
(احسن السجدہ: ۳۳) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

(اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابتداء اذان کی کیفیت

اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا ہے "اس لیے ہم اذان کی ابتداء اذان کے کلمات 'اذان اور اقامت کے کلمات' اذان کا جواب اور اذان کے بعد دعا اور اذان کی فضیلت کے متعلق اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ مفعول وباللہ التوفیق وبہ الامتعة یلیق۔

کہ میں اذان شروع نہیں ہوئی تھی اس وقت نماز کے لیے یوں نداء کرتے تھے "المصلوۃ جامعة"۔ جب نبی ﷺ نے ہجرت کی اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا تو آپ کو پانچ فرض نمازوں کے لیے اذان کا حکم دیا گیا اور نماز جنازہ نماز عید اور نماز کسوف وغیرہ کے لیے "المصلوۃ جامعة" سے نداء کا طریقہ برقرار رہا۔ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے سے اذان کے کلمات سنے اور اس سے پہلے نبی ﷺ نے شب معراج کے موقع پر فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر چوہدری نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا اور امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے کہ دس سے زیادہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا اور علامہ حنبلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے کہ چودہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا لیکن حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ثابت صرف حضرت عبداللہ بن زید کے لیے ہے اور بعض روایات میں حضرت عمر چوہدری کا بھی ذکر ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۷ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۸۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ کی طرف اذان کی وحی کی گئی اور جب آپ وہیں آئے تو جبرائیل نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔

(المعجم الاوسط ج ۱۰ رقم الحديث: ۵۲۳۳، حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اسکی سند میں ایک راوی علی بن زید وضع کی طرف منسوب ہے)

امام احمد بن عمرو بن متوفی ۲۴۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس ایک جانور لے کر آئے جس کو عراق کہتے تھے جب آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ کچھ دشوار ہوا۔ جبرائیل نے کہا پر سکون رہو بخدا! محمد ﷺ سے زیادہ معزز شخص کبھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ آپ اس پر سوار ہوئے حتیٰ کہ آپ رحمن تبارک و تعالیٰ کے حجاب تک پہنچے اسی دوران حجاب سے ایک فرشتہ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں مخلوق میں سب سے مقرب ہوں لیکن میں جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتے کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ پھر فرشتے نے کہا "اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتے نے کہا لا الہ الا

اللہ تو حجاب کی لوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (المحدث)
 (کشف الاستار عن زوائد البرہان ج ۸ ص ۸۷) حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی زیاد بن اللہزہ ہے اس کے ضعیف ہونے پر متعلق ہے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۲۹

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمستثنیٰ متونی ۵۷ ص ۵۷ روایت کرتے ہیں:

ابو عمیر بن انس اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ آپ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے جب لوگ اس جھنڈے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی پھر آپ کو یوق (ہگل 'ترسنگا) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ یہ یود کا طریقہ ہے۔ پھر آپ کو ناقوس (لوہے کا گلابو گلابی سے بچایا جاتا ہے گھڑیاں) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا: یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید جریر سے اٹھ کر گئے وہ اسی فکر میں تھے۔ پھر انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی وہ صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس خواب کی خبر دی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں غیہ اور بیداری کی حالت میں تھا میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان دکھائی۔ اس سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا لیکن انہوں نے میں دن تک اس خواب کو غفلت رکھا پھر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا تم کو مجھے خبر دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید مجھ پر سبت لے گئے اور مجھے حیا آئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم گھڑے ہو اور عبداللہ بن زید تم کو جو کلمات بتائیں وہ پڑھو پھر حضرت بلال نے اذان دی ابو عمیر یہ کہتے تھے کہ اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید نہ جاتے تو وہ اذان کہتے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۴۹۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۵۶ ص ۵۶ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان مینہ میں آئے تو وہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے اور ان کو ندا نہیں کی جاتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا بعض نے کہا ناقوس کی طرح ناقوس بٹو۔ بعض نے کہا یود کے ہگل کی طرح ہگل بٹو۔ حضرت عمر جریر نے کہا تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی ندا کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم گھڑے ہو کر نماز کی ندا کرو۔

(صحیح البخاری ج ۱ رقم الحدیث: ۶۳ صحیح مسلم لاؤنڈ (۱۷۷۳) سنن ترمذی ج ۱ رقم الحدیث: ۱۰۰ سنن نسائی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۵ سند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
 کلمات اذان میں نداہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور ابن میں ترجیح نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیح ہے یعنی دو مرتبہ شلو تین کو پست آواز سے کہا جائے اور دو مرتبہ شلو تین کو بلند آواز سے کہا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو حنیفہ کی روایت میں ہے۔

(المعنی ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت الجہد ج ۱ ص ۶۶ مطبوعہ دار الفکر)

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید جریر نے خواب میں فرشتے سے اذان کے جو کلمات سنے تھے ان میں ترجیح نہیں تھی۔ انہوں نے یہی کلمات حضرت بلال جریر کو بتائے اور انہوں نے ان ہی

کلمات کے ساتھ الامین دی۔

امام ابو داؤد و ترمذی و ابن اشعث و مجلسانی حنفی ۛے ۛے روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بتاؤں بجانے کا حکم دیا، تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے، میں اسی سوچ بچار میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی بتاؤں اٹھائے ہوئے جا رہا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! کیا تم بتاؤں فروخت کرو گے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

اس نے کہا تم کہو "اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر" اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد
ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی
الصلوة، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ
الا اللہ۔ اس کے بعد فرشتے نے اقامت کے کلمات بتلائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا
اور میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ان شاء اللہ برحق خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو اور خواب میں جو
کلمات سنیں وہ ان کو بتادو تا کہ وہ اذان دیں، یاد رکھو ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ
کھڑا ہوا۔ میں ان کو اذان کے کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں اذان سنی تو وہ اپنی
چادر گلینٹے ہوئے آئے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح خواب
دیکھا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ الحمد۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۱' رقم المصحف: ۳۹۹ 'سنن دلمی' 'ج ۱' رقم المصحف: ۵۹۷ 'سنن ابن ماجہ' 'ج ۱' رقم المصحف: ۷۰۶ 'مصحف
عبد الرزاق' 'ج ۱' رقم المصحف: ۷۷۷ 'مصحف ابن ابی شیبہ' 'ج ۱' ص ۲۳۹ 'مسند احمد' تحقیق محمد شاکر 'ج ۳' رقم المصحف: ۱۳۲۹ 'طبع
دار المصنف قاہرہ' 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۲۳ 'طبع قدیم' 'صحیح ابن خزيمة' 'ج ۱' رقم المصحف: ۲ 'سنن کبریٰ للبخاری' 'ج ۱' ص ۳۹۰ 'السيرة
النبيیة لابن وشم' 'ج ۲' ص ۳۲-۳۳ 'طبع دار احیاء التراث العربی' 'سنن دار الفکر' 'ج ۱' رقم المصحف: ۵۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' 'صحیح ابن
حبیب' 'ج ۳' رقم المصحف: ۱۶۷۹ 'مطبوعہ موسستہ الرسالہ' بیروت '۱۴۳۳ھ)

حضرت ابو محذورہ کی روایت کا محمل

حضرت ابو محذورہ کی روایت میں جو ترجیع کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ اسلام لانے سے پہلے اپنے لڑکھن میں لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی کی نقل اندر رہے تھے۔ نبی ﷺ نے حنین سے واپسی پر انہیں دیکھ لیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا اذان پڑھو۔ انہوں نے اذان پڑھی تو راشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کو آہستہ آہستہ پڑھا۔ آپ نے ان شہادتین کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا تو انہوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی برکت سے یہ مسلمان ہو گئے تو شہادتین کو پہلے دوبار آہستہ اور پھر دوبار زور سے پڑھنے کا یہ خاص واقعہ ہے نبی ﷺ نے اس طرح اذان دینے کی عام ہدایت نہیں دی۔ اس کا بیان اس حدیث میں ہے:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۵ھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مخنف نے بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض ساتھیوں کے ساتھ حنین کے راستہ میں تھے جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے موزن نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے نماز کے لیے اذان دی، ہم نے اذان

الحديث: ۵۹ سنن نسائی ج ۲ رقم الحديث: ۶۷۷ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحديث: ۵۲ مسند احمد ج ۵ رقم الحديث: ۱۳۸۳ طبع دار الفکر مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۳ طبع قدیم عمل اليوم والليلة للسبائی رقم الحديث: ۳۶ عمل اليوم والليلة لابن السبائی رقم الحديث: ۳۷ طبع کراچی المجمع الصغير للبرانی ج ۱ ص ۲۳۰ طبع المدينة المنورة مصنف عبد الرزاق ج ۱ رقم الحديث: ۱۹۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۲۰ صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحديث: ۲۸۹ شرح السنہ للبخاری ج ۲ رقم الحديث: ۳۲۱ صحیح ابن خزیمہ ج ۱ رقم الحديث: ۳۲۰

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی حوالی ۳۴۰ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے اے اللہ! اس بڑا کام اور اس کے بعد قائم ہونے والی نماز کے رب! اپنے بندہ کو اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔ (رسول اللہ ﷺ کا یہ دعا فرماتا ہماری تعلیم کے لیے ہے۔ سعیدی منفرد)

(المجمع الاوسط ج ۳ رقم الحديث: ۳۶۷۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله" اے اللہ! آپ پر صلوة نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو میرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے سو جو شخص یہ دعا کرے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المجمع الكبير ج ۲ رقم الحديث: ۵۵۵۳ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۳ الجامع الكبير ج ۲ رقم الحديث: ۲۲۸۸ مسند القاری ج ۵ ص ۳۳) اذان کی فضیلت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالی ۵۹۰ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن ابی معمر بیان کرتے ہیں کہ میں سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو میں جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے لڑائی دیا کرو اور یہ آواز بلند لڑائی کہتا کیونکہ موزن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان سنتا ہے اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ حضرت ابو سعید نے کہا میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱ رقم الحديث: ۶۰۹ سنن نسائی ج ۲ رقم الحديث: ۷۳ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحديث: ۷۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۴۳ مسند سعیدی ج ۱ رقم الحديث: ۷۳ مصنف عبد الرزاق ج ۱ رقم الحديث: ۱۸۶۵ صحیح ابن خزیمہ ج ۱ رقم الحديث: ۳۸۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۳۰۷-۳۲۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری حوالی ۳۰۰ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو روح (ایک مقام) پر بھاگ جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ روح کتنی دور ہے؟ تو حضرت جابر نے کہا وہ میرے پچیس میل ہے۔

(صحیح مسلم صلاۃ ص ۱۵۱ (۳۸۸) صحیح ابن خزیمہ ج ۱ رقم الحديث: ۳۳ مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۹ شرح السنہ ج ۲ رقم الحديث: ۳۱۵ صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحديث: ۲۷۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا شیطان جب نماز کی آواز سنتا ہے تو زور سے پلٹتا ہے تاکہ

اذہن کی آواز نہ سن سکے اور جب موزن خاموش ہو جاتا ہے تو پھر واپس آکر دوسرے ڈالتا ہے۔

(صحیح مسلم، صلوٰۃ ۱۱، (۳۸۸) ۸۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم المصنف ۱۲۳، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۳، طبع قدیم، صحیح ابن خزیمہ، ج ۲، رقم المصنف ۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۲۲۲، شرح السنہ، ج ۲، رقم المصنف ۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۵۸)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے دین اسلام کو ہنسی مذاق بنالیا ہے اور اب اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کو عزت اور احترام سے جو قبول نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

امام ابو محمد عبد الملک بن بشام حوالہ دیتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی، جس میں ابو یاسر بن اخطب، بلغ بن ابی بلغ، عاذر بن ابی عاذر وغیرہم تھے انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ رسولوں میں سے کس کس پر ایمان لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، جب آپ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر کیا تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہا ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لائے اور نہ اس شخص پر جو ان پر ایمان لایا ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

آپ کہئے اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (الایہ)

(السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۰، جامع البیان، ج ۶، ص ۳۹۳، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۳)

یہود کا بعض نبیوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا قطعاً باطل ہے کیونکہ معجزہ کی دلالت کی وجہ سے نبی پر ایمان لایا جاتا ہے اور جب یہود معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو پھر معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیوں ایمان نہیں لائے؟ اور طبرستان میں سیدنا محمد ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ آپ نے بکثرت حسی اور معنوی معجزات پیش کیے۔

آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود تو تمام کفار اور فسق ہیں، یہی اکثر لوگ فاسق کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود دنیا کی عزت اور روپے پیسے کے لالچ میں حق کو چھپاتے تھے۔ اس لیے فرمایا تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں لہذا تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی نیک نہیں ہو، فاسق اور بدکار ہو۔ کیونکہ کافر اور بدعتی بھی بعض اوقات اپنے دین کے اعتبار سے سچا اور دیانت دار ہوتا ہے، جبکہ تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی مجھو نے اور خائن ہو اور ظاہر ہے کہ سب یہودی اس طرح نہیں تھے۔ اس لیے فرمایا: تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض یہودی ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ کل یہودی فاسق ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق بھی فسق کا دہم نہ کرے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں اس کا مطلب اس جملہ پر ہے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اب اس کا معنی اس طرح ہو گا تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک ان کا فسق ناگوار نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یہ ان سے تعریضاً خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان فاسق نہیں ہیں بلکہ نیک اور صالح ہیں اور مسلمانوں کا نیک اور صالح ہونا ان کو ناگوار گزرنا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اعتقاد کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو اپنے فسق کا اعتقاد ناگوار گزرنا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو ہمارا اللہ پر ایمان لانا اس لیے ناگوار گزرنا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنادیا اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی ان کا ٹھکانہ بدترین ہے اور یہ یہود سے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (المائدہ: ۶۰)

یہود کو علم تھا کہ ان کے اسلاف میں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان پر اللہ نے لعنت کی۔ یہود میں سے جنہوں نے ممانعت کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی ان کو بندر بنادیا گیا اور جن عیسائیوں نے مائدہ (دستر خوان) کے محلہ میں نافرمانی کی تھی ان کو خنزیر بنادیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن جن یہودیوں نے نافرمانی کی تھی ان میں سے جو لوگوں کو بندر بنادیا گیا اور جوڑھوں کو خنزیر بنادیا گیا۔ موجودہ بندر اور خنزیر ان کی نسل سے نہیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بندروں اور خنزیروں کے متعلق سوال کیا گیا کیا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا مسخ کر کے پھر اس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم، قدر ۳۳-۳۲ (۲۲۳) ۲۳۶، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۰۰، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۹۰، طبع قدیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر ہی کے ساتھ خارج ہوئے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے تھے۔ (المائدہ: ۶۰)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے دین اسلام کو نبی اور کھیل بنالیا تھا اور وہ لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو مسلمانوں کا ایمان اور تقویٰ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ان کے کرتوتوں کی جو سزا آخرت میں ملے گی وہ ان کو اس سے زیادہ ناگوار ہوگی اور اب اس آیت میں دین اسلام کے صدق اور برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے بیان کیا ہے کہ بعض یہودی نبی مزحیجہ کے پاس آکر یہ بیان کرتے کہ وہ مومن ہیں اور اسلام کے تمام احکام پر راضی ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اور اسی کفرانہ عقیدہ پر نبی مزحیجہ کی خدمت میں آتے اور اسی کفریہ عقیدہ پر رخصت ہوتے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا، وہ کفر کے جس حل میں آپ کے پاس آئے تھے اسی حل میں لوٹ گئے۔ کیونکہ ان کے دل سخت تھے اور ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لائے بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور اس جھوٹ سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ کفر فریب کرنے کی بست کو شش اور جدوجہد کریں، کیونکہ وہ مسلمانوں سے بہت بغض اور بدولت رکھتے تھے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ

آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے

السُّحْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّائِيُونَ

ہیں، یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں ○ ان کے راہب اور پادری انہیں

وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمْ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے، یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت

يَصْنَعُونَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ

بُرائے کام ہیں ○ اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خدا ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

وَلَعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ

اور ان کے، اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے،

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا

اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور

وَكُفْرًا وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

سرکشی کو زیادہ کرے گا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے،

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے، وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کھلم کھائی

فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ

کر رہے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور

آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَآ دُخْلُهُمْ جَنَّةٍ

اللہ سے ڈیتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل

التَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ

کرتے ۵ اور اگر یہ لوگ قرأت اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف

إِلَيْهِمْ مِّنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برتا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق

مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءٌ مَا يَعْمَلُونَ ۝

ابتدا ان میں سے کچھ لوگ یا ضروری پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ سرکشی اور حرام خوردی میں تیزی سے پڑ جاتے ہیں۔ یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۳۳)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہودی ہر قسم کے گناہ بے دھڑک کرتے ہیں اور وہ کسی قسم کے گناہ میں جبکہ محسوس نہیں کرتے۔ خواہ وہ گناہ کفری کیوں نہ ہو۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اٹم سے مراد کفر ہے اور عدوان کے معنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھنا ہے۔

اللہ نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہودی حکام مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے اور حلال و حرام میں اس کی حدود سے تجاوز کرنے اور رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرنے میں بہت تیزی سے دوں دھن ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے ایہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت برے کام ہیں۔ (المائدہ: ۳۳)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت

گناہ کی بات کہنے سے مراد جھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ جھوٹ ہے اور تو رات میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اس سے بھی تو رات میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ مذموم ہے کیونکہ گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ بے لذت ہے اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بھری نے کہا ہے کہ رہبانوں سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں اور اہلہ سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں فرقوں سے مراد یہودی ہیں کیونکہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق ہیں۔ ایک نقطہ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے نقطہ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علماء کی حبیہ کے باب میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔ ضحاک نے کہا کہ قرآن مجید کی جس آیت سے سب سے زیادہ خوف پیدا ہوتا

ہے وہ بھی آیت ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں سستی اور کوتاہی کرے اس کو اور برے کام کرنے والے شخص دونوں کی مذمت کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا ہے۔ (زاوالمسیرہ ج ۲ ص ۳۹)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو۔ اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک بی بی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی قصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی خبیثت کی گئی ہے۔ لیکن ابن السہارک اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الرواۃ ج ۷ ص ۲۷۰ المصنف الاوسط ج ۸ رقم الحدیث: ۶۵۷ مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو "اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو" جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی (المائدہ: ۴۵) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۷۵ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۳۳۸ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۴۰۰۵ مسند

احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۳۰ مطبوعہ دارالحدیث بیروت و دارالحدیث قاہرہ مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۰ مطبوعہ قدیم صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحدیث: ۳۰۳۳۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۱۹)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے بعدہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکنے رہنا ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۷۶ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۳۳۸ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے بدلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اس کو دل سے بدلے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

(صحیح مسلم ایمان ۷۸ ص ۱۴۹ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۳۰۰ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۷۹ سنن نسائی رقم

الحدیث: ۵۰۲۳ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۴۰۳۷ مسند احمد ج ۳ ص ۵۵۰ مطبوعہ قدیم سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۹۰)

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اور اللہ کی حدود میں ممانعت یعنی سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثل اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی بعض لوگوں کے نام لوہر کی حنبل کا قریہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام چلی منزل کا چلی منزل والے پانی لینے کے لیے لوہر کی حنبل پر گئے۔ پھر انہوں نے کہا اگر ہم کشتی کے پینڈے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی حنبل والوں کو زحمت نہیں ہوگی۔ اگر لوہر کی حنبل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے

چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو وہ بھی نجات پائیں گے اور جہنمی منزل والے بھی۔

(صحیح ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۴۳-۲۳۸۱ سنن ترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۰۰ صحیح ابن حبان 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۹۷۷ مسند احمد 'ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۸۳۸۹ طبع دار الفکر 'ج ۲' ص ۲۷۳-۲۷۸ طبع قدیم 'سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۱۰' ص ۲۸۸) حضرت جریر بن جویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن حبان 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰۰۰ سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۳۹ سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۰۹ مسند احمد 'ج ۴' ص ۳۶۱-۳۶۳ قدیم 'المجموع للکبیر للبیہقی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۸۲-۲۳۸۴) ایک روایت میں ہے جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور غالب ہو پھر بھی مدامت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا۔

(المجموع للکبیر 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۸۵-۲۳۸۷-۲۳۸۸ مسند احمد 'ج ۲' ص ۳۶۳-۳۶۷ طبع قدیم 'سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۱۰' ص ۲۸۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا جلا یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۸۱ سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۴۴ سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۱۱ مسند ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۷ھ روایت کرتے ہیں: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا اے شخص اللہ سے ڈر اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ کام میرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور لٹنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا (المائدہ ۶۶:۵-۶۶:۷) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ایچہ اثم ضرورت کی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۳۶-۲۳۳۷ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے 'سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۸-۳۰۵۹ سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۰۶-۳۰۰۷ مسند احمد 'ج ۱۰' ص ۳۹۹ طبع قدیم 'امام احمد کی سند میں اختلاف ہے اس لیے یہ سند ضعیف ہے 'مسند احمد 'تحقیق احمد شاہ 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۷۳ طبع دار الحدیث قاہرہ 'المجموع المادہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۳ حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں 'مجمع الزوائد 'ج ۷' ص ۱۷۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں 'خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں 'وہ جس طرح چاہتا ہے' خرچ کرتا ہے۔ (الانبیاء)

(المائدہ: ۶۴-۶۵)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی برائیاں اور ان کے گناہ ذکر فرمائے تھے کہ وہ گناہ اور سرکشی میں تیزی سے دوڑتے ہیں 'حرام کھاتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مل حاصل کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا 'اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا' ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں 'اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک' بلند اور برتر ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی 'متوفی ۳۲۰ھ' روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص ناش بن قیس تھلجی نے کہا آپ کا رب بخیل ہے 'خرچ نہیں کرتا' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

(المکرم الکبیر ج ۱۲، رقم الحدیث ۱۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہر چند کہ کسی ایک یہودی نے یہ غیث قول کہا تھا 'لیکن چونکہ بقی یہود میں سے کسی نے اس قول سے برائت کا اظہار نہیں کیا اور اس کا رد نہیں کیا' اس لیے پوری قوم یہود کی طرف اس قول کی نسبت فرمائی۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ مکرّمہ نے کہا ہے کہ یہ آیت فقہاس یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان ج ۶، ص ۳۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس دنیاوی مال نہیں ہے اور اکثر مسلمان فقر اور فاقہ میں مبتلا ہیں 'اور انہوں نے یہ آیت سنی:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(الحجہ: ۵)

تو انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد ﷺ کا خدا فقیر ہے اور بالوقت کہا بخیل ہے 'اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا یہی معنی ہے 'کیونکہ جو شخص خرچ نہ کرے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْمِلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا۔

(الاسراء: ۳۶)

ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیئے ہیں 'اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انشاء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں ہماری زبانوں سے ان کے خلاف دعا ضرور فرمائی ہے 'یعنی ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی 'یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا 'وہ اس بخل کی وجہ سے ہر خیر سے محروم ہیں۔ ان سے کسی کو خیر حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ غل کا معنی طوق بھی ہے 'سو اس کا یہ

معنی ہے کہ دنیا میں بن پر قید و بند کا طوق ڈال دیا گیا اور آخرت میں بن پر جنم میں طوق ڈال دیا جائے گا۔
یہ اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی

انگیوں سے لے کر پچھلے تک کے عضو کو یہ کہتے ہیں 'بلکہ کدھے تک کے عضو کو بھی یہ (ہاتھ) کہا جاتا ہے اور مجازاً یہ کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کا ہاتھ پر ہاتھ ہے 'یعنی اس کا احسان اور نعمت ہے اور عطا کرنے اور خرچ کرنے پر بھی یہ کا اطلاق ہوتا ہے 'جیسے کہتے ہیں فلاں کا ہاتھ بہت کشادہ ہے اور یہ کا اطلاق قدرت پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اولی الابدی والابصار (ص: ۳۵) وہ قدرت والے اور بصیرت والے ہیں۔ انہوں نے جو کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں 'اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ نے بن پر عطا کرنے اور خرچ کرنے کے دروازے بند کیے ہوئے ہیں اور ان کو رزق نہیں دیا۔ ان کا یہ قول کل سے کنایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خود بن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں 'یعنی وہ نیکی اور کار خیر سے روکے ہوئے ہیں 'اور وہ کائنات میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں 'یعنی اللہ تعالیٰ بہت عطا فرماتا ہے 'وہ بہت جواد اور فیاض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کا ذکر فرمایا 'کیونکہ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنا بہت زیادہ سلطنت پر دلالت کرتا ہے 'تمام چیزوں کے خزانے اور ہر قسم کی نعمتیں اس کے پاس ہیں 'اور وہ اپنی تمام مخلوق کو عطا فرما رہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَنذَرْتُكُمْ يَوْمَ تَمُوتُ كُلُّ مَنَّا سَالَتُ مَوْءَدًا وَإِنْ تَعْدُوا
يَعْتَسِبُ إِلَهِ لَا تُحْصِرُهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ
كَفَّارٌ (ابراہیم: ۳۳)

اور اس نے تم کو تمہاری ہر سوال کی ہوئی چیز عطا فرمائی اور
اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے 'بے شک
انسان بے اخلاص ناشکر ہے۔

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (القمان: ۳۰) دہی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے خرچ کرو 'میں تم پر خرچ
کروں گا اور فرمایا اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں 'رات اور دن میں ہمیشہ خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں
ہوتی اور فرمایا یہ بتاؤ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے 'وہ خرچ کر رہا ہے اور اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی
نہیں ہوتی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے 'جس کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا
یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

اصح البخاری ج ۵: رقم الحديث ۳۷۸۳، صحیح مسلم: زکوٰۃ ۲: ۱۲۷، سنن ترمذی ج ۵: رقم الحديث ۳۰۵۶، سنن ابن ماجہ ج ۱: رقم الحديث ۱۹، صحیح ابن حبان ج ۲: رقم الحديث ۴۵، مسند احمد ج ۲: ص ۵۰۰، مس ۳۳۲-۳۳۳، طبع قدیم 'مسند احمد ج ۳: رقم الحديث ۳۰۵۰۵، طبع النکحہ الامام ابو الحسن علی بن علی بن ابی طالب (بیروت)

اور اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جو رزق کم عطا کیا ہے یا بن پر تنگی کی ہے تو وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے 'اور وہ سب کا مالک علی الاطلاق ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ
اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو
وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے 'لیکن وہ اندازے کے مطابق

تبیان القرآن جلد سوم

تَحْيِيْرُ بَشَرٍ (الشوریٰ: ۲۷)

جتنا چاہتا ہے 'رزق' اُتار دے گا۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے
خوب واقف ہے اور انہیں بہت دیکھنے والا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ

اللہ جس کے لیے چاہتا ہے 'رزق' کثادہ کرتا ہے اور جس
(الرعد: ۳۳) کے لیے چاہتا ہے (نگ کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ 'چرے' اور پنڈلی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے 'فرقہ' بھرنے والی آیات سے اللہ
تعالیٰ کے لیے جمیعت جہت کرتا تھا۔ اس فرقہ کا باطل ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ جسم اپنے ترکب میں اپنے اجزاء کا معلق ہونا
ہے اور معلق خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم متعلق ہوتا ہے اور ہر متعلق حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم یا
متحرک ہو گا یا ساکن ہو گا اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جسم ہونے سے پاک اور خدو ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے جوید وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے
اس میں اہل اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن مرتضیٰ حنفی ص ۷۷ لکھتے ہیں:

شریعت میں جن امور کا ذکر ہے 'مثلاً استواء' یہ 'دج' (چہرہ) عین (آنکھ) وغیرہ میں حق یہ ہے کہ یہ مجازات اور تمثیلات
ہیں۔ یعنی جن امور کا ظاہر شرع میں ذکر ہے اور ان کو حقیقی معنی پر محمول کرنا مکمل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طہ: ۵)

رُحْمٰنٌ لِّمَنْ لَّهٗ عَرْشٌ عَلٰی السَّمٰوٰتِ

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جس کو میں نے

اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اور باقی ہے آپ کے رب کا چہرہ۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

نا کہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

شرح القاصد ج ۵ ص ۴۵-۴۴ مطبوعہ مشورات الرضیٰ ایران ۱۳۰۹ھ

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۷۸۱ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابو الحسن اشعری کا ایک قول یہ ہے کہ ان امور کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کے حق میں محل ہے۔ اس لیے ان سے مراد اللہ کی صفت زائدہ ہیں اور ہمیں ان کی کسبہ معلوم نہیں ہے اور دو سرائقوں یہ ہے کہ اطلاقات مجازی ہیں۔
(شرح المواقیف ج ۸ ص ۱۱۰-۱۱۱ مطبوعہ منشورات الرضی، ایران)

ایم فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں جو یہ کالفاظ آیا ہے، اس کے متعلق جمہور مسلمین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کالفاظ آیا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور چونکہ عقل اس پر دہانت کرتی ہے کہ اللہ کے لیے جسم اور جسمانی اعضاء محل ہیں سو ہمارا اس پر بھی ایمان ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کی حقیقت اور کسبہ ہم کو معلوم نہیں ہے، سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا۔ دو سرائقوں متکلمین کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ کے کئی معانی ہیں۔ ایک معنی یہ عضو مخصوص ہے، یہ اللہ کے حق میں محل ہے۔ اس کا دو سرائقوں ہے نعمت۔ تیسرا معنی ہے قوت، چوتھا معنی ہے ملک، جیسے قرآن مجید میں ہے الہی بیدہ عقدة السکاح جس کی ملک میں نکاح کی گروہ ہے۔ پانچواں معنی ہے خصوصی قوت اور خصوصیت جیسے لما خلقت بیدی اس ۱۷۵ موخر الذکر چاروں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس بحث میں ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایم ابو الحسن اشعری نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ ایک صفت ہے جو قدرت کے علاوہ ہے۔ اس کی شان سے کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ پیدا کرنا ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کالفاظ استعمال ہو تو اس سے قدرت اور نعمت مراد ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کر دے گا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے، وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بھڑکاتا ہے۔ وہ زمین میں فساد پھیلانے کی ننگ دو کر رہے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا (المائدہ: ۶۴)

اس آیت کا تعلق علماء یہود سے ہے، کیونکہ بن کا موقف غلط اور باطل تھا۔ اس لیے اس کے رد میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں اور ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد علماء یہود اس کا انکار کر دیتے، تو یوں قرآن مجید کے نازل ہونے سے ان کے کفر اور سرکشی میں زیادتی ہوتی رہی۔

علماء یہود حسد اور بغض کی وجہ سے میدانِ جہنم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور چونکہ یہ دنیاوی مل و دولت اور منصب اور عہدوں کے ورپے تھے، اس لیے یہود اور نصاریٰ میں سے ہر فرقہ شد و مد کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتا تھا اور دوسرے فرقہ کا رد کرتا تھا، تاکہ دنیاوی کامیابی صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس لیے یہود اور نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض رکھتے تھے یا پھر ان کے اپنے اندر بہت فرقے تھے اور ہر فرقہ دوسرے سے بغض رکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہود جب بھی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بھڑکاتا ہے۔ جب انہوں نے فساد پھیلایا اور تورات کی مخالفت کی، تو اللہ نے ان کے اوپر بخت نھر کر بھیج دیا، انہوں نے پھر فساد کیا، تو ان پر پطرس رومی کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مجوس کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کو بھیج دیا۔

قلوہ نے کہا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث کیا تو یہ مجوس کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے۔
اس کے بعد فرمایا یہ زمین میں فسلا پھیلا رہے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ
زمین میں سب سے بڑا فسلا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا
دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل کرتے۔ (المائدہ: ۶۵)

اس آیت کا معنی ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول یعنی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور اللہ اور اس کے
رسول کا انکار کرنے اور منکرا کرنے اور سرکشی کرنے سے اللہ سے ڈرتے یعنی اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف نہ کرتے
رشتوں لے کر حرام بل نہ کھاتے تو ہم نہ صرف یہ کہ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے بلکہ ان کو جنت کی نعمتوں میں داخل کر دیتے۔
اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی خرابی اور ان کے مرض کا ذکر کیا تھا اور اس آیت میں اس کے تدارک اور علاج کا
ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے
رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے لوہے سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق اہلک۔ ان میں سے
کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں (المائدہ: ۶۶)

گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی
اس سے پہلے آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر اہل کتاب اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور کفر اور سرکشی میں اللہ سے
ڈرتے رہیں تو وہ احمودی عذاب سے محفوظ رہیں گے اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کو حاصل کریں گے اور اس آیت میں یہ
فرمایا ہے کہ اگر یہ تورات اور انجیل کو قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کو بھی جنت بنا دے گا۔
تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

۱۔ وہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور ان میں یہ عہد بھی ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر
ایمان لائیں گے اور تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل ہیں اور آپ کی جو علامات مذکور ہیں ان کو ظاہر کریں گے۔
۲۔ تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کریں گے اور اس میں مذکور حدود کو بھنڈ کریں گے۔

۳۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ حضور اسلام سے پہلے تورات اور انجیل کی شریعت کو قائم رکھتے اور اس کے احکام پر
عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہتے لیکن انہوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا اور انجیل کا انکار کیا اس
لیے ان پر معاشی تنگی اور رزق میں کمی اور دنیا میں رسوائی اور خواری مسلط کر دی گئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر
میں کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے دو سرا قول یہ ہے اس سے مراد باقی انبیاء پر نازل کیے ہوئے
صحیفے ہیں مثلاً حضرت جبریلہ، حضرت جبریل، اور حضرت دانیال کے صحائف۔

نیز فرمایا تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود نے سیدنا
محمد ﷺ کی تکذیب پر اصرار کیا تو ان پر قحط اور تنگی مسلط کر دی گئی حتیٰ کہ انہوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ کفر کو چھوڑ دیں تو ان کے حکام بدل جائیں گے اور ان کی تنگی خوش حالی سے اور قحط غلہ کی فراوانی سے بدل

جائے گھر اور یہ جو فرمایا: تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے، اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ اس سے مراد فعلی اجناس کی پیداوار میں مبالغہ اور وسعت ہے

۲۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے بارشوں کا پھولنا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے زمین کا غلہ اگانا

۳۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے درختوں کا پھلوں سے لہ جانا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے کھیتوں کا اٹھانا

۴۔ اوپر سے مراد درختوں سے پھل اتارنا اور نیچے سے مراد ہے زمین پر پڑے ہوئے پھلوں کو چمنا

خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنے اور عبادات اور نیکیوں کے کرنے سے آسنان سے بھی رزق برستا

ہے اور زمین بھی سونا نکلتی ہے۔ اس کی تائید اور نظیر میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَمَلُهُمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو
ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

(الاعراف: ۹۶)

وَأَن لَّوِ اسْتَفْتَمُوا عَلَى الطَّيْرِ لَفَتَحْنَا
مَمَائِهِمْ غَدَقًا (الحج: ۷۶)
اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں ضرور کثیر پانی
سے سیراب فرماتے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
مِّنْ حَبْطٍ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۴)
جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر
دے گا اور اسکو وہاں سے روزی دے گا جہاں اسکا گمان بھی نہ
ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

لَا تَشْكُرُنَّ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ (ابراہیم: ۷)

اس کے بعد فرمایا: ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو میانہ روی پر ہیں۔ ان نے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے سلیم
الطہرت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا، جیسے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے نجاشی اور یا
کفار میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معتدل تھے اور انہوں نے جلد یا بدیر اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کلمہ کر رہے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی مذمت
اس سے پہلے آجوں میں کی گئی ہے جو قورات اور انجیل میں تحریف کرتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَّمْ

اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر (بالفرض)

تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۹۶﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

بیٹے اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا ۵ آپ کیسے کہے اہل کتاب!

لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا

تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں جو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو

أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلِكَيْزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أَنْزَلَ

جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا أَفَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ

کر رہے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس

الْكُفْرِيْنَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ

نہ کریں ۝ بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی اور صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ

وَالنَّصَارَى مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور قیامت پر (سچ) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو ان پر غم ہو گا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ بیشک ہم نے جو اسرائیل

بَنِي إِسْرَءِئِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ رُسُلًا كَلَّمْنَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ

سے پہنچا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا علم ہے کہ

بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝

آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (دروازوں کے) ایک گروہ کو بھٹایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا

وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةً فَعَمَّوْا وَصَبَّوْا ثَمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ہے گی، سو وہ اندھے اندھے اور بہرے بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی

ثُمَّ عَمَّوْا وَصَبَّوْا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

تو برقرار فرمایا، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اندھے ہو گئے اور انہوں نے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ۝

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے

الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ ۖ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن

کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بیشک جس نے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وَهُ التَّامِرُ

اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصَارٍ ۝

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالمغرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۶۷)

ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟

اس سے پہلی آیتوں میں یود و نصاریٰ کے غیث عقائد اور ان کے باطل اقوال دین میں ان کی تحریفات اور ان کی بد اعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس طرح مشرکوں کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اب آپ سے فرمایا ہے کہ آپ کے اوپر جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ سب کو پہنچا دیجئے اور اس تبلیغ میں یود و نصاریٰ اور مشرکوں اور کافروں کی مخالفت کی مطلقاً پروا نہ کیجئے۔ اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور اگر یہ فرض محال آپ نے ایسا نہ کیا اور کسی آیت کو بھی نہ پہنچایا تو آپ نے کار رسالت انجام نہیں دیا اور آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اس آیت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر اس آیت کا معنی یہ ہو اگر آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو یہ کلام غیر مفید ہے۔ کیونکہ شرط اور جزاء میں تغاڑ ہوتا ہے اور یہاں تغاڑ نہیں ہے اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہے اگر آپ نے ایک آیت بھی نہیں پہنچی تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا تو یہ کلام مفید ہے۔ لیکن واقع کے خلاف ہے کیونکہ ایک آیت کے نہ پہنچانے سے اس ایک آیت کے پہنچانے کی نفی ہوتی جاوے گی ہاں تمام آیات جو پہنچائی جا چکی ہیں ان کی نفی کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی یہی ہے کہ اگر آپ نے بالمغرض ایک آیت کو بھی نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ایک آیت کو بھی نہ پہنچانے سے باقی تمام آیات کا پہنچانا ضائع اور غیر معتبر ہو جائے گا یا جیسے کوئی شخص قرآن مجید کی ایک آیت پر ایمان نہ لائے تو اس کا باقی تمام قرآن پر ایمان لانا ضائع ہو گیا یا جیسے کوئی شخص نماز کا ایک رکن لوٹا نہ کرے اور باقی تمام ارکان لوٹا کرے تو اس کی نماز ضائع ہوگی کیونکہ جب کسی ایک آیت کو چھپایا جائے

کا تو دعوت اسلام سے جو فرض اور مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا يَحْيِيهَا تَعْسًا أَوْ فَسَادًا فِي
الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا
(ماحق) قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔

(المائدہ: ۳۲)

کیونکہ جس طرح ایک شخص کو باحق قتل کرنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح سب لوگوں کو باحق قتل کرنا بھی اللہ کی نافرمانی ہے، اور جو ایک شخص کے قتل باحق پر جرأت کر سکتا ہے، اگر اس کے بس میں ہو تو وہ سب لوگوں کے قتل باحق پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو بالفرض ایک آیت کے چھپانے پر جرأت کر سکتا ہے، وہ سب آیتوں کے چھپانے پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے کلام رسالت بالکل انجام نہیں دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ نازل ہوا ہے، اگر (بالفرض) آپ نے اس میں سے ایک آیت بھی چھپالی تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا

(جامع البیان، ۶: ۲، ص ۳۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث

اہم مسلم بن حجاج لشعری متوفی ۲۶۶ھ روایت کرتے ہیں:

مسوق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی، اس نے اللہ پرست بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اس نے اللہ پرست بڑا جھوٹ باندھا۔ میں سارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المؤمنین! مجھے مسرت دیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ عز و جل نے یہ نہیں فرمایا؟ اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا (انکویر: ۲۳) اور فرمایا اور بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا (التجم: ۳۳) حضرت عائشہ نے فرمایا اس امت میں میں سب سے پہلی ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل ہیں، جس صورت پر جبرائیل کو پیدا کیا ہے، آپ نے اس صورت پر جبرائیل کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ آپ نے جبرائیل کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، لن کی عظیم خلقت (یلوٹ اور حسامت) نے تمام آسمان اور زمین کو بھر لیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم نے اللہ عز و جل کا یہ قول نہیں سنا؟ ہمیں اللہ کا اور اک (احاطہ کرتے ہوئے) نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا اور اک کرتا ہے اور وہی ہر کیوں کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار ہے (الانعام: ۱۰۳) اور کیا تم نے اللہ عز و جل کا یہ قول نہیں سنا اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے اس کو وہ پہنچا دے جو اللہ چاہے (الشوری: ۵۱) اور جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ پرست بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا (المائدہ: ۶۷) اور جس نے یہ کہا کہ آپ کل کی بات کی (از خود) خبر دیتے ہیں، تو اس نے اللہ پرست بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ فرماتا ہے آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی (از خود) غیب کو نہیں جانتا سوا اللہ کے۔ (النمل: ۶۵)

(صحیح مسلم، الامان، ۲۸۷، ۲۲۲ (۱۷۷) صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحديث ۲۸۵۵، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث ۳۰۷۹، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحديث ۳۷۷۷، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحديث ۲۱۰۹۹، طبع دلو الفکر، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۳۱، طبع قدیم، جامع البیان، ۶۷۲، ص ۳۱۱)

امام ابو یسفی محمد بن یسفی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا (المائدہ ۱۷) تب رسول اللہ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکل کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ، بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث ۳۰۵۷، المستدرک، ج ۲، ص ۳۳۳)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم محترم حضرت عباسؓ بن علیؓ میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا تو رسول اللہ ﷺ نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔

(المعجم الصغیر، ج ۲، رقم الحديث ۳۷۸، المعجم للاوسط، ج ۲، رقم الحديث ۳۵۳۳، حلفہ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند میں علیہ الصوفی ایک ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۷۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک فردہ میں گئے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک دلوٰی جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے اس میں انہوں نے دوسرے وقت قیام کیا، مسلمان درختوں کے سائے میں بکھر کر آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلواریں لٹکادی۔ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا، ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہیں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا اس شخص نے میری تلوار نکال لی میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سوختی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ الودہ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحديث ۳۳۵، السیرۃ النبویہ للابن ہشام، ج ۳، ص ۳۷، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج ۲، ص ۶۸، سبل الہدیٰ دار الشلا، ج ۵، ص ۱۷۶)

علامہ علی بن برحان الدین حلبی متوفی ۴۳۳ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام غویرث بن الحارث تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کیا میں تمہارے لیے (سیدنا) محمد ﷺ کو قتل نہ کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ماتم ان کو کیسے قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جاؤں گا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ اس وقت تلوار آپ کی گود میں تھی اس نے کہا اے محمد ﷺ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔ پھر تلوار آپ کی گود سے لے کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا اے محمد ﷺ آپ مجھ سے ڈرتے نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تلوار دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تلوار لے کر فرمایا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بستر پر لیٹے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں

اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو جلنے دیا وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا میں تمہارے پاس سے ہر شخص کے پاس سے آیا ہوں پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

(انسان العیون ج ۲ ص ۵۷۴ حنفی ابن جریر مستطانی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کاش یا میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ کہا گیا یا رسول اللہ! میں سہ ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ پھر نبی ﷺ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خزانوں کی آواز سنی۔

(صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۲۸۸۵ ج ۵ رقم الحدیث: ۲۷۳۶ صحیح مسلم فضائل اصحابہ ج ۴ ص ۲۳۱) سنن ترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۷۷۷ صحیح ابن حبان ج ۱۵ رقم الحدیث: ۲۸۹۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۸۸-۸۹ مسند احمد ج ۶ ص ۳۶ طبع قدیم مسند احمد ج ۹ رقم الحدیث: ۲۵۳۷ طبع دار الفکر مسند احمد (احمد شاہ ج ۷) رقم الحدیث: ۲۳۹۷ فضائل اصحابہ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳ المستدرک ج ۲ ص ۵۹ تنزیہ تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۲ ص ۲۰۰ کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۳۶۳۳

علامہ قرطبی متوفی ۴۶۸ھ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

غیر صحیح میں یہ روایت ہے کہ ہم اسی محل میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا ہم سہ اور حذیفہ ہیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں پھر آپ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خزانوں کی آواز سنی اور یہ آیت نازل ہوئی پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر خم سے باہر نکالا اور فرمایا: اے لوگو! وہاں جاؤ بے شک اللہ نے میری حفاظت کر لی ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الفکر ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے جس طرح ان دونوں روایتوں کو ملا دیا ہے مجھے اس طرح حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا جبکہ میں نے اس حدیث کا بہت قبیح کیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب

مشہور شیعہ عالم شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن العسکری متوفی ۳۲۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں تو نبی ﷺ کو یہ خوف تھا کہ یہ معاملہ آپ کے اصحاب کی جماعت پر دشوار ہو گا تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ اللہ کے حکم پر عمل کریں۔

(التبایں ج ۳ ص ۵۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ روز جمعرات ۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدير خم کے مقام پر نبی ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا تم تمام لوگوں میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ لائق اور مستحق کون ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مسلمانوں کا مولیٰ ہوں اور میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ آپ نے اس جملہ کو تین چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے

حضرت علی کی خلافت کا موقع ہو گا اس وقت وہی اولیٰ بلائہ ہوں گے اور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ نور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

۴۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوئی تو حضرت علی اس سے حضرت ابو بکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

۵۔ مسئلہ بزار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو میں کسی کو کیسے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

۶۔ اس حدیث میں مولیٰ دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے یہ دعا اس پر قرینہ ہے کہ سر کست مولانا علی مولانا کا معنی ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انہی جوابات پر اکتفاء کی ہے۔

آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ پر مامور تھے یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟ علماء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث و تحقیق کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بھی وحی کی تھی خواہ وہ وحی جلی ہو یا وحی غنی رسول اللہ ﷺ نے وہ سب امت تک پہنچادی یا کچھ علوم ایسے تھے جو نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو احکام بندوں کی مصلحت سے متعلق ہیں ان کی تبلیغ آپ پر ضروری ہے اور جن آیات سے مقصود بندوں کو اطلاع پہنچانا ضروری ہے ان کو بندوں تک پہنچانا ضروری ہے اور جو فیہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور امت کی مصلحت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اس کا امت تک پہنچانا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا ان سے پھپھانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ (النجم: ۱۰)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر بلا واسطہ ایک راز کی وحی فرمائی اور اس راز کو آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کا اثرات میں پناہ ملے گا جب آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اور علامہ واسطی نے کہا اللہ نے اپنے عہد مکرم کی طرف اتمام کیا جو اتمام کیا اور اس کو بالکل ظاہر نہیں کیا کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور جس چیز کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے وہ مستور ہے اور جس چیز کے ساتھ آپ کو خلوق کی طرف مبعوث کیا ہے وہ ظاہر ہے اور صوفیاء اس کو اسرار الہیہ اور حقیقت کا علم کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیاء نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا ہے لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس احکام شرعیہ اور اسرار الہیہ کا جو بھی علم تھا وہ سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان

(النحل: ۸۹) ہے۔

مَافَرَطَّاسِی الْبِکْتَابِ مِیْنُ کُتُبِی (الانعام ۳۸) ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔
 اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا ان سے
 نکلنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کے لوگوں کی خبریں ہیں اور
 تمہارے متعلق احکام ہیں اور امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید
 میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور ہمارے متعلق ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کو قرآن کریم سے حاصل کرنے سے ہمارا علم قاصر
 ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا نبی ﷺ نے جس قدر احکام دیئے ہیں آپ نے ان سب کو قرآن سے مستنبط کیا ہے اور
 اس کی تائید اس سے ہوتی ہے امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اسی چیز
 کو حلال کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا
 ہے۔ (المجموع للامام سیوطی ۱/۲۷۷ رقم الحديث ۷۷۵۷ سنن کبریٰ للبخاری ۱/۲۷۷ ص ۷۷)

علامہ مری نے کہا کہ قرآن مجید میں تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور اس کا حقیقی اصل اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور
 اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، ماسوا ان علوم کے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ پھر معظم رسالت
 صحابہ کرام ان علوم کے وارث ہوئے، مثلاً خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم پھر صحابہ کرام
 کے بعد تابعین عظام ان علوم کے وارث ہوئے، پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کی امتیں اور ان کے درجات کم ہوتے گئے اور افاضل
 صحابہ اور اختیار تابعین جن علوم کے حامل تھے بعد کے مسلمان وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام علوم اور معارف قرآن مجید میں موجود ہیں تو قرآن مجید کی تبلیغ ان تمام علوم و معارف کی
 تبلیغ ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ہر نکتہ، ہر ہر راز اور ہر ہر حکم تفصیل کے ساتھ ہر ہر شخص کے لیے قرآن مجید کی
 صریح عبارت سے ظاہر نہیں ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ کچھ ایسے اسرار ہیں جو قرآن مجید سے خارج ہیں اور ان کو صوفیہ
 نے برہ راستہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ علامہ فسطاطی نے کہا کہ عالم دین کا اپنی فہم سے قرآن
 مجید سے اسرار اور حکمتوں اور احکام کا استخراج کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اصول شریعت کے موافق ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کا کلام بھی اسی اعتبار سے ہے۔ البتہ ان کی بعض عبارات ظاہر شریعت کے مخالف ہوتی ہیں اور
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے لوگوں سے ان کے عرف کے مطابق بات کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
 ﷺ کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری ۱/۲۷۷ رقم الحديث ۷۷۵۷) ہمارے موقف کے قریب یہ حدیث ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ عترہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا
 تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ہم سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی خاص علم ہے جس کو رسول
 اللہ ﷺ نے لوگوں سے بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسول!
 آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے۔ بخیر! ہم کو رسول اللہ ﷺ نے (قرآن مجید کے سوا)
 کسی تحریر کا وارث نہیں کیا اور امام بخاری نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے
 پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں! صرف کتاب اللہ ہے! یاد ہے جو ہر مسلمان شخص کو دی گئی ہے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔
 میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: وصیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے اور یہ کہ مسلمانوں کو کافر (حربی) کے بدلہ
 میں قتل نہیں کیا جائے۔ (صحیح البخاری ۱/۲۷۷ رقم الحديث ۷۷۵۷)

خلاصہ یہ ہے کہ عوفیاء کی جو عبارات قرآن و سنت کے موافق ہیں وہ مقبول ہیں اور جو عبارات کتب و سنت کے خلاف ہیں وہ مردود ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کتب و سنت سے ایسے اسرار اور احکام مستنبط کرنے کی قسم عطا فرمائے جو ان سے پہلے مفسرین، فقہاء اور مجتہدین نے مستنبط نہ کیے ہوں اور جب آیات اور احادیث سے ائمہ اربعہ کے اجتہاد اور استنباط کو مان لیا گیا ہے، حالانکہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو بعد کے علماء کے لیے یہ کیوں جائز نہیں ہے؟ کہ وہ کتب اور سنت سے ایسے مسائل اور حکمتیں مستنبط کریں جو ائمہ اربعہ نے نہ مستنبط کیے ہوں۔ البتہ ایہ ضروری ہے کہ یہ استخراج اجمل امت کے خلاف نہ ہو۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۹-۹۰) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

نیا چھپرے کے علم کی تین قسمیں

علامہ سید محمود آلوسی کے اس کلام کی سنت اور فقہیت میں ہمیں کلام نہیں ہے، لیکن دلائل صحیحہ کی روشنی میں بعض محققین کا یہ نظریہ ہے کہ نیا چھپرے پر صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ واجب تھی اور تمام علوم کی تبلیغ آپ پر واجب نہیں تھی۔ بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے سب کو نہیں بتائے، بلکہ جو فن کے اہل تھے ان کو بتا دیئے اور بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے کسی کو نہیں بتائے وہ صرف آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مختص تھے گویا آپ کے علوم کی تین قسمیں ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۱۵۵ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے پروردگار نے کوئی چیز پوچھی جس کا جواب میں نہیں دے سکا تب اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی فطرت میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا فرمادیا اور مجھے کئی اقسام کا علم عطا فرمایا۔ ایک علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھ سے حد لیا کہ میں کسی کو اس پر مطلع نہیں کروں گا اور میرے علاوہ اور کوئی شخص اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسری علم کی وہ قسم تھی جس کو ظاہر کرنے یا پوشیدہ رکھنے کا مجھے اختیار عطا فرمایا اور تیسری علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھے حکم دیا کہ میں امت کے ہر خاص و عام کو اس کی تبلیغ کروں۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۸) مطبوعہ مکتبہ نوریہ رطوبہ، سکر ۱۳۳۹ھ

وہ علم جس کو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے

جن علوم کی امت کے ہر خاص و عام کو تبلیغ واجب ہے ان کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور زیر بحث آیت میں آپ کو ان ہی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی تمام آیات کو پہنچایا اور احادیث میں ان کی وضاحت فرمائی۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں آپ کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہر جو چیز نازل ہوئی اس کی تبلیغ واجب ہے اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ بندوں کی مصلحتیں متعلق ہوں اس کی تبلیغ واجب ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود ان کو مطلع کرنا ہو، کیونکہ بعض اسرار الہیہ کا اظہار کرنا حرام ہے۔ (انوار التنزیل، الکافر دینی ج ۲ ص ۲۲۸) مطبوعہ دار الفکر بیروت

علامہ شمس الدین احمد خفاجی متوفی ۱۱۵۵ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کے حکم کا تعلق دین اور بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ ہے اور آپ کو انہیں مطلع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو اسرار نیا چھپرے کے ساتھ خاص ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم محفوظ کیے۔ ایک علم کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا

دیا اور اگر دوسرے علم کو میں پھیلاؤں تو یہ زخم کٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰) اور یہ علم الحقیقت اور حکمت ہے جس سے سکوت کیا گیا ہے۔ مصنف (علامہ بیضاوی) نے بھی اپنے قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(مناہج القاضی ج ۳، ص ۳۳۳-۳۶۳، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد بخاری حنفی متوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ پر جس قدر بھی احکام نازل کیے گئے ہیں ان کو پہنچا دیجئے، کیونکہ جن امور کا تعلق احکام سے بالکل نہیں ہے جیسے اسرار خفیہ ان کی لوگوں کو تبلیغ کرنا مقصود نہیں ہے۔

(تفسیر ابی السعود علی حاشی الکبیر ج ۳، ص ۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ سلیمان بن عمر الجمل متوفی ۳۰۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو امور احکام سے متعلق ہیں ان کو پہنچا دیجئے۔ کیونکہ جو اسرار آپ کے ساتھ خاص کر دیئے گئے ہیں ان کی تبلیغ کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ (حاشیہ الجمل علی الجلالین ج ۱، ص ۵۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں پر کبھی بعض لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ بعض ایسے علوم سے مطلع فرماتے جن کا تعلق احکام شریعہ کے ساتھ نہیں ہوتا تھا اور بعض اصحاب کو کسی راز سے مطلع فرماتے تھے جیسے آپ نے صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ راز بتلایا کہ نبی ﷺ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ آپ کے ساتھ آپ کے وصل کے بعد لاحق ہوں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳) اور حضرت ابو بکر جلیل کو اس راز سے مطلع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۰۵) اور حضرت حذیفہ جلیل کو اس راز سے مطلع کیا کہ خارجی حضرت عثمان جلیل کو شہید کر دیں گے جیسا کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کو بتلایا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۵) اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ قسم کے علوم حاصل کیے ہیں۔ ایک علم تو انہوں نے پھیلا دیا اور دوسرا علم اگر وہ پھیلا دیں تو ان کی رگ جلاں کٹ دی جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰) اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں کچھ لکھواۓ چلا اور پھر لکھوانے سے اعراض کر لیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳) تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق احکام شریعہ سے نہیں تھا کیونکہ اگر اس کا تعلق احکام شریعہ سے ہوتا تو آپ اس کو لکھوانے سے کبھی اعراض نہ فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (ہائقرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔ (المائدہ ۵: ۶۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو شخص تم سے یہ کہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ نے کسی ایسی چیز کو پھیلا لیا جو آپ پر نازل کی گئی تھی تو اس نے جھوٹ بولا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۵، تقریر و التصویر، جز سادس، ص ۲۶۰)

جن علوم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں مطلع فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ مطلع فرمائیں ان میں سے بعض کا ذکر احادیث کے حوالہ سے علامہ ابن عاشور کی تحریر میں آگیا ہے اور اسی سلسلہ میں ایک حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک جلیل بیان کرتے ہیں کہ ایک سواری پر حضرت معاذ جلیل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے

تھے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا لیک یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں (یہ مکالمہ تین بار ہوا) آپ نے فرمایا جو شخص بھی صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خبر نہ سناؤں کہ وہ خوش ہو جائیں! آپ نے فرمایا پھر لوگ اسی پر ٹکیہ کر لیں گے۔ پھر حضرت معاذ جہنم نے موت کے وقت گنہ سے بچنے کے لیے (تاکہ علم کا چھپا لازم نہ آئے) یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جس شخص نے اللہ سے اس محل میں ملاقات کی کہ اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت معاذ نے پوچھا میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ اسی پر ٹکیہ کر لیں گے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۹)

قرآن مجید میں بھی اس سلسلہ کی ایک نظیر ہے:

وَاِذْ اَسْرٰ النَّبِيُّ اِلٰى اَتَعُوْا اٰتٰكُمۡ حٰدِثًا
فَلَمَّا بَيَّنَّاتُوْهُ وَاٰخَرُہُ اللّٰهُ عَلَیْہِ وَعَرَّفَ بَعْضَہٗ
وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا بَيَّنَّاهَا بِہٖ قَالَتْ مَن
اٰتٰكَ هٰذَا قَالَ تَبٰیۤسَ الْعَوٰلِمِ الْخٰبِرِ ۝

(التحریم: ۳)

اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی پھر جب انہوں نے اس راز کا کسی سے ذکر کر دیا اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرمادیا تو نبی نے انہیں کچھ بتادیا اور کچھ بتانے سے اعراض فرمایا۔ پھر جب نبی نے انہیں اس کی خبر دی تو وہ کہنے لگیں آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا مجھے بہت علم والے نہایت خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت صفہ رضی اللہ عنہا سے یہ راز بیان کیا کہ آپ نے اپنے اور حضرت ماریہ کو حرام کر لیا ہے۔ (بعض روایات میں شد کے حرام کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد شرعی حرام نہیں ہے بلکہ قسم کھانا مراد ہے) اور یہ فرمایا کہ آپ کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ حضرت صفہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتادیا تب نبی ﷺ نے حضرت صفہ سے فرمایا کہ تم نے ماریہ کے حرام کرنے کو افشاء کر دیا ہے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے راز کو افشاء کرنے سے آپ نے اعراض فرمایا تاکہ وہ مزید شرمندہ نہ ہوں اور امام ابو نعیم اور امام ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے والد اور عائشہ کے والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے سو تم یہ راز کسی کو بتانے سے اجتناب کرنا۔

(روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۵۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہم نے باحوالہ دلائل سے یہ بیان کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی ایک وہ قسم تھی جس کی ہر خاص و عام پر تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا یہ قرآن مجید کی تمام آیات ہیں اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور آپ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے جس میں آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں بیان فرمائیں۔ اس پر بھی ہم نے باحوالہ دلائل بیان کر دیے ہیں۔ اب رہی تیسری قسم یعنی وہ علم جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کا افشاء آپ پر واجب ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مقدمات کا علم عطا فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو یہ علم عطا نہیں فرمایا۔ فقہاء اختلاف کا یہی مذہب ہے اور سلف صالحین کا بھی یہی مذہب تھا کہ آیات مقدمات کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔

ملاحیون مقابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

مقابہ اس چیز کا اسم ہے جس کی معرفت کی امید منقطع ہو اور اس کے ظاہر ہونے کی اصلاً امید نہ ہو۔ وہ غایت خفایں ہوتا ہے اور حکم کی ضد ہے جو غایت ظہور میں ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس لفظ سے جو مراد ہے وہ حق ہے۔ اگرچہ ہم کو قیامت سے پہلے یہ پتا نہیں چلے گا کہ اس لفظ مقابہ سے کیا مراد ہے اور قیامت کے بعد اس کی مراد ان شاء اللہ ہر شخص پر منکشف ہو جائے گی اور یہ حکم امت کے حق میں ہے اور نبی ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد ہے کہ آپ کو لفظ مقابہ کی مراد قطعاً معلوم ہو اور نہ آپ سے اس کے ساتھ خطاب کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ ایسا ہو گا جیسے لفظ مہمل کے ساتھ خطاب لیا جائے یا کسی عربی کے ساتھ حبشی میں گفتگو کی جائے۔ (نور الانوار ص ۳۳ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت کی کمال اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ سے نہیں کہ آپ اللہ کے علم کی حکایت کریں۔ ہاں مگر اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہے اور یہ علم آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے، لیکن میرے نزدیک اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ شلب اللہ بن احمد بن علی بن حجر عسقلانی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا، بلکہ یہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور آپ کو لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے اسی طرح کہا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو امور غیب (قیامت) بارش ہونے، ماں کے پیٹ، کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا کا علم دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے، لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(خصائص کبریٰ ج ۳ ص ۱۶۰ مطبع مصر شرح الصدور ص ۳۱۹ مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت)

علامہ احمد قسطلانی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا، بلکہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور دوسروں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور علماء نے قیامت کے علم کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (الواب فی مع الزرقانی ج ۱ ص ۱۳۵)

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک خواب بیان کیا حضرت ابو بکر

نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! آپ مجھے اس خواب کی تفسیر کی اجازت دیں' پھر حضرت ابو بکر نے اس خواب کی تفسیر بیان کی 'بعد ازاں عرض کیا' آپ فرمائیں کہ میری تفسیر صحیح ہے یا غلط' آپ نے فرمایا 'بعض صحیح ہے' بعض غلط' حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! آپ ضرور بتلائیں میں نے کیا خطا کی ہے' آپ نے فرمایا 'قسم نہ دو۔'

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۰۳۶، مختصر)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کی تفسیر غیب کا علم ہے، اس لیے جائز تھا کہ آپ اس غیب کو اپنے ساتھ خاص رکھتے اور دوسروں سے مخفی رکھتے۔

(فتح الباری، ج ۱۲، ص ۳۳۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

ہم نے تفصیل سے دلائل کے ساتھ بتا دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں تھیں۔ ایک وہ علم جس کی تمام امت کو تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا۔ یہ تمام قرآن کریم ہے اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق قرآن مجید کی تفصیل اور بیان سے ہے اور دوسرا وہ علم ہے جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار تھا اور اس کا تعلق عموماً غیب کی خبروں سے ہے اور تیسرا وہ علم جس کا انشاء آپ پر واجب ہے۔ جیسے آیات مشابہات، تقدیر، وقت وقوع قیامت اور مدح کا علم اور یہ وہ اسرار ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے صرف اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ان پر مطلع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ کر دے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ۶۸)

شان نزول

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۳۰۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارث، سلام بن مشکم، مالک بن اعین اور رافع بن حریر آئے اور کہنے لگے یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت اور ان کے دین پر ہیں اور آپ اس تورات پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن تم نے دین میں کچھ نئی بدعت نکال لی ہیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لے لیا تھا تم نے ان کا انکار کر دیا اور اللہ نے تم کو جن چیزوں کے بیان کرنے کا حکم دیا تھا تم نے ان کو چھپا لیا سو میں تمہاری بدعت سے بری ہوں۔ انہوں نے کہا ہم ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور بے شک ہم ہدایت اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے نہ آپ کی اطاعت کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ (الآیہ)

(السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۱-۱۸۰، جامع البیان، ج ۶، ص ۴۱۸-۴۱۷)

یہود و نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، یہود اس لیے ہیں کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کریں جن کو منسوخ نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک انجیل پر ایمان لائیں اور آپ کی بعثت کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائیں جو تورات اور انجیل دونوں کا محافظ ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور نصاریٰ اس

لے مراد ہیں کہ انہوں نے انجیل کی ان بشارتوں سے اعراض کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق دی تھیں۔

تم کسی چیز پر نہیں ہو اس کا معنی یہ ہے کہ تم دین برحق کی کسی چیز کے حامل نہیں ہو۔ تم میں تقویٰ ہے نہ دیانت ہے نہ ہدایت ہے اور تم پر جو کتب نازل کی گئی تھی تم اس کی کسی چیز پر قائم نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے اصل احکام پر عمل نہ کرو اور قرآن مجید پر ایمان لا کر اس کے احکام پر عمل نہ کرو۔ اس وقت تک تم میں دین داری اور ہدایت کا ایک شے بھی نہیں ہو گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا کوئی عمل قابل ذکر اور لائق شمار نہیں ہے اور دین داری اور صاحب کتب ہونے کے تمہارے تمام دعووی جھوٹے اور باطل ہیں خواہ تم دنیا میں اہل کتب کہلاتے رہو لیکن آخرت میں تمہارا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

نزول قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا

نیز یہ فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول بن کے کفر اور سرکشی کو اور زیادہ کرے گا کیونکہ قرآن مجید نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے اور ان کی بدعتیں گویں کو باطل کیا ہے اور بن کو کافر قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ قرآن مجید سے حسد اور بغض رکھتے ہیں اور جوں جوں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی ہیں ان کے حسد اور بغض میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ زیادہ شد و دہ سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔ نیز یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اسلام کے دین مستقیم ہونے پر مدعا ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی ہے یہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ نیز اکتنے ہی تاریخی حقائق انہوں نے لفظ بیان کیے تھے جن کی قرآن مجید نے تکذیب کر دی اس لیے یہ قرآن مجید کے خلاف اور زیادہ سرکشی کرتے ہیں۔

نبی ﷺ پر چونکہ رحمت غالب تھی اس لیے ان کے کفر اور سرکشی سے آپ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کافروں کی (اس) قوم پر افسوس نہ کریں کیونکہ سرکشی ان کی سرشت بن چکی ہے یہ لوگ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں لہذا آپ ان کے انجام بد پر افسوس نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی صابین اور نصاریٰ جو بھی اللہ اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (المائدہ: ۶۸)

الصائبون کے رفعی حالت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں الصائبون حالت رفع میں ہے اور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے اس کو حالت نصب میں الصابین ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الصائبون مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدمہ ہے۔ کذا لکھ جس پر ان کی خبر دلات کرتی ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ان الذین امنوا والذین ہادوا والصابیون من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیہم ولا هم یحزنون والصابیون کذا لکھ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "ان" فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اس لیے عامل ضعیف ہے۔ اگر معطوف علیہ میں اس کا عمل ظاہر ہو (یعنی ظاہر اسم پر نصب ہو) تو معطوف میں بھی اس کے عمل کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور اگر معطوف علیہ میں اس کے اسم پر ظاہر نصب نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو پھر معطوف میں بھی نصب کا عمل ضروری نہیں ہے اور اس کے اسم پر ابتداء کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی!

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مبتداء اور خبر میں تغیر ہوتا ہے اور اس آیت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے۔۔۔ جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق ہے جو صرف زبان سے ایمان لائے تھے۔ جیسے منافق، ان کے متعلق فرمایا: جو بھی شخص زبان سے ایمان لایا ہے، اگر وہ دل سے ایمان لایا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جواب ایمان لایا ہے اگر وہ ایمان پر دائم اور برقرار رہا، مرتد نہ ہو اور اس کا ایمان پر ہی خاتمہ ہوا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا۔

اس آیت پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے نجات کے لیے اسلام لانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہودی، نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ صحیح ایمان لائیں اور یہودی جو عزیر کو خدا مانتے ہیں اور عیسائی جو حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں، اور صلیب جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں ان کا ایمان صحیح نہیں ہے، ان کا ایمان اس وقت صحیح ہو گا جب وہ اپنی بد عقیدگیوں سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ یہ دونوں اعتراض ترجمہ سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔ تاہم دوسرے اعتراض کے جواب کی مزید وضاحت کے لیے ابقرہ ۳۳ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (رسوئوں کے) ایک گروہ کو جھٹایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ (المائدہ: ۷۰)

اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ بنو اسرائیل اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو پورا نہیں کرتے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کے تمام احکام کو سن کر قبول کریں گے، اور ان تمام احکام پر عمل کریں گے، لیکن انہوں نے ان پختہ عہد کو توڑ دیا اور اپنی آراء اور خواہشوں کو احکام شریعہ پر مقدم کیا۔ شریعت کا جو حکم ان کی رائے اور خواہش کے موافق ہوتا، اس پر عمل کرتے اور جو اس کے خلاف ہوتا، اس کو رد کر دیتے۔ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو (اس کی) کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۱)

فتنہ کے معنی

فتنہ کے کئی معانی ہیں۔ تفصیلات اور مصائب کو بھی فتنہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بد اعمالیوں کی جو سزا دیتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں، اور اس آیت میں یہی معنی مرلوپے اور اللہ کے نیک بندوں کو جس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ اس فتنہ کی وجہ سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کو بھی فتنہ فرمایا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، اور نبی پیغمبر نے دجال کو فتنہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو بارہا سوک کیا ہے اس کی دنیا میں ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب طاری نہیں ہوں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور اگر ان کو عذاب ہو تو صرف چند دن عذاب ہو گا جتنے دن انہوں نے پھڑے کی پرستش کی تھی۔

بنو اسرائیل کا ہدایت سے دو بار اندھا اور بہرا ہونا

اس آیت میں بنو اسرائیل کے متعلق دو مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے دیکھ کر ہدایت حاصل کی اور نہ سن کر ہدایت حاصل کی ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان پر قحط مسلط ہو گیا اور ان پر دباؤ طاری کی گئی لیکن انہوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض پیدا کر دیا گیا وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے لیکن انہوں نے اس سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بنو اسرائیل ہدایت کو حاصل کرنے سے دو مرتبہ اندھے اور بہرے ہوئے ایک مرتبہ حضرت زکریاؑ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان میں سے بعض کو ایمان لانے کی توفیق دی۔ ان میں سے پھر بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور سیدنا محمدؐ پیغمبر کے زمانہ میں انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور کم و گم ایمان لانے جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں۔

اس آیت کا دوسرا عمل یہ ہے کہ پہلی بار یہ اندھے اور بہرے اس وقت ہوئے جب انہوں نے پھڑے کی پرستش کی پھر انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی پھر دوبارہ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے جب انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور یہ کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو حکم کھلا دیکھ نہ لیں۔

اور اس کا تیسرا عمل یہ ہے کہ جب ان کے پاس حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھیجے گئے تو یہ ہدایت حاصل کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور اس کے بعد پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی عظیم حادثوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کو پیش آئے۔ پہلا حادثہ وہ تھا جب اشور کا بلو شاہ کئی مرتبہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا یہ ۶۰۶ء ۵۹۸ء ۵۸۸ء قبل مسیح کے واقعات ہیں وہ تیسری مرتبہ یروشلیم میں داخل ہوا۔ اس نے مسجد کو جلا دیا اور تمام بنو اسرائیل کو ہانک کر بابل لے گیا اور وہیں ان کو قید کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور فارس کا بلو شاہ کورشؑ اشورین پر غالب آیا اور اس نے ۵۳۹ء قبل مسیح بابل پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں اور ان کو آباد کریں۔ سو وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا اس کے بعد انہوں نے پھر تفریق اور سرکشی کی اور یہ پھر ہدایت اور راہ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور تب دو سرا حادثہ پیش آیا۔ جب قیطس بن ابیراطور رومی نے یروشلیم کا محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ یہود بھوک سے مجبور ہو کر چڑا کھانے لگے اور بعض اوقات بھوک سے بلبلہ کر ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے اس نے دس لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا اور ستانوے ہزار یہودیوں کو قید کر لیا یہ ۷۰ء کا واقعہ ہے۔ پھر ابن ابیراطور رومی ۷۰ء سے ۷۳۸ء تک اس کے بعد حکمران رہا اس نے ان کے شر کو منہدم کر کے سپاٹ زمین بتا دیا اور اس وقت دنیا میں یہودیوں کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ان کا وطن ملیا میٹ ہو چکا تھا۔ (التحریر والاشہاد ج ۶ ص ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲)

یہ دونوں تاریخی واقعے جو بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی پاداش میں رونما ہوئے تھے ان کی طرف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَصَّصْنَا فِي الْكِتَابِ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ فِي الْأَرْضِ
مَنْزِلَتَهُمْ وَأَنزَلْنَا
كَيْبَرًا عَلَيْهِمْ وَوَعَدْنَا
أُولَئِكَ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ
عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ فَجَاسُوا بِحُلَلِ
الْكِبَارِ وَكَانَ وَعْدًا
مَّفْعُولًا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ
الْكُفْرَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ
بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَ
جَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا
إِنَّ أَحْسَنَ مَا أَحْسَنْتُمْ
لِنَفْسِكُمْ وَلَئِنْ أَسَأْتُمْ
فَلَهَا فَيَاذَا جَاءَ
وَعْدُ الْأَخِرِ لِبُسُوفٍ
وَأُخُوفِكُمْ وَبَدَحُوا
الْمَسِيحَ كَمَا دَحَلُوا
أَوَّلَ مَرْثُوًّا يُبْتَرُوا
مَا عَلَوْا تَنْبِيرًا
عَلَى رُكُومٍ أَوْ يَكُونُ
أَكْثَرُ حَكَمٍ وَلَئِنْ
عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا
(بنی اسرائیل ۳۰-۸)

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں قطعی طور پر یہ بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ○ تو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کر دیئے سو وہ تمہاری تلاش کے لیے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور پورا ہوتا تھا ○ پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دوبارہ لوٹا دیا اور مال اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی اور تمہاری تعداد بڑھا دی ○ اگر تم نے نیک کام کیے تو تم نے اپنی جانوں کے ساتھ جہنمی کی اور اگر تم نے برے کام کیے تو اپنے ساتھ برائی کی پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے دوسرے ظالموں کو تم پر مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہروں کو محض کر دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسا کہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے چادو برہا کر دیں ○ فقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم پھر غنہ اب دیں گے اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے نید خانہ بنا دیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دوبارہ شرارت کریں گے۔ اس کی سزا میں دشمن ان کے ملک پر غلبہ ہو جائیں گے۔ پہلے وعدہ سے مراد بخت نصر کا حملہ ہے جو ولادت مسیح سے ۵۸۸ سال قبل ہوا اور دوسرے وعدہ سے قیطس (قیطس) یا رومی کا حملہ ہے جو ۷۰ء میں ہوا۔ ان دونوں حملوں میں یہودیوں پر مکمل تباہی آئی اور مقدس عکمل کو برباد کر دیا گیا۔

چونکہ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ انہوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے اور ان کو قتل کیا ہے ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کرنے کے لیے فرمایا کہ انہوں نے دوبارہ سرکشی کی اور ہر بار اللہ نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی جس سے تمام یہودی دیر ان اور برباد ہو گئے اور ہر سزا کے بعد انہوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد وہ پھر اندھے نور بہرے ہو گئے۔ سو اب اگر انہوں نے ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سعی کی تو یہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا انہوں نے آپ کی تکذیب بھی کی اور دوبارہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی آپ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو قتل کیا گیا اور جلا وطن کیا گیا اور دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا

تھا اسے بنی اسرائیل! اللہ کی عہدت کہ جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور خالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے (المائدہ ۴۲)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد

یہ آیت ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیرا قرار دیتے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بد اعمالیوں کا بیان فرمایا اور ان کے شہادت کا ابطال کیا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد شروع کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو ان کا الوہیت کا عقیدہ تھا اس کو باطل کیا ہے اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے ان کا رد کیا ہے اور یہ ان کے خلاف حجت قاطعہ ہے۔

نصاری میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم علی اللہ ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین اقانیم (اصلوں) سے مرکب ہے۔ باپ بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلوں کر کے اسکے ساتھ متحد ہو گیا اور وہ روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور ان کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

قَالَ ابْنِي عَبْدُ اللَّهِ اَنْتَ الْكَتَّابُ وَحَمَلْتَنِي
يَسَّاءُ وَحَمَلْتَنِي مُبَارَكًا اَمَّنَ مَا كُنْتُ وَ
اَوْصَانِي بِالْمَعْلُوءَةِ وَالزَّكُوَّةِ مَا دُمْتُ حَيًّا
(میریم: ۳۰-۳۱) کا حکم دیا۔

(مسیح نے کہا) بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور میں جہاں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

اور اس آیت میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل فرمایا ہے جو اسرائیل! اللہ کی عہدت کہ جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمِمَّنْ إِلَهِ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اشرتین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ سوا ایک مہبود کے

إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ

کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۳ فَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ

ان کو نہایت دردناک عذاب مزد پہنچے گا ۝ وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۴۴ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ

طلب کرتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۝ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت

خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ

رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے ،

أَنْظُرْ كَيْفَ بُيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِّي يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ

دیکھیے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کیسی اونٹنی بنیں گے میں ۵ آپ کہیے کیا

أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۗ وَاللَّهُ

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ

کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۵ آپ کہیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُوا كَثِيرًا

ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں

وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾

گمراہ کیا اور وہ خود راہِ راست سے ہٹ چکے ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے 'علائکہ سوائے

ایک معبود کے کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے 'ان کو

نہایت دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (المائدہ: ۷۳)

معتقد تین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد

قدیم عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ 'مریم اور عیسیٰ تین خدا ہیں اور قرآن مجید نے انہی لوگوں کا رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ ۖ آتَتْ قُلَّتْ

لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا ہیں

لِلنَّاسِ اتَّخَذُوا مِنِّي وَلِيًّا ۚ وَمِنِّي الْهَمِيمُ مِنَ دُونِ اللَّهِ

لو وہ عرض کریں گے تو پاک ہے 'میرے لیے یہ جائز نہیں کہ

قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ

میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔

لِيُحْدِثَ بَعْثِي (المائدہ: ۷۴)

اور متاخرین عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جو ہر واحد تین اکنیم (مجلس) ہیں۔ باپ 'بیٹا اور روح القدس 'اور یہ تینوں ایک خدا ہیں

جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرص 'شعلہ اور حرارت۔ اور باپ سے ان کی مراد ہے ذات 'اور بیٹے سے مراد ہے کلمہ '

اور روح سے مراد ہے حیات۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ کے جسم میں مخطوط ہو گیا 'جیسے پانی شراب میں

غلو ہو جاتا ہے، یہیانی دودھ میں غلو ہو جاتا ہے، اور بن کا زعم ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے۔
عیسائیوں کا یہ قول بدیہی بطلان ہے، کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتا، اور عیسائیوں کے اس قول سے زیادہ فاسد اور باطل قول دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے، حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (المائدہ: ۴۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم ہے اور اس کا بے حد لطف اور احسان ہے کہ عیسائیوں کے اس کذب اور افتراء اور ان کے شرک کے باوجود ان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھئے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر دیکھئے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات پیش کیے۔ اس طرح ان رسولوں نے بھی معجزات پیش کیے تھے، اگر حضرت عیسیٰ نے مادر زاد اندھے کو دیکھ کر دیکھا اور مردوں کو زندہ کیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاشوں کو زندہ کیا اور اس کو دوڑاتا ہوا اور چاہا دیا، اور سمندر کو چیر کر اس میں بارہ راستے بنادئے اور لاشوں کو زمین پر مارا تو اس سے چمٹے اٹھنے لگے اور اگر حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام مولود عورت دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، جب دوسرے انبیاء معجزہ دکھانے سے خدا نہیں ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزہ دکھانے سے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے، اس سے مقصود حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق عیسائیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ وہ دونوں خدا ہیں، اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ ہر وہ شخص جس کی ماں ہو، وہ مخلوق ہوتا ہے، یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا، اس کے بعد موجود ہوا اور جس شخص کی یہ صفت ہو، وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے اور جو شخص اپنی نشوونما اور بڑا ہونے کا محتاج ہو، وہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے۔

۳۔ اگر حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں خدا ہوتے تو وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے اور جب وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے تو کھانے کے بغیر بھوک کی تکلیف کو مٹانے پر قادر ہوتے اور جب وہ ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا شمار نبی لکھا ہوا ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ: ابرہام سے اسحاق پیدا ہوا اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یسوع پیدا ہوا اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ (الی قولہ) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا، یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوئے جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب ہشتیوں ابرہام سے داؤد تک چودہ ہشتیوں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بائبل جانے تک چودہ ہشتیوں

اور گرفتار ہو کر بھل جانے سے لیکر مسیح تک چودہ ہشتی ہوئیں۔ (حتیٰ کی انجیل 'باب' آیت ۷۷، 'مطالعہ' ص ۵، 'مطبوعہ' لاہور)

اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی معقنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حملہ پائی گئی، پس اس کے شہر یوسف نے جو راستہ باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ابن باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔

(حتیٰ کی انجیل 'باب' آیت ۲۲-۱۸، ص ۵، 'مطبوعہ' لاہور)

غور کیجئے! جس شخص کا پورا شجر و نسب موجود ہے، جو اپنی ماں مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا، پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھا، وہ اپنی پیدائش سے پہلے موجود سارے جہان کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کو خدا لئی اور استحقاقِ عہد کب زیبا ہے؟ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھانے پینے کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ خدا ہوتے تو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوتے۔ ان کے کھانے پینے کا ذکر موجود بائبل میں بھی ہے۔

وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بچ آکر آہا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو O مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو، کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو O اور یہ کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے O جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا: میں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے O انہوں نے اسے بھی ہوئی چھل کاغذ دیا O اس نے لے کر ان کے رو برو کھایا۔ (لوقا کی انجیل 'باب' ۲۲، آیت ۳۶-۳۴، ص ۷۸، 'مطبوعہ' لاہور)

انجیل کے اس اقتباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو یقین دلارہے ہیں کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسان ہیں، روح نہیں ہیں اور وہ کھاتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا ہے کہ وہ مادی انسان ہیں، روح نہیں اور مادہ سے مجرد نہیں ہیں تو پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ نیز انجیل میں ہے اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا اسے بھوک لگی (حتیٰ کی انجیل 'باب' ۲۱، آیت ۱۳، ص ۲۵، 'مطبوعہ' لاہور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کسی چیز کا بھی محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح انسان تھے، ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، ان کا جسم انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا تھا، ان میں تمام انسانی صفات تھیں، انہیں بھوک لگتی تھی، وہ کھاتے پیتے بھی تھے، سوتے جاتے بھی تھے، انہیں درد سے تکلیف بھی ہوتی تھی، کیونکہ انجیل میں مذکور ہے اور تیسرے پیر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ایلہی ایلہی لما شفیقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا (حتیٰ 'باب' ۲۷، آیت ۳۷، ص ۳۳) اب ایسے شخص کے متعلق کوئی صاحب عقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص خدا ہے، تمام جہان کا پیدا کرنے والا ہے، بائبل کے متعلق حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے چانسی پر لٹکادیا اور تین دن تک وہ مردہ رہے، اسکے بعد جی اٹھے سوال یہ ہے کہ اگر مسیح خدا تھے تو جب وہ تین دن مردہ رہے، تو انکے بغیر یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟ انجیل میں ہے:

یاد کرو جب وہ گیل میں تھا تو میں نے تم سے کہا تھا ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حواسہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے۔ (لوقا کی انجیل 'باب ۲۴' آیت ۷-۸، ص ۸۰، مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ابن آدم فرمایا تھا نہ کہ ابن اللہ اسوان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا ان پر افتراء اور بہتان ہے اور اس مضمون کی آیات خود ساختہ اور من گھڑت ہیں جو بعد کے عیسائی مصنفین نے وضع کر کے اللہ کے اصل کلام میں ملا دی ہیں یہ بات اچھی طرح دہن نشین کرنی چاہیے کہ موجودہ انجیل میں کچھ عبارات تو وہ ہیں جو دراصل اللہ کا کلام ہیں۔ ہم نے سورۃ آل عمران کی ابتداء میں ان کی مثالیں دی ہیں اور قرآن مجید ان ہی کا صدق ہے اور دوسری عبارات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین نے بہ طور خور لکھی ہیں۔

حضرت مریم کے فیہ نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے اور ان کی ماں بہت سچی ہیں ان کو صدیقہ اس لیے فرمایا کہ وہ گناہوں سے بہت پاک تھیں اور اللہ کی عبادت کرنے کی بہت جدوجہد کرتی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کی تصدیق کی۔

شیخ ابن حزم عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت سارہ، حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں سیدہ مریم کو بیہ مانتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ان کی طرف وحی کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ وحی بہ معنی الہام ہے اور نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا تَوْحِيحُ
إِلَيْهِمْ قَوْلًا أَهْلَ الْقُرَىٰ (یوسف ۸۵)

ہم نے آپ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم بستیوں کے رہنے والوں سے وحی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے ہیں تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (المائدہ ۷۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال

اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر ایک اور دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے جو پرندے بنا کر اڑائے جن مردوں کو زندہ کیا جن کوڑھیوں کو شفا دی اور جن مرد زوائد حوں کو چھڑایا یہ سب کلام انہوں نے اللہ کی وحی ہوئی قدرت سے کیے۔ وہ اپنی ذاتی طاقت اور قدرت سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تھے۔ موجودہ بائبل میں بہت جگہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کرتے تھے اگر وہ خود خدا تھے اور نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک تھے تو ان کو خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر ان باتوں کے کوئی آٹھ روز بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا جب وہ دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔

(لوقا کی انجیل 'باب ۹' آیت ۲۸-۲۹، ص ۶۳، مطبوعہ لاہور)

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزار دی۔

(لوقا کی انجیل 'باب ۶' آیت ۱۲، ص ۵۸، مطبوعہ لاہور)

پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا جب کہ دعا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا اے خداوند! جیسا یوحنا

نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا، تو بھی ہمیں سکھائے اس نے ان سے کہا: جب تم دعا کرو تو کہو اے باپ! تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے، ہماری روز کی روشنی ہمیں ہر روز دیا کر۔ اور ہمارے گناہ معاف کر، کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔ (لوقا کی انجیل، باب ۱۱، آیت ۱۳-۱۴، ص ۵۷، مطبوعہ لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساری ساری رات دعا کرنا، یہ کثرت دعا کرنا اور اپنے پیروؤں کو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تعلیم دینا، اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے، اور نہ ان کے پیروکار ان کو ایسا جانتے تھے، اور نہ ان کو خدا سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی عبادت کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی، اور اس سے کہا، اگر تو مجھے جھک کر سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان! دور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی کی انجیل، باب ۳، آیت ۹-۱۰، ص ۷، مطبوعہ لاہور)

پس رسول یسوع مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں، جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا، اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی، اور بلوغت پانچا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا کر فرما بیرواری کی۔ (عبرانیوں کے نام پر رسول کا خط، باب ۵، آیت ۸-۱۰، ص ۲۱۳، مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت عبادت گزار، فرمانبردار اور رورہ کر اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے، اور جو تمام جہان کا خدا ہو، اور اپنی قدرت سے نفع اور نقصان کا مالک ہو، وہ کسی کی عبادت اور فرمانبرداری کرنے اور کسی سے رورہ کر دعائیں کرنے سے پاک اور خیر ہوتا ہے۔

نیز پولس رسول لکھتے ہیں:

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو، جو رحمتوں کا باپ اور ہر طرح کی تسلی کا خدا ہے۔ (کونٹھوں کے نام پر رسول کا دوسرا خط، باب ۱، آیت ۳، ص ۱۶۸، مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک یسوع مسیح خدا نہ تھے، بلکہ یسوع مسیح خود خدا کو ماننے والے تھے۔ اسی کی وہ عبادت کرتے تھے، اسی کی فرمانبرداری کرتے تھے اور اسی سے رورہ کر دعائیں کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کا پولس رسول کا اور ہم سب کا خدا ہے۔ اس کو باپ کہنا اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا اور خداوند کہنا، یہ سب عیسائی علماء کی بعد کی تحریفات ہیں۔ باپ ہونا اور بیٹا نہ کہنا مخلوق کی صفات ہیں، اللہ عز و جل اس سے بلند و برتر ہے، اس کی صفات وہی ہیں جو صرف اس کے شایان شان ہیں اور مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہیں، جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک اور مثل نہیں، وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے۔ اس کی ہر صفت مستقل اور غیر بے مستثنیٰ ہے، اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں باحق زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں، اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا، اور وہ خود راہ راست سے بھٹک چکے ہیں۔ (المائدہ: ۷۷)

غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد کیا، پھر نصاریٰ کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد فرمایا۔

اب دونوں فریقوں کو خطاب کر کے فرما رہا ہے اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو غلو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حق اور ایک باطل۔ غلو حق یہ ہے کہ کسی صحیح اور حق چیز کے بیان میں مبالغہ کیا جائے جس سے اس کو سوکھ کرنا مقصود ہو۔ اور غلو باطل یہ ہے کہ کسی چیز کی تحقیر میں زیادتی کی جائے یا کسی چیز کی تعظیم میں زیادتی کی جائے۔ یسوع نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کمی کی حتیٰ کہ ان کی طرف زنا کو منسوب کیا ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اور عیسائیوں نے انبیاء کی تعظیم میں غلو کیا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہلا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یہ خود بھی گمراہ ہیں اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس آیت میں اس زمانہ کے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم اپنے اہل اور رہبان کی پیروی نہ کرو وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور تم کو بھی گمراہ کر دیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یسوع سے یہ فرمایا ہو کہ تم عزیر کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا اور عیسائیوں سے فرمایا تم عیسیٰ کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہلو۔

لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی

عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۵﴾

مکئی ۱ یوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۵

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۶﴾

وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا وہ کب برا کام تھا جو وہ کرتے تھے ۶

تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں وہ کبھی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی

لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خِلْدُونَ ﴿۷﴾

آفرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے ۷

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا نَزَّلَ إِلَيْهِمَ مَا اتَّخَذُوا

اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست

أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ

دشمن تھے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ۸ آپ بھی لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ رکھیں

عَدَاوَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ

زیادہ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں ۔ اور آپ جن لوگوں کو

أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ

مساہزن کا سب سے قریب دوست پائیں گے ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم جیسا ہیں ، کیوں کر ان

بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۶﴾

میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ قسیر جیسی کرتے ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی

کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے (المائدہ: ۷۸)

تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بنو اسرائیل پر ہر زبان میں لعنت کی گئی۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے عہد میں ان پر تو رات میں لعنت کی گئی، حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ان پر زور میں لعنت کی گئی اور سیدنا

محمد ﷺ کے عہد میں ان پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ (جامع البیان ۶/۲: ص ۳۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب

اپنے کسی بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو سختی سے منع کرتا، اور دوسرے دن جب اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع

نہ کرتا اور اس کے ساتھ مل جل کر رہتا اور کھاتا پیتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل ایک دوسرے

کی طرح کر دیئے اور ان کے نبی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات

کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اتم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور ضرور برائی کرنے

والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرونا، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی طرح کر

دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی ہے۔

(جامع البیان ۶/۲: ص ۳۲۸-۳۲۷، مسند ابویعلیٰ ۸/ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۳۵، مسند احمد ۱/ج ۱، ص ۳۹۱، طبع قدیم)

المائدہ: ۷۸ کی تفسیر میں ہم نے اس حدیث کی زیادہ تخریج کی ہے اور اس کو سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور

المعجم الاوسط کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر انجیل اور زبور میں لعنت کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا ایمان کی نیکی گھوم رہی ہے۔ جس طرف قرآن پھرے، تم اس طرف پھر جاؤ۔ جن چیزوں کو فرض کرنا تھا اللہ تعالیٰ ان سے

قانع ہو چکا ہے۔ بے شک بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا وہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے، ان

کی قوم نے ان کو پکڑ کر آروں سے چیر دیا اور ان کو سوئی پر لٹکا دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ باقی بچے جن کو بدشاہوں کے پاس جانے

لور ان کی مجالس میں بیٹھے بغیر قرار نہیں آیا۔ پھر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے بغیر ان کو چین نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے لور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ (جامع البیان '۶۲' ص ۳۲۹)

حافظ عبد اللہ بن یوسف زہلی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ولیمہ میں بلایا۔ جب وہ گئے تو وہیں لھو (گانے بجانے) کو سنا تو حضرت ابن مسعود واپس آ گئے۔ اس نے پوچھا آپ کیوں واپس آئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ ان ہی میں سے ہو گا اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا وہ اس عمل کے مرتکبین میں شریک ہو گا۔ اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد والرقائق میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ انہوں نے وہیں (گانے بجانے کی) آواز سنی تو واپس آ گئے۔ ان سے پوچھا گیا آپ کیوں نہیں گئے؟ تو فرمایا: میں نے آواز سنی اور جس شخص نے کسی جماعت میں اضافہ کیا اس کا شمار ان ہی میں ہو گا اور جو کسی عمل سے راضی ہوا وہ اس عمل میں شریک ہو گا۔

(نصب الراية 'ج ۲' ص ۳۳۱-۳۳۲ اتفاق المسنين 'ج ۶' ص ۳۸۸ مسند القرويين للعلامة زہلی رقم الحدیث: ۵۳۲۱ الطالب العلمی للعتقانی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۵)

حافظ زہلی، مفتی مسقلانی اور علامہ زبیدی نے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے بیان کی ہے، لیکن مجھے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کے مطلوبہ نسخوں میں نہیں ملی لور نہ ہی مجھے حضرت ابوذر کی روایت امام ابن المبارک کی کتاب الزہد میں ملی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے (المائدہ: ۷۹)

بنو اسرائیل حرام کام اور گناہ کرنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ان گناہوں سے نہ روکنا حرام کاموں کو کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا بہت برا کام تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے نہ روکنے کی تبلیغ میں وہ سب شریک تھے۔ نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے ساتھ ملنا جلنا اور سوشل لور سماجی روابط رکھنا بھی ناجائز لور حرام ہے لور ان سے ترک تعلق کرنا واجب ہے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لور اس سے پہلے المائدہ: ۵۴ کی تفسیر میں جن احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں وہ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہو اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے (المائدہ: ۸۰)

اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے یا یہ خطاب عام ہے لور ہر مخاطب مراد ہے لور ان میں سے اس سے مراد اہل کتاب ہیں یا بنو اسرائیل اور فرمایا ہے آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے اس سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت مکہ گئی تھی تاکہ ان مشرکین مکہ کے ساتھ اشتراک کر کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں لیکن بات نہیں بنی۔ انہوں نے جو کام کیے ہیں یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کا موجب ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور اللہ کی ناراضگی کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! تم زنا سے بچے رہنا کیونکہ زنا پر چھ چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں دنیا میں اس فعل سے رونق چلی جاتی ہے۔ تنگ دستی اور مفلسی آتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے اور آخرت میں اس فعل کی وجہ سے رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور حساب سخت ہوتا ہے اور دوزخ میں دائمی عذاب ہوتا ہے (دوام سے مراد لمبا عرصہ ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ امام ابن مرددہ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی ہر سند ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲)

میں کہتا ہوں کہ تعدد اسناد کی وجہ سے یہ حدیث حسن فیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ (المائدہ: ۸۴)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

- ۱۔ اگر یہ یہودی اللہ پر صحیح ایمان لاتے اور حضرت موسیٰ پر اور تورات پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے
 - ۲۔ اگر یہ یہودی اللہ پر کامل ایمان لاتے اور سیدنا محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ جن لوگوں کو سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں اور آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں کیونکہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (المائدہ: ۸۴)
- نجاشی کا اسلام لانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبشہ بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے نبی ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا نبی ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا وہ مسلمان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر وہ وفد نجاشی کے پاس گیا اور اس کو خبر دی تو نجاشی بھی مسلمان ہو گیا اور وہ تلامذہ مرگ مسلمان رہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو پھر رسول اللہ ﷺ نے منہ میں اس پر نماز پڑھی اور نجاشی (کا جنازہ) اس وقت جہنم میں تھا۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ ﷺ کی زوجہ) بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں پہنچے تو ہمیں نجاشی نے وہاں پناہ دی ہم نے اپنے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ہم کو نہ کوئی ایذا دی جاتی تھی نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے تھے۔ جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے متعلق نجاشی کے پاس دو قوی آدمی بھیجے جائیں اور مکہ کی عمدہ چیزوں میں سے نجاشی کے لیے ہدیے بھیجے جائیں۔ ان لوگوں کو چہرا پسند تھا تو انہوں نے بہت سے چمڑے جمع کر لیے ان کے سرداروں میں سے ہر شخص کو انہوں نے چمڑے اور تحفے دینے کا فیصلہ کیا پھر انہوں نے عبد اللہ بن ابی ریحہ اور عمرو بن اعاص کو یہ ہدیے

دے کر روانہ کیا اور ان سے کہا مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیے دے دیئے جائیں۔ وہ جیسے پہنچ گئے اور نجاشی کے ساتھ ملاقات سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیے دیئے اور ہر سردار سے یہ کہا تمہارے بادشاہ کے ملک میں ہمارے چند بلوین لڑکوں نے آکر پناہ لی ہے، وہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ تم جانتے ہو، اور ہماری قوم نے اپنے معزز لوگوں کو بھیجا ہے تاکہ وہ ان کو واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں تو تم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا پھر انہوں نے نجاشی کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے کہا اے بادشاہ آپ کے ملک میں ہمارے کچھ بلوین لوگ آگئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ آپ اور ہم کو آپ کی طرف ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے جو ان کے آباء و اجداد اور رشتہ دار ہیں تاکہ آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبداللہ بن ابی رہبہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات نہ پہنچائیں تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے اس کے سرداروں نے کہا ان دو آدمیوں نے سچ کہا ہے۔ ان لوگوں کے کرتوتوں کو ان کی قوم ہی بہتر طور سے جانتی ہے سو آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے تاکہ یہ ان کو ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا یہ سن کر نجاشی غضبناک ہوا اس نے کہا نہیں! خدا کی قسم میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے میری پناہ لی ہے اور میرے ملک میں آئے ہیں اور جنہوں نے دو سروں کی بجائے مجھے اختیار کیا ہے جب تک میں ان سے سوالات کر کے تحقیق نہ کروں ان کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نیک جیسا تم نے کہا ہے تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر ایسا نہ ہو تو میں ان کی حفاظت کروں گا اور جب تک یہ میری پناہ میں رہیں گے ان سے حسن سلوک کروں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو بلایا۔ جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلایا اور وہ اس کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔

حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور تم اس کی وجہ سے نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان لوہان میں سے اور کسی دین میں داخل ہوئے؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا جس شخص نے ان کو جواب دیا وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ ہم جاہلوں کی قوم تھے بتوں کی عبادت کرتے تھے مردار کھاتے تھے بے حیائی کے کام کرتے تھے رشتوں کو توڑتے تھے پڑوسیوں سے بد سلوکی کرتے تھے ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا ہم اسی محل پر تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا۔ جن کے نسب ان کے صدق ان کی امانت داری اور ان کی پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اس کو واحد مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کو چھوڑ دیں اور انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتوں کو ملانے، پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے، حرام کھانوں اور خون ریزیوں سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تمسک لگانے سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم فقط اللہ کی عبادت

کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ لہا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا انہوں نے اسلام کے تمام احکام گنوائے۔ سو ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور ہم اس پر ایمان لے آئے اور وہ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے ہم نے ان پر عمل کیا اور فقط اللہ وعدہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہم پر حرام کیا تھا ان کو ہم نے حرام قرار دیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حلال کیا تھا ان کو ہم نے حلال رکھا۔ اس بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔

انہوں نے ہم کو عذاب میں مبتلا کیا اور ہم کو ہمارے دین سے چھڑانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا کیا تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے چھڑا کر بتوں کی عبادت کی طرف لے آئیں اور پھر ان ہی بد کاریوں کو حلال کرنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھ کر کرتے تھے۔ سو جب انہوں نے ہم پر قرار و ظلم کیا اور ہم پر ہماری معیشت کو تنگ کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان مائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم نے دوسروں کی بجائے آپ کو پسند کر لیا اور آپ کی پناہ میں رغبت کی اور ہم نے یہ امید رکھی کہ اے بلو شلہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر نجاشی نے کہا کیا تم کو اللہ کے کلام کی کچھ آیتیں یاد ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا مجھے سنو۔ تو حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا اے اکی قسم! وہ آیتیں سن کر نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے علماء بھی رونے لگے اور ان کے مصاحف ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر ان سے نجاشی نے کہا بے شک یہ دین اور جس دین کو عیسیٰ لے کر آئے تھے یہ دونوں دین ایک ہی طاق سے نکلے ہیں پھر ان دونوں مشرکوں سے کہا چلو! تم واپس جاؤ! بخدا میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔

کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا

حضرت ام سلمہ نے فرمایا جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکل گئے تو عمرو بن العاص نے کہا بخدا میں کل پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جس سے ان کی جرئت جائے گی۔ عبد اللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو! اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں لیکن ہماری ان کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں اس نے کہا میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں پھر اگلے دن وہ گیا اور نجاشی سے کہا اے بلو شلہ! یہ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر ان سے پوچھئے کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر بلو شلہ نے ہم کو بلوایا اور اس جیسی آزمائش ہم پر پہلے نہیں آئی تھی جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بلو شلہ نے پوچھا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ جب ان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی شہید کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہے جو اس نے کنواری پاک دامن مریم کی طرف القاء کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تکا اٹھایا۔ پھر کہا بخدا اتم نے جو کچھ بیان کیا ہے عیسیٰ بن مریم اس سے ایک تنگے سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جب نجاشی نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق یہ کہا تو اس کے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں نے غصہ سے پھنکارنا شروع کر دیا۔ نجاشی نے کہا ہر چند کہ تم غصہ سے پھنکار رہے ہو (اور مسلمانوں سے کہا) تم میری سر زمین میں مامون ہو جو شخص تم کو گل دے گا اس پر جرم نہ ہو گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس سونے کا پاڑ ہو اور میں اس کے بدلہ میں تم میں سے کسی شخص کو لے آؤں۔ ان لوگوں کے ہونے اور تجھے ان کو واپس کر دو۔ ہم کو ان کی ضرورت

نہیں ہے۔ بخدا جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں ان سے کیسے رشوت لوں گا؟
حضرت ام سلمہ نے فرمایا تو وہ دونوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) نجاشی کے پاس سے ٹاکام اور ٹامرا ہو کر ہوئے اور ہم نجاشی کے ملک میں اچھے گھر اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔ اسی اثنا میں نجاشی کے ملک پر کسی نے حملہ کیا، ہم نے اس کے غلبہ کے لیے اللہ سے دعا کی، حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہم اس کے ملک میں اچھی طرح رہے۔ حتیٰ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ واپس آ گئے۔ (علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۳۰، طبع دار الفکر، بیروت، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۳-۲۰۱، طبع قدیم، المسند النبوی، ج ۱، ص ۳۵۵-۳۵۲، الروض اللائف، ج ۱، ص ۲۱۳-۲۱۰، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۷-۲۳، البدایہ النہلیہ، ج ۳، ص ۷۵-۷۶)

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے آپ ان کی

مِنَ الدَّامِعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق)

مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝۸۳ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ۝ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا

الْحَقِّ لَا نَظْمُهُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝۸۴

ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے ۝

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَذَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور اللہ نے ان کے اس قول کے سلسلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائی جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝۸۵ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

بیشک رہیں گے، اور یہی نیک کرنے والوں کی جزا ہے ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝۸۶

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے

تبیان القرآن جلد سوم

آپ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق کی) گواہی دیتے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ (المائدہ: ۸۳)

شان نزول

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
امام عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب نبی ﷺ کے اصحاب نجاشی کے پاس پہنچے اور انہوں نے قرآن کرم پڑھا اور ان کے علماء اور راہبوں نے قرآن مجید سنا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور سعید بن جبیر نے کہا کہ نجاشی نے اپنے تئیں بہترین اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے انہوں نے کہا یہ خدا ہم اس کو پہچانتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور نجاشی کو جا کر خبر دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔“ اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

- ۱۔ علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت ہے۔
 - ۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔
 - ۳۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔
 - ۴۔ زجاج نے کہا اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ (المائدہ: ۸۳)
- نیک لوگوں کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ (۲) ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ (۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۴۱۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوائے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہی نیک کرنے والوں کی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ (المائدہ: ۸۴-۸۵)

جن عیسائیوں نے دین حق کو پہچان لیا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے صلے میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں اور یہود اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود تکبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کے انبیاء کے صدق کا انکار کیا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دے۔ مگر اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ ثواب اللہ کا فضل ہے اور عذاب اللہ کا بدل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا

اسے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور

تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

ہر سے نہ بڑھو، بیشک اللہ ہر سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۸۷ اور اللہ کے دیے ہوئے حلال پاکیزہ رزق

حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ لَا

سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو ۸۸ اللہ

يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا

تہاری بے مقصد قسموں پر تہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تہاری پختہ قسموں پر تہاری گرفت

عَقَدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ

فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیان قسم کا کھانا کھانا ہے

أَوْ سِطِّ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ مَقَبَلَةٍ ۖ

جیسا تم اپنے گھروالوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو دو تین دن کے روزے رکھے، یہ تہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور

حَلَفْتُمْ ۖ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

توڑو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو ۸۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا

ہے اور ہر سے نہ بڑھو، بیشک اللہ ہر سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جن حلال چیزوں کی طرف تمہارا دل مائل ہوتا ہے ان کی لذت حاصل کرنے سے

اپنے آپ کو منع نہ کرو، جس طرح عیسائیوں کے علماء اور راہبروں نے کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو اور عورتوں کو اپنے

اوپر حرام کر لیا اور بعض نے اپنے آپ کو گرجوں میں مقید کر لیا اور بعض سیاحت کرنے لگے سو اے مسلمانو! تم ان کی طرح حد

سے نہ بڑھنا۔

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ رَايَاهُ تَعْبُدُونَ (البقرة: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان حلال چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

قُلْ مَن حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالتَّحْلِيَّتُ مِنَ النِّرْقِيِّ (الاعراف: ۳۲)

آپ کہئے کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور حلال چیزوں کو (کس نے حرام کیا ہے؟)

عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (المزنا: ۲۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ غلی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۔

وَإِذَا الْقُرْهُنَّ حَقًّا وَالنَّسِيئَاتُ أَثِمًا (النساء: ۱۲۸)

وَلَا تَحْمِلْ بَعْدَ كُلِّ مَقْلُوبَةٍ إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (النساء: ۱۲۹)

اور (اے طالب!) رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کر دو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے کہ بیخار ہے خلاصت زدہ تمھارا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج کے مجروں میں تین شخص آئے۔ (ان میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔ مصنف عبد الرزاق 'رقم الحدیث: ۵۰۳۳) اور انہوں نے نبی ﷺ کی عیادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں آپ کی عیادت کے معمول کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عیادت کو کم سمجھا اور کہا کہ میں ہم اور کہیں نبی ﷺ؟ آپ کے تو ہر اگلے اور پچھلے (یہ ظاہر اذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔) مغفرت سے مراد آپ کے درجہ کی بلندی ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح کہا ہے۔ سنو! یہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھانا پیتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۶۳، مصنف عبد الرزاق 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۳۳)

حضرت ابو یوسف جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھیجی بٹایا۔ ایک دن حضرت سلمان، حضرت ابوالدرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو پہنچے پرانے

طبایع القرآن

کھڑے پئے دیکھا انہوں نے کیا یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا آپ کے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب حضرت ابو الدرداء آئے تو انہوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا، حضرت سلمان نے کہا آپ بھی کھائیے۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر حضرت ابو الدرداء نے کھانا کھایا، جب رات ہوئی تو حضرت ابو الدرداء نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جائیں، وہ سو گئے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پھر کہا سو جائیں، جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو حضرت سلمان نے کہا اب کھڑے ہوں۔ پھر دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی، پھر حضرت سلمان نے کہا آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کے اہل (بیوی) کا آپ پر حق ہے، ہر خدا کو اس کا حق ادا کریں۔ حضرت ابو الدرداء نیا بیچہ کے پاس گئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۱۸، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۱، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۴۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند نفوس نے نبی ﷺ کی ازواج سے غلوٹ میں آپ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ پھر بعض اصحاب نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور بعض نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں بستر نہیں سوؤں گا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اس طرح کہتے ہیں، لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے (بطور پسندیدگی) اعراض کیا، وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، نکاح ۵، (۱۳۰۱) ۳۳۳۳، سنن ابی داؤد، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون جو بیٹہ کو نکاح نہ کرنے کی اجازت نہیں دی، اگر آپ ان کو اجازت دیتے تو ہم غصی ہو جاتے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۵۰، صحیح مسلم، نکاح ۶، (۱۳۰۲) ۳۳۳۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۸۵، سنن ابی داؤد، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۵، طبع قدیم، مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خولہ بنت حکیم جو حضرت عثمان بن مظعون کے نکاح میں تھیں، وہ میرے پاس آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت اہتر حال میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ! خولہ کس قدر اہتر حال میں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! جس عورت کا خلوند دن کو روزہ رکھتا ہو اور ساری رات نماز پڑھتا ہو، وہ اس عورت کی طرح ہے جس کا کوئی خلوند نہ ہو۔ سو اس نے اپنے آپ کو ضائع کرنے کے لیے چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان بن مظعون آئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تم میری سنت سے اعراض کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ابہ خدا یا رسول اللہ! لیکن میں آپ کی سنت کو طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں

سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھانا پیتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! اللہ سے ڈرو، کیونکہ تمہارے اہل (بیوی) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ سو تم روزہ رکھو اور کھلاؤ پیو بھی اور نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

(علامہ احمد شاکر متونی ۷/۳۷۷ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۸۶، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۲۷۳۶۸، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۷۸، طبع قدیم، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۹۹، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۱۹، مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۷۵، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۹، موارد الطحاوی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۸۸۸، مسند البیہاق، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۸-۳۵۷، اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح الزوائد، ج ۳، ص ۳۹، طبع قدیم، المعجم الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۳۱۹، مسند ابویعلیٰ، ج ۵، رقم الحدیث: ۷۲۳۲)

مسند ابویعلیٰ میں یہ روایت اس طرح ہے حضرت عثمان بن مظعونؓ جیٹیز نی سچھڑ سے ملے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تمہارے لیے میری سیرت میں نمونہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اس ارشاد کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو، حالانکہ تمہارے اہل (زوجہ) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تم نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور روزہ بھی رکھو اور کھلاؤ پیو بھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ان کی بیوی نے سچھڑ کی ازدواج مطہرات کے پاس اس طرح خوشبو میں بسی ہوئی آئیں کہ وہ دلہن ہوں، ازدواج نے ان سے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ویسا ہوا جس طرح وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کی طرف ان کے خلوئے رغبت کرتے ہیں۔

اور مصنف عبدالرزاق، سنن دارمی، صحیح ابن حبان اور المعجم الکبیر میں یہ روایت اس طرح ہے:

نبی سچھڑ حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ملے اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی کیا تمہارے لیے میری سیرت میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متونی ۱۳/۳۱۰ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی سچھڑ کے بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ دنیا کو ترک کر دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور راہب ہو جائیں، رسول اللہ سچھڑ نے ان سے عراض ہو کر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف (دین میں) سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سختی کی، ان کے بچے کھجے لوگ مندروں اور گرجوں میں ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، حج کرو اور عمرہ کرو، تم سیدھے رہو تو تمہارے لیے انتقامت ہوگی اور ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

فتاویٰ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں، عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں، ان میں حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متونی ۵/۷۲ روایت کرتے ہیں:

میرے بلیے اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے پھر واپس چلے آئے۔ پھر ایک سال کے بعد دوبارہ آپ سے ملنے گئے اس وقت ان کا جسم کنواری کی وجہ سے بہت خفیر ہو چکا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ملاں بلی ہوں جو ایک سال پہلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے اس قدر بدل گئے تم تو بہت خوبصورت تھے؟ انہوں نے کہا میں جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں میں نے کبھی دن کو کھانا نہیں کھایا صرف رات کو کھانا کھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے نفس کو کیوں عذاب میں ڈالا؟ پھر آپ نے فرمایا رمضان کے روزے رکھا کرو اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا زیادہ کریں مجھ میں اس کی طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہر ماہ دو روزے رکھ لو انہوں نے پھر کہا زیادہ کریں آپ نے فرمایا ہر ماہ تین روزے رکھ لو۔ انہوں نے پھر کہا زیادہ کریں۔ فرمایا حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو۔ پھر چھوڑ دو حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو حرم کے مہینہ میں تین روزے رکھو۔ آپ نے تین انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا پھر چھوڑ دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے مہینہ میں تین مسلسل روزے رکھو پھر تین دن چھوڑ دو اور اس طرح تین بار کرو یعنی صرف حرم کے مہینہ میں نو نقلی روزے رکھنے کی اجازت دی۔) (حرم کے مہینہ سے مراد ایام حج کے مہینے ہیں۔)

(سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ فلاں عورت ہے اس کی نمازوں کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا چھوڑو! کیا عمل کرو جو بیش کر سکو بخیر اللہ اس وقت تک نہیں آتا تا جب تک تم نہ آؤ اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر بندہ پیشگی کرے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳، صحیح مسلم، مسافرن ۲۳۱، (۷۸۵) سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۱، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۵۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۸، مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر، مسند احمد ج ۶، ص ۵، مطبوعہ قدیم، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۳۳)

حضرت انس بن مالک جریڈ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا یہ زینب کی رسی ہے جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا نہیں! اس کو کھول دو تم میں سے کوئی شخص جب تک خوشی سے نماز پڑھ سکتا ہے پڑھے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔ (صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵۰، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک شخص کو (دھوپ میں) کھڑے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ نے کہا یہ یو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانگ ہے کہ یہ کھڑا رہے گا بیٹھے گا نہیں نہ سایہ میں آئے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس سے کہو کہ بات کرے سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۳، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۰، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۶۰، موطا امام

مالک، رقم الحديث: ۱۳۹، مسند احمد، ج ۴، ص ۲۸، طبع قدیم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر لینی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میں نبی ﷺ سے اس کے متعلق فتویٰ معلوم کروں، میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ حج کو جائے اور سوار ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس کے پیدل چلنے سے مستثنیٰ ہے اس سے کہو سوار ہو۔

(مجمع البحاری، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۲۱، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۱۳ (۱۳۳)، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۵۳۱، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۳۲۹۹، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحديث: ۳۸۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا تھا اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کی نذر لینی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستثنیٰ ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

(مجمع البحاری، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۷۵، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۱۴ (۱۳۳)، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۰۱، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۵۳۲، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحديث: ۳۸۷، ۳۸۸، مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۵۳۸، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱، رقم الحديث: ۳۵۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۸۳، ابن الجارود، رقم الحديث: ۳۳۹، سنن کبریٰ للصبغی، ج ۱، ص ۷۸)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں گئے، ایک شخص ایک غار میں گیا جس میں پینے کے لیے پانی بھی تھا، اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ اس غار میں رہے تو اس میں پانی بھی ہے اور اس کے ارد گرد سبزیاں بھی ہیں، وہ دنیا کے کھمبھڑوں سے آزاد ہو کر اس غار میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں نبی ﷺ کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں۔ اگر آپ نے اجازت دے دی تو میں اس غار میں رہوں گا، ورنہ نہیں رہوں گا۔ اس نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ! میں ایک غار کے پاس سے گزرا، اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے پانی بھی ہے اور سبزیاں بھی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس غار میں رہوں اور دنیا کے کھمبھڑوں سے آزاد ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں مبعوث کیا گیا، میں ملت حنیفہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، جو بہت آسان ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، اللہ کی راہ میں ایک صحیح کتابا ایک شام گزارنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور تم میں سے کسی ایک شخص کا جلاو کے لیے صاف میں کھڑے ہونا اس کی (تہا) ساٹھ سال کی نمازوں سے بہتر ہے۔

(علامہ احمد شاکر متوفی ۷۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۷، رقم الحديث: ۲۲۱۴، طبع دار الحديث، قاہرہ۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۲۲۱، طبع قدیم، المعجم الکبیر للبریلانی، ج ۸، رقم الحديث: ۸۷۸، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۷۷۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بلاشبہ دین آسان ہے جو شخص اس دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا۔ (الحديث)

(مجمع البحاری، ج ۱، رقم الحديث: ۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے

کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)
اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
(البقرہ: ۱۸۵)
اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اسلام معتدل، سہل اور دین فطرت ہے

ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ توسط اور اعتدال کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع اور مذموم ہے، اسی طرح اسلام میں سخت اور مشکل عبادات مطلوب نہیں ہیں، بلکہ اسلامی احکام میں نرمی، طمانیت، سہولت اور آسانی مرغوب ہے۔ اسلام کا کوئی حکم خلاف فطرت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہم میں رہبانیت نہیں ہے۔ (اعل المتلحد، ج ۲، ص ۱۵۲)

اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی۔ (مصنف عبد الرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۹۹) اسلام میں ترک لذائذ، سخت ریاضات اور عبادات مثلاً ممنوع ہیں، مصنوعی زہدوں اور جعلی صوفیوں نے جو خود ساختہ شریعت وضع کر لی ہے اس کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیکی اور فضیلت حاصل کرنے کا اصل اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور جو راستہ ہمارے لیے مقرر کیا اور جس طریقہ پر صحابہ کرام گھڑن رہے اور اختیار کیا ہیں جس کو اپنایا۔

حضرت عرواض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بہت بلیغ نصیحت کی: جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر کا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کی، خواہ وہ جیسی غلام ہو، کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، اور تم بدعات (سینہ) سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں، تم میں سے جو شخص اس اختلاف کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۷۸۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۰۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵، سند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۵)

سنن ترمذی کے علاوہ باقی کتب حدیث میں اس طرح مذکور ہے، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، سو تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرو اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لو۔

آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے ایمان والو! تم ان چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنے کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ یہ قسم ہے اور نہ اس پر کفارہ لازم کیا ہے۔ اس وجہ سے امام مالک اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے، اور نہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اس کے

برخلاف امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔
امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متونی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے نفس پر طعام کو یا مشروب کو یا اپنی باندی کو حرام کر لے یا کسی بھی حلال چیز کو حرام کر لے وہ اس پر حرام نہیں ہوگی اور نہ امام مالک کے نزدیک اس پر لعن میں سے کسی چیز کے حرام کرنے کی وجہ سے کفارہ ہے۔ ہاں اگر وہ باندی کو حرام کر کے اس کو آزاد کرنے کی نیت کرے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی سے کیا تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کر دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے خواہ صراحتاً خواہ کنیتاً اور حرام کرنا کنایات طلاق میں سے ہے اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حرام کرے گا وہ چیز اس پر حرام ہو جائے گی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور یہ آیت لعن پر رد کرتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ۶' ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے یہ آیت امام ابو حنیفہ کے اس وقت خلاف ہوتی جب اس میں یہ مذکور ہوتا کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے یا اس میں کفارہ نہیں ہے کفارہ کا ذکر نہ کرنا عدم کفارہ کے ذکر کو کب مستلزم ہے؟
امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟
علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متونی ۷۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ اس قول سے طلاق کی نیت کرے تو یہ طلاق ہے اور اگر اس سے طہار کی نیت کرے تو یہ طہار ہے اور اگر طلاق اور طہار کے بغیر یہ نیت کرے کہ وہ بیمنہ اس پر حرام ہے تو یہ قسم نہیں ہے لیکن اس پر قسم کا کفارہ و عذاب لازم ہے اور اگر اس نے بغیر نیت کے یہ الفاظ کہے تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں کفارہ قسم لازم ہے اور وہ سرائق قول یہ ہے کہ یہ کلام لغو ہے اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا یہ ہمارا مذہب ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی 'ج ۶' ص ۳۰۰۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک امام شافعی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے یا یہ پانی یا یہ کپڑا یا مگر میں داخل ہوتا یا زید سے بات کرنا اور بیوی اور باندی کے علاوہ باقی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو یہ کلام لغو ہوگا اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا اور نہ وہ چیز اس پر حرام ہوگی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی 'ج ۶' ص ۳۰۰۸-۳۰۰۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متونی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا اگر میں نے فلاں کلام کیا تو اللہ نے جو مجھ پر حلال کیا ہے وہ حرام ہے۔ پھر اس نے اس کلام کو کر لیا تو اس کو اختیار ہے یا تو جن چیزوں کو اس نے اپنے نفس پر حرام کیا ہے ان کو ترک کر دے یا چاہے تو کفارہ دے۔ حضرت ابن مسعود حسن بصری جابر بن زید قلادہ اسحاق اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا جس شخص نے کہا حلال مجھ پر

حرام ہے یہ قسم ہے۔ اور وہ اس کا کفارہ دے گا۔ اور حسن نے کہا یہ قسم ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ کرے۔ ابراہیم نخعی سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو درست ہے۔ ورنہ یہ قول لغو ہے۔ ضحاک سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے یہ روایت ہے کہ حرام قسم ہے اور طلاق اس نے کہا یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا حرام قسم نہیں ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنے کا قصد کرنا ہے اس لیے اس کا قصد لغو ہے۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے یا ایہا النبی لم تحرم ما أحل اللہ لک (الحج: ۸۲) اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم سے نکلنے کے لیے کفارہ کو مشروع فرمایا ہے۔ جیسا کہ شہداء حضرت ماریہ کی تحریم کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی حلال کو حرام کرنے پر قسم کا اطلاق فرمایا ہے۔ (السنن: ج ۲، ص ۳۰۱، ۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ
تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
رَّحِيمٌ ۝ قَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكُمْ تُحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ
(التحریم: ۸۲)

اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضا جوئی کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ حد رحم فرمانے والا ہے۔ (اے ایمان والو!) بے شک اللہ نے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرما دیا ہے۔ (یعنی کفارہ)

اس آیت کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت عیش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا کرتے تھے وہ آپ کو شہد پلائی تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر میں نے اور حضرت حنفہ نے اتفاق کیا کہ جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں وہ یہ کہے کہ آپ سے مغفیر کی بو آتی ہے کیا آپ نے مغفیر ایک قسم کا گوند اکھلیا ہے؟ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک (حضرت حنفہ) کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے یہی کہا۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے زینب بنت عیش کے پاس شہد پیا ہے اور میں اس کو دوبارہ ہرگز نہیں پیوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی لم تحرم ما أحل اللہ لک (الحج: ۸۲) (التحریم: ۸۲)

اصح ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۵۶۱، صحیح مسلم: طلاق: ۲۰ (۳۷۳)، سنن ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۵۶۱، سنن الترمذی: ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۷، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۷۱

قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم کی بدش کو کھولنے کے لیے کفارہ مقرر فرمایا ہے۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبیلہ کو اپنے فحش پر حرام فرمایا تھا۔

امام سعید بن منصور غزالی متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت حنفہ ام المومنین ایک دن اپنے والد کی زیارت کے لیے گئیں اور اس دن حضور کی ان

طبقات القرآن

کے گھر میں باری تھی جب رسول اللہ ﷺ گھر آئے تو آپ نے ان کو گھر میں نہیں دیکھا تب آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہؓ تبدیلہ کو بلایا اور حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں ان سے اپنی خواہش پوری کی اور اسی حالت میں حضرت حفصہؓ آپؐ سے نہیں اور کہنے لگیں 'یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں اور میری باری میں یہ عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے اور تم یہ کسی کو نہ بتانا حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور ان کو یہ واقعہ بتایا۔ تب سورۃ تحریم کی ایک تا چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ قسم کا کفارہ دیں اور اپنی باندی سے رجوع کریں۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۷، جامع البیان، ۲۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حرام کا قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں اچھا نمونہ ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۶۶-۴۹۱۱، صحیح مسلم، طلاق، ۱۸، (۱۳۷۳) سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۷۳)
امام سعید بن منصور غزالی متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بھری سے سوال کیا گیا ایک شخص نے کہا طہل مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے کہا جب تک وہ اس سے اپنی بیوی کی نیت نہ کرے اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن کبریٰ ج ۷، ص ۳۵۱)
عطاء نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر طہل حرام ہے تو یہ قسم ہے کہ اس کا کفارہ ادا کرے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۸)
سعید بن جبیر نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ طہل اس پر حرام ہے تو یہ قسم ہے کہ اس کا کفارہ دے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۲)
حضرت ابن مسعود نے فرمایا حرام کرنے قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۳)

شماک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا حرام قسم ہے۔
(سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۵)

ابراہیم نخعی نے کہا جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے اگر اس نے اس قول سے تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۹)
حضرت ابن عباس نے فرمایا حرام قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۳)

ابراہیم نخعی اور عبیدہ نے کہا جس شخص نے اپنی باندی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔
(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۵)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کیلئے قسم کھائی کہ آپ اپنی باندی سے مقاربت نہیں کریں گے اور فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے تب آپؐ کی قسم کیلئے کفارہ نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ آپ کیلئے جو چیز اللہ نے حلال

کی ہے آپ اسکو حرام نہ کریں۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

(مذکور الصدر احوث اور آثار مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۹-۳۹۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۷۵-۷۴ سنن کبریٰ لمصنف ج ۷ ص ۳۵۳-۳۵۰ اور جامع البیان ج ۲ ص ۲۸۷-۲۸۸ میں بھی مذکور ہیں اور لن احوث اور آثار میں اس پر صریح دلیل ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کا وہ مالک نہیں ہے مثلاً کھانا، کپڑا یا یہ کھانا حرام ہے تو اس پر وہ چیز حرام نہیں ہوگی اور اس کے لیے اس کو عکول کرنا جائز ہے اور اگر اس نے وہ کپڑا پس لیا یا وہ کھانا کھالیا تو اس پر کفارہ قسم ہے۔ امام شافعی نے کہا اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ بیوی اور باندی کے مساوی یہ قسم نہیں ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے (یہ علامہ یعنی کا تسلع ہے) امام احمد کا قول امام اعظم کے موافق ہے جیسا کہ ہم علامہ ابن تہامہ حنبلی سے نقل کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ اور امام مالک نے کہا جس شخص نے بیوی کے سوا اپنے نفس پر کسی چیز کو حرام کیا تو یہ قسم نہیں ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنا ہے۔ لہذا اس سے ایک شرعی عقد (قسم) منعقد نہیں ہوگا ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ حرمت ثابت کرنے کی خبر دیتا ہے ہر چند کہ اس سے بیحد حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو نص قرآن سے ثابت ہوئی ہے لیکن اس سے حرمت لغو نہ ثابت ہو سکتی ہے جو کہ قسم کا نقصان ہے تو جب ایک عاقل بالغ کے کلام کو صحت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کلام کو صحت پر محمول کیا جائے گا اور اس سے قسم مراد لی جائے گی اور اس کلام کو نفی میں قرار دیا جائے گا اور قسم توڑنے سے اس پر کفارہ لازم ہوگا اور قرآن مجید کی سورہ تحریم کی آیت ۲۲ سے صراحتاً ثابت ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور صریح آیت کے مقابلہ میں آراء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

(الہامیہ شرح الحدیث ج ۶ ص ۳۹۴-۳۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۵ھ فتح القدیر ج ۵ ص ۸۵-۸۴ مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

بیوی سے کہا ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس میں مفتی بہ قول

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ ”تو مجھ پر حرام ہے“ تو اس کے متعلق امام اعظم کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ یعنی حنفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر تین طلاقیں کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو طلاقیں کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام نفی ہے یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (عمد القاری ج ۸ ص ۲۳۸ صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۶ ص ۳۰۰)

علامہ محمد بن علی بن محمد صکنی حنفی متونی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے تحریم کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے (ایلاء یہ ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا اگر اس نے قسم پوری کی تو چار ماہ بعد اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ قسم دینا ہوگا سعیدی غفرلہ) اور اگر اس نے طہار کی نیت کی تو یہ طہار ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی ہے تو یہ کلام نفی ہے۔ یہ حکم دیا ہے ہے اور قضاء یہ ایلاء ہے۔ (یعنی اس کے جھوٹ کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس لیے یہ ایلاء پر محمول کیا جائے گا)

(در مختار علی رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متوفی ۱۳۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الایمان میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ ہدایہ میں مذکور ہے کہ عرف کی وجہ سے یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے، اگر اس نے کھلایا یا پیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور بغیر نیت کے اس کا یہ قول اس کی بیوی کو شامل نہیں ہو گا اور اگر وہ نیت کر لے تو پھر یہ ایلاء ہے۔ یہ جواب ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ پھر مشلح متاخرین کا عقار یہ ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ متن میں جو مذکور ہے کہ اس نے عورت کے حرام ہونے کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے، اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے بالخصوص بیوی سے کلمہ ٹوٹ مجھ پر حرام ہے، اس کے برخلاف جب اس نے عام لفظ بولا مثلاً اللہ کا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول عرف کی بنا پر کھانے پینے کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کلام بیوی کو اس وقت شامل ہو گا جب وہ اس کلام سے بیوی کی نیت کرے، اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے کہ وہ عام لفظ بولے (مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے) یا خاص لفظ بولے (مثلاً بیوی سے کلمہ ٹوٹ مجھ پر حرام ہے) ہر صورت میں اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ (کیونکہ یہ نیا عرف ہے، لوگ طلاق دینے کے لیے یہ کہتے ہیں) اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اس قول (ٹوٹ مجھ پر حرام ہے) میں دو عرف ہیں، ایک عرف اصلی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قول ایلاء کے معنی میں قسم ہے اور دوسرا عرف نیا ہے اور وہ اس قول سے طلاق کا ارادہ ہے اور فتویٰ نئے عرف پر ہے، کیونکہ ہر عقد کرنے والے اور قسم کھانے والے کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے، خواہ وہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ظاہر الروایہ پر فیصلہ کرے یا فتویٰ دے، اور عرف کو ترک کر دے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس قول کو طلاق پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہی عرف حادث اور مفتی پر ہے۔ لہذا اس قول سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ کلام عام ہو، مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے، یا کلام خاص ہو مثلاً بیوی سے کہے کہ ٹوٹ مجھ پر حرام ہے اور یہ قسم نہیں ہے، نہ اس پر کفارہ ہے۔ (رد المحتار، ج ۲ ص ۵۵۳، مطبوعہ موضحہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عائیکیری میں مذکور ہے فتویٰ اس پر ہے کہ اس کلام سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اب اس کلام کا غالب استعمال ارادہ طلاق میں ہے۔ (عائیکیری، ج ۲ ص ۵۶، مطبوعہ مبعہ امیرہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۲۰ھ)

امام احمد رضا قادری کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۵۶، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، پاکستان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان

رکھنے والے ہو۔ (المائدہ: ۸۸)

افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے جائز تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے

ہر چند کہ اس آیت میں اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے کھانے کا ذکر ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ اس میں کھانے پینے کے علاوہ لباس، مکان، سواری اور ازدواج کی نعمتیں شامل ہیں اور بالخصوص کھانے پینے کی نعمتوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کھانے اور لباس میں لذائذ اور مرغوبات کے متعلق بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ان کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا افضل ہے، تاکہ انسان نفسانی خواہشوں

کا غلام نہ بن جائے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو وسعت دی ہو تو اس کو توسع اختیار کرنا چاہیے۔ لذیذ کھانے، عمدہ لباس، خوبصورت مکان اور اعلیٰ درجہ کی سواروں سے متبع ہونا چاہیے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اور حق داروں کے حقوق کو ادا کرتا رہے، تاہم توسع اور اعتدال زیادہ پسندیدہ ہے۔ کبھی مرغوبیات نفسی سے حظ حاصل کرے اور کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تاکہ فقر اور غنا کے دونوں مرتبوں کا جامع ہو جائے۔

نبی ﷺ کو گھر میں جو مل جاتا تھا وہ آپ کھا لیتے تھے۔ کبھی گوشت اور مٹھی چیزوں کی طرح عمدہ اور لذیذ طعام تناول فرماتے اور کبھی بہت سادہ کھانا کھاتے۔ آپ نمک، زیتون کے تیل یا سرکہ کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ کبھی آپ بھوکے رہتے اور ہیٹ پر دو دو چھریاں لپیٹ لیتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ غرض آپ کی سیرت طیبہ میں تنگ دست اور خوش حل اور غنی اور فقیر سب کے لیے نمونہ ہے۔ آپ طعام سے زیادہ شروبات کا اہتمام کرتے تھے اور آپ کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند تھا اور آپ ہر محل میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ خرچ کم کرتے تھے اور نہ فضول خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَيُسْوَئُ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعِيهِ وَمَنْ قُدِّرَ عَلَيْهِ
رِزْقُهُ فَلْيُسْوَئْ وَمَا أَنَّهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ
نَفْسًا أَشْيَاءَ (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ ہر شخص کو اس کے مطابق ملک کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری ہمتہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھانا ہے جیسا تم اپنے گھروالوں کو کھاتے ہو یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (المائدہ: ۸۹)

مناسبت اور شان نزول

اہم ابو جعفر محمد بن جریر طبری، ج ۳۳، روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے (المائدہ: ۸۷) تو جن مسلمانوں نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اب ہماری ان قسموں کا کیا ہو گا جو ہم کھا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا (الآیہ)

(جامع البیان، ۷: ۱۸-۱۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے عورتیں، گوشت اور رات کی غینہ ترک کرنے کی قسمیں کھائی تھیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان پر کفارہ لازم کر دیا یعنی وہ قسم توڑیں اور کفارہ ادا کریں۔

یہیمن کا لغوی اور اصطلاحی معنی

یہیمن کے از روئے لغت تین معنی ہیں۔ (۱) قوت (۲) دہانہاتھ (۳) قسم

یہیمن بہ معنی قوت اس آیت میں ہے:

وَكُونُوا عَلَىٰ نَابِعُصَ الْأَقَابِيلِ ۝ لَا تَأْكُلُوا
مِمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ ۝ (الحافہ ۴۵-۴۴)

اور اگر وہ (رسول) کوئی بھی بات ہم پر بنا کر اپنی طرف سے
کہتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔

بیمین کا معنی داہنا ہاتھ بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ بیمین یہ معنی دایاں ہاتھ اس آیت میں ہے:
وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝ فَسَلِّمْ
لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝ (الواقعة ۹۰-۸۹)

اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہو (تو اس
سے کہا جائے گا) تجھ پر سلام ہو (تو) دائیں طرف والوں سے

ہے۔

بیمین کا تیسرا معنی قسم ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اور قسم پر بیمین کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک
دوسرے کے لیے حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ نیز اقسام کے ذریعہ سے قسم کھانے والا اپنے کلام کو قوی اور موکد
کرتا ہے۔

قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت

قسم کھانا شروع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قسم کھائی ہے اور نبی ﷺ کو بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
قسم کھانے کی یہ چند مثالیں ہیں:

وَالنَّحِيمِ إِذَا هَوَىٰ	(النجم: ۱۱)	روشن ستارے کی قسم اجب وہ فروغ ہوا۔
لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ	(البلد: ۱۱)	میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔
وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا	(الشمس: ۱۱)	سورج اور اس کی چمک کی قسم۔
وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ	(الضحیٰ: ۱۲)	چاشت کی قسم اور رات کی قسم اجب وہ (نارنجی) کا پردہ ڈالے۔

اور نبی ﷺ کو ان آیات میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے:
وَيَسْتَنْبِئُكَ أَحَقُّ هُوَ قُلُوبِي وَرَبِّي إِنَّهُ
لَحَقُّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ (یوسف: ۵۴)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی وہ (دائمی عذاب) برحق
ہے؟ آپ کہتے 'ہاں امیرے رب کی قسم اور برحق ہے اور تم
(میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْنِيهِمَا السَّاعَةُ قُلْ
بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ (سبا: ۳)
زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُغَيَّبَهُمَا قُلْ بَلَىٰ وَ
رَبِّي لَتَنْصُرَنَّهُ (التغابن: ۷)

اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہتے
میرے رب عالم الغیب کی قسم اور ضرور تم پر آئے گی۔
کافروں نے اپنے فاسد گمان سے کہا وہ مرنے کے بعد ہرگز
نیں اٹھائے جائیں گے 'آپ کہتے کیوں نہیں امیرے رب کی
قسم اتم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

احادیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے
فرمایا تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواری نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں تم کو سوار نہیں کروں گا پھر رسول اللہ ﷺ نے
ہماری طرف چٹکبوسے کو ہانکے تین اونٹ بھیجے۔ ہم نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری طلب کرنے گئے تھے تو

آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم کو سواری نہیں دیں گے، ہم نے آپ کے پاس جا کر آپ کو اس قسم کی خبر دی، آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی چیز کی قسم کھاتا ہوں پھر اس کے غیر کو بہتر سمجھتا ہوں تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، الامان، ۱۰ (۱۱۳۹) ۲۱۰، صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۲۸۵، ج ۷، رقم الحدیث: ۷۵۵۵، سنن نسائی، ج ۷، رقم

الحدیث: ۷۸۰، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۵۳۶)

جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز

فقہاء کے نزدیک ہر چند کہ قسم کھانا مباح ہے لیکن بہ کثرت قسم کھانا مکروہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُطِيعُوا كُفْلًا حَلَّابًا مَّكَهِيًّا (الفلم: ۳۰)

اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں

کھانے والا انتحالی وکیل ہے۔

لیکن اگر یہ افراط قسمیں نہ کھائی جائیں تو پھر قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قسم کھانا مطلقاً مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ

اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے ہمانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۳)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بہت قسم کھاتے تھے، بعض اوقات ایک حدیث میں کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

آپ نے خطبہ کسوف میں فرمایا اے محمد کی امت! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ اس پر کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے، اے امت محمدیہ! اللہ کی قسم! اگر تم وہ چیزیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آپ نے ترک دنیا کرنے کا ارادہ کرنے والے صحابہ سے فرمایا سوا خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور انتظار بھی کرتا ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

آپ نے ابو طالب سے اس کے مرتے وقت فرمایا سوا اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمہاری استغفار سے منع نہ کیا جائے (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، پھر فرمایا ان شاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۸۵)

اس ایک حدیث میں نبی ﷺ نے تین بار قسم کھائی ہے۔

اور یہ افراط قسمیں کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ انسان کسی جھوٹ پر اللہ کی قسم کھالے اور منافقین نے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَسَرُّوا

اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسموں کے لیے ہمانہ نہ بناؤ جن سے

تَشْفَوُا وَتَصْلِحُوا لِبَيْنِ السَّائِسِ (البقرہ: ۲۲۳)

متحد علی، خد اخوانی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے باز

رہتا ہے۔

یعنی کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ نیکی نہیں کرے گا خدا کوئی نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا۔ پھر اور نیک کاموں سے یہ کہہ کر باز رہے کہ میں تو یہ کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں، سو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ نیکی کر کے قسم توڑے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر وہ اس چیز کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۱، (۱۶۵۰) (۳۱۹۲))

فی نفسہ قسموں کی اقسام

فی نفسہ قسموں کی پانچ اقسام ہیں۔ واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام۔

واجب: اگر کسی بے قصور مسلمان کو قتل یا ہلاکت سے بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔

حضرت سید بن طاہر رحمہ اللہ جویشہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے نکلے، ہمارے ساتھ حضرت واکل بن حجر جویشہ بھی تھے، ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی اور میں نے قسم کھائی تاکہ یہ میرے بھائی ہیں تو دشمن نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، میں نے بتایا کہ ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی تھی، اور میں نے قسم کھائی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کلمہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۵۶، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۹، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۷۷۶، طبع دار الفکر،

مسند احمد، ج ۳، ص ۷، طبع قدیم)

مستحب: جب دو مسلمانوں میں رنجش ہو اور ان میں صلح کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، یا کسی مسلمان کے دل سے کینہ کو زائل کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، یا کسی شر کو رفع کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، تو ان صورتوں میں قسم کھانا مستحب ہے۔ اسی طرح کسی عبادت کے کرنے یا کسی گناہ کے ترک کرنے پر قسم کھانا مستحب ہے۔

مباح: کسی مباح کام کے کرنے یا اس کو ترک کرنے پر قسم کھانا مباح ہے، جس خبر کے ملاق ہونے کا یقین ہو، یا اس کے صدق کا غلبہ ظن ہو، اس پر قسم کھانا بھی مباح ہے۔

مکروہ: کسی مکروہ کام کے کرنے پر، یا کسی مستحب کام کے ترک پر قسم کھائی جائے تو یہ قسم مکروہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت مسیح جویشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قسمت لگانے والوں میں شامل تھے، چنانکہ حضرت ابوبکر جویشہ حضرت مسیح کو خرچ دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس قسمت سے برأت بیان کر دی، تو حضرت ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ پہلے جو حضرت مسیح کو خرچ دے کر ان کی مدد کرتے تھے وہ اب بند کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا يَأْتِلُ أُولَؤُا الْمَفْضِلِ مِنْكُمْ وَالشَّعْوَانِ
يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ
الْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ لِيَعْمَرُوا
لِيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ تَغُورَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ
عَفُورٌ رَّحِيمٌ (السورہ: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب وسعت اور خوش حال ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (بکھ) نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے۔

حدیث فرماتے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کار خیر کو ترک کرنے کی قسم کھانا پسندیدہ اور مکروہ ہے۔

حرام: جھوٹی قسم کھانا اور خلاف واقع قسم کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (المجادلہ: ۱۲-۱۳)

اور منافق جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ۝ اللہ نے
ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، بے شک وہ (دنیا میں)
بستہ برکام کرتے تھے۔

اسی طرح معصیت پر اور ترک واجب پر قسم کھانا حرام ہے۔ مثلاً کوئی شخص ناجائز کام کرنے کے لیے قسم کھائے تو یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا تَحِلُّ لَهُمْ فِي الْأُخْرَةِ
وَلَا يَكْلِمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَلَا يُرْكِبُهُمْ وَاللَّهُ عَذَابُ الْعَالَمِينَ

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض
تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ
نہیں اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا اور نہ
ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا

(آل عمران: ۷۷) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جب حاکم کے سامنے اپنے حقوق پر قسم کھائی ہو تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنا حق ترک کر دیا جائے اور قسم نہ کھائی جائے اور یہ اولیٰ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے حق پر قسم کھانا جائز ہے۔ پہلی رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت مقداد میں اس رقم کے متعلق اختلاف تھا جو حضرت عثمان سے قرض لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمان کے پاس گولہ نہیں تھے اس لیے حضرت عمر نے حضرت مقداد پر قسم لازم کی۔ حضرت مقداد نے حضرت عثمان پر قسم لوٹا دی۔ حضرت عثمان نے قسم کھانے کی بجائے ان کے قول کے مطابق رقم لے لی اور خود قسم نہیں کھائی۔ اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ مقداد پر کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے کہ یہ مصیبت عثمان کی قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ سو دونوں صحابہ نے قسم پر اپنا حق چھوڑنے کو ترجیح دی اور دوسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھ۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑنا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ابے شک میرے ہاتھ میں عصا ہے اور عمر بن خطاب نے کتاب قضاء البعرة میں اپنی سند کے ساتھ شہابی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابی رضی اللہ عنہما نے ایک کھجور کے درخت کے متعلق حضرت زید بن ثابت کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت ابی بن کعب کا اس درخت پر دعویٰ تھا تو حضرت عمر پر قسم آئی۔ حضرت زید نے کہا تم امیر المومنین سے قسم کو معاف کر دو حضرت عمر نے فرمایا امیر المومنین کو کیوں معاف کیا جائے؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ کسی چیز پر میرا حق ہے اور قسم کھانے سے مجھے وہ حق مل جائے گا تو میں ضرور قسم کھاؤں گا ورنہ میں قسم کو ترک کر دوں گا اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہ کھجور کا درخت میرا درخت ہے اور اس پر ابی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جب وہ دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت عمر نے وہ درخت ابی کو بخش دیا۔ ان سے کہا گیا اے امیر المومنین! آپ نے قسم کھانے سے پہلے ابی کو درخت کیوں نہیں دے دیا؟ حضرت عمر نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے قسم نہیں کھائی تو لوگ میرے بعد اپنے حقوق پر قسم نہیں کھائیں گے اور یہی طریقہ مقرر ہو جائے گا اور یہ حق پرچی قسم ہے تو جس طرح یہ قسم حاکم کے علاوہ

دوسروں کے سامنے کھانا جائز ہے، وہ حاکم کے سامنے بھی جائز ہے۔ (المغنی ج ۷، ص ۳۸۹-۳۸۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

قسم کھانے کا طریقہ

قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا اس کی صفت میں سے کسی صفت کی کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اس طرح قسم کھائے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یا اس ذات کی قسم جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

نیا چیز اس طرح قسم کھاتے تھے، اس ذات کی قسم محمد کی جان جس کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً یہ ہیں اللہ، الرحمن، الرحیم، خالق، باری، رزاق، رب وغیرہ۔ ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے اور اللہ کی صفت یہ ہیں اللہ کی عظمت، اللہ کا جلال، اللہ کی قدرت، اللہ کا علم، اللہ کا کلام وغیرہ۔ نیا چیز یوں قسم کھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" دلوں کے پلٹنے والے کی قسم۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۰۴۳) اگر کسی شخص نے کہا میں اللہ کو گولہ کرنا ہوں، اس میں اگر وہ قسم کی نیت کرے گا تو قسم ہے، ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سواروں کی ایک جماعت میں اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہ اکر کے فرمایا: سنو اللہ تمہیں تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ سو جس شخص نے قسم کھائی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۱۰۸، صحیح مسلم، الایمان ۳، (۱۶۴۶) ۳۱۷۸)

غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور حقیقی تعظیم اللہ عز و جل کے ساتھ خاص ہے، اس لیے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز جس کی قسم کھائی جائے اس کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وقت ہر چیز پر گواہ ہو۔ اس لیے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کو توڑ دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کروں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے، مثلاً فرمایا: والطور (اللہ!) پہاڑ طور کی قسم! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے، جو چاہے کرے، اس پر کوئی سوال یا اعتراض نہیں ہے اور پہاڑ طور، درخت انجیر وغیرہ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی فضیلت ظاہر کی ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی ذات پر گولہ ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے، اور ہمارے زمانہ میں فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور حدیث میں ممانعت اس پر محمول ہے جب اس قصد سے غیر اللہ کی قسم کھائے کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ حادث ہو گا اور اس کا کفارہ ادا کرے گا، اور جب یہ قصد نہ ہو تو پھر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے، جیسے کوئی کہے کہ تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم!

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار، ج ۳، ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متونی ۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں چونکہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کرنے میں تسلل برتتے ہیں اس لیے لوگ تاکید اور توثیق کے لیے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم طلاق کی قسم کھاؤ مثلاً اگر میں نے فلاں تاریخ کو فلاں کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق توثیق کے حصول کے لیے طلاق کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس میں حرف قسم نہیں ہوتا اور کبھی حرف قسم کے ساتھ باپ یا زندگی کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیے توثیق مطلوب نہیں ہوتی اور نہ اس میں قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے صرف اس کے ساتھ تعلق اور محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور اگر طلب توثیق کے لیے حرف قسم کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو یہ بلا تعلق مکروہ ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کو تعظیم میں اللہ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

یمین لغو کی تعریف

ازہری نے کہا ہے کہ لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی ہے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے بخش اور بے ہودہ کلام جو گناہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے (یا یسمعون فیہا لعوا الا سلما) (مریم ۳) وہ جنت میں کوئی فضول اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے بجز سلام کے۔

علامہ ابو اسحق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متونی ۳۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا ارادہ قسم کھانے کا نہ ہو اور بلا قصد اس کی زبان پر قسم کے الفاظ آجائیں یا وہ شخص کسی چیز پر قسم کھانے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان سے کوئی اور چیز نکل جائے تو یہ یمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور حضرت ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کے نہیں خدا کی قسم اہل خدا کی قسم اور جو چیز زبان پر بلا قصد آجائے اس میں مواخذہ نہیں ہوتا جیسے سبقت لسان سے نکل کر نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ (المذہب ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متونی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کو ممکن ہو کہ یحتمل طور پر فلاں واقعہ ہو اور وہ اس پر قسم کھالے اور در حقیقت واقعہ اس کے خلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متونی ۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص اپنے ممکن کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور وہ اس کے ممکن کے مطابق نہ ہو تو یہ یمین لغو ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابومالکؓ حضرت زرارہ بن ابوفی رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔ حسن بصریؒ بھی امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ امام اوزاعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن عبد البرؒ نے کہا اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متونی ۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھائے اور اس کے ممکن میں وہ واقعہ اسی طرح ہو اور در حقیقت واقعہ اس کے برخلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور ایک شخص کے متعلق

قسم کھائے کہ یہ زید ہے اور اس کا بی گنا ہو اور وہ درحقیقت عمرو ہو تو یہ بھی یمن لغو ہے۔

(حدایہ اولین ص ۳۷۸-۳۷۹ مطبوعہ مکتبہ شرکت طبعہ لبنان)

یمن منعقدہ کی تعریف

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یمن منعقدہ ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنی قسموں کی حلفت کرو۔ (المائدہ ۸۹) اور جب اس قسم کو توڑ دے تو اس کا کفارہ دینا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھانا ہے۔ (الآیہ المائدہ ۸۹) اس قسم میں کفارہ بالاتفاق مقرر ہے خواہ کسی طاعت پر قسم کھائی ہو یا کسی معصیت پر لیکن اگر اس نے کسی معصیت پر قسم کھائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ معصیت نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے جیسا کہ ہم اس سے پہلے (صحیح مسلم ایمان ۱۱۰ (۲۵۵۰) ۴۱۳) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہے خواہ اس نے عہد اقسام توڑی ہو یا بھول کر یا خطا سے یا جبر سے کیونکہ قرآن مجید نے قسم توڑنے پر مطلقاً کفارہ لازم کیا ہے اور اس میں عہد اور نسیان کا فرق نہیں کیا۔

(حدایہ الجہد ج ۱ ص ۳۰۲ بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۷)

امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نسیان خطا یا جبر سے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

(المہذب ج ۲ ص ۱۲۸ المغنی ج ۹ ص ۳۹۱)

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے خطا نسیان اور جبر سے مواخذہ اٹھایا گیا ہے۔ (المجموع الاوسط ج ۹ رقم الحدیث ۸۳۶۹ مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۳۵۵ھ)

یمن غموس کی تعریف

ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر عہد اجموئی قسم کھائی جائے تو یہ یمن غموس ہے اور اس کے ارتکاب پر جھوٹی قسم کھانے والا عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے اس پر توبہ لازم ہے کیونکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔ فقہاء احناف فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ کا بھی مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۵۰ الشرح الکبیر علی حاشیاء سوتی ج ۲ ص ۱۲۸ المغنی ج ۹ ص ۳۹۲)

حضرت ابو امامہ جوثری بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

(صحیح مسلم ایمان ۲۱۸ (۳۷۷) ۳۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۳۲۳ سنن الدارمی رقم الحدیث ۲۵۰۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۵۰۸۷ مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۰ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۷۷۹)

حضرت عمران بن حصین جوثری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کوئی فیصلہ کروایا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۳۲۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۶۳۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص جوثری بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شریک کرنا میں باپ کی

نافرمانی کرنا یا فرمایا: یسین غموس (جھوٹی قسم) نور شعبہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا: کہلڑیہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا یسین غموس، میں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: کسی کو قتل کرنا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحديث ۵۸۷۰، سنن ترمذی، رقم الحديث ۳۰۳۲، سنن نسائی، رقم الحديث ۳۰۳۲، صحیح ابن حبان، رقم الحديث ۵۵۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۷۷)

امام شافعی کے نزدیک یسین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور یسین غموس میں جھوٹ کا گناہ کفارہ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے یسین منعقدہ میں قسم توڑنے کا گناہ کفارہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (المذهب، ج ۲، ص ۳۸)

کفارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے، کفر کا معنی ہے سزا اور ذہاب۔ سو قسم توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ذہاب لیتا ہے۔ کفارہ کی مشروعیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیاں قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھروالوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (المائدہ: ۸۹) اور حسب ذیل حدیث سے بھی کفارہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی، پھر وہ اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانے، تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم، بیان ۱۱، (۱۶۵۰) (۳۱۹۲))

کفارہ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یا ان کو کپڑے پہنانا ہے اور یا غلام آزاد کرنا ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک کھانا کھلانا سے مراد یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا پیش کر دیا جائے اور ان کو کھانے کی اجازت دی جائے، اس کو اصطلاح میں اباحت کہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کو اس کھانے کا مالک بنانا نہیں ہے، اور باقی فقہاء کے نزدیک اس طعام کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کھانے کی مقدار میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہر مسکین کو ایک کلو گرام گندم دی جائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مسکین کو دو کلو گرام یا چار کلو گرام جو دیئے جائیں یا ان کی قیمت دی جائے۔

اگر ایک مسکین کو دس روز صبح و شام کھانا کھلایا جائے یا دس دن تک ہر روز اس کو دو کلو گرام یا اس کی قیمت دی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بہ یک وقت دس آدمیوں کا کھانا دے دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک مٹانے کا حکم دیا ہے، خواہ بہ یک وقت یا دس دنوں میں اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہوگا۔

جن مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے وہ مسلمان ہوں۔ فقہاء احناف کے نزدیک ذی کو بھی کھانا کھلایا جاسکتا ہے، اور باقی فقہاء کے نزدیک کافر کو قسم کا کفارہ کھانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ میں کپڑے دیئے جائیں تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی ان کا مالک بنانا ضروری ہے، بخلاف کھانا کھلانے کے،

کیونکہ اس سے مقصود بھوک کو مٹانا ہے اور وہ فقط کھانے کی اجازت سے بھی مٹ جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اتنا کپڑا ہونا چاہیے جس سے عام بدن چھپ جائے اور امام احمد کے نزدیک جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے اور امام مالک کے نزدیک جتنے کپڑے سے تمام بدن چھپ جائے اور امام شافعی کے نزدیک کپڑے کا اطلاق دو چادروں پر ہوتا ہے یہ مقدار ضروری ہے اور نہ مردوں کو قیص شلوار اور ٹوپی دی جائے اور عورتوں کو قیص شلوار اور روپوش۔

اس دور میں غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ضابطہ یہ ہے کہ ایسا غلام آزاد کیا جائے جو کامل الاضلاع ہو اور عیب دار نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام عام ہے 'مومن ہو یا کافر' کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے اور نہ تحریر رقتہ (المائدہ: ۸۹) اور اس کو کسی قید سے متعید نہیں کیا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے کیونکہ کفارہ قتل غلام میں فرمایا ہے۔ فتحریر بر رقبتہ مؤمنہ (النساء: ۳۰) ائمہ ثلاثہ مطلق کو متعید پر محمول کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور متعید دو الگ الگ احکام میں ذکر کیے جائیں تو مطلق کو متعید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہیں اس کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا اور جہاں اس کو متعید ذکر کیا ہے وہیں اس کی متعید پر عمل ہو گا۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان کو کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر اس نے لگاتار تین دن کے روزے رکھے تو یہ مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے فصیام ثلاثۃ ایام (المائدہ: ۸۹) اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک لگاتار تین روزے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود کی قرات میں ہے فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات ہر چند کہ یہ قرات متواتر نہیں ہے لیکن یہ آیت خبر واحد اور آپ سے روایت کے درجہ میں ہے اور خبر واحد مجتہد ہوتی ہے اور اس سے قرآن کے کسی حکم میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ جس طرح محمد آروزہ توڑنے کے کفارہ میں جو ساٹھ روزے لگائے گئے جاتے ہیں ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ان کا لگنا رکھنا صرف حدیث سے ثابت ہے۔ سو اسی طرح اس کا حکم ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد ج ۲ ص ۴۵۰ ۴۵۱ المذہب ج ۲ ص ۳۰۳ ۳۰۴ بدایہ المجتہد ج ۲ ص ۲۵۰ ۲۵۱ رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۰ ۶۰۱)

فتح القدیر ج ۵ ص ۹۰ ۹۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

لے ایمان والو! شراب اور جوا اور تبول کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا

محض ناپاک ہی، شیطان کی کاموں سے ہیں سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ شیطان

يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ

مرث یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ

اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے ، تو کیا تم باز آنے

مُنْتَهَوْنَ ﴿۹۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ

داسے ہو ۵ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو ، پھر اگر تم نے

تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى

حکم مدد کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے ۵ ایمان والے اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا

نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی بچے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ

وَأَمِنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَمِنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاحْسِنُوا

سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے ، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شراب اور جو اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فل کے تیر محض ہلپاک

ہیں شیطان کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے

ذریعے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے

ہو؟ (المائدہ: ۹۰-۹۱)

مشکل الفاظ کے معنی

خمر: انگور کا کچا شیرہ، جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور بھاگ چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اس کو خمر کہتے

ہیں۔ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے، اس کو میسر

کہتے ہیں۔ میسر میسر سے بنتا ہے اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس

لئے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیردوں کی ہیئت کی پکی پکی لکڑیاں، ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فل

نکالتے تھے۔

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۱۳۸)

رجس: جو چیز مسایا معانگندی اور ناپاک ہو، انسان کی طبیعت اس سے گمن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

شراب کی تحریم کے متعلق احادیث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہئے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (واقعی) فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا اس میں ہمارے لیے رخصت ہے، ہم شراب پئیں گے اور جوا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے، حتیٰ کہ ایک شخص نے سورہ کافرون کی پہلی آیت اس طرح پڑھی "فَلْيَسْأَلِ الْعَاكِلُونَ عَسَىٰ أَن يَنصِبُوا إِلَيْكَ كَيْدًا" تو آپ کہئے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتا نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ ورنہ تم انھیں کہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: ۴۳) پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب نہیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور ریت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں..... کیا تم باز آنے والے ہو، تو مسلمانوں نے کہا اے رب! ہم باز آگئے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری وجہ سے کئی آیات نازل ہوئی ہیں، ایک (نہمان: ۱۵) ہے۔ دوسری (انفال: ۱) ہے۔ (حضرت سعد نے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ سعیدی غفرلہ) (اور ایک یہ آیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے) میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا، انہوں نے کہا چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ان کے ساتھ بلخ میں گیا۔ وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھلیا اور شراب پی، پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر پھڑکیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں، ایک شخص نے اونٹ کے جڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہو گئی، میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ تب اللہ عزوجل نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (الآیہ۔

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۴/۳۳، ۱/۱۲۱ (۱۷۳۸)، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۶۲-۱۶۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۸۵)

امام محمد بن جعفر بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے، اس وقت شراب حلال تھی۔ اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ

آیت نازل ہوئی اسے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور قال کے تیر محض ٹپک ہیں۔ (المائدہ: ۹۰) اور اس کے آخر میں تھا کیا تم باز آنے والے ہو؟ میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انہوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی، انہوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہا دی اور کہنے لگے اسے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ اسے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۷۳، المستدرک، ج ۹، ص ۳۱۳، السنن الکبریٰ، ج ۸، ص ۲۸۶-۲۸۵)

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء

قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو پڑے پڑے سڑ کر بھاگ چھوڑ دے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ! مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ذہان پنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ذہان پنا لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین محمد بن کرم بن منظور افریقی متوفی ۷۷۱ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو، کیونکہ وہ عقل کو ذہان پنا لیتا ہے۔ ابو حنیفہ وغیرہ نے کہا کہ انوش سے جو شراب بنائی جاتی ہے اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ وغیرہ کا تسلیم ہے کیونکہ خمر کی حقیقت انگور ہیں نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ وغیرہ نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے انسی ارانسی اعصر حمر میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں، میں خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کر خمر حاصل کرنا اور جب انگور نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابو حنیفہ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انہوں نے یمن کے ایک شخص کو دیکھا کہ انگور اٹھا کر جلد ہاتھ انہوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا ٹھہرایا ہوا ہے؟ اس نے کہا خمر میں اس نے انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا۔

(لسان العرب، ج ۳، ص ۶۵۵، مطبوعہ ایران، تاج العروس، ج ۳، ص ۱۸۷-۱۸۶، مطبوعہ مطبعہ خیریہ، مصر، قرب الموارد، ج ۱، ص ۳۰۱)

(مطبوعہ ایران)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے، انگور کا کچا پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔

(صحیح مسلم الاثریہ، ۴/۶۷۷-۶۷۸، صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۴۲۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۶۸۲، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۵۵۴۳) اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے خمران دود و خنوں سے (بنائی جاتی ہے) یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔

(صحیح مسلم، الاثریہ، ۳/۳۳۰-۳۳۱، ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۶۷۸، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۵۵۷۳-۵۵۷۴-۵۵۷۵)

نیز خمر کا لفظ خمرۃ العقل سے بنا ہے اور یہ وجہ اشتقاق ہر نشہ آور چیز میں پائی جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ انگور کے نشہ آور شیرہ کو خمر کہتے ہیں۔ اسی بناء پر خمر کا استعمال صرف اس معنی میں مشہور ہے۔ نیز خمر کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ اور ان کی حرمت کے دلائل بھی ظنی ہیں اور باقی نشہ آور مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے وہ خمرۃ العقل کی وجہ سے نہیں کہا جاتا بلکہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا زائد بھی خمر کی طرح کڑوا ہوتا ہے (یعنی یہ اطلاق بطور مجاز و استعارہ ہے) نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خمر کا لفظ خمرۃ العقل سے مشتق ہے تب بھی یہ وجہ اشتقاق اس بات کے متنی نہیں ہے کہ خمر انگور کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ظہور ہے اس کے باوجود نجم کا لفظ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ظاہر چیز کو نجم نہیں کہا جاتا۔ ائمہ علماء نے جو پہلی حدیث پیش کی ہے (ہر نشہ آور چیز خمر ہے) اس کو یحییٰ بن معین نے مطعون قرار دیا ہے۔ (یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین امام حافظ اور ثقہ ہیں حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے۔ حلیہ) اور دوسری حدیث (خمر ان دو درختوں سے بنتی جاتی ہے) اس سے رسول اللہ ﷺ کا خشاء کجور کی شراب کا حکم بیان کرنا تھا اور یہی بیان منصب رسالت کے لائق ہے۔ (یعنی جب کجور کی شراب کی مقدار کثیر نشہ آور ہو تو وہ بھی خمر کی طرح ہے اور حرام ہے اور اس سے حد لازم آتی ہے۔ حلیہ) (ہدایہ اخیرین ص ۴۳۳ مطبوعہ شرکت طلبہ الملتان) خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا

ائمہ علماء کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس اور ان کا جناح طلال ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

امام ابو عبد الرحمن احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔

(سنن الترمذی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۷۹۹-۵۷۹۸-۵۷۹۷-۵۷۹۶، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۹۷، کتاب الاکار لابی یوسف ص ۲۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵، ص ۸، سنن دار قطنی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۹، المعجم الکبیر للبخاری ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰-۱۰۸۳۱-۱۰۸۳۲، رقم الحدیث: ۵۳۸۹-۵۳۸۸، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۵۳)

جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نمیز میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو اس نمیز میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کر کے اور اس کی حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک نشہ میں مدھوش اعرابی لایا گیا حضرت عمرؓ نے اس سے عذر طلب کیا جب وہ اپنی مدھوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو جب اس کو ہوش آجائے تو اس کو کوڑے لگانا پھر حضرت عمرؓ نے اس اعرابی کے منکیرہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوایا پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور

نحت ملح نیزہ تھا آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آجائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اس پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الآثار امام محمد ص ۱۸۳-۱۸۴ کتاب الآثار امام ابی یوسف ص ۲۲۶ مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۲۳)
امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ صنعانی متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ پہل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں حضرت عباس نیزہ کا ایک پیالہ لے کر آئے آپ نے اس کو چکھا پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر پھر دیا تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ اور فرمایا جب تم کو (نیزہ) تیز لگے تو اسی طرح کیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۳۰-۱۳۱ مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۲۲۶ سنن کبریٰ للشیخ ج ۸ ص ۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲)
حضرت ابو مسعود جرح بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعب کے گرد طواف کر رہے تھے آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا آپ کے پاس ایک برتن سے نیزہ لایا گیا آپ نے اس کو سونگھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا میرے پاس (مزم) کا ڈول لاؤ پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۳۰ سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۰۳ سنن نسائی ج ۸ رقم الحدیث ۵۷۹۰)
جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر
فقہاء احناف کے دلائل

فمن الاثم محمد بن احمد سرخسی متوفی ۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا خمر کو بیضہ حرام کیا گیا ہے، خمر قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو اور خمر بیضہ حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر اور مثلث اور کشش اور چھواروں کے پکے ہوئے پانی (یعنی نیزہ) میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے۔ اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور جس گھونٹ کے بعد نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے اور وہ کثیر مقدار کا آخری گھونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پیالہ نشہ آور ہو صرف وہ حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اس کی مثل کپڑے میں خون کی طرح ہے۔ اگر کپڑے میں قلیل خون ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اس کی مثل نقد کی طرح ہے اگر انسان اپنی کمان سے اپنے اور اپنے الہ دعیال پر خرچ کرے تو جائز ہے اور اگر خرچ میں اسراف کرے (یعنی ناجائز کل پر خرچ کرے) تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح نیزہ ہے اگر اس کو کھانے کے بعد پیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس کو بہ قدر نشہ پیا تو ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ اسراف ہے اس لیے جب نیزہ پیتے ہوئے نشہ ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دے۔ دیکھئے! مثلاً دودھ حلال ہے لیکن اگر کسی شخص کو زیادہ دودھ پینے سے نشہ ہونے لگے تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی اور اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت کا دار نشہ لانے والے جز پر ہے۔ البتہ! خمر مطلقاً حرام ہے نیز خمر کو تھوڑی مقدار میں پینا زیادہ پینے کا محرک ہوتا ہے اس لیے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اس کے برخلاف مثلث (انگور کا شیرہ) جب جوش دے کر پکایا جائے اس کا دودھ تھوڑی اور ایک تھالی بقی رہ جائے تو اگر وہ شیریں ہو تو سب کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور جب وہ جوش دینے سے گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو

یوسف کے نزدیک اس کا پناہ حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کا پناہ جائز نہیں اس کو مثلث کہتے ہیں۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۰) اس کی قلیل مقدار کثیر کی محرک نہیں ہوتی بلکہ اس کی قلیل مقدار کھانے کو ہضم کرتی ہے اور عبلت کرنے کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار سر میں درد پیدا کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ جو لوگ نشہ آور مشروبات کو پیتے ہیں وہ مثلث میں بالکل رغبت نہیں کرتے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۸۰۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد بخاری متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عدوت پیدا کرتی ہے اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہیے لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ کے ذکر سے روکتی ہے نہ نماز سے اور نہ بغض و عدوت پیدا کرتی ہے۔ (الہندیہ ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے یا بعد از اسلام سے قبل کی قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے تو یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں۔ خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر اور چونکہ اب فلو علم ہو گیا ہے اور لوگ عیش و طرب اور لہو لعب کے لیے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں اس لیے متاخرین نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲-۲۹۳ مختصر موفیہا مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کل کی غیر خمر مروجہ شرابی پیتا ہے تو یہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے قول کے مطابق حرام ہے خواہ قلیل مقدار میں پئے یا کثیر مقدار میں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے لیکن اگر اسپرٹ یا الکوہل کی نہایت قلیل مقدار ملک دواؤں میں شامل ہو یا پرفیوم میں شامل ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے فتویٰ کے مطابق ان کو جواز پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ قول صلیق نہیں آئے گا کہ وہ شخص نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پی رہا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شخص ایک چھوٹی دوا پی رہا ہے جس میں ایک یا دو قطرے الکوہل کے شامل ہیں اور جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ خمر حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور جس طرح احادیث سے ثابت ہے کہ تیز اور تلخ مشروب میں پانی ملا دیا جائے تو وہ حلال ہے سو اگر الکوہل یا قرض تیز اور تلخ بھی ہو تو دوسری دوائیں اور کیمیکلز ملنے کے بعد اس کی تیزی اور تلخی جاتی رہتی ہے اور جس طرح علامہ بخاری نے کہا ہے کہ خمر کے حرام ہونے کی علت اس کا نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور مسلمانوں میں بغض اور عدوت کا پیدا کرنا ہے اور دوا کی ایک خوراک جو ایک یا دو گچھے ہوتی ہے اور اس میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوہل ہوتی ہے وہ الکوہل نہ تو خمر ہے نہ نماز اور نہ

اللہ کے ذکر سے روکتی ہے اور نہ بغض اور نہ اوت پیدا کرتی ہے۔ سو ان دلائل کے اعتبار سے دواؤں میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے وہ حرام نہیں ہے اور یہ مانع دوائیں حلال ہیں اور کسی بیماری کے علاج کے لیے یا طاعت حاصل کرنے کے لیے ان دواؤں کو پینا جائز اور حلال ہے۔ اسی طرح پرفوم میں جو سپرٹ اور الکوحل شامل ہوتی ہے وہ بھی ان دلائل کے اعتبار سے جائز اور پاک ہے۔

منفی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۳۸۶ھ انگریزی دواؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے اس سے کسی قسم کا انتقال جائز نہیں مگر وقت اضطرار کہ وہ بغض "الامسا اضطرر نہم الیہ" اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس کی بیع و شراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ پیکے کے منظر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے: "والتاسع ان الطبع لا یدر فیہا لایہ للمنع من ثبوت الحرمة لالرفصہا بعد ثبوتہا۔ استہسی" لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنتی جاتی جس کو شراباً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جو ہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنتی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بضرر صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ ہذا یا مصنف یا نفع زبیب و خمر سے بنتی گئی ہو اس لیے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہذا علامہ علاؤ کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں۔ کما صرححت مس قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنتی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کون سی شراب سے بنی ہے تب بھی حکم ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ اپنی دیر میں حرکت محسوس کرے اور اس کو یہ اشکل ہو کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا تو وہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بدبو نہ محسوس کرے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اصل اشیاء میں طہارت اور طہارت ہے۔

(۲) جن صورتوں میں اس کی بیع جائز ہے ان ہی صورتوں میں اس کی خرید بھی جائز ہے۔ فقط۔

(۳) اگر اسپرٹ علاؤ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنتی گئی جیسا کہ بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز لیکن مکروہ ہے۔ علامہ شاہی نے کہا ہے کہ فیر خمر کی بیع ہر چند کہ صحیح ہے لیکن مکروہ ہے جیسا کہ غلیہ میں مذکور ہے۔ پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ فقط۔

(۴) جب ادویہ میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے۔ پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی ہے تو دیکھا جائے کہ اس سے شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے تو اگر دوسری جائز دوا اس مرض کے لیے پائی جاتی ہے تب بھی ناجائز ہے ورنہ اختلاف ہے۔ در مختار میں ہے:

حرام دوا کے ساتھ علاج میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں یہ ممنوع ہے جیسا کہ البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں مذکور ہے۔ لیکن مصنف نے وہیں اور یہاں الخوی سے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جب حرام دوا سے شفا کا یقین ہو اور کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو تو اس کے ساتھ علاج کی رخصت دی جائے گی جیسا کہ پیاسے کو خمر (شراب) پینے کی رخصت دی جاتی ہے۔

پس اس صورت میں اگر اس کا بطور دو استعمال کیا جائے 'تو گنجائش ہے' لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بچا جائے 'اور اگر اس کی ساخت بطریق تقطیر سوائے شراب کے دوسری اثریہ سے ہے' تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو' لیکن اگر زیادہ ضرورت دیکھی جائے تو اس کے استعمال میں بھی گنجائش ہے۔ لہذا اختلاف ولعموم البلوی چنانچہ علامہ شاہی نے احکام الفیون کے بارے میں فرمایا:

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز نشہ آور ہو اس کی کثیر مقدار کو استعمال کرنا تو مطلقاً حرام ہے 'اور قلیل مقدار اگر بہ طور نمونہ و نصب ہو' تب بھی حرام ہے اور اگر علاج کے لیے ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔

لیکن یہ حکم جب ہے کہ قلیل استعمال کیا جائے 'اور نہ قدر مسکر بجز اضرار کے بطور دوا بھی جائز نہیں۔ کما قالہ العلماء والشامی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدہ یہ امام مسجد فتح پوری دہلی)

نوٹ: مفتی مظہر اللہ دہلوی نے حدیث اور فقہ کی صرف عربی عبارات ذکر کی تھیں 'ہم نے ان عبارات کا اردو ترجمہ ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ (فتاویٰ مطبوعہ ۲۸۹-۲۹۰ء مطبوعہ مکتبہ جہانگیر کتب خانہ کراچی) شراب نوشی پر وعید کی احادیث

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شراب پینے والا خمر (شراب) پیتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت لیرا لوگوں کے سامنے لوٹ مار کرتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحديث: ۵۶۷۵، صحیح ابوداؤد، رقم الحديث: ۲۳۷۵، صحیح مسلم الامین، رقم الحديث: ۱۸۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۳۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص نشہ کرے تو اس کو کوڑے مارو 'پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو 'پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو 'اور جو قسمی بار فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحديث: ۵۶۷۸، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۲۳۸۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۵۷۲)

عمرو بن رویم بیان کرتے ہیں کہ ابن الدہلی سوار ہو کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی تلاش میں گئے 'جب ان کے پاس پہنچے تو کہا اے عبداللہ بن عمرو کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خمر (انگور کی شراب) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص میری امت میں سے خمر پئے گا اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ (سنن النسائی ج ۸، رقم الحديث: ۵۶۸۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۳۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا خمر سے اجتناب کرو 'یہ تمام گناہوں کی اصل ہے' تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا اس پر ایک بدکار عورت فریفتہ ہو گئی 'اس نے اپنی باندی بھیج کر اس کو گواہی کے بدلے سے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دروازہ بند کر دیا 'اس نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے 'ایک غلام ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔ اس عورت نے کہا اے اکی قسم میں نے تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا' لیکن میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم میری خواہش نفس پوری کرو۔ یا

اس شراب سے ایک پیالہ پیا اس غلام کو قتل کر دو۔ اس عابد نے کہا مجھے اس شراب سے ایک پیالہ پلا دو اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلائی اس نے کہا اور پلاؤ پھر اس نے اس عورت سے بدکاری کی اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ سو تم خمر سے اجتناب کرو کیونکہ خدا کی قسم اداغنا شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ (سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے خمر کو پیا، چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر اگر دوبارہ شراب پیے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر اگر وہ شراب پیے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو دوزخیوں کی پیپ پلائے۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں شراب پی پھر اس سے توبہ نہیں کی تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۷، صحیح ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۵۷۵، صحیح مسلم، الاشریہ، رقم الحدیث: ۱۷۶۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا احسان جانے والہ جنت میں داخل نہیں ہو گا نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔ (سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

خمر کی حد کا بیان

خرپے والے پر حد لگائی جائے گی خواہ وہ ایک قطرہ خرپے اور خواہ اس کو نشہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص خرپے اس کو کوڑے مارو اگر دوبارہ پئے تو پھر کوڑے مارو اگر سہ بارہ پئے تو پھر کوڑے مارو اور اگر چوتھی بار خرپے تو اس کو قتل کر دو۔ (ترمذی و ابوداؤد) البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم باقی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے یا جو شخص مرتد ہو کر دین بدل لے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (مسلم) اور جو شخص خمر کے علاوہ اور کوئی نشہ آور مشروب پیے تو اس پر اس وقت حد واجب ہے جب اس کو نشہ ہو جائے اور خمر کی حد اجماع صحابہ سے اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ نیز شراب کے نشہ میں انسان پاک دامن مسلمان کو تحت لگا دیتا ہے اور تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

بھنگ اور افیون کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی حنفی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق کی کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سود و لعب کے قصد سے بھنگ پیے یا افیون کھائے اور اس کی عقل مفلوج ہو جائے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ معصیت ہے اور اگر اس نے علاج کی غرض سے بھنگ پی یا افیون کھائی تھی تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اب اس کا کھانا اور پینا معصیت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ بغیر غرض علاج کے بھنگ پی یا افیون کھانا حرام ہے۔ اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ اس علت سے معلوم ہوا کہ علاج کی غرض سے بھنگ اور افیون کا استعمال جائز ہے۔ التمرائق میں بھی اس تفصیل کو لکھنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۵، ص ۲۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

سکون آور دواؤں کا شرعی حکم

سکون آور دوا یہ مثلاً اے۔ ٹی ون ڈائز، ڈیپام، ولیم، البریم اور تفراتل وغیرہ کو بھی انسومینیا، دل گرفتگی (ڈپریشن) اور بلغمی ایسے امراض میں ماہر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے، لیکن ان دواؤں کو بطور عادت یا نشہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے، یہ تمام دوائیں وقتی طور پر اعصابی تشنج (ٹینشن) کو دور کرتی ہیں، لیکن ان کے بعد اثرات زندگی اور صحت کے لیے بہت مضر ہیں، ان دواؤں کو بہ کثرت استعمال کرنے سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور آخر عمر میں رعبہ طاری ہو جاتا ہے۔

تंबا کو نوشی کا شرعی حکم

اگر انسان کبھی کبھی تمباکو پی لے تو یہ مباح ہے، لیکن تمباکو نوشی کو عادت بنالینا اور مستقل تمباکو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اب جدید میڈیکل سائنس کی اس تحقیق کو تمام دنیا میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تمباکو نوشی انسانی صحت کے لیے مضر ہے، تمباکو پینے سے بالعموم لوگوں کو کھانسی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تمباکو سے کچھ مضر کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، خون کی شرانیں ٹنگ ہو جاتی ہیں، بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، کینسر ہو جاتا ہے اور بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امت ہے، ہمیں اس جسم کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس جسم کو نقصان پہنچے اس سے احتراز لازم ہے اور اس کا ارتکاب کرنا ممنوع ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

جو چیزیں نقصان دہ ہوں ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً زہر، شیشہ، مٹی اور پتھر اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" اور یہ ارشاد ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور ان چیزوں کا کھانا

ہلاکت ہے، اس لیے ان کا طہال نہ ہو تا جب ہے۔ (شرح المذہب، ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں جو اکیلے کو بھی حرام قرار دیا ہے، تو نہیں مطلق قمار کا معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب، مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا، خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔

(المعجم، ص ۶۵۳، مطبوعہ المطبعہ الفکاؤیک، بیروت، ۱۹۲۷ء)

میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی، قمار ہے۔

(التعریقات، ص ۷۷، مطبوعہ المطبعہ الخیر، مصر، ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قمار، قمار سے ماخوذ ہے۔ جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جو اکیلے والوں میں سے ہر

ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور

اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۲۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص خلی متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

منہائے فرمایا آپس میں شرط لگانا جو ہے 'زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی' جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شرط میں زیادتی کو اور حدت یوحادہ پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور جوئے کی حرمت نازل ہو گئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور نیزہ بازی میں سہابیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے، یعنی سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو انعام نہ دیا جائے۔ (یہ انعام کوئی تیسرا شخص یا مقابلہ کرانے والا دے گا) اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ شرط ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں تو یہ جائز ہے اور اس کو نبی ﷺ نے مکمل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن، ج ۱، ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۳۳۰)

معجمہ 'لاٹری اور شہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ میں معجمہ اور لاٹری کا رواج ہے۔ معجمہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معجمے کو حل کر کے صاحب معجمہ کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں اور لاکھوں شراکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے تین چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں۔ علمی حیثیت سے تو اس معجمے کے بہت سے حل بھیج ہو سکتے ہیں لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں بلکہ محض اتفاق سے کھانا ملو کے حل کے مطابق ہو۔ چونکہ معجمے میں بھی ٹلیک کا دار خطرہ (Risk) ہے اس لیے یہ بھی میسر کو رد قرار ہے اور شرعاً ناجائز ہے اور حرام ہے۔

اسی طرح لاٹری بھی جو ہے۔ لاٹری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے قریب اندازی کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہلال احمر اور قاصد قذافیٹن کے رسمی ٹکٹ کا کاروبار عام ہے یہ کاروبار خالص جو ہے اگر کوئی شخص چاہے حق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خرچ کیا کرتا ہے تو سیدھے اور صاف طریقہ سے آکر ان لوازموں میں عطیات جمع کرائے لاٹری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستہ سے غریب اور بیمار مریضوں کے لیے جوئے کی رقم میانہ کرے اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا دار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاق امر پر رکھ دیا جائے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہارجیت پر جائیں سے شرط لگانا اسی طرح بارش ہونے یا نہ ہونے پر یا کسی بھی اتفاق امر پر جائیں سے شرط لگانا صراحتاً حرام ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔ مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آکر نکل جاتا ہے اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا بعض دفعہ کسی کھیل میں ہارجیت پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو ہلاک و برباد رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں۔ بعض لوگ میز کریم پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا اس

کی وجہ سے ان لوگوں کی توجہ نکل آتی ہے اور خون میں کلیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے مگر یہ لوگ ذیابیطس (خون میں شکر کا ہونا) ہلکی بلڈ پریشر، دل کی بیماریوں، معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں، ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظانِ صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے، نبی ﷺ نے گھڑ سواری کا مقابلہ کرایا، پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا، آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا، اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی، اس سلسلہ میں ہم نے تمام احادیث، شرح صحیح مسلم، جلد سولہ میں بیان کر دی ہیں۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں، ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقتور جسم، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکا ہے، اور حقوق العباد کی ادائیگی اور خلق خدا کی خدمت، مسند و مست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلے کی قید ہے۔ خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو، کشتیوں کا ہویا پرندوں، غجروں، گدھوں اور انہیں یا نیزوں کا مقابلہ ہو۔ اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے، اور طاقت آزمائی کے لیے پھرائیٹا بھی جائز ہے، کیونکہ ایک سفر میں نبی ﷺ نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا، نبی ﷺ نے حضرت رکنہ سے کشتی لڑی اور نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے، جو پھرائیٹا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی، آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (المسنی، ج ۹، ص ۳۶۸، مطبوعہ بیروت)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے، اور ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا جائز ہے۔

چو سرا اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو، وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو زہریر ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر شافعیہ کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ جونیڈ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے زہریر (جو سرا) کھیلنا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حضرت بریدہ جونیڈ سے روایت کیا ہے کہ جس نے زہریر کو کھیلنا، اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے اور سعید بن جبیر جب زہریر (جو سرا) کھیلتے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار زہریر (جو سرا) کھیلے، اس کی گواہی مقبول نہیں، عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے، شطرنج بھی جو سر کی طرح حرام ہے۔

البتہ اچھو سر کی حرمت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے اور شطرنج کو چھو سر پر قیاس کر کے حرام کیا گیا ہے۔ شافعی ابوالحسنین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، قاسم، سالم، عروہ، محمد بن علی بن حسین، وراق اور امام مالک کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ شطرنج مباح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہی مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور زہد شیر میں کوئی علت مشترکہ ہے۔ لہذا یہ اپنی اصل پر مباح ہے نیز شطرنج سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے لہذا یہ نیزہ بازی، تیر اندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں، بھاری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور حضرت علی نے شطرنج کو بھی میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کی تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے، ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے۔ نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور خدہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے امام احمد نے فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والے کی شلوات بھی مردود ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ جو شخص شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شلوات مسترد نہیں ہوگی، الا یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ بھوٹی قسمیں کھائے یا بازار میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور سستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے، سو شطرنج کا بھی وہی حکم ہے جو باقی مختلف فیہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ (المنہج، ج ۲، ص ۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۵۵ھ)

علامہ علاؤ الدین الحسینی الحنفی لکھتے ہیں:

نزد (چو سرا) اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے، امام شافعی نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہی ہے، یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت پائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے، ورنہ شطرنج کھیلنا ہلا حرام ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار، ج ۵، ص ۲۵۲-۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت

مولانا اقبال احمد لدھیانوی لکھتے ہیں:

عرصہ ۲۰ سال کا ہوا، ملتی احمد حسین صاحب نے نجیب آباد میں امتیازی ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہرنگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی، ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور ہمیں رونا بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہو گئی، جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہو گئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز بعد مغرب میں اور غلام جیلانی (کہ ہم دونوں ہم سبق اور چہ بھائی تھے) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لیے ہوئے ہیں کہ بھاری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلباء کی اگر ادب کی جائے جب کہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلباء موجود ہوں گے۔

عرض کیا ہیں، حضورؐ بات تو یہی ہے، مگر مباشرت قرب محمد صاحب جو سید ہیں، حضور انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ فرمایا ہیں عرض کیا، وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھاتے ہیں اور ڈرل مباشرت بھی ہیں، لیکن کی تحفہ میں چند روپیہ ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں، فرمایا یہ بات قتل غور ہے۔

ارشاد فرمایا اگر میرٹھ والوں کے سولہ (سہارن) نہیں تو بریلی والوں کی جیت ہے۔ عرض کی جی حضور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کے لیے پلین تو انہیں جو مسلمان ہوں، انہیں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم جمائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر، پھنگیوں سے شروع کریں اور کھبعض یہ پانچ حروف ہیں ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں، پھر اٹنے ہاتھ پر جمعہ سو یہ بھی پانچ حروف ہیں، ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں، جب دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تب سورۃ "السم تر کیف" پڑھیں۔ جب تر مہم پر پہنچیں تو اس کو دس بار پڑھیں اور ہر بار سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی کھولتے، پھر اٹنے ہاتھ کی یہاں تک دس بار تر مہم پڑھنے میں دس انگلیاں کھل جائیں گی، پھر بقیہ سورہ بحارۃ من سحیل فجعلہم کعصف ما کول پڑھ کر اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے اسے سکھادیں کہ ہر مرتبہ حم بنصرون پڑھ کر گیند پھینکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۹ دن بنا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آؤٹ ہو گئے جو نہ معلوم کھلی کھلی سے جیت کر آئے تھے۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن ریاضی، کھلی کھلی پا کر امت کہ۔ آپ نے ہمیشہ ایک ایسا عمل عطا فرمادیا کہ اس عمل کے ذریعہ ہر قسم کے مقابلوں میں فتح حاصل کی جاسکتی ہے، بعض عالمین نے اس پر یہ کہا کہ کسی بھی قیمت پر میرٹھ والوں کے سولہ دن سے زیادہ بن ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اس عمل میں بھی ایک عجیب فلسفہ اور حکمت ہے۔ کھبعض میں پانچ حروف ہیں جمعہ سو میں پانچ حروف ہیں اور تر مہم میں چھ حروف ہیں۔ اس طرح کل مل کر سولہ حرف ہوئے، پس اعلیٰ حضرت نے اس عمل کے ذریعہ بندش کردی تھی۔ لہذا سولہ دن سے آگے بڑھنا اور اس سے کم ہونا ناممکن تھا۔

(مجموع شہستان رضا، حصہ سوم، ص ۵۰-۴۸، مطبوعہ ردی، ہلیکیشنز، لاہور)

شراب پر زیادہ تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم جلد سولہ اور خاص میں ہے اور جوئے پر زیادہ تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم جلد رابع اور خاص میں ہے۔

شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت بیان کی گئی ہے:

۱۔ شراب اور جوئے کو بچوں اور فل کے عیووں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور بہ اور فل کے تیر حرام ہیں، سو شراب اور جو بھی حرام ہیں۔

۲۔ شراب اور جوئے کو جس یعنی لپاک فرمایا ہے اور لپاک چیز حرام ہے، اس لیے شراب اور جو بھی حرام ہیں۔

۳۔ لیکن کو شیطان کا عمل فرمایا اور شیطان کا عمل حرام ہے۔

۴۔ لیکن سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

۵۔ لیکن سے اجتناب کرنے پر اخروی فوز و فلاح موقوف ہے اور لیکن کا ارتکاب فوز و فلاح کے متغی ہے اور جو چیز اخروی فوز و فلاح کے متغی ہو، وہ حرام ہے۔

۶۔ لیکن کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

- ۷۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عدوت پیدا کرتا ہے اور عدوت حرام ہے اور یہ دونوں اجتماعی ضرر ہیں۔
 ۸۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے روکتا ہے اور جو چیز اللہ کی یاد سے روکے وہ حرام ہے۔
 ۹۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہیں نماز سے روکتا ہے اور جو چیز نماز سے روکے وہ حرام ہے۔

۱۰۔ پھر فرمایا کیا تم باز آنے والے ہو؟ سو شراب اور جوئے سے باز آنا فرض ہے اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عثمان نے فرمایا خمر (شراب) ام القیاس ہے۔ (المسائل ج ۸ ص ۵۷۸) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دائمی شرابی مٹی بپ کا نافرمان اور احسان جتنے والا فردوس کی جنتوں میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۴۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ دائمی شرابی تھا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا جیسے بچوں کو پھنسنے والا ہو۔ (مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۴۳۳) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خمر پر خمر کے پیتے والے پر، خمر پلانے والے پر، انگور نچوڑنے والے پر، شراب بنانے والے پر، خمر اٹھانے والے پر، اس پر جس کے لیے خمر لائی جائے، خمر بیچنے والے پر، خمر خریدنے والے پر اور خمر کی قیمت کھانے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ (مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۴۳۷)

خمر انسان کی عقل ذائل کر دیتی ہے اور انسان نشہ کی حالت میں ایسے کام کرتا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت اور آئندہ گر جاتی ہے اور اس کا وقار نہیں رہتا، نیک کاموں کی قدرت جاتی رہتی ہے اور برائی سے دور نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ شراب نوشی سے اس کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں، اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور اس کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اس میں کل بیماریوں کی استعداد ہوتی ہے اور نشہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور اس سے اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے اور بچے ویران ہو جاتے ہیں۔

جوئے سے ایک فریق کو بغیر کسی محنت اور عمل کے بہت فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق ناگہانی طور پر بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات یہ دشمنی قتل اور خون ریزی کی طرف پہنچاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شراب اور جوئے میں فحش اور اجتماعی اور دینی اور دنیاوی خرابیاں ہیں۔

انصاب اور ازالام کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انصاب اور نصب بن پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ (صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث: ۳۶۵۰ مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ابو عبیدہ نے کہا نصب واحد ہے اور انصاب جمع ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا یہ وہ پتھر ہیں جن کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے پاس جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا اور ان پر جانوروں کا خون ڈال دیا جاتا تھا اور انصاب نصب کی بھی جمع ہے اور اس کا معنی بت ہیں۔

(صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۷۸-۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ازلام کے حعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ازلام بن تیہوں کو کہتے ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی قسمت معلوم کرتے تھے۔ دو سروں نے کہا زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پرندہ ہو، یہ واحد ہے اور اس کی جمع ازلام ہے۔ اور استقام (قسمت طلب کرنا) یہ ہے کہ تیر کو گھمٹایا جائے۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرے تو رک جائے اور اگر کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے، انہوں نے تیہوں پر مختلف قسم کی علامتیں بنائی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ قسمت معلوم کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث: ۳۶۱۵ مطبوعہ بیروت)

صحیح البخاری کی حدیث الحبرۃ میں مذکور ہے کہ سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر کا پیچھا کیا تو میں نے حیر سے قسمت معلوم کی "آپا مجھے نفع ہو گا یا نقصان" تو وہی نکلا جس کو میں پسند کرتا تھا۔ (ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۰۶) امام ابن جریر نے کہا زمانہ جاہلیت میں وہ تین قسم کے تیروں پر اعتقاد کرتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا "کام کرو" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "نہ کرو" اور تیسرا سلوہ ہوتا تھا۔ فرانے کہا ایک پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے حکم دیا ہے" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے منع کیا ہے" اور تیسرا سلوہ ہوتا تھا۔ جب ابن میں سے کوئی شخص کام کرنا چاہتا تو وہ تیسرے قل نکلتا "اگر لکھا ہوتا" "نہ کرو" تو وہ کام کرتا اور اگر لکھا ہوتا "نہ کرو" تو وہ کام نہ کرتا اور اگر تیسرا سلوہ نکلتا تو وہ دوبارہ قل نکلتا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کاسب سے بذاتِ جبل تھا یہ کعبہ کے درمیان میں نصب تھا اس کے پاس تیر رکھے ہوتے تھے۔ جب انہیں کوئی مهم درپیش ہوتی تو وہ ان تیروں سے قل نکالتے اور جس قسم کا تیر نکلتا اس پر عمل کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انفرادی طور پر تیروں کا نہ استعمال کرتے ہوں جس طرح سراقہ نے کیا تھا امام ابن جریر طبری نے سعید بن جریر سے روایت کیا ہے کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ پتھر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا اور وہ اپنے ہر سطر میں خواہ وہ سفر جنگ کا ہو یا تجارت کا فن پتھروں کے ساتھ سفر کرتے تھے یہ تفسیر اس پر محمول ہے کہ وہ کعبہ والے ازلام کے علاوہ تھے۔ محدثین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ فن کے ازلام (قل نکالنے کے تیر) تین قسم کے تھے۔ (۱) یہ تین قسم کے تیر تھے اور یہ ہر ایک کے پاس تھے (۲) یہ احکام کے تیر تھے اور یہی کعبہ میں تھے اور یہ عرب کے ہر حاکم اور کاہن کی دسترس میں ہوتے تھے یہ تیر سات قسم کے تھے اور ان پر قصاص اور وصیت و فیوہ کے احکام لکھے ہوئے تھے اور ایسے امور جو بہ کثرت پیش آتے تھے۔ (۳) یہ جوئے کے تیر تھے یہ دس قسم کے تھے سات دھاری دار تھے اور تین سلوہ تھے اور وہ ان تیروں کے ساتھ جوا کھیلتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کہا قسمت معلوم کرنے یا قل نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تیر کو گھماتے تاکہ فن کی قسمت معلوم ہو۔ زیادہ سفر کریں یا نہ کریں جنگ میں جائیں یا نہ جائیں اور جو کچھ لکھا ہوا نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔

(فتح الباری ج ۸، ص ۲۷۸-۲۷۹، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

ازلام کی تفسیر میں مزید مباحث اور مسائل اسی سورت کی آیت نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کا حکم ہو اور رسول کا حکم ہو اور محتاط رہو پھر اگر تم نے حکم بدولی کی تو جان لو کہ

ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہچاننا ہے (المائدہ: ۳)

یعنی اللہ اور اس کے رسول نے قرآن جوئے اور دیگر عمرات سے اجتناب کا جو حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرو اور اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی تو دنیا میں تم پر کوئی مصیبت آجائے گی یا تم آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا دردناک عذاب۔

(النور: ۳)

اور اگر تم نے اعراض کیا اور اطاعت رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ تو تمہیں تبلیغ فرما چکے ہیں اللہ کی حجت تم پر پوری ہو چکی ہے اور اب تمہارے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں۔ پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(المائدہ: ۹۳)

شان نزول کا بیان

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے کیا یا رسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہو گا جو شراب پیتے تھے اور اسی محل میں فوت ہو گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ الایہ

(مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۸۸-۲۰۸۷، ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۸۸-۲۰۸۷، مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۸۸-۲۰۸۷، جامع البیان، ج ۲، ص ۵۰، امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ابن کی موافقت کی، المستدرک، ج ۲، ص ۱۳۳)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت یزید بن جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے، جب شراب حرام کر دی گئی تو صحابہ نے کہا ہمارے ان اصحاب کا کیا حال ہو گا جو شراب پیتے رہے اور فوت ہو گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو یوسف نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۷۳-۳۰۷۴، مسند ابن حبان، ج ۲، رقم الحديث: ۵۳۵۰، مسند ابویعلیٰ، ج ۲، رقم الحديث: ۱۷۲۰، جامع البیان، ج ۲، ص ۵۰)

تحریم خمر کی تاریخ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے سورہ مائدہ کی تفسیر میں یہ لکھا تھا کہ شراب فتح مکہ کے سال (۶۱۰ھ) میں فتح مکہ سے پہلے حرام کی گئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ دسمالطی نے اپنی سیرت میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ شراب کو حدیبیہ کے سال حرام کیا گیا اور حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا تھا اور امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنو نضیر کے واقعہ میں نازل ہوا تھا اور یہ جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے اور رائج قول کے مطابق یہ چار ہجری کا واقعہ ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو میں (انس) لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور میں اس وقت قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۸۳، تو اگر چار ہجری میں شراب کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت انس اس وقت چودہ سال کے ہوں گے، تو پھر وہ ان میں سب سے چھوٹے کیسے ہوئے۔ (فتح الباری، ج ۲، ص ۳۱، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۱ھ)

شراب کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے، کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے سو جو چیز عقل کو زائل کر دے اس کو حرام کر دینا ہم پر رحمت پر انعام ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے تو پھر گزشتہ آیتوں میں خمر کو کیوں حلال رکھا گیا، جبکہ عقل کی ان کو بھی ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نشہ کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے، ان پر خمر کی قلیل مقدار حلال تھی، ہم پر خمر کی قلیل مقدار بھی حرام کر دی گئی، تاکہ قلیل مقدار میں خمر کا پنا کثیر مقدار میں خرچ کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے اور یہ اللہ

تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے، کیونکہ اس نے ہم کو خیر اہم قرار دیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس حکمت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں غم کو حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اسلام میں غم کو مباح رکھا تاکہ مسلمان غم کے نسلو کا خود مشاہدہ کریں، حتیٰ کہ جب ان پر غم حرام کر دی گئی تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم برحق ہے۔ اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے یہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں، پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں۔

اس آیت میں دو مرتبہ ایمان لانے اور تین مرتبہ اللہ سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے، اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ پہلے ایمان اور تقویٰ سے مراد اصل ایمان اور اصل تقویٰ ہے، یعنی انہوں نے شرک اور کفر کو ترک کیا اور اللہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ایمان اور تقویٰ پر برقرار رہے اور تیسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے اس کے بندوں پر ظلم کرنے سے باز رہے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔

۲۔ پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس کے نازل کیے ہوئے سابقہ احکام مثلاً نماز، روزہ اور جملہ وغیرہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ کے خوف اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے بعد میں نازل ہونے والے احکام پر ایمان لائے، مثلاً بعد میں شراب، انصاف اور ازالام کو حرام کیا گیا، تو وہ ان کی حرمت پر ایمان لے آئے۔ پھر تیسری بار اللہ کے ڈر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے اجتناب کرنے پر برقرار رہے اور نیک سلوک کرتے رہے۔

۳۔ پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے بچتے تھے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رہتے تھے، اور دوسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے بعد میں حرام کی جانے والی چیزوں، مثلاً شراب سے بچتے ہوئے اور اس کی تحریم پر ایمان لائے اور تیسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے اس اجتناب اور اعمال صالحہ پر برقرار رہے۔

۴۔ تین بار ذکر سے تین اوقات مراد ہیں، یعنی وہ ماضی میں اللہ سے ڈرتے تھے، حال میں بھی اللہ سے ڈرے اور مستقبل میں بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

۵۔ تین بار ذکر سے تین احوال مراد ہیں، یعنی وہ خوف خدا سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہ ہو، اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو آداب رسالت کے خلاف ہو، اور نہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے اپنے نفس اور عام مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول پیغمبر اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوشش کرتے ہیں۔

۶۔ وہ خوف خدا سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں، خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچتے ہیں اور بعض ایسے مباح کاموں سے بچتے ہیں جو دنیاوت اور محبت نفس کا سبب ہوں۔

۷۔ اس سے مراد سلوک کی ابتداء، سلوک کا وسط اور سلوک کی انتہاء ہے جس میں انسان محبوب حقیقی سے واصل ہو جاتا

۸۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عمر کے تین سو اور مرلو ہوں یعنی وہ عمر کی ابتدا میں بھی لٹھ سے ڈرتے تھے وسط میں بھی اور آخر میں بھی۔

۹۔ وہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی اس سے اجتناب کرتے تھے اس کی تحریم نازل ہونے کے بعد بھی اس سے اجتناب کرتے رہے اور ہنّی اعمال میں خوف خدا سے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

۱۰۔ اس تکرار سے ایمان اور خوف خدا کی تاکید اور اس میں مبالغہ مقصود ہے تاکہ مسلمان اس پر نسلت اہمیت کے ساتھ برقرار رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُبلِغُكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالَهُ

لے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آبلے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے

اَیْدِيكُمْ وَرِمَا حُكُمُ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمِنَ اَعْتَدَى

نیز سے پہنچیں تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو میں نے اس (تنبیہ)

بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا

کے بعد حد سے تمہارے تیار کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے ۵ لے ایمان والو! حالت احرام میں شکار نہ

الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَ مِّنْكُمْ مَّتَعِبًا فَاِجْزَاءُ مِّثْلُ

مارو، اور تم میں سے جس نے عذا شکار مارا تو میں جائز کہ اس نے مارا ہے

مَا قَتَلَ مِنَ النِّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ

اس شخص کو بیشیوں میں سے اسی کی مثل قربان کن ہوگی، تم میں سے دو منصف اس کی

الْكُفَّةِ أَوْ كَفَّارَةً طَعَامٍ مَّسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَٰلِكَ صِيَامًا

محبت کا نیکہ کریں گے وہاں جالیکہ یہ قربان کیجئے والی ہو یا اس پر، چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان کی تعداد کے برابر

لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهُ عَفَا اللَّهُ عَنْمَا سَلَفٌ ۚ وَمَن عَادَ فَيَنْتَقِمُ

وہ سے رکھتا ہے اگر وہ اپنے کرتوت کا مزہ چمے، جو گزرا اس کو اللہ نے معاف کر دیا، اور جو دوبارہ کام کرے گا تو اللہ

اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿۹۴﴾ اِحْلَ لَكُمْ صَيْدَ الْبَحْرِ

اس کے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے ۵ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام

طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْغِيَارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔ اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام

حُرِّمًا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمانے کا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے
نیزے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے جو جس نے اس حیرہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے
لئے دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۹۶)

شان نزول اور مناسبت

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے سال میں نازل ہوئی، بعض مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے احرام
نہیں باندھا ہوا تھا، اور جب ان کے سامنے شکار آتا تو ان کے احوال اور افضل مختلف ہوتے اور ان پر احکام مشتبہ ہو جاتے۔ تب
اللہ نے ان کے احوال اور افضل کے احکام بیان کرنے اور حج اور عمرہ میں منوعہ کام بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حدودہ میں نازل ہوئی، جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحش
جانوروں کے شکار کی آناکلی میں جٹا کیا اور وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے، وحش جانور بکثرت ان کی ساریوں کے گرد پھر
رہے تھے، اور وہ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں تھے۔ حضرت ابو جعفر جعفر نے فرمایا پرندوں کے چوزے اور وحش جانوروں
کے بچے اور انڈے ان کے ہاتھوں کی زد میں تھے اور بڑے جنگلی جانور، مثلاً جنگلی گدھا، گائے اور گھوڑے ان کے نیزوں کی زد
میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شکار قریب تھے، وہ ان کے ہاتھوں کی دسترس میں تھے اور جو شکار دور تھے، وہ ان کے نیزوں کے
نشانوں پر تھے۔ نیزہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ شکار کرنے کا بڑا ہتھیار ہے، نیزہ اور دیگر ہتھیار بھی اس میں شامل ہیں۔

(روح المعانی، ج ۷، ص ۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس سے پہلے آیوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے، ان
کو حرام نہ قرار دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستحکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحش
جانوروں کے شکار کرنے کو حرام قرار دیا، اور شکار کرنے پر اس کی ممانعت اور تدارک کے لیے تو ان میں بیان فرمایا۔

”تاکہ اللہ یہ جان لے“ کی توجیہات

اس آیت کے دوسرے جز کا مفہوم یہ ہے: تاکہ اللہ یہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض
ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتے والا ہے اور کسی شخص کے کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر اس کا علم موقوف نہیں ہے،
اس لیے ہم نے اس کا معنی یہ کیا ہے: تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے
مراد علم ظہور ہے۔ اس کو حکماء کی اصطلاح میں علم تنصیلی سے تعبیر کرتے ہیں جو معلومات کا مین ہے، اس کے برخلاف علم
اجمالی علم کا مین ہوتا ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر کیا ہے اور اس سے مراد معلوم کو واقع کرنا اور اس کو ظاہر کرنا ہے۔ نیز علامہ بیضاوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے عاقبتہ ڈرتا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم بالفعل متعلق ہو جائے اور بعض مفسرین نے کہا یہاں پر مضاف محذوف ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کے لولیاہ جلن لیں کہ کون اللہ سے عاقبتہ ڈرتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے 'تاکہ اللہ پہچان کرادے اس کی جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے۔'

حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا

اس کے بعد فرمایا سو جس نے اس حجیرہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ حجیرہ کے بعد محرم کا شکار کے درپے ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے محض لاپرواہی برتا ہے اور بے ہنگامی ہے اور اس کے ڈر اور خوف سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو لگام ڈالنے پر قادر نہ ہو اور اس قسم کے آسان احکام میں آزمائش پر پورا نہ اتر سکے اس سے کب توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بڑے بڑے اور سخت احکام میں آزمائش پر پورا اتر سکے گا۔ قہور یہ ہے کہ یہ عذاب آخرت میں ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی پشت پر ہونے کے اس پر کوڑے لگائے جائیں گے اور شیخ الاسلام نے کہا اس کو دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! حالت احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے عدا شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے اس شخص کو موشیوں میں اس کی مثل قربانی کرنی ہوگی تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے ورنہ انہی کے یہ قربانی کعب کو پہنچنے والی ہو یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا امن (کی تعداد) کے برابر روزے رکھنا ہیں تاکہ وہ اپنے کرمات کا مزہ چکھے۔ جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت عاقب حکم ہے۔ (المائدہ ۹۵)

خسکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء

خسکی کے شکار کو مارنا محرم پر حرام ہے اور سمندری شکار کو مارنا اس کے لیے حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُجِّلَ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ متاعاً لكم وللسائرۃ (المائدہ ۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور سائرین کے فائدے کے لیے۔

خسکی کا شکار وہ ہے جو خسکی میں پیدا ہوا ہو اور خسکی ہی میں رہتا ہو اور سمندری شکار وہ ہے جو پانی میں (خواہ دریا ہو یا سمندر) پیدا ہوا ہو اور پانی میں رہتا ہو اور شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس ہو اور ان سے خطر اور متوجش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے خسکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے عمومی حکم سے پانچ حبیث جانوروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کلثۃ ولاکتا، بھیڑیا، چیل، کوا، سانپ اور بچھو۔ کیونکہ یہ جانور ابتداءً حملہ کرتے ہیں اور اپنے اپنے پچھاتے ہیں اور کوسے سے مراد وہ ہے جو مواد کھاتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں جن کو حرم یا فیر حرم میں قتل کر دیا جائے گا۔ سانپ، کوا، (جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو) چوہا اور کلثۃ ولاکتا اور چیل۔

(صحیح مسلم، ج ۶، ۶۸۱ (۲۸۱۵) سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پانچ جانور کل کے کل قاص ہیں جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کو، چیل، کائٹے و لاکٹا، بھو اور چوہ۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۹، صحیح مسلم ج ۱، ۲۸۲۰ (۱۱۹۸)، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۹۰) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم اور غیر محرم کے لیے کائٹے والے کتے کو حرم اور غیر حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہی معروف کتا مراد ہے۔ امام لوزاعی، امام ابو حنیفہ اور حسن بن صالح کا یہی قول ہے اور انہوں نے بھیڑیے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا ہے اور امام زفر کے نزدیک کتے سے مراد صرف بھیڑیا ہے اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ کائٹے والے کتے سے مراد بالخصوص یہ معروف کتا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ درندہ ہے جو علاوہ حملہ کرتا ہو مثلاً بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاض نے اس قول کو جمہور علماء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۵، ص ۲۲۳، مطبوعہ مکتبہ نزار معینی، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ) کھیتوں کے کوئے کے علاوہ ہر کوئے کو قتل کرنے کا حکم شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئے کو قتل کرنے کے حکم سے وہ چھوٹا کراستھی ہے جو دانہ کھاتا ہے۔ اس کو غراب زرع اور زارع کہا جاتا ہے۔ اس کے کھانے پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے اس کے علاوہ کوئے کی جتنی قسمیں ہیں ان سب کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ فتح الباری کے مطابق کوئے کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک عقیق ہے۔ قلموس میں لکھا ہے کہ یہ سفید اور سیاہ رنگ کا پرندہ ہے اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے اور وہ سراپھ ہے جس کی پیٹھ اور پیٹ پر سفیدی ہے۔ تیسرا غراف ہے۔ اہل لغت اس کو اہلق کہتے ہیں اور اس کو غراب ابن بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جب لوح علیہ السلام نے اس کو زمین کی خبر لانے کے لیے بھیجا تو یہ ان سے علیحدہ ہو کر موار کھانے میں مشغول ہو گیا۔ چوتھی قسم اضم ہے۔ یہ وہ ہے جس کی ٹانگ یا پیر یا پیٹ میں سفیدی یا سرخی ہو اور پانچویں قسم زارع ہے اس کو غراب زرع بھی کہتے ہیں یہ چھوٹا کوہ ہے جو دانہ کھاتا ہے۔

(فتح الملکم ج ۳، ص ۲۳۱، مطبوعہ مکتبہ الباز کراچی)

شیخ عثمانی نے زارع یا غراب زرع کے سوا کوئے کی باقی اقسام کو حرام قرار دیا ہے اور فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ زارع (غراب زرع) اور عقیق کے سوا کوئے کی باقی اقسام حرام ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ زارع (غراب زرع) اور عقیق دونوں اس عام کوئے سے چھوٹے ہوتے ہیں ان تصریحات سے واضح ہوا کہ یہ عام معروف کوہ جو طارے درختوں پر پایا جاتا ہے حرام ہے۔

تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کو قتل کر دے تو اس پر اس کی جزا (تلوین) واجب ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ کی اس آیت ۵۵ میں صراحتاً مذکور ہے۔ شکار کے قتل کی بھی قسمیں ہیں ایک قسم مباح ہے اور ایک قسم حرام ہے۔ حرام وہ قسم ہے جس میں محرم شکار کو بغیر کسی سبب موجب یا سبب مبیح کے قتل کر دے۔ سبب موجب یہ ہے کہ کوئی جانور محرم پر حملہ کر دے اور اس کو قتل کیے بغیر اس جانور سے جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ ہو اس صورت میں اس جانور کو قتل کرنا واجب

ہے کیونکہ جان بچانا فرض ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے قلعہ کے مطابق ہے اور سبب مسک یہ ہے کہ انسان کے پاس حلال ذرائع سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور جان بچانے کی صرف یہ صورت ہو کہ انسان کسی جانور کو شکار کر کے کھالے تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے اس جانور کو شکار کر کے کھانا مباح ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَلْقُوا يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى التَّهْلُكَةِ

اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

(البقرہ: ۱۹۵)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی جانور کو کسی درندہ یا کسی کے پھندہ سے بچانے کی کوشش کرے اور وہ جانور ہلاک ہو جائے تو اس پر ضلع نہیں ہے۔

محرم عہد اقل کرے یا خطاء ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب
ائمہ مذاہب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ محرم شکار کو عہد اقل کرے یا خطاء قتل کرے ہر صورت میں اس پر ضلع واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ جس بچہ کو محرم شکار کرے اس کا تلوان رسول اللہ ﷺ نے ایک مینڈھا قرار دیا اور اس کو شکار میں شمار فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محرم شتر مرغ کا بیڑا شکار سے حاصل کرے تو اس کا تلوان اس کی قیمت ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۶، مطبوعہ بیروت)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس ضلع کو عہد کے ساتھ مقید نہیں فرمایا بلکہ شکار کرنے پر مطلقاً تلوان کو واجب فرمایا ہے۔

شکار کی تعریف

شکار کو قتل کرنا محرم پر حرام ہے خواہ اس نے حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا اور شکار وہ ہے جس میں تین اوصاف ہوں۔ اس کا کھانا حلال ہو اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو وہ فی غلبہ پالتو جانور نہ ہو اور انسانوں سے غیر مانوس ہو ان کو دیکھ کر بھاگنے والا متحیر ہو وحشی ہو۔ سو اگر کوئی شخص کسی درندے کو یا پھاڑے چیرے والے پرندے کو یا حشرات الارض میں سے کسی جانور مثلاً چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ اور دیگر کیڑے مکوڑے کو قتل کر دے تو اس پر ضلع نہیں ہے اسی طرح محرم اگر کسی پالتو جانور کو قتل کر دے مثلاً گائے بکری اور مرغی وغیرہ تو اس پر بلا تعلق ضلع نہیں ہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سمندری اور دریائی جانور کو شکار کرنا جائز ہے صرف خشکی کے جانور کو شکار کرنا محرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جس طرح شکار کو قتل کرنے سے محرم پر جزم لازم آتی ہے۔ اسی طرح اگر محرم کسی اور کو شکار کی طرف رہنمائی کرے یا اس پر دلالت کرے تو اس پر بھی ضمان لازم آتی ہے اور امام شافعی اور امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ ضلع کا تعلق قتل سے ہے اور شکار پر دلالت کرنا اس کو قتل کرنا نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے غیر محرم غیر محرم کو کسی شکار پر دلالت کرے فقہاء اختلاف کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

اہم مسلم بن حجاج قسری متوفی ۳۷۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو قلذہ بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، حتیٰ کہ ہم "قارہ" میں پہنچے، ہم میں سے بعض محرم اور بعض غیر محرم تھے، اچانک میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھا تھا، میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی، اپنا نیزہ سنبھالا اور سوار ہو گیا۔ اتفاقاً میرا چابک گر گیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے چابک اٹھاؤ، ساتھی محرم تھے، انہوں نے کہا خدا کی قسم! ہم تمہاری اس مسئلہ میں بالکل مدد نہیں کریں گے، میں نے اتر کر چابک اٹھایا اور سوار ہو گیا۔ میں نے اس جنگلی گدھے کو پیچھے سے جا کر پکڑ لیا اور آٹھایک وہ نیلے کے پیچھے تھا، میں نے نیزہ مار کر اس کی کونچیں کٹ ڈالیں اور اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض ساتھیوں نے کہا کھالو اور بعض نے کہا نہ کھالو، یہی بیٹھ مارے آگے تھے۔ میں گھوڑا بڑھا کر آپ تک پہنچا، آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اس کو کھالو۔

(صحیح مسلم، الج ۵۱، ۲۸۰۳ (۱۱۶۱) صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث ۱۸۲۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث ۸۵۴، سنن ترمذی، رقم

الحديث ۸۳، سنن ابوالکلی، ج ۵، رقم الحديث ۲۸۸۱)

درج ذیل حدیث میں زیادہ وضاحت ہے۔

حضرت ابو قلذہ بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے بعض صحابہ کو ایک طرف روانہ کیا جس میں ابو قلذہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلو۔ پھر مجھ سے آ ملتا، پھر وہ سب سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے لگے تو حضرت ابو قلذہ کے سوا سب نے احرام باندھ لیا، انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا، چلتے چلتے انہوں نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قلذہ نے ان پر حملہ کیا اور ایک گدھی کی کونچیں کٹ ڈالیں، پھر سب نے اتر کر اس کا گوشت کھلایا۔ حضرت ابو قلذہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے سوچا کہ ہم نے (شکار کا) گوشت کھالیا ہے، حلال تک ہم محرم ہیں۔ حضرت ابو قلذہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس جنگلی گدھی کا باقی ماندہ گوشت اپنے ساتھ رکھ لیا اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قلذہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگلی گدھے دیکھے، ابو قلذہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کٹ ڈالیں، پھر ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھلایا۔ پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے، اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا، پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔

شیبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا

اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ اور شعبہ کی روایت میں ہے کیا تم نے اشارہ کیا تھا یا انہوں کی کسی؟ یا شکار کیا تھا؟

(صحیح مسلم، الج ۶۰، ۲۸۰۰ (۱۱۶۱) صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث ۱۸۲۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث ۸۵۴، سنن ترمذی، رقم

الحديث ۸۳۸، سنن نسائی، رقم الحديث ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث ۳۰۴۳، صحیح ابن حبان، رقم الحديث ۳۹۶۱، مصنف عبد الرزاق، رقم

الحديث ۸۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۳۲۳، سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۲۹، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، طبع قدیم)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے شکار کے حلال ہونے کو اس کی طرف اشارہ نہ کرنے پر موقوف فرمایا

ہے۔ سو اگر کوئی شخص زبان سے شکار کی رہنمائی کرے گا تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو صرف اس

شکار کا حرام ہونا لازم آئے گا، ضمن لازم نہیں آئے گی، تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ محرم کے لیے شکار کی

طرف اشارہ کرنا یا اس کی طرف رہنمائی کرنا حرام ہے، اور اس کے اس اشارہ کرنے کی وجہ سے اس شکار کا اسن زائل ہو گیا اور اس کی جان تلف ہو گئی اور اس کے اشارہ اور اعانت کی وجہ سے وہ شکار قتل کر دیا گیا، سو شکار کی طرف اشارہ کرنے والے محرم پر بھی دعی ظن ہوگی جو شکار کو قتل کرنے والے محرم پر ہوتی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر دلالت کرنے والے پر بھی ظن ہے، اور اس ذلالت کے لوگ صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ علامہ ابن قدامہ نے المسنی میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے اور امام طحاوی نے اس کو متحد صحابہ سے نقل کیا ہے، اور کسی صحابی سے اس کے خلاف مقول نہیں ہے تو اس پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت ابن عمر سے جو یہ مقول ہے کہ دلالت کرنے والے پر ظن نہیں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب دلالت کرنے سے شکار کو قتل نہ کیا جائے۔

(فتح اللہ ج ۳ ص ۶۳-۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ ضلی متوفی ۵۳۰ھ لکھتے ہیں:

شکار پر دلالت کرنے سے بھی ضامن بنایا جائے گا، پس جب کسی محرم نے کسی غیر محرم کو شکار پر دلالت کی اور اس نے اس شکار کو تلف کر دیا، تو اس کی پوری جزا محرم پر ہوگی۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مجاہد، بکر بن زنی، اسماعیل اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے، اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ دلالت کرنے والے پر کچھ ظن نہیں ہے، کیونکہ ظنات جنایت سے لازم آتی ہے، دلالت سے لازم نہیں آتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو قتادہ جونیج کے اصحاب سے فرمایا تھا کیا تم میں سے کسی نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ نیز شکار پر دلالت کرنا اس کو تلف کرنے کا زریعہ ہے، لہذا اس کی وجہ سے ظن لازم آئے گی اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔

(المسنی ج ۳ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار الفکر ۱۴۰۵ھ)

شکار کی جزا میں اس کی مثل صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے کی جزا یہ ہے کہ جس مقام پر شکار کو قتل کیا گیا ہو، جگہ اس کے قریب ترین ہو، وہیں اس شکار کی قیمت مقرر کی جائے، اور دو نیک شخص اس کی قیمت مقرر کریں، پھر فدیہ دینے میں محرم کو اختیار ہے، اگر اتنی رقم سے قربانی کا جانور خریداجا سکتا ہے تو اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دے اور اگر چاہے تو اس رقم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرے، ہر مسکین کو دو کلو گرام گندم یا چار کلو گرام کھجوریں یا جو صدقہ کرے اور اگر چاہے تو جتنے مساکین پر صدقہ لازم آتا ہے اتنے دلوں کے روزے رکھے، مثلاً فدیہ کی رقم سے دس کلو گندم آتی ہے، جو پانچ مسکینوں پر صدقہ کی جائے گی تو اس کو اختیار ہے کہ وہ پانچ مسکینوں پر دس کلو گندم صدقہ کرے، اور چاہے تو اس کے بجائے پانچ دلوں کے روزے رکھ لے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شکار کی نظیر ہو سکتی ہو، اس میں اس کی نظیر کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ ہرن کی نظیر بکری ہے، اور بکری کی نظیر بھی بکری ہے اور خرگوش کی نظیر بکری کا بچہ ہے، اور جنگلی چوہے کی نظیر چارہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کی نظیر اونٹ ہے اور جنگلی گدھے کی نظیر گائے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَحَرَامٌ عَلَىٰ مَنْ قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

تو اس کا تو ان اس جانور کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا

(المائدہ: ۹۵) ہے۔

اور مقتول جانور کی مثل وہ ہوگی جو صورۃ اس کی مثل ہو اور قیمت اس جانور کی مثل نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خلقت اور ظاہری صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔ شتر مرغ، ہرن، جنگلی گدھے اور خرگوش میں انہوں نے ان ہی جانوروں کو مثل قرار دیا ہے جو ہم نے بیان کی ہیں۔ امام ابوہریرہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا بھوکا ہے؟ فرمایا ہاں! جب محرم اس کا شکار کرے تو اس میں ایک مینڈھا ہے۔

(سنن ابوہریرہ: رقم الحديث: ۳۸۹، سنن ترمذی: رقم الحديث: ۸۵۱، سنن ابوالخدیج: رقم الحديث: ۲۸۳۶، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث: ۳۲۳۶، سنن داری: ۱۸۷۷، صحیح ابن حبان: رقم الحديث: ۳۴۵، مسند احمد: ج ۲، ص ۲۹۷، سنن دارقطنی: ج ۲، ص ۲۳۵، مسند ابی یوسف: ج ۱، ص ۴۵۲)

جس جانور کی نظیر نہ ہو اس میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت واجب ہے، مثلاً چڑیا اور کبوتر اور ان کی مثل وہ سرے پرندے اور جب قیمت واجب ہو تو امام محمد کا قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مطابق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کبوتر میں بکری کو واجب کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مثل کو مطلقاً ذکر کیا ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مثل کامل وہ ہے جو صورۃ اور معنی دونوں اعتبار سے مثل ہو اور جب کامل مثل متحقق نہیں ہو سکتی تو اس کو معنی مثل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ مثل معنوی شریعت میں متعارف ہے جیسا کہ حقوق العباد میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ أَغْنَىٰ عَنْكَ كَلْبُكَ ۖ فَاغْنِ عَنْكَ كَلْبُكَ ۚ
سورہ بقرہ: ۱۷۷
اس زیادتی کی مثل جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

نیز جن جانوروں کی مثل نہیں ہے ان میں امام شافعی کے نزدیک بھی مثل معنوی مراد ہوتی ہے پس مثل معنوی بلا جماع مراد ہے۔ لہذا جب کہ مثل معنوی ہی مراد لینی چاہیے اور نہ قرآن مجید کے ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے لازم آئیں گے کہیں مثل صوری اور کہیں مثل معنوی۔ نیز مثل معنوی میں عموم ہے اور مثل صوری میں خصوص ہے اور عموم خصوص پر راجع ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ محرم نے جس شکار کو قتل کیا ہے اس پر اس کے تولد میں اس کی قیمت واجب ہے۔ نیز قرآن مجید میں قتل کیے ہوئے شکار کے لیے نعم کا لفظ ہے اور یہ لفظ جنگلی اور پالتو دونوں قسم کے جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے۔

جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا محرم کی طرف؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جزاء میں اختیار محرم کی طرف راجع ہے یعنی محرم کو اختیار ہے خواہ وہ اس جانور کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر اس کی قربانی کر دے یا اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کر دے یا ان مسکینوں کی تعداد کے برابر روزے رکھ لے اور امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک یہ اختیار فیصلہ کرنے والے دو نیک حاکموں کی طرف راجع ہے۔ اگر وہ قربانی کا حکم دیں تو اس جانور کی نظیر خرید کر اس کی قربانی کرے اور اگر وہ طعام صدقہ کرنے کا حکم دیں یا روزے رکھنے کا حکم دیں تو اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کرے یا مساکین کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختیار محرم کی آسانی کے لیے دیا گیا ہے اور محرم کے لیے آسانی اسی وقت ہوگی جب یہ اختیار اس کی طرف راجع ہو۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے در آنما یکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا اس پر چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان کی تعداد کے برابر روزے رکھنا ہیں

اور ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختیار ان مسکینوں کی طرف راجع ہے۔

طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا دوسرے شہر میں بھی جائز ہے؟

قریبی کا جانور صرف مکہ میں ذبح کیا جائے گا اور مسکینوں کو طعام کا صدقہ کسی اور شہر میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی صدقہ طعام کو قریبی پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ یہ طعام بھی مکہ کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے اور ان دونوں میں مشترک چیز یہ ہے کہ حرم کے رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک ہو۔ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء میں کسی جانور کو ذبح کرنا غیر معقول فعل ہے لہذا وہ زبان اور مکان کے اعتبار سے اپنے امور میں بند رہے گا اور صدقہ کرنا ایک معقول فعل ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ ہو سکتا ہے اور روزہ میں اشقیق ہے کہ وہ کسی بھی شہر میں رکھے جاسکتے ہیں۔

(ہدایہ اولین، ص ۲۸۰-۲۷۷، مختصر اذیٰ مضیٰ، مطبوعہ مکتبہ شرکت طبہ، لبنان)

دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہوگی یا نہیں؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت عتاب مستحق ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اس آیت کا معنی ہے محرم نے پہلی بار شکار کو قتل کیا اور اس کی جہنم یا جزاء ادا کر دی تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور جس محرم نے دوسری بار شکار کو قتل کیا وہ اخروی عذاب کا مستحق ہوگا۔

دوسری بار شکار کو قتل کرنے والا جہنم لو اکرے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ عطاء، ابراہیم، ابن جبیر، حسن اور جمہور کا قول یہ ہے کہ تکرار جزاء واجب ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح کا قول یہ ہے کہ اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا تو اس کو کفارہ لو اکرے کا حکم نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ جب ان سے کوئی محرم سوال کرے کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے، اب وہ کیا کرے تو وہ اس سے سوال کرتے تھے کہ اس نے پہلی بار شکار کو قتل کیا ہے یا دوسری بار۔ اگر اس نے پہلی بار قتل کیا ہو تو اس کو کفارہ کا حکم دیتے اور اگر دوسری بار قتل کیا ہو تو اس کو کفارہ کا حکم نہ دیتے اور وہ چونکہ عذاب اخروی کا مستحق ہے اس لیے اب اس پر صرف توبہ کرنا لازم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اس کی توبہ قبول فرمائے یا اس کو عذاب دے جس طرح جلی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے دوبارہ حالت احرام میں شکار کو قتل کیا اور کفارہ نہیں دیا تو اللہ اس سے انتقام لے گا لیکن یہ توجیہ ظاہر آیت سے بعید ہے۔ اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کے لیے بہت سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر آن اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے۔ مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہو جائے جس جب بھی اس آیت کو پڑھتا ہوں تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے کس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے

اگر محرم کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے جاں بلب ہو اور اس کو مردار اور شکار دونوں میسر ہوں تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ مردار کھا کر جان بچائے یا شکار کو مار کر کھائے۔ امام زفر نے کہا وہ مردار کھالے کیونکہ مردار ایک وجہ سے حرام ہے اور شکار کو قتل کر کے کھانا کئی وجہ سے حرام ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ شکار کو قتل کر کے کھا لے اور اس کی جزاء ادا کرے کیونکہ مردار کی حرمت زیادہ غلیظ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شکار کی حرمت عارضی ہے، احرام سے

نکلتے کے بعد یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے اس کے برخلاف مودار کی حرمت دائمی ہے اور جب اسے دو حرمتوں میں سے کسی ایک حرمت کا ارتکاب کرنا پڑے تو زیادہ غلیظ حرمت کے مقابلہ میں ضعیف حرمت کو اختیار کرے جیسا کہ دو معصیتوں میں سے کم درجہ کی معصیت کو اختیار کیا جاتا ہے جس کو فقہاء اہل البیہین سے تعبیر کرتے ہیں۔ مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق مودار کھانا شکار کو قتل کر کے کھالے سے اولیٰ ہے۔ امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے کہا کہ شکار کو ذبح کر لے اور اگر شکار حلال ہو اور مذبح ہو تو سب کے نزدیک شکار کو کھانا مودار سے اولیٰ ہے اور اگر ایک طرف شکار ہو اور دوسری طرف خنزیر کا گوشت ہو تو جان بچانے کے لیے عرم کے واسطے اولیٰ یہ ہے کہ وہ شکار کھالے۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۲۹۰۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مبسوط اور فتاویٰ قاضی خان کی نقل میں تعارض ہے ہمارے نزدیک مبسوط کی نقل معتد ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے وہی رائج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے۔ (المائدہ ۹۵)

سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ

سمندری شکار سے مراد ہے جس جانور کو پانی میں شکار کیا جائے خواہ وہ پانی سمندر میں ہو دریا میں ہو نہر میں ہو یا تلاب میں ہو اور اس سے مقصود وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو اور اس کی نشوونما اور بچا بھی پانی میں ہو اور اس کے طعام سے مراد پانی میں کیا ہوا شکار ہے۔ فقہاء ائمہ کے نزدیک اس سے مراد صرف مچھلی ہے۔ من کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مودار حلال کیے گئے ہیں مچھلی اور مڈی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث ۳۲۱۸ سنن احمد ج ۲ رقم الحدیث ۵۵۷۵)

اس حدیث کی سند کا ایک رولوی عبدالرحمن بن یزید ضعیف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد پانی کے تمام جانور ہیں ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سمندری طعام سے مراد وہ تمام جانور ہیں جن کو سمندر ساحل پر پھینک دے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سمندری طعام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر سے نکال جائے اس کو کھالو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور سمندر کی ہر چیز کھالی جائے گی خواہ وہ مودار ہو سمندر میں ہو یا سمندر کے ساحل پر ہو۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۸۸-۸۶)

خشکی کے شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوئے ہوں اور من کی نشوونما اور بچا بھی خشکی میں ہو اور شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر نفوس اور متوحش اور خطر ہوں جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اور بکری گائے اور اونٹ وغیرہ شکار نہیں ہیں کیونکہ وہ انسانوں سے نفوس ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کا حکم ممانعت کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے پانچ فاسق جانوروں کو مستحکم فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: بکھو، چوہا، کالٹے والا کتا، کوا اور چیل ان کی تفصیل اور تحقیق ہم اس سے متصل پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر غیر محرم، محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرے تو محرم کے لیے اس کو کھانا جائز نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث سے بھی وہ مستدل کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صعب بن جشمہ یثربی جو پہلے نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک جنگل گدھا (شکار کر کے) پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے وہ ان کو واپس کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر افسوس کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے تم کو یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔

(صحیح مسلم، ج ۵، ۵۰، ۱۱۳، ۲۷۹، صحیح البخاری، رقم الحديث: ۱۸۲۵، سنن ترمذی، رقم الحديث: ۸۵۵، سنن النسائی، رقم الحديث: ۲۸۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۰۹۰)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان نے حارث کو طائف کا گورنر مقرر کیا تھا اس نے کچھ برندوں اور جنگلی جانوروں کا شکار کیا اور یہ طعام حضرت عثمان کی طرف بھیجا، حضرت عثمان نے یہ طعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جس وقت ان کا قصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے درختوں سے پتے جھاڑ رہے تھے لوگوں نے آپ سے کہا یہ طعام کھائیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ کھالو، کیونکہ میں محرم ہوں۔ پھر فرمایا قبیلہ اشجع کے جو لوگ یہاں موجود ہیں میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے جنگل گدھے کا گوشت پیش کیا در آنحضرت آپ محرم تھے؟ آپ نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا؟ انہوں نے کہا ہاں!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے زید بن ارقم کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شکار کی دستی پیش کی گئی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا میں محرم ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں!

(سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۵۰-۱۸۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے، جب تک کہ تم اس کو خود شکار نہ کرو، یا اس کو تمہارے لیے شکار نہ کیا جائے۔

امام ابو داؤد نے کہا جب نبی ﷺ کی دو حدیثیں متعارض ہوں تو اس حدیث پر عمل کیا جائے جس پر آپ کے اصحاب نے عمل کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۵۰، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۸۴، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۲۸۲)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ایک ساتھ حج کیا۔ ایک غیر محرم نے شکار کر کے حضرت عثمان کے پاس اس کا گوشت بھیجا، حضرت عثمان نے اس میں سے کھایا اور حضرت علی نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمان نے فرمایا: خدا ہم نے شکار کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت علی نے یہ آیت پڑھی جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب محرم ہوتے تو شکار کو نہیں کھاتے تھے خواہ اس کو غیر محرم

نے شکار کیا ہو۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)
محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ
علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متونی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

جب محرم خود شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم پر اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تک تم احرام میں ہو، تمہارے لیے جنگی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور اگر محرم اس شکار میں اعانت کرے یا اس پر ولایت کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے، تب بھی وہ محرم کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر محرم، محرم کی خاطر شکار کرے تو یہ محل اختلاف ہے۔ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں بھی اس شکار کو کھانا محرم پر حرام ہے اور یہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس صورت میں محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں اس کا جواز ہے۔

صحابہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں، ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا، پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا، پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۸۲۳، صحیح مسلم، ج ۶، ص ۶۰، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۷۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۳۸، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۳۳، صحیح ابن مہب، رقم الحدیث: ۳۹۶۱، مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۸۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۲۲۲، سنن دار قطنی، ج ۲، ص ۲۹، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، طبع قدیم)
اور حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔ (اللفظی، ج ۳، ص ۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۳۵ھ)
خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:

۱۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔
۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہے تو محرم پر اس شکار کا گوشت حرام ہے، ورنہ نہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر محرم نے شکار میں غیر محرم کی اعانت نہیں کی، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ ولایت کی، تو پھر محرم کے لیے اس شکار کو کھانا جائز ہے، خواہ غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل قوت و دلائل کے اعتبار سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ رائج ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ سنن ابو داؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے اور صحاح کی احادیث سنن کی احادیث پر مقدم ہیں۔ اور

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں لام تیلیک کے لیے ہے، یعنی شکار کا گوشت تمہاری ملک کر دیا جائے تو پھر تمہارے لیے اس کا کھانا جائز نہیں، جبکہ تم محرم ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب تمہاری اعانت سے تمہارے لیے شکار کیا جائے اور اس صورت میں اس کا کھانا بلا تعلق حرام ہے۔

حضرت مصعب بن بشام کی حدیث میں ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں جنگی گدھا پیش کیا تو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ میں محرم ہوں۔ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی خلاف ہے اور امام ابو حنیفہ کے بھی، ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضرت مصعب بن بشام نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر شکار کیا تھا اس لیے آپ نے اس شکار کو واپس کر دیا اور امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ حدیث مضرب ہے۔ صحیح مسلم، الحج، ۵۵ میں ہے کہ حضرت مصعب نے آپ کی خدمت میں جنگی گدھا پیش کیا اور الحج، ۵۵ میں ہے کہ جنگی گدھے کی ایک ٹانگ پیش کی اور حدیث مضرب سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ کے موقف کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو بخاری، مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور غیر مضرب ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں ہے جب تک احرام میں ہو تمہارے لیے جنگی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، یہ آیت بھی بظاہر امام ابو حنیفہ اور ائمہ ثلاثہ دونوں کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس پر محمول ہے کہ جنگی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے جبکہ تم نے حالت احرام میں خود شکار کیا ہو یا شکار کرنے والے غیر محرم کی اعانت کی ہو، امام اعظم ابو حنیفہ کی تائید میں مزید احادیث حسب ذیل ہیں:

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بحرن کے پاس سے گزرا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو آیا اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن میرے دل میں کچھ اضطراب تھا، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو تمہاریات تم فتویٰ نہ دے سکتے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۵۹، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی)

امام ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو میں تمہیں درے مار تا۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دھوپ میں سکھایا ہوا شکار کا گوشت لے کر جاتے اور اس کو سفر میں کھاتے تھے، حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں ہوتے تھے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۰، مطبوعہ کراچی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس میں بحث کر رہے تھے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں اور نبی ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا، تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا حکم دیا۔ امام محمد نے فرمایا ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جب غیر محرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کو محرم کی خاطر ذبح کیا گیا ہو، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۱، مطبوعہ کراچی)

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اور کعبہ کی قربان کو اور جانوروں کے گھروں میں پٹے بوسے پٹوں کو یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۷﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

میں سب سے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جانتے والا ہے ۵ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت

شَدِيدٌ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے ۵ رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے

الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَا يَسْتَوِي

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ۵ آپ کہیے کہ پاک اور ناپاک

الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ

برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اُسے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو، اُسے عقل والو! تم

يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۱۰۰﴾

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نفع پاؤ ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا اور حرمت والے مہینہ کو

اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گھروں میں پٹے بوسے پٹوں کو یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جانتے والا ہے ۵ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے

اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۹۷-۹۸)

مشکل الفاظ کے معنی

کعبہ: یہ چوکور اور بلند بیت ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا، کعب کے معنی بلند

ہوتا ہے اور یہ چوکور بلند بیت ہے اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا۔

قیما للناس: جس چیز کے جب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں کعبہ کی زیارت کر کے اور اس کا طواف

کر کے لوگ حج اور عمرہ کی عبادت کو انجام دیتے ہیں جس سے ان کی آخرت درست ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

امن کی جگہ بنادیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سلان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین میں چلا آتا ہے اس سے ان کی دنیا درست ہوتی ہے۔
الشہر الحرام: چار حرمت والے مینے ہیں۔ ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم اور رجب۔ ان مہینوں کے سبب بھی امن کے معاملات قائم اور درست رہتے ہیں کیونکہ ان مہینوں میں جنگ اور قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

الہدی: جن جانوروں کو قربان کرنے کے لیے حرم میں بھیجا جائے ان کو الہدی کہتے ہیں غریاء اور فقراء ان کا گوشت کھاتے ہیں جس سے امن کی مدد ہوتی ہے۔

الفلاذ: قلاذہ بٹے کو کہتے ہیں اس سے مراد قربانی کا وہ جانور ہے جس کے گلے میں ہار یا پٹا ہو۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جس جانور کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف بھیجتے اس کے گلے میں پٹا ڈال دیتے اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کا خصوصیت سے ذکر کیا۔

مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے باعث امن ہے اسی طرح وہ انسانوں کے لیے بھی امن کا باعث ہے اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلح اور مقوم ہونا

عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف اور مظلوم کا حق قوی اور ظالم سے دلا سکے اور جو کسی بدکار کو سزا اور نیکو کار کو جزا دے سکے تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو البیت الحرام ہے لوگوں کے معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنادیا جیسے کسی ملک کا بادشاہ اپنی رعیت کے معاملات کو درست اور قائم رکھتا ہے اور ان میں عدل و انصاف برقرار رکھتا ہے اسی طرح سے کعبہ اور حرمت والے مینے زمانہ جاہلیت میں امن کی اصلاح اور درستگی کا سبب تھے کیونکہ وہ البیت الحرام کی تعظیم کرتے تھے اور اس شہر میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے اور صل کے چار حرمت والے مہینوں میں بھی لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور محرم میں سفر حج سے واپس جاتے تھے اور رجب میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے اور وہ زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مہمان اور محفوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے جن کو الہدی اور الفلاذ کہا جاتا تھا ان کی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے بیت اللہ کی تعظیم ان کے دل و دماغ میں مضبوط ہو چکی تھی اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

اور زمانہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعظیم کو اسلامی عبادات کا اہم حصہ بنادیا سو فرمایا۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّبِيِّينَ وَأَمَّا أَتُوحَدُوا مِن مَّقَامٍ إِبْرَاهِيمَ مَصْلُوحًا وَعِصْمًا
الَّتِي إِبْرَاهِيمَ وَاسْمُعِيلَ أَنْ طَهَّرَا بَيْتِي
لِلْقَلْبِ يَعْصِي وَالْعِصْمِ وَالْكَفِّ وَالْكَفِّ وَالْكَفِّ
(البقرہ: ۱۲۵)

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے مرکز اجتماع اور مقام امن بنادیا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل سے عہد لیا کہ وہ میرے بیت کو طواف کرنے والوں کا تکلف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔

مملکت حج کی ادارت کی وجہ سے اس بے آب و گیلہ زمین اور غیر زمین میں تمام دنیا سے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سلان پھل اور غلہ پہنچتا ہے اور یوں اس بیت کی وجہ سے ساکنان حرم کے لیے اسباب زلیلت فراہم ہوتے

تبیان القرآن

ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُحْبَسِي الْأَيْدِي
نَمَرَاتٍ كُلَّ شَيْءٍ مِّنْهُ يَرْزُقَا قَوْمَهُ لَئِذَا وَلَّيْكَ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ۔ (الفصص: ۵۷)

دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت سے اجتناب کرتے ہیں، احرام کی ممنوعات سے باز رہتے ہیں، قرآن مجید کی حرم میں تلاوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نماز پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں، حج کے اجتماع کو دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں، ان کے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور دیر سے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عزم کرتے ہیں، حرم میں کی ہوئی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ ایک لاکھ گنا اجر عطا فرماتا ہے، زائرین میں آتے ہیں نور واپس جاتے ہوئے اپنا دل ہمیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر ہمیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول پر صرف حکم پہنچاتا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے

ہو۔ (المائدہ: ۹۹)

کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرائض رسالت میں سے نہیں ہے

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ نرم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عذاب کا ذکر کیا تاکہ لوگ اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں، پھر اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا کہ اگر انسان سے شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے تو پھر اللہ کی رحمت پر نظر رکھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر لوگوں کو عمل کی ترغیب دی اور فرمایا رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور ہدایت دینا ہے، نیک کاموں کی ترغیب دینا اور برے کاموں سے روکنا اور ان کو عذاب سے ڈرانا ہے، تم کو نہ تو جبراً اصلح اور نیکو کار بنانا رسول کا منصب ہے اور نہ تم میں ایمان اور تقویٰ پیدا کرنا رسول کی ذمہ داری ہے اور نہ نیکیوں پر ثواب عطا کرنا اور برائیوں پر عذاب دینا رسول کا کام ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے تم کو نیکی اور برائی کے راستے دکھائے اور بتا دیئے تو ان کا کام ختم ہو گیا، اب ان پر عمل کرنا نہ کرنا تمہارا معاملہ ہے اور اس پر ثواب عطا کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

البتہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ گناہگاروں کی مغفرت کے لیے اور نیکو کاروں کے درجات میں ترقی کے لیے شفاعت فرمائیں گے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت امیجی لگتی ہو، سو اے عقل والا تم اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ (المائدہ: ۱۰۰)

اللہ کے نزدیک نیکو کاروں اور بدکاروں کا برابر نہ ہونا

پاک اور ناپاک کو برابر کرنا اور اصلح اور فاسق و فاجر کو برابر رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ
الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم پر ہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الْفٰوِیْسَ اِخْتَرَحُوا الشَّیْءَاتِ اَنْ
تَحْمِلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الْقٰلِیْلَیْتَ سَوَآءٌ مِّنْ حٰیٰتِهِمْ وَمَمَآئِنُهُمْ مَّاۤ اٰتٰهُمَّا
یَحْكُمُوْنَ ۝ (الحانبہ: ۳۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے
کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے
برابر کر دیں گے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو
جائے گی وہ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اَفَحَسِبَ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ ۝ مَا
لَکُمْ کَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (القلم: ۲۵-۲۶)

کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟
تمہیں کیا ہوا تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اے رسول یا آپ انہیں بتا دیجئے کہ کھرا اور کھوتا، نفع بخش اور ضرر رساں، نیک اور بد، حلال
اور حرام، علول اور ظالم بھی برابر نہیں ہو سکتے، خواہ دیکھنے والوں کو دنیا میں بد کردار اور بے ایمان لوگ زیادہ عیش و عشرت اور
زیادہ عزت و جلا میں کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں، جیسے مسلمانوں کی بہ نسبت کفار زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ قوی اور مستحکم ہیں، حتیٰ کہ
امریکہ جس ملک پر چاہے فضائی پابندی لگوا دیتا ہے، جیسے کئی سالوں سے لیبیا پر پابندی لگوائی ہوئی تھی، اور جس ملک پر چاہے
تجارتی اور اسلحہ سازی کی پابندی لگوا دے، جیسے کئی سالوں سے عراق پر یہ پابندی لگوائی ہوئی ہے، اسی طرح مسلمانوں میں بھی
زیادہ عزت دار، زیادہ خوشحال اور زیادہ طاقتور وہ لوگ ہیں جو بد عنوان سیاست دان اور بد دیانت سرمایہ دار ہیں، جو اسٹیلنگ اور چور
بازاری کرتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، ٹیکس ادا نہیں کرتے، قوی کاروباری معاہدوں میں رشوت اور ناجائز کمیشن لیتے ہیں
اور بینکوں سے قرضے لے کر کھا جاتے ہیں یا معاف کر لیتے ہیں۔ معاشرہ میں یہی لوگ عزت دار سمجھے جاتے ہیں اور سڑک کے
کنارے بیٹھا ہوا سوچی جو اپنی محنت سے رزق حلال کما رہا ہے، اخبار فروش، لموں میں کام کرنے والے محنت کش اور راج اور
مسز کا کام کرنے والے مزدور جو اپنے خون اور عینہ سے حلال کمائی کھاتے ہیں، ان کو معاشرہ میں ذلیل اور پسماندہ خیال کیا جاتا
ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال کھانے والے اور حرام کھانے والے، پاک اور ناپاک، طیب اور خبیث ہرگز برابر نہیں ہیں۔

سوالے صاحبان محل ان خبیث لوگوں کی ظاہری آن بان کو نہ دیکھو، شیطان کے دام میں نہ آؤ، اور مال حرام
کی زیب و زینت سے مسحور مت ہو، کیونکہ محل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور فانی کو باقی پر، عارضی
کو دائمی پر، باطل کو حق پر، فساد کو صلاح پر اور حرام کو حلال پر ترجیح نہ دے اور دنیا کے بدلہ میں آخرت کا سودا نہ
کرے کہ یہ سراسر گھائے کا سودا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنِ اَشْیَآءٍ اِنْ تُبَدَّلَ لَکُمْ

اسے ایمان دار! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار

تَسْـَٔلُکُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلُ لَکُمْ عَفَا اللّٰهُ

ہوں، اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے

عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (۱۵) قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِکُمْ ثُمَّ

ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت علم والا ہے، تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، پھر وہ

أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۴﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ

لوگ ان ہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے ۱۰۴ اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بھیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ

وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى

اور نہ وصیدہ اور نہ حامی مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں ۱۰۵ اور

اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا

ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ۱۰۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے اؤ اس دین

إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

کی عادت جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی شریعت کی طرف توجہ کرتے ہیں جس وہ طریقہ کا لہے جس پر ہم نے اپنے

أَبَاءَنَا ۚ وَلَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۶﴾

باپ اور دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں ۱۰۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت علم والا ہے۔ (المائدہ: ۱۰۶)

نبی ﷺ سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث

لوگ نبی ﷺ سے بکثرت سوال کرتے تھے ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی۔ مسلمان تو امر واقع کو در یافت کرنے کے لیے سوال کرتے تھے اور منافق احتیاطاً استہزاء اور غلو اسوئل کرتے تھے کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان چیزوں کو جن کو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم قسم اور روؤ زیادہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور بلند آواز سے رونے لگے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے تب یہ آیت نازل ہوئی ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحديث: ۳۷۱۱، صحیح مسلم، خلاصہ ج ۲، ۱۷۳ (۲۲۵۱)، سنن ترمذی ج ۶، رقم الحديث: ۳۰۶۷، سنن

کبریٰ للنسائی ج ۶، رقم الحديث: ۱۴۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء سوئل کرتے تھے کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون

ہے؟ کوئی کتابیری اونٹنی گم ہو گئی وہ اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی ﷺ سے سوالات کیے، حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیے تو ایک دن نبی ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا۔ میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے ہوئے رو رہا تھا ایک شخص کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر حضرت عمرؓ نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، پھر اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد ﷺ کو رسول مان کر ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا میں نے آج کی طرح خیر و شر کو نہیں دیکھا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا حتیٰ کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔ لہذا اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے: "اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔۔۔"

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۸۹، صحیح مسلم، کتاب النکاح، ج ۳، ۳۰۸ (۳۳۵۹) سے احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۶۱، طبع دار الحدیث، قاہرہ، سند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۱۷-۳۸۲۰، طبع دار الفکر، بیروت، سند احمد، ج ۳، ص ۱۷۷، طبع قدیمی)

امام ابو یوسف، یحییٰ بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷) تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ خاموش رہے انہوں نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ نے فرمایا نہیں! اور اگر میں ہر سال میں ہوں کہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۳، صحیح مسلم، ج ۱، ۳۳ (۳۳۷۱)، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۱۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، در آنجا ایک آپ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا آپ منبر پر بیٹھ گئے، ایک شخص نے سوال کیا میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، دوسرے نے سوال کیا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ؟ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد ﷺ کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت اور شرک سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ جانتا ہے، پھر نبی ﷺ کا غصہ لھٹا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔۔۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات

نبی ﷺ سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض نقلی ہوتی تھیں جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہو سکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا، مثلاً حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی نے پوچھا تھا کہ میرے باپ کون ہیں؟

فرض کیجئے کہ ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے، کوئی اور ہوتے، تو لوگوں میں رسوا ہو جاتے اور لن کی ماں کی ہاموس پر وجہ لگ جاتا، اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے، اگر آپ اپنی فرمادیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان محض اس وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ابو یوسف، محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۷۸ھ روایت کرتے ہیں:

مسلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گئی، خیر اور جنگی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا، وہ معاف ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۳۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

حضرت ابو حبلہ، جریر، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان میں طوطا نہ ہو اور کچھ اشیاء سے سکوت فرمایا، ان میں تمہارے لیے رخصت ہے، اللہ انہیں بھولا نہیں ہے، تم ان سے بحث نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۲، المستدرک، ج ۲، ص ۱۲۲)

حضرت سعد بن وقاص، جریر، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی۔

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۲۸۹، صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ، جریر، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرو اور جن کا حکم دیا ہے، ان کو بجالاؤ، جتنی تمہاری استطاعت ہے، کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم، فضائل، ۳۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۹۸۸)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محال

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زیر تفسیر آیت اور احادیث مذکورہ الصدر میں سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت اور ایک حدیث میں سوال کرنے کا حکم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

(الانبیاء: ۷)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر، جریر، بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا، جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر اس کو احکام ہو گیا، اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لیے تمہم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں، تم پانی کے استعمال پر قادر ہو، تمہارے لیے تمہم کی رخصت نہیں۔ سو اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا، جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کر دے، جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جمالت کی شفا سوال کرنا ہے، اس کے لیے تمہم کرنا کافی تھا، یا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۶۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۲، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۰، طبع قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا امتحان لینے کے لیے یا آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے ان کو منع کیا گیا تھا یا جس عبادت کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم نہیں دیا تھا نہ اس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا اس کے متعلق سوال کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا یا جس چیز سے کسی کی پروردگاری ہوتی ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس کا وجوب ثابت ہو چکا ہو اس کی وضاحت کے متعلق سوال کرنا جائز ہے جیسا کہ اس آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو گا تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ (المائدہ: ۱۰۶)

انشاء و می میں جو حکم مجمل ہو اس کی وضاحت کے لیے سوال کرنا جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھنا کسی پیش آمد حاجت کے متعلق سوال کرنا یہ تمام سوالات جائز ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں ان کی بہت نظر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت بیان فرمائی اور جس کا خلونہ فوت ہو گیا ہو اس کی عدت بیان فرمائی اور حاملہ کی عدت بیان فرمائی اور اس عورت کی عدت بیان نہیں فرمائی جس کو حیض آتا ہو نہ حمل ٹھہرتا ہو یعنی وہ بہت بوڑھی ہو تو صحابہ نے اس کے متعلق سوال کیا تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِي يَشُئِرُ مِنَ الْحَبِیْبِیْنِ مِنْ نِسَائِكُمْ
اِنْ اَرَبْتُمْ قَوْلًا تَهْتِنَ ثَلَاثَةَ شَهْرٍ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو مایوس ہو چکی ہوں اور تمہیں (ان کی عدت کے متعلق) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

اسی طرح حسب ذیل آیات میں صحابہ کرام کے ان سوالات کا ذکر فرمایا ہے جو وہ کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کی وضاحت کے سلسلہ میں کرتے تھے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ
مِنْ غَيْرِ قُلُوْا لِدِيْنِ وَالْاَقْرَبٰیْنَ وَالْبَنٰتِ
الْمَسْكِيْنَ وَاٰتِ السَّبِيْلَ (البقرہ: ۲۱۵)

وہ آپ سے خرچ کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہنے کہ تم جو مال (بھی) خرچ کرو تو وہ مال باپ، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ
قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْاَحْرَاجِ اَهْلًا مِنْهُ
اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۲۱۷)

وہ آپ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہنے اس میں قتل کرنا یا اگناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس سے ٹکانا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ
فِيْهِمَا اَرَامٌ كَبِيْرٌ وَمَسَافِعٌ لِّلنَّاسِ وَاِنَّهُمَا
اَكْبَرُ مِنْ تَفٰحِيْهِمَا (البقرہ: ۲۱۹)

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہنے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْبَنٰتِ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ
خَيْرٌ (البقرہ: ۲۲۰)

وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہنے کہ ان کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

يَسْقِلُونَكُمْ عَنِ الْمَجْبُورِ قُلْ هُوَ آذَى
فَاعْتَبِرُوا النِّسَاءَ فِي الْمَجْبُورِ —
وہ آپ سے جیض کے حکم کا سوال کرتے ہیں، آپ کہئے کہ
وہ گند کی ہے، نہیں عورتوں سے حالت جیض میں انگ رہو۔

(البقرہ: ۲۲۲)

قرآن مجید میں اس طرح کے سوالات کی پندرہ آیتیں ہیں، جن میں سے بارہ آیتوں میں صحابہ کرام کے سوالات ہیں، ان
آیات سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں، کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے، کسی شرعی حکم کی وضاحت کے لیے، اور کسی
اشیاء کو دور کرنے کے لیے سوال جائز ہے، احادیث میں بھی اس کی بہت غلطی ہیں۔
آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث

نیا پیچھے سے صحابہ کرام امور مستنبطہ کے متعلق بھی سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک مجلس میں نیا پیچھے صحابہ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک
اعرابی نے آپ کی حدیث کے دوران سوال کیا قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اپنی حدیث جاری رکھی، پھر سائل کو متوجہ کر کے
فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا، اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب
نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

صحابہ کرام کسی پیش آمدہ مسئلہ اور علوہ میں آپ پیچھے سے سوال کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت اللوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے،
لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے، ایک شخص نے کہا مجھے پتا نہیں چلا اور میں نے ذبح سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا کوئی
حرج نہیں (اب) ذبح کر لو ایک اور شخص نے کہا کہ مجھے پتا نہیں چلا میں نے رمی سے پہلے نحر کر لیا، آپ نے فرمایا اب رمی کر لو،
کوئی حرج نہیں ہے۔ نیا پیچھے سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا موخر کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کر لو کوئی
حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک تقدیم تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے دم
مازم آتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اسی طرح مروی ہے، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس سے آخرت میں حرج یعنی گناہ
نہیں ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو احباب کی بیٹی سے شادی کی، ایک عورت نے ان سے کہا میں
نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے، حضرت عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پہلے مجھے
بتایا تھا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس سے
الگ کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ یہ کہا گیا ہے تو عقبہ اس عورت سے الگ ہو گئے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۸، بیروت)

آپ کا یہ ارشاد بطور استنباط ہے، اور نہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ثبوت رضاعت کے لیے دو
مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آئی تھی، میں نے حضرت مقداد سے کہا کہ وہ اس کے متعلق سوال
کریں، انہوں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۲، بیروت)

خواتین آپ سے عورتوں کے خصوصی مسائل دریافت کرتی تھیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا کیا عورتوں پر بھی احکام کی وجہ سے غسل فرض ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! جب وہ پانی دیکھ لے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے میں اپنے منہ کو چھپا کر کہا یا رسول اللہ! عورت کو بھی احکام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں یا پھر پتہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰۰، بیروت)

قرآن مجید کی کسی اصطلاح کے متعلق بھی صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے:

حضرت ابو موسیٰ جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں قتل کرنے کی کیا تعریف ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتل کرتا ہے، کوئی گروہی قصب کی وجہ سے قتل کرتا ہے، آپ ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھایا، اس وقت وہ شخص کھڑا ہوا تھا، آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے دین کی سرپرستی کے لیے قتل کیا، وہی اللہ عزوجل کی راہ میں قتل کرتا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳، مطبوعہ بیروت)

بعض اوقات صحابہ آپ کی حدیث کے معارف میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے، پھر آپ اس کا جواب دیتے تھے:

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ اس کے مطلب کو نہ پہنچتیں تو آپ سے رجوع کرتی تھیں اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا، اس کو عذاب دیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا، (الاشفاق، ۸) آپ نے فرمایا اس آیت میں حساب کا پیش کرنا مراد ہے، لیکن جس سے حساب میں مناشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۳، مطبوعہ بیروت)

مشکل سوالات اور بھارت ڈالنے کی ممانعت

مافظ ابو عمرو یوسف بن عبد البر القرطبی التلمیسی ۴۳۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معلویہ جریریہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے پہلیوں اور بھارتوں کے ڈالنے سے منع فرمایا، کسی کو ساکت اور عاجز کرنے کے قصد سے اس پر بھارت ڈالنا منع ہے، اور شاگردوں کا استھان لینے کے لیے بھارت ڈالنا جائز ہے، خود نبی ﷺ نے صحابہ سے پوچھا درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳)

حضرت معلویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے سوالات کیے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکل سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب سے افضل کوئی قوم نہیں دیکھی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ سوالات کیے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ وہ تیرہ سوالات یہ ہیں:

- (۱) واداسالک عبادی عسی (۲) یسئلونک عن الاہلۃ (۳) یسئلونک ماذا یفقیون (۴) یسئلونک عن الشهر الحرام (۵) یسئلونک عن الخمر والمیسر (۶) ویسئلونک عن البیتامی (۷) ویسئلونک ماذا یفقیون (۸) ویسئلونک عن

المحبص۔ یہ آٹھ سوالات سورۃ البقرۃ میں ہیں۔ (۹) یسئلونک ما اذا احل لہم۔ (المائدہ)
(۱۰) یسئلونک عن الساعۃ۔ (الاعراف) (۱۱) یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال)
(۱۲) یسئلونک عن الحبال۔

تحقیق یہ ہے کہ صرف بارہ سوالات صحابہ نے کیے تھے قرآن مجید میں یسئلونک کے صیغہ سے پائی جو سوال ہیں وہ یہود اور مشرکین کے ہیں۔ طلوس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کے متعلق سوال کرے جو نہیں ہے کیونکہ جو چیز بھی ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص ۱۳۲، ملخصاً، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع

بہر حال اب حصول علم کے لیے شرعی سوالات کا کرنا جائز ہے کیونکہ اب یہ خوف نہیں کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے کسی شے کی حرمت نازل ہو جائے گی، طہل و حرام احکام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے، اور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں یا کسی نئے حلوہ میں یا کسی غیر منصوص صورت نازلہ میں کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے علماء سے سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے، اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے سوال کرو۔ (الانبیاء: ۱۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا جماعت کی شفا سوال کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۶) اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کے لیے سوال کرے، تاکہ اس کو جواب نہ آئے اور وہ عاجز ہو جائے یا جو شخص محض ضد اور ہٹ دھرمی کے لیے سوال کرے یا جو شخص علو اسواں کرے، سو ایسے سوال ناجائز ہیں، خواہ کم ہوں یا زیادہ، البتہ علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کے لیے جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں، وہ جائز ہے۔ اسی طرح کسی کی دلیل پر نقض وارد کرنا اور مسلمات میں التفریقین سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور اخلق حق اور باطل باطل کے لیے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے، تاہم مناظرہ میں فریق مخالف کو حکمت کے ساتھ کسی کفریہ کلمہ سے بچانا چاہیے، اور اگر یہ چاہے کہ وہ کوئی کفریہ کلمہ کہے اور میں اس کی تکفیر کروں تو یہ خود کفر ہے اور اگر یہ چاہے کہ وہ دین میں کوئی ناروا بات کہے اور میں اس کی مذمت کروں تو یہ حرام ہے، بلکہ یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں دلائل پیش کر کے حکمت کے ساتھ فریق مخالف کو حق کا قائل کر لوں، نہ یہ کہ اس کو مناظرہ میں شکست دوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، پھر وہ لوگ انہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔ (المائدہ: ۱۰۴)

کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرمادیے تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہو گئے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بوئنی کا سوال کیا تھا، اور جب وہ بوئنی آگئی تو انہوں نے اس کی کوئی نہیں کاٹ دیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے اور جب ان پر دسترخوان نازل کر دیا گیا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نبی ﷺ کی رسالت سے اور ان کی زبان سے تنبیہ کی ہے کہ وہ سوالات کرنے کے معاملہ میں اپنے سے پہلی امتوں کے راست پر نہ چل پڑیں، اس لیے فرمایا کہ تم فرمائشی

شعبی نے بیان کیا کہ زندہ جاہلیت میں لوگ اپنی نو نشیوں اور بکریوں کو اپنے جوں کے پاس ذبح کے لیے چھوڑ دیتے تھے وہ لوگوں کی بکریوں کے ساتھ غلط ملط ہو جاتیں، ان کا دودھ صرف مرد دہتے تھے، اور جب ان میں سے کوئی مر جاتی تو مرد اور عورت دونوں اس کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ سائبہ کی تفسیر ہے۔

سہی نے سائبہ کی تفسیر میں بیان کیا کہ زندہ جاہلیت میں جب کسی شخص کا مال بہت زیادہ ہو جاتا، یا وہ کسی بیماری سے شغایاب ہو جاتا یا کسی سفر سے کامیاب لوٹتا تو وہ اپنی کسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتا، کوئی شخص اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ابن المسیب نے کہا جس اونٹنی کو وہ جوں کے لیے چھوڑ دیتے وہ سائبہ کہلاتی۔

(جامع البیان ۷: ۷۷، ص ۱۲۳-۱۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کی جوں کے لیے غز مٹی جاتی اور اس کو جوں کے خدام اور محافظوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ جہاں چاہتی چرتی اس پر سملن لدا جاتا، نہ اس کا اون کاٹا جاتا، اور نہ اس کا دودھ دہا جاتا، البتہ سملن مستثنیٰ تھا۔

(التفسیر المنیر ۷: ۷۷، ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

الوسیلہ کا معنی

جب کسی شخص کی بکری نر اور مادہ دو بچے بنتی تو کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہو گئی ہے، پھر اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو بھی ذبح نہیں کرتے تھے، اس بکری کو مشرکین زندہ جاہلیت میں "الوسیلہ" کہتے تھے۔

(المفردات ص ۵۵، مطبوعہ ایران ۱۳۶۲ھ)
مقدم نے الوسیلہ کی تعریف میں کہا: جب اونٹنی صرف نر بچے کو جنم دیتی تو اس اونٹنی کو مرد کھاتے تھے، اور جب ایک ساتھ نر اور مادہ کو جنم دیتی تو کہتے یہ اونٹنی اپنے بھائی کے ساتھ واصل ہو گئی ہے، پھر ان دونوں کو نہیں کھاتے تھے، اور جب نر مر جاتا تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے، گویا نر کے ساتھ پیدا ہونے والی اونٹنی وسیلہ تھی۔

ابن المسیب نے بیان کیا کہ وسیلہ وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ کو جنم دے، دوسری بار پھر مادہ کو جنم دے، وہ کہتے تھے کہ یہ وسیلہ ہے، دو مادہ اونٹیوں کے درمیان نر نہیں ہے، اس اونٹنی کو وہ جوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

(جامع البیان ۷: ۷۷، ص ۱۲۳-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

الحامی کا معنی

وہ نر جو دس مرتبہ مادہ کو گیا بھن کر دے، اس کو حامی کہتے تھے، اس پر سملن لدا جاتا تھا، نہ اس پر سواری کی جاتی تھی۔
(المفردات ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ ایران ۱۳۶۲ھ)

فقہ نے کہا جو اونٹ اور اس کا بیٹا دس مرتبہ گیا بھن کر دے، وہ حامی ہے۔
امام ابن جریر نے کہا کہ جس اونٹ کی ضرب سے مسلسل دس اونٹیاں پیدا ہوں، درمیان میں نر نہ ہو، اس کو حامی کہتے تھے، اس پر سواری کی جاتی، نہ اس پر سملن لدا جاتا، نہ اس کا اون کاٹا جاتا، اس کو پانی اور چراگاہ سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

(جامع البیان ۷: ۷۷، ص ۱۲۳-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بکیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب نے بیان کیا کہ بکیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دہنا جوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا، اور کوئی شخص اس کا

دودھ نہیں دہتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کسی چیز کو نہ دانا نہیں جاتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹیوں کو چھوڑا تھا اور وسیلہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹنی جنتی ہے وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور ان کے درمیان نہ ہو اور حلیٰ زاونٹ ہے جو چند معین مرتبہ گیا بھن کرے جب وہ اپنا دودھ پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر سلمان نہیں لاتے تھے اور اس کو الحابی کہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ دوزخ کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ عمرو اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہ پہلے شخص تھا جس نے سائبہ اونٹیوں کو چھوڑا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۳-۳۶۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا جب تمہاری اونٹیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے کان سالم ہوتے ہیں پھر تم استرا لے کر ان کے کان کٹ ڈالتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بھیرہ ہے اور ان کے کان چیر دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ حرام ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی کلائی بہت سخت ہے اور اس کا استرا بہت تیز ہے اور تمہارا ہر بل جو تمہارے لیے حلال ہے اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں کی گئی۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۸۸۸، سنن کبریٰ للبخاری، ج ۱۰، ص ۱۰، جامع البیان، ج ۷، ص ۱۱۹-۱۱۸)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو ضرور پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹیوں کو چھوڑا اور بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے پھر نصب کیے اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ نے پوچھا رسول اللہ! ﷺ یہ وہ شخص کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص بنو کعب کا بھائی عمرو بن لُحی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو اذیت پہنچ رہی تھی اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے بھیرہ کے کان چیرے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بنو مدیج کا ایک شخص ہے جس کی دو اونٹیاں تھیں اس نے ان کے کان چیرے اور ان کا دودھ دو ہٹا اور ان پر سامان ملا دیا حرام کر دیا پھر اس کو ضرورت ہوئی تو اس نے ان کا دودھ پیا اور ان کی پشت پر سوار ہوا میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا وہ اونٹیاں اس کو اپنے مونہوں سے جھنجھوڑ رہی تھیں اور اپنے کھروں سے روند رہی تھیں۔ (یہ حدیث مرسل ہے)

(در مشورہ، ج ۲، ص ۳۳۸، جامع البیان، ج ۷، ص ۱۱۸، روح المعانی، ج ۷، ص ۳۳)

ایصالِ ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور طیب ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام نہیں کیا لیکن زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بھیرہ، سائبہ، وسیلہ اور حامی ٹھہرائے ان کو اپنے بتوں کے لیے نامزد کیا اور ان سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا اور یہ محض اللہ پر افتراء ہے سوان جانوروں کو جب مسلمان، اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو ان کا کھانا حلال اور طیب ہو گا اسی طرح قربانی کے لیے جو جانور لوگوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یہ عبد اللہ کی گائے ہے یہ عبدالرحمن کا بکرا ہے اور اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے جو جانور ان کی طرف

منسوب کیے جاتے ہیں کہ مثلاً اس بکرے کو ذبح کر کے اس کے طعم کے صدقہ کے ثواب کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقدور جیلانی قدس سرہ یا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی روح کو پہنچایا جائے گا اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ یہ خوش پاک کاکرا ہے یا یہ داتا صاحب کاکرا ہے، تو جب اس کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو اس کا گوشت بھی حلال اور طیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے اؤ اس دین کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف، تو کہتے ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ کلن ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دلو کو پایا، خواہ ان کے باپ اور دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (المائدہ ۱۰۴)

بھیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے کفار کی تشریع کو رد کر دیا ہے اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ہے اور نہ یہ اس کی سنت ہے اور نہ شریعت میں اس کو عبادت قرار دیا ہے اور اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو اول تو کفر اور شرک نہ کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرتے اور ان جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کر کے اور ان سے حصول نفع کو حرام کر کے مزید گمراہ نہ ہوتے جو پھر کسی قسم کے نفع اور نقصان پر مصلحتاً غور نہیں ہیں نہ ان کی ہکار من سکتے ہیں نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں ان کی پرستش کرنے سے کیا حاصل؟ اور ان جانوروں کو ان کی خاطر حرام کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

تقلید مذموم اور تقلید محمود

عقل سے کام لیتے تو بت پرستی نہ کرتے اور نہ بتوں کی خاطر ان جانوروں کو حرام کرتے لیکن وہ بغیر غور و فکر کے اپنے آباء اجداد کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں حالانکہ ان کے آباء اجداد کو جاہل اور گمراہ تھے اور جاہلوں کی تقلید ضرر محض ہے۔ عقل، علم اور دین کے متعلق ہے اور مصلحت کے خلاف ہے اس آیت میں مطلقاً تقلید کی مذمت نہیں کی، بلکہ ان لوگوں کی تقلید کی مذمت کی ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں اور اس سے یہ مفہوم نکلا ہے کہ جو لوگ عالم اور ہدایت یافتہ ہوں ان کی تقلید جائز اور صحیح ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ ہدایت یافتہ عالم کی تقلید اس وقت صحیح ہے جب مقلد کو معلوم ہو کہ اس عالم کا قول دلیل اور حجت پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ اس عالم سے دلیل معلوم کر کے بیان کر سکے اس صورت میں یہ محض اندھی تقلید نہیں ہوگی اور وہ محض دراصل اسی دلیل کے مطابق عمل کر رہا ہے اور یہ چیز عقل اور علم کے خلاف نہیں ہے۔

ہر دور میں ان پڑھ عوام اپنے پیش آمدہ مسائل میں علماء اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عالم اور مفتی اس مسئلہ کا جو حل بیان کرتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ دلیل بیان بھی کر دی جاتی ہے سو درحقیقت وہ محض قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے مقلد محض نہیں ہے اور ہدایت یافتہ عالم کا مقلد ہے جاہل اور گمراہ کا مقلد نہیں ہے اسی طرح ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں وہ اپنے امام کے قول پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کے امام کا قول ہے بلکہ اس قول پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کا قول قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے تو درحقیقت وہ قول امام پر عمل نہیں کر رہا بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے اور چونکہ عام آدمی کا علم قرآن اور حدیث کو محیط نہیں ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط پر قادر نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے حاصل شدہ احکام کو اپنے پیش آمدہ مسئلہ پر منطبق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لیے اسے کسی قرآن اور حدیث کے قیمر اور ماہر عالم کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ کسی ہدایت یافتہ قیمر اور ماہر عالم دین کی تقلید کرتا ہے اور ائمہ اربعہ ہدایت یافتہ اور قرآن و حدیث کے علوم کے ماہر اور امام تھے سو ان کی تقلید کرنا بالکل جائز صحیح اور عقل سلیم کے مطابق ہے ان کے اقوال قرآن و حدیث پر

ہی ہیں، یہ دلائل انہوں نے خود بھی بیان کیے اور ان کے متبع علماء نے بھی بیان کیے، اس کے باوجود ان کی نیک نفسی اور علم و دیانت کا یہ حل ہے کہ انہوں نے کہا اگر ہمارا کوئی قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو مسترد کر دو اور حدیث پر عمل کر دو یہی ہمارا مذہب ہے، سو ان ائمہ کی تقلید کرنا دراصل قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ یہ محض ان کی تقلید نہیں ہے اور نہ ہی اندھی تقلید ہے، کیونکہ ان کے اقوال قرآن و حدیث پر ہی ہیں اور نہ یہ کسی جاہل اور گمراہ کی تقلید ہے، بلکہ یہ ان کی تقلید ہے جو اپنے اپنے دور میں علم اور ہدایت کے آفتاب و مہتاب تھے، سو اس آیت سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر طعن کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا

لئے ایمان دار! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے نہیں کوئی

اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيَنْبِتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

مرد نہیں ہو گے، اللہ ہی کی طرف تم سب سے لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَر

ہے۔ ۱۰۸ لے ایمان دار! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آ جائے اور وہ

أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَ

وصیت کر رہا ہو تو تمہاری شہادت کا نصاب ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ

سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کی موت آ پہنچے تو خیر میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں)، اگر

الْمَوْتُ تَحِبُّوا نَهْمًا مِّنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَبْتُمْ

تھیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک کر، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی فائدہ کی وجہ

لَا نَشْتَرِي بِهٖ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا

سے اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی حمایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے

إِذَا لِمَنِ الْأَثَمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَإِنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرُونَ

اور ہم سنت گناہوں میں شمار ہوں گے ۱۰۹ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق

يَقُومُونَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولَٰئِينَ فَيَقْسِمْنَ

ان گواہوں نے ضائع کیا ہے ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر

بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِلَّا إِذَا أَلَيْنَ

کہیں کہ ہماری شہادت ان (دو گواہوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں

الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۸﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ

میں ہو گا ○ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ دوسری اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا

يَخَافُونَ أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ آيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا

حق ہے یا وہ اس بات ڈریں کہ (دو گواہوں) قسموں کے بعد ان کی قسمیں ستر کر دی جائیں گی اور اس سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام)

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۹﴾

سنو! اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ (المائدہ ۱۰۵)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا غرض ان جاہلوں اور گمراہوں کو اسلام کی طرف بلانے کی مسلمانوں نے پوری کوشش کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اخروی انصاف کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود جب ان جاہلوں نے اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان کی جہالت اور گمراہی کی پرولہ نہ کرو اور ان کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرتے رہو۔ اس لیے اس آیت میں فرمایا اے ایمان والو! تم اپنی فکر کو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیتے تھے اور عرب کے مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے صرف دو راستے تھے یا اسلام قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تب منافقوں نے مسلمانوں کو ملامت کی کہ تم بعض کفار سے جزیہ قبول کرتے ہو اور بعض سے قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی ملامت کی پرولہ نہ کرو مسلمانوں کو اس سے بہت سخت تکلیف ہوتی تھی کہ نبی ﷺ کی بسیار تبلیغ اس قدر معجزات کے مشاہدہ اور آپ کی اتنی کوششوں کے باوجود یہ کفار کفر کو نہیں چھوڑتے اور اپنی گمراہی پر ڈھلے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی جس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو

مسلمان کرنے کے ملک نہیں ہو، تم صرف اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی جہالت اور گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضروری ہونا

”تم اپنی فکر کرو“ کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھو اور اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کی فکر کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو تم صرف اپنی فکر کرو، جس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا واجب نہیں ہے، صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کی دوسری نصوص کے خلاف ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے، اس لیے تم اپنی فکر کرو کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، اس کے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں تو تم فکر نہ کرو، جب تم ہدایت پر ہو، نیکی کر رہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو، تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابو یوسف، محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل میں گناہ بہت بڑھ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا وہ باز نہیں آئے۔ وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دل بھی ان کی طرح کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ٹپک لگائے ہوئے تھے پھر آپ انھیں کرینٹہ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ (امام ابوداؤد کی روایت میں ہے) تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت تلاوت کرتے ہو اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا (المائدہ ۱۰۵) اور تم اس آیت سے غلط مطلب نکالتے ہو اور ہم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب لوگ ظالم گودیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا اور عیشم کی روایت میں ہے جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں پھر نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۸، سنن کبیری للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۷)

سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۵

المائدہ ۷۹-۷۸ کی تفسیر میں ہم نے اس سلسلہ میں بہت احادیث پیش کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کادقت) آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو

تمہاری شہادت کا منصب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آچنچے تو فیوض میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں) اگر تم میں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ سے) اس قسم کے عوض کوئی بل نہیں لیں گے، اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم سخت گنہ گاروں میں شمار ہوں گے، پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے، ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان (دو بیوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے، اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں میں ہو گا، یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (دوسری) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے، یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (درءاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۱۰۶-۱۰۸)

سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلہ) میں سے ایک شخص قسیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے تو اس کے درءاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے طلب لیا، پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے کہا ہم نے یہ پیالہ قسیم اور عدی سے خریدا ہے، پھر سہمی کے درءاء نے اس سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی کا ہے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے۔ (المائدہ: ۱۰۶-۱۰۸)

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۰۶)

امام ابو یوسف ترمذی متوفی ۲۵۹ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (المائدہ: ۱۰۶) کے متعلق قسیم داری سے روایت کرتے ہیں، قسیم داری نے کہا وہ اور عدی بن بداء دونوں نصرانی تھے، اور اسلام لانے سے پہلے شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے، تو ان کے پاس بنو سہم کے آزاد شدہ غلام بھی تجارت کے مقصد سے آئے، ان کا نام بدیل بن ابی مریم تھا، ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا، وہ اس کو بدشادہ کے پاس لے جانا چاہتے تھے، وہ راستہ میں بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ہم دونوں کو وصیت کی اور یہ کہ ان کا ترکہ ان کے اہل کو پہنچا دیں۔ قسیم نے کہا جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے اس پیالہ پر قبضہ کر لیا، اس کو ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا، جب ہم بدیل سہمی کے گھر پہنچے تو اس کا بقی ترکہ جو ہمارے پاس تھا، وہ ہم نے اس کے گھر والوں کو دے دیا، انہوں نے اس ترکہ میں پیالہ کو گم پایا، تو ہم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا اس نے اس کے سوالور پر کچھ نہیں چھوڑا تھا، ورنہ اس کے سوالور کوئی چیز ہمیں دی تھی۔

قسیم نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے عند تشریف لانے کے بعد مسلمان ہو گیا، تو میں نے اس فعل میں گناہ جانا، میں ان کے گھر گیا اور ان کو اصل واقعہ کی خبر دی، اور ان کو پانچ سو درہم واپس کر دیئے، اور ان کو بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے درہم ہیں۔ وہ اس (عدی بن بداء) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے، آپ نے سہمی کے درءاء سے گواہ طلب کیے، ان کے

پاس گواہ نہیں تھے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عدی بن بداء سے قسم طلب کریں جو ان کے دین میں سب سے بڑی قسم ہو اس نے قسم کھالی تب یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ ۸۰-۸۱) پھر عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے (اور عامر مسمی کے موقف پر اور عدی کے خلاف) قسم کھالی تو عدی بن بداء سے پانچ سو درہم وصول کیے گئے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ (سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث ۳۰۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمد کے دلائل

ان آیتوں میں سفر اور حضر میں وصیت کرنے پر ترغیب دی گئی ہے 'وصیت کے ثبوت اور اس کو نافذ کرنے کے لئے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے اور یہ کہ ضرورت یا حاجت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے دو شخص گواہ ہوں اس کا معنی ہے تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، شریح ابن یسیر اور شعبی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر فرمایا ہے اور سفر میں غیروں میں سے دو گواہ بنائے جائیں حضرت ابن مسعود، حضرت عباس اور دیگر مذکور للصدر فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد ہے جو لوگ تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں یعنی اہل کتاب میں سے ہوں اور حسن اور عمرہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں۔

جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہل کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنایا جائے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن المسیب، ابن جبیر، ابن یسیر، قتادہ، شعبی، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور اب بھی اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور وہ سرائقول یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوئی:

وَأَشْهِدُوا ذُوَى عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۳۰)

اور اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو نیک شخصوں کو گواہ

بناد۔

زید بن اسلم، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی اسی طرف میلان ہے انہوں نے کہا کہ اہل کفر عداول (نیک) نہیں ہیں اور پستاقول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے مواقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے۔ جیسے حیض، نفاس اور بچے کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی صحیح ہوتی ہے۔

(ازاد المسیر ج ۲، ص ۲۳۶-۲۳۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کے معلات میں کفار کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور اس آیت میں جو غیروں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اس آیت میں غیروں سے مراد غیر مسلم ہو تو پھر یہ آیت واشہدوا ذوی عدل منکم سے منسوخ ہے اور یا اس آیت سے منسوخ ہے:

وَأَشْهِدُوا شَهِدَيْنِ مِّنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَآمْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّاهِدَاتِ (البقرہ: ۲۸۲)

اور اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بناد اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

تبیان القرآن

اور ظاہر ہے کہ دی یا اہل کتاب شرعاً غیر مہذبہ ہیں، سو یہ آیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت کے لیے ملخ ہے۔ اور ماضی میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی، کیونکہ اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور آج کے دور میں تو ہر جگہ مسلمان موجود ہیں، اس لیے کفار کی شہادت ساقط ہو جائے گی، اس لیے اب مسلمانوں کا کافروں کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شرح سے روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو صرف سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے، اور کسی موقع پر جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳۲) امام احمد بن حنبل سے بھی ایسی کی مثل مروی ہے اور وہ اس میں منفرد ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے ابن سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳۳) اور امام طحاوی نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص وقت قاضی فوت ہو گیا اور اس کو مسلمانوں میں سے کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بناتا، تو اس نے دو اہل کتاب عیسائیوں کو گواہ بنالیا، وہ دونوں کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ کے پاس آئے، حضرت ابو موسیٰ نے کہانی سنی، پھر کے بعد کے بعد اس طرح نہیں ہوتا تھا، پھر عصر کے بعد ان دونوں سے حلف لیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے، نہ جھوٹ بولا ہے، نہ وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے، پھر ان کی شہادت کو مانع کر دیا۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۰۵، جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳۳) امام طحاوی نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) تھی اور میرے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ابن کی مخالفت نہیں کی ہے، اور اکثر فقہاء تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے، اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کسی محل میں کافر کی شہادت جائز نہیں ہے، جس طرح قاضی کی شہادت جائز نہیں ہے۔ وہ زید بن اسلم، امام شافعی اور نعمان (امام ابو حنیفہ) ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز کہا ہے۔ (محرمہ القاری، ج ۳، ص ۴۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابو حنیفہ کے دلائل

امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے، اور مسلمانوں کے خلاف ابن کی گواہی جائز نہیں ہے، کیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں، اور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ

اور کافر ایک دوسرے کے اول ہیں۔

(الانفال: ۷۳)

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلیٰ درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔ امام ابو داؤد بحسبانی متوفی ۴۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک مرد اور عورت کو لے کر آئے، جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایسے دو مردوں کو لے کر آؤ جو تمہارے سب سے بڑے عالم ہوں، وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو قسم دی کہ یہ بتاؤ کہ قورات میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا قورات میں یہ مذکور ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے مرد کے آل کو عورت کے اندام نکلتی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمدہ دانی میں

ہوتی ہے تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا پھر تم کو انہیں رجم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے کہا ہماری سلطنت (اقتدار) چلی گئی تو پھر ہم نے قتل کرنے کو پسند جانا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے گواہوں کو بلایا سو چار گواہ آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے اس مرد کے آلہ کو اس عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمد دانی میں ہوتی ہے تب بھی ﷺ نے ان کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۵۲، سنن دارقطنی ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۰۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب کی اہل کتاب کے خلاف شہادت جائز ہے، ایک اور حدیث سے بھی یہ بات مفہوم نکلتی ہے۔

امام علی بن محمد دارقطنی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ملت والے دو سری ملت والوں کے وارث نہیں ہوتے اور ایک ملت والوں کی دو سری ملت والوں کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔ ماسوا میری امت کے، کیونکہ ان کی شہادت دو سروں کے خلاف جائز ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۳، رقم الحدیث: ۶۸، المعجم الاوسط للعبانی ج ۶، رقم الحدیث: ۵۴۳۰، مجمع الزوائد ج ۳، ص ۴۰۱)

اس حدیث کا مضموم یہ ہے کہ ایک ملت کے افراد کی اپنی ملت والوں کے خلاف شہادت جائز ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الرضی عنہ متوفی ۵۰۴ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی، خواہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (مثلاً یہودی کی گواہی نصاریٰ کے خلاف مقبول ہوگی) امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ ناسق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الْمَافِقُونَ (قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے، یہ صاحب ہدایہ کا تفسیر ہے۔ البتہ اس معنی میں یہ آیت ہے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمَافِقُونَ (النور ۵۵)

اس لیے ان کی خبر پر توقف کرنا واجب ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور وہ بہ منزلہ مرتد ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نصاریٰ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ نیز ان کو اپنے اوپر اور اپنے چھوٹے بچوں کے اوپر ولایت حاصل ہے۔ لہذا ان کو اس کی جنس پر شہادت کا حق بھی حاصل ہوگا اور فسق اعتقادی شہادت کو قبول کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے دین میں جس چیز کو حرام اعتقاد کرتے ہیں اس سے اجتناب کرتے ہیں اور جھوٹ بولنا تمام ارباب میں حرام ہے۔ اس لیے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور ان کو مرتد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مرتد کو کسی پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی، اور ذمیوں کی گواہی مسلمانوں کے خلاف اس لیے مقبول نہیں ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

كَلَّا يَتَّخِذُ الْكَافِرُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء ۷۴)

اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

اور چونکہ کافر مسلمان سے دشمنی رکھتا ہے اور دار اسلام میں اس سے مغلوب ہے، اس لیے وہ اس پر غلبہ پانے کے لیے جھوٹ بولے گا اور کفر کی ملتیں ہر چند کہ مختلف ہیں، لیکن دار اسلام میں وہ ایک دوسرے سے مغلوب نہیں ہیں، اس لیے ان میں باہم دشمنی نہیں ہوگی، جو ان کو جھوٹی گواہی پر اکسائے اور حلی مستحسن (جو کافر یا سپورٹ لے کر ہمارے ملک میں آئے) کی گواہی

ذی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور جو کافر الگ الگ ملکوں میں رہتے ہیں ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ (ہدایہ اخیرین، ص ۲۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ ملتان)

اور اس سے پہلے جو ہم نے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک ملت والوں کی گواہی دوسری ملت والوں کے خلاف قبول نہیں ہوگی اس سے مراد دو مختلف ملکوں میں رہنے والے کافر ہیں اور جو مختلف ملتوں والے ایک ملک کے کافر ہمارے ملک میں پاسپورٹ لے کر آئیں ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی کیونکہ یہاں وہ ایک دوسرے پر غالب نہیں ہیں اور ان میں باہم دشمنی نہیں ہے جو ان کو ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی گواہی پر ابھارے۔ البتہ مسلمان کی شہادت ذی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور نہ مختلف ملکوں میں رہنے والے کافروں کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی۔

(ہدایہ اخیرین، ص ۱۶۳)

امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

فقہاء مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اہل ذمہ کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے، مسلمان کے خلاف نہ اہل کتاب کے خلاف۔ اس لیے علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ۲۶۸ھ فقہاء احناف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے اس آیت (المائدہ ۱۰۸-۱۰۶) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت جائز ہے کیونکہ وہ احران من غیر کم کا معنی ہے "یا ان کو گولہ بٹاؤ جو دین میں تمہارے غیر ہیں" اور جب اہل ذمہ کو مسلمان گواہ بنا سکتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بطریق اولیٰ گواہ بنا سکتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک تو مسلمانوں کا اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور تمہارے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اس لیے تمہارا یہ استدلال جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عبارت النقص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل ذمہ کو مسلمانوں کے خلاف گولہ بٹانا جائز ہے اور یہ طریق تنبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کی آپس میں گواہی بھی جائز ہے کیونکہ جب ان کی شہادت مسلمانوں کے خلاف جائز ہے تو اپنی ملت والوں کے خلاف یہ طریق اولیٰ جائز ہوگی۔ پھر جب دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی شہادت باطل ہے تو آپس میں ان کی شہادت کا جواز اپنے حل پر ہلتی رہا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جواز ہونا اس مسئلہ کی فرع ہے کہ اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت جائز ہو اور جب اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت باطل ہوگی جو اصل تھی تو جو اس کی فرع ہے یعنی اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جواز وہ بہ طریق اولیٰ باطل ہو جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۶۹-۲۷۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی اس علامہ بحث کی متانت سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کے جواز پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا بلکہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے والدین کسروا بعضہم اولیاء بعض (الانفال: ۷۳) یہ آیت اور اس کے علاوہ دو حدیثیں جن سے امام اعظم نے استدلال کیا ہے، ہم اس سے متصل پہلے عنوان میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ذمہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں، اجرت اور قرض کا لین دین کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے مثلاً قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے اور ان میں دیگر جرائم بھی ہوتے ہیں اور باہمی تنازعات بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ اپنے مقدمات مسلمان حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں، اگر ان کے معاملات جرائم اور تنازعات میں ان کی اپنی شہادت قبول نہ ہو تو ان کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ان کو انصاف نہیں مل سکے گا

اور ظلم اور فساد کا غلبہ ہو گا اور یہ اسلام کے فناء کے خلاف ہے اس لیے ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ دارالاسلام میں اہل ذمہ میں ایک دوسرے کے متعلق شہادت کو قبول کیا جائے اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا موقف ہی قرآن مجید، احادیث اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔

ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

بعض اوقات سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو صحت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو تو آپ اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں ایسی صورت ہو وہاں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اس کو گواہ بنالیا جائے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسیب، ابن جبہ، ابن سیرین، قتادہ، شعبی، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت ٹکڑ ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر گواہ بنالیا جائے تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔

شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا مستم کو قید میں رکھنے کا جواز

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر حمیس ابن پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر کسی قسم کا شبہ ہو اس کو روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

بنزہ بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو تھمت کی بناء پر قید کر لیا۔

امام ترمذی کی روایت میں ہے بعد میں اس کو رہا کر دیا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۰، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۲۲، سنن نسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۳۸۹۱)

علامہ احمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

قید کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بطور مزا کے قید کرنا اور بطور تحقیق کے قید کرنا اور بطور مزا کے اس وقت قید کیا جائے گا جب

اس پر کوئی حق واجب ہو گا یا جرم ثابت ہو گا اور جس شخص کو تھمت کی بناء پر قید کیا جائے گا تو اس کی تحقیق کی جائے گی اور

حدیث میں ہے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت کے لیے قید کیا پھر اس کو رہا کر دیا۔

(مسالم السنن مع مختصر سنن ابو داؤد ج ۵، ص ۲۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ حزاری بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ کلابیہ کے لوگوں کی چوری ہو گئی انہوں نے حاکم کے کچھ لوگوں پر چوری کی

تھمت لگائی وہ لوگ نبی ﷺ کے صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت نعمان نے حاکم کے لوگوں کو

چند روز قید رکھا پھر ان کو رہا کر دیا۔ کلابیہ حضرت نعمان کے پاس گئے اور کہا آپ نے ان لوگوں کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر

استحسان لیے رہا کر دیا۔ حضرت نعمان نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ان کو مار لوں پھر اگر تمہارا سلطان نکل آیا تو فیما درنہ میں تمہاری

پشت پر اتنے کوڑے لگوں گا جتنے ان کو لگائے ہوں گے انہوں نے کہا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ حضرت نعمان نے کہا یہ اللہ کا حکم ہے

اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔

امام ابو داؤد نے کہا اعتراف سے پہلے کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابو داؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۸۲، سنن النسائی 'ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۸۹)

ہمارے ملک میں محض شبہ کی بنا پر کسی شخص کو حوالات میں اتنی مار لگائی جاتی ہے کہ وہ مار سے بچنے کے لیے اپنے ناکرہ جرائم کا اعتراف کر لیتا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ علامہ سندی نے لکھا ہے کہ شمت اور شبہ کی بنا پر کسی کو قید کرنا جائز ہے۔ مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز

مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی وہ ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثلمہ بن آجل تھا۔ صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثلمہ تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد میرا نیک خیال ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ ایک خوبی کو قتل کریں گے اور اگر آپ مجھ پر احسن کریں گے تو ایک شر گزار پر احسن کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مجھ سے سوال کریں اس کو اسی طرح رکھا گیا۔ آپ نے دوسرے دن پھر اس سے فرمایا اے ثلمہ تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا تھا۔ اگر آپ مجھ پر احسن کریں گے تو ایک شر گزار پر احسن کریں گے اس کو پھر اسی طرح رکھا گیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر اس سے سوال کیا اے ثلمہ تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ثلمہ کو کھول دو پھر ثلمہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا اس نے غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ اے محمد ﷺ بخدا (پہلے) تمام روئے زمین پر مجھے آپ کا چہرہ سب سے زیادہ برا لگتا تھا اور اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور بخدا میں پہلے سب سے زیادہ آپ کے دین سے بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور پہلے میں آپ کے شر سے سب سے زیادہ بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا شر مجھے تمام شیعوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا اور اب میں عموماً کہتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بشارت دی اور اسے عموماً کرنے کا حکم دیا جب وہ مکہ میں پہنچا تو اس سے کسی شخص نے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! بخدا میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں بخدا! تمہارے پاس لب بیلہ سے اس وقت تک گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنے گا جب تک کہ نبی ﷺ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔

(صحیح البخاری 'ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۷۲، سنن ابو داؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۷۹، صحیح مسلم 'جلد ۵' ص ۵۸ (۱۷۳) ۲۵۰۸، سنن النسائی

'ج ۸' رقم الحدیث: ۱۸۸، مسند احمد 'ج ۲' ص ۴۵۲، ج ۳ ص ۸۲، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے تین دن ثلمہ بن آجل کو قید رکھا اور یہ حدیث مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل ہے۔

نادر ہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ہر اس بن حبیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس اپنے مقروض کو لے کر آیا، آپ نے فرمایا اس کو قید کر لو، پھر مجھ سے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں علامہ ہند مقروض کو قید میں رکھنے کی دلیل ہے۔

عمرو بن الشریحہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متحمل آدمی کی (قرض واپس کرنے میں) سستی اور تاخیر اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتی ہے۔

امام ابن السہارک نے کہا کہ عزت کو حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے سختی اور درشت کلام کے ساتھ تقاضا کیا جائے اور سزا حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ (علامہ نووی اور علامہ سندھی نے بھی یہی تشریح کی ہے)

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۸، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰۳-۳۷۰۴، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۷، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۹۱۸، طبع جدید، دار الفکر، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸۹-۳۸۸-۳۲۲، طبع قدیم، امام بخاری نے اس

حدیث کو حلیقہ ذکر کیا ہے۔ کتاب الاستقراض، باب ۱۳)

نیز امام بخاری نے حلیقہ ذکر کیا ہے کہ قاضی شریع مقروض کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب اصولہ، باب ۷۶)

نادھندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ محمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست اور غریب مقروض کو عدم لوائگی پر قید نہیں کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سزا کو جائز کہا ہے جو ادائیگی پر قادر ہو اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی شریع کا نظریہ یہ تھا کہ متحمل اور تنگ دست دونوں کو قید کر دیا جائے، اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (فقہاء احناف کا یہ نظریہ نہیں ہے سعیدی غفرلہ) امام مالک نے کہا تنگ دست کو قید نہیں کیا جائے گا، اس کو ادائیگی کے لیے صلت دی جائے گی، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بہ ظاہر تنگ دست ہو، اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور جو شخص بظاہر متحمل ہو اور وہ اپنے حق کو ادا نہ کرتا ہو، تو اس کو قید کیا جائے گا اور بعض اصحاب شافعیہ نے اس میں مزید قیود کا اضافہ کیا ہے۔ (سالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد، ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری، ج ۵، ص ۷۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۱۳ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد بخینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے، کیونکہ اس وقت وہ ظالم ہے اور ظلم حرام ہے، خواہ وہ قلیل ہو اور اگر مقروض کا تنگ دست ہونا ثابت ہو تو اس کو صلت دینا واجب ہے اور اس کو قید کرنا حرام ہے، اور جس شخص کا تنگ دست ہونا ثابت ہو گیا ہو اور اس کو قید سے نکل دیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا قرض خواہ مقروض کے ساتھ لازم رہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کے پاس کسی اور مال کا ثبوت نہ ہو، وہ اس کے ساتھ لازم نہ رہیں اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے

ہیں کہ حاکم قرض خواہوں کو اس کے ساتھ لڑم سے منع نہ کرے۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۲۳۶ مطبوعہ ادارة البیاعہ المنیریہ ۱۳۳۸ھ)

جس طرح مالی حقوق میں اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر کسی کا مالی حق ہو اسی طرح بدنی حقوق میں استغاثہ کو حق دلانے کے لیے اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر قصاص لازم ہو اسی طرح جس شخص نے حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو اس پر حد بخنڈ کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔

گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تم میں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں۔

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں "بعد از نماز" سے مراد بعد از نماز عصر ہے کیونکہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردلنا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے سے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جا رہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اس کے اعمال گننے کے لیے آ رہے ہوتے ہیں اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت میں عمل کیا جائے اس کو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اسی وقت بندوں کے اعمال قبول کیے جانے کے لیے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں اس لیے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گنہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالہ ۵۶۱ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم شخصوں سے اللہ کا نام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت (فرمائے گا) اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافروں کو پانی (پینے) سے منع کرے۔ دو سرا وہ شخص جو کسی شخص سے محض دنیا کے لیے بیعت کرے اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق دے تو اس سے بیعت کو پورا کرے ورنہ بیعت پوری نہ کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی آدمی کو کسی چیز کی قیمت بتائے اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اسے وہ چیز اتنے اتنے میں ملی ہے اور وہ آدمی اس کو لے لے حلا نکہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ (صحیح البخاری ج ۲ رقم الحدیث: ۲۱۷۷ ج ۸ رقم الحدیث: ۷۲۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا اللہ عز و جل اس سے کلام نہیں کرے گا نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کو دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متونی ص ۸۵۷ لکھتے ہیں:

عصر کے وقت کو زیادہ گنہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حلا نکہ جھوٹی قسم ہر وقت کھانا حرام ہے کیونکہ یہ عظیم الشان وقت ہے اس وقت میں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہ اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے اور امور کا دار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے اس وقت میں گنہ کے ارتکاب پر سخت سزا رکھی ہے تاکہ لوگ اس وقت میں گناہوں پر جرات نہ کریں اور حقد میں عصر کے بعد حلف لیتے تھے اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں غائب

جس طرح قسم کو پختہ کرنے کے لیے زمان کے اعتبار سے عصر کے بعد کے وقت کی خصوصیت ہے اسی طرح مکان اور مقام کے اعتبار سے کسی جگہ کی بھی اہمیت ہے یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مدنی علیہ جہاں چاہے قسم کھائے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحت یہ اثر ذکر کیا ہے کہ مروان نے حضرت زید بن ثابت کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں، حضرت زید نے کہا میں اپنی جگہ قسم کھاؤں گا پھر زید قسم کھاتے لگے اور انہوں نے منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا، مروان کو اس سے تعجب ہوا، حضرت زید نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا یا تم دو گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھائے گا اور آپ نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی مفتی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قسم دلانے کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں ہے، اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا قسم میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب چوتھائی دینار یا اس سے زائد کے معاملہ پر قسم کھائی ہو تو جامع مسجد میں یا جامع مسجد کے منبر پر قسم دلائی جائے گی، اور جب اس سے کم کا معاملہ ہو تو حاکم کی مجلس میں بازار میں یا کسی بھی جگہ قسم کھائی جاسکتی ہے، اور اس پر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے، اور امام مالک منبر مدینہ کے سوا اور کسی منبر کو نہیں پہچانتے تھے، اور جو شخص منبر مدینہ کے پاس قسم کھاتے سے انکار کرے، وہ ان کے نزدیک قسم کھانے سے منکر ہے اور قسامت کی قسموں میں امام مالک کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ رکن اور مقام کے درمیان قسم کھائے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب بھی امام مالک کی طرح ہے، لیکن ان کے نزدیک منبر مدینہ یا مکہ میں رکن اور مقام کے نزدیک قسم کھانا اس وقت ضروری ہے جب میں دینار یا اس سے زائد کا معاملہ ہو اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کسی شخص سے کسی بھی معاملہ میں خواہ قلیل مال کا معاملہ ہو یا کثیر مال کا نبی ﷺ کے منبر پر قسم لینا ضروری نہیں ہے، اور نہ قصاص اور وصیت میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور جس شخص پر قسم واجب ہو تو حکام اپنی مجلس میں اس سے قسم لے لیں۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن ثابت کے اثر سے استدلال کیا ہے، کیونکہ انہوں نے منبر پر قسم نہیں کھائی اور جو اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہ مروان کے قول سے بلا دلیل استدلال کرتے ہیں۔ صاحب التوضیح نے امام شافعی کی طرف سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت زید بن ثابت کو یہ یقین ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت نہیں ہے تو وہ مروان پر رد کرتے اور کہتے کہ نہیں، خدا کی قسم میں منبر پر قسم نہیں کھاؤں گا، میں صرف تمہاری مجلس میں قسم کھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عجیب استدلال ہے، اگر حضرت زید کو علم ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت ہے، تو وہ مروان کی مجلس میں قسم نہ کھاتے اور منبر پر ہی قسم کھاتے، لیکن انہوں نے مروان کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی مجلس میں قسم کھائی اور یہ مروان کا رد نہیں تو اور کیا ہے؟

(محرمہ القاری ج ۱۳ ص ۲۵۲-۲۵۳ مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیر یہ مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متونی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ اثر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کتاب القضاء میں سند صحیح کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے دسی تھے، ان کے پاس ایک شخص ایک دستاویز لے کر آیا، جس میں گواہوں کے نام مٹ چکے تھے۔ حضرت ابن عمر نے نافع سے کہا اس کو منبر پر لے جا کر اس سے حلف لو۔ اس شخص نے کہا جب یہ منبر پر مجھ سے حلف لے گا تو آپ تو نہیں سن رہے ہوں گے، حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے بیچ کھا اور اس شخص

سے اسی مجلس میں حلف لیا۔

مروان کی تائید میں بھی اثر ہے۔ امام کراچی نے أدب القضاء میں سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس شخص کا اونٹ نصب کر لیا ہے اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا حضرت عثمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائے اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور کہا: منبر کے علاوہ اور آپ جہاں چاہیں میں قسم کھاؤں گا حضرت عثمان نے فرمایا نہیں تم کو منبر پر قسم کھانی ہوگی 'ورنہ اونٹ تلوان میں دبا پڑے گا' اس شخص نے اونٹ تلوان میں دے دیا اور منبر پر قسم نہیں کھائی۔

جس طرح زبان کے اعتبار سے قسم کی خلیفہ میں عصر کے بعد کے وقت کی تخصیص ہے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے قسم کی خلیفہ میں منبر رسول ﷺ کی تخصیص ہے اور اس سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں ہیں:

۱۔ امام مالک، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ نے صحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا خواہ وہ ایک ہزار سو اک پر قسم کھائے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

۲۔ امام نسائی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابو امامہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی جس سے وہ کسی مسلمان شخص کا دل بڑپ کرنا چاہتا ہو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اللہ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

(فتح الباری، ج ۵، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر رسول پر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے مگر جس قسم میں خلیفہ مقصود ہو تو وہ منبر رسول پر قسم دینی چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اور کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟ عصر کے بعد کا وقت تو دنیا میں ہر جگہ حاصل ہو سکتا ہے اس لیے سخت اور قوی قسم دینے کے لیے عصر کے وقت کی خصوصیت درست ہے۔ لیکن رکن اور مقام پر قسم دینا یا منبر رسول پر قسم دینا یہ عملاً صرف حرمین طیبین میں ہی ممکن ہے اور اب اسلام تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ خصوصاً پاسپورٹ اور ویزے کی پابندی کے اس دور میں معتقل مذہب صرف امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا ہے اور وہی قتل عمل ہے۔

صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس ذات کی قسم کھائی جائے اس کی صفات کے ذکر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے۔ "بِالله الذی لا الہ الا هو عالم العیب والشہادۃ الرحمن الرحیم" امام شافعی نے کہا اس میں یہ اضافہ بھی کرے "الذی یعلم خائفۃ الاعیسیٰ وما تخفی الصدور والذی یعلم من السر ما یعلم من العلانیۃ" علامہ حنون مالکی نے کہا اللہ اور مصحف کی قسم کھائے اور ہمارے اصحاب اختلاف کے نزدیک صرف اللہ کے نام کی قسم کھانا کفای ہے، طلاق کی قسم نہ کھائے (یعنی اگر میں نے یہ کام کیا ہے تو میری بیوی کو طلاق) ہاں اگر فریق مخالف اللہ کی قسم کو اہمیت نہ دیتا ہو اور طلاق کی قسم کا مطالبہ کرے تو پھر طلاق کی قسم کھالے لیکن اگر اس نے طلاق کی قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے اس چیز سے انکار کیا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کر

بھی دیا گیا تو وہ غنڈ نہیں ہو گا۔ قسم کو زیادہ پختہ اور موکد کرنے کے لیے اللہ کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شخص عرف میں نیک ہو اس سے پختہ قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے اور دوسروں سے مطالبہ کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ زیادہ مال کے معاملہ میں پختہ قسم کا مطالبہ کیا جائے اور کم مال کے معاملہ میں نہ کیا جائے اور زمین اور مکان کے اعتبار سے قسم کو پختہ نہ کیا جائے (یعنی عصر کے بعد قسم کا مطالبہ کرے یا مسجد کے منبر پر قسم کھانے کا مطالبہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب اس وقت میں اور منبر پر قسم کھانے کا رواج عام ہو جائے گا تو لوگوں کے نزدیک ان کی وقعت کم ہو جائے گی۔ ہاں کسی بہت اہم اور خاص معاملہ میں زمین و مکان کے ساتھ خلیفہ کرنی چاہیے اور اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دینی چاہیے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو قسم دی اور فرمایا یہ قسم کھلو "بِاللہ الذی لا الہ الا ہو" میرے پاس مدی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ رقم الحدیث ۳۳۰۰) اس طرح قرآن حدیث اور آثار صحابہ سب پر عمل ہو گا کیونکہ قرآن مجید میں (عصر کی) نماز کے بعد قسم دھانے کا حکم ہے اور حدیث میں اللہ کی ذات اور صفات کے ساتھ قسم دینے کا حکم ہے اور آثار صحابہ میں مسجد کے منبر پر قسم دینے کا ذکر ہے۔ اس لیے قسم کی خلیفہ تاکید اور اس کو پختہ کرنے کے لیے ان امور کے ساتھ قسم دی جائے لیکن چونکہ قرآن اور حدیث میں اس خلیفہ کو واجب اور ضروری نہیں قرار دیا اس لیے ان امور کے ساتھ خلیفہ کو عام معمول نہ ملتا جائے تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت اور اہمیت کم نہ ہو اور کسی بہت اہم اور غیر معمولی معاملہ میں جہاں بہت تاکید اور خلیفہ مقصود ہو وہاں عصر کے بعد مسجد کے منبر پر اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دی جائے۔ (سعید بن غفران) توضیح میں یہ مذکور ہے کہ کیا قسم دیتے وقت مصحف (قرآن مجید) کو بھی حاضر کیا جائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کا انکار کیا اور بعض مالکی علماء نے کہا میں دیکھتا ہوں اس سے زیادہ کی مالیت میں مصحف کو حاضر کرنا لازم ہے اور ابن المنذر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے اس طرف کو دیکھا وہ مصحف کے سامنے طے اٹھتے تھے۔

(عمدة القاری ج ۱۳ ص ۲۵۳، مطبوعہ ادارۃ البیضاء المنیرہ ۱۳۴۸ھ)

مدی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے ان کی طرف سے وہ گواہوں کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اس واقعہ میں پہلے میت کے وصیوں نے قسم کھائی کہ ہم کو اس میت نے صرف اتنا ہی مال دیا تھا (جس میں چاندی کا پیالہ نہیں تھا) اور درختوں نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے پورا مال نہیں پہنچایا اور انہوں نے جھوٹی قسم کھائی اور امت میں خیانت کی ہے پھر وصیوں کی قسم کے مقابلہ میں درختوں کے دعویٰ پیش ہوئے اور انہوں نے ان وصیوں کے خلاف قسم کھائی اور کہا ہماری قسم ان کی قسم کے مقابلہ میں برحق ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درخت مدعی تھے اور مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں اور قسم مدعی علیہ پر ہوتی ہے اور یہاں مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا کیونکہ جب درختوں کے گواہوں نے قسم کھائی کہ یہ وصی جھوٹے ہیں اس سالن میں پیالہ بھی تھا تو ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ پیالہ مکہ میں مل گیا اور وصیوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے میت سے یہ پیالہ خرید لیا تھا تو اب معاملہ برعکس ہو گیا اب وہ مدعی ہو گئے اور میت کے درخت اس خریداری کے منکر تھے وہ مدعی علیہ ہو گئے اور چونکہ وصیوں کے پاس پیالہ خریدنے کے گواہ نہ تھے اس لیے درختوں پر قسم لازم آئی انہوں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹے ہیں اور ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض درءاء کو مدعی ہی قرار دیا جائے تب بھی اصول یہ ہے کہ اگر کسی خارجی قرینہ سے مدعی علیہ کی خیانت اس کا جھوٹ اور گناہ ثابت ہو جائے تو اس کی قسم غیر مستحکم ہو جاتی ہے، اور پھر مدعی سے قسم لے کر اس کی قسم پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اور اس آیت سے بھی اصول ثابت ہوتا ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ اس وقت جب مدعی علیہ کی قسم کے جھوٹ ہونے پر کوئی خارجی دلیل اور قرینہ نہ ہو۔ اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے جس میں گواہ کا سلطان ہونا ضروری فرمایا ہے، اور اس آیت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے اس پر مفصل بحث ہم اس آیت کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا

جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے ہمیں بالکل علم نہیں ہے

إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

بیشک تیری تمام غیبوں کا جاننے والا ہے ۵ جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے ادھر

إِذْ كُنَّا نَعْمُرُكَ عَلَىٰ وَالدَّيْتِكَ إِذْ أَتَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ

اور اپنی ماں کے ادھر میرے احسان کر یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی،

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

تم گہرائی میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور بچہ عمر میں بھی، اور جنب میں سے تم کو کتب، حکمت، تورات اور

وَالْتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

انجیل کا علم دیا، اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے

يَاذُنِي فَتَنْفَخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ

تے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے مادرِ نادانہ حوصلے

الْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۚ وَإِذْ كَفَفْتُ

اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے، اور میں نے (ہی) تم کو

بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ

بنو اسرائیل سے بچایا، جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے

طه: ۱۱۱-۱۰۹

وَقَدْ كُنَّا نَعْمُرُكَ

كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ قُبُورٍ ۝ وَلَا ذُؤَحِيَّتٌ إِلَى

کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سرا اور کچھ نہیں ہے ۝ اور جب میں نے حواریوں پر الہام

الْحَوَارِیِّینَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۚ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا

کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (سے) اشرار

مُسْلِمُونَ ۝

گواہ ہو جا کہ بیشک ہم مسلمان ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے، ہمیں بالکل علم نہیں ہے، بے شک تو ہی تمام فیصلوں کا جانتے والا ہے (المائدہ: ۱۰۹) آیات سابقہ سے مناسبت۔

قرآن مجید میں اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ احکام شریعہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے یا انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور یا احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر سفر میں وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کے احکام بیان فرمائے، تو اب اس کے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور اپنے کسی فائدہ کی بناء پر گواہی میں رد و بدل نہ کرے اور نہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے۔ اس لیے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے گھج اور جی گواہی دے اور اس میں خیانت نہ کرے۔ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ ”ہمیں کچھ علم نہیں“

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف: ۴) سو بے شک ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَتَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحجر: ۲۳) سو آپ کے رب کی قسم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے، مثلاً یہ آیت ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ امَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ
جِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)
اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ
لائیں گے اور (اے رسولِ کرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا
کر لائیں گے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاءِ عظیم السلام کو یقیناً اپنی امتوں کے احوال اور ان کے دیئے ہوئے جوابات کا علم ہے اور
جب ہی وہ ان کے متعلق گواہی دیں گے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ عرض کریں گے "ہمیں اصلاً علم نہیں ہے" اس کا معنی یہ ہے
کہ اللہ عزوجل کے غیر متناہی علم کے مقابلہ میں ان کو اصلاً علم نہیں ہے۔ مفسرینِ کرام نے اس سوال کے متعدد جوابات ذکر کیے
ہیں، ہم ان میں سے بعض کو نقل کر رہے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۰۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ انبیاءِ عظیم السلام کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے دیئے ہوئے جوابات کے باطن کا
علم نہیں، یعنی ان کے دلوں کے حل کا علم نہیں اور جزاء کا ترتیب اسی پر ہوتا تھا اور یہ نبی ﷺ سے مروی ہے۔ وہ سراقوں یہ ہے
کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں ہے مگر اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
فرمایا اس کا معنی ہے ہمیں اس کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ تو ہم سے زیادہ جانتے والا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ
قیامت کی ہولناکیوں اور خوف اور دہشت سے ان کو اپنے علم سے ذہول ہو جائے گا، اور وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔
نحاس نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ رسل صلوٰۃ اللہ علیہم پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین
ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر اوقات میں انبیاءِ عظیم السلام کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا، لیکن بعض اوقات میں
ان پر خوف طاری ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ زور سے چیخ مارے گی، اس وقت ہر نبی اور ہر صدیق
گھمنوں کے بل گر جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے قیامت کے دن کا اتنا خوف دلایا کہ میں رونے لگا۔
میں نے کہا اے جبرائیل! کیا میرے اگلے نور بجھلے (یہ ظاہر ذنب کی مغفرت نہیں کر دی گئی) تو انہوں نے مجھ سے کہا اے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قیامت کی ایسی ہولناکیوں کو ضرور دیکھیں گے جو آپ کو آپ کی مغفرت بھلا دیں گی۔ نحاس نے کہا اس
کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تم کو ظاہر اور باطن میں اور جلوت اور خلوت میں کیا جواب دیا گیا؟

وہ کہیں گے ہمیں اصلاً علم نہیں ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور ابن
جریج نے کہا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا عمل کیے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں
ہے، حتیٰ تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ ابو عبید نے کہا اس کے مشابہ یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے پاس
حوض پر آئیں گے، میں کہوں گا کہ (کیا یہ) میری امت ہیں؟ تو کہا جائے گا بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ
کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں؟

علامہ بلوری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے ہی ان کے حل اور ان کے جواب کو جاننے والا ہے، پھر ان سے کیوں سوال فرمائے
گا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تاکہ انبیاءِ عظیم السلام کو اللہ تعالیٰ بتلائے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی امتوں نے ان پر کیا کیا
افتراء بنائے اور کیا کیا کفر کیے؟ اور دوسرا جواب یہ ہے تاکہ ان کی امتوں کے کافروں کو تمام مخلوق کے سامنے ذلیل اور سوا کرے
اور یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۱۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام غزالی رحمہ اللہ مرزا زکی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اندازہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ سے عرض کیا ہمیں کچھ علم نہیں کیونکہ جو عمل انہوں نے ظاہر کیے جو پوشیدہ کیے ان کو صرف تو ہی جانتا ہے ہم تو صرف ان اعمال کو جانتے ہیں جو انہوں نے ظاہر کیے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے سامنے اپنے علم کی نفی کی گویا اللہ کے علم کے سامنے ان کا علم عدم علم کے حکم میں ہے۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی زندگی میں ان کے اعمال کا علم تھا اور ہماری وفات کے بعد ان کے اعمال کا ہمیں علم نہیں اور جزاء اور ثواب کا مدار خاتمہ پر ہے ہمیں علم نہیں کہ ان کا خاتمہ کن اعمال پر ہوا۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں کچھ علم نہیں اور بعد میں جو فرمایا: بے شک تو ہی فیوں کا جاننے والا ہے وہ ان دونوں جوابوں کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس تفسیر کو لکھتے وقت جو جواب میرے دل میں آیا وہ یہ ہے کہ علم اور چیز ہے (اور وہ یقین ہے) اور غن اور چیز ہے اور ہر شخص کو دو سرے کے متعلق غن ہوتا ہے علم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہم ظاہر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس حقیقت لاتے ہو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص زیادہ طلاقت لسانی (چرب زبانی) کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کرے۔ پس اگر (بالفرض) میں باحق فیصلہ کروں تو گویا میں اس کو آگ کا ایک حصہ دے رہا ہوں سو انبیاء علیہم السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے احوال کا علم (یعنی یقین) نہیں ہمیں ان کے احوال کا صرف غن حاصل ہے اور غن صرف دنیا میں معتبر ہوتا ہے کیونکہ دنیا کے احکام صرف غن پر مبنی ہیں اور آخرت میں غن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ آخرت کے احکام حقائق اشیاء اور باطن امور پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا: ہمیں علم نہیں ہے سو اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا اور آخرت میں اپنے غن کا ذکر نہیں کیا کیونکہ آخرت میں غن کا اعتبار نہیں ہوتا اور آخری جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم حکیم اور علول ہے اس کا کوئی کام حکمت اور عدل کے خلاف نہیں ہے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا نہ کوئی نقصان دور ہو گا اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت کیا جائے اور معاملہ اس حکیم اور علول پر چھوڑ دیا جائے جو جی و قیوم اور اللہ موت ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۵۷ھ نے بھی اس آخری جواب کو اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں: انبیاء کا یہ جواب ان کے کمال ادب کی شان ظاہر کرتا ہے کہ وہ علم الہی کے حضور اپنے علم کو اصلاً نظر میں نہ لائیں گے اور قائل ذکر قرار نہ دیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم و عدل پر تفویض فرمادیں گے۔ شیخ شہیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۵۷ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں: لیکن ابن عباس کے نزدیک "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ حیرے علم کمال و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں گویا یہ الفاظ ادب مع اللہ کے طور پر کہے۔

(حاشیۃ القرآن بر ترجمہ قرآن از شیخ محمود الحسن)

بعض علماء دیوبند اس آیت کو انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی میں پیش کرتے ہیں انہیں شیخ عثمانی کی اس تفسیر میں غور کرنا چاہیے۔ باقی ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کو اتنا ہی علم غیب حاصل ہے جتنا ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے غیب مطلق کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک ان کو عالم الغیب کنا صحیح نہیں ہے امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا ضابطہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر علام کا اطلاق کرنا جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر خلاق کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر علامہ کا اطلاق کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تاہم یہ کے لیے بھی آتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں کسی نقص کا وہم ہو اس لفظ کا اللہ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، ہمارے عام بول چال میں اللہ میں اور اللہ سائیں کہا جاتا ہے۔ میں کا لفظ بیوی کے مقتل کے لیے بولا جاتا ہے، کسی بوڑھے آدمی اور لکڑوں کے مولوی کو بھی میں ہی کہتے ہیں، طوائف کے سرپرست کو بھی میں ہی کہتے ہیں، اور سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے۔ سو یہ دونوں لفظ نقص کے معنی کو متضمن ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کرنا جائز ہے، جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں ہو۔ البتہ اس کی ذلت کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں حکمرانی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا
الْكُتُبَ يَمْلِكُ الَّذِينَ يَشَاءُونَ أَسْمَاءَهُمْ لَئِنْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (الاعراف ۱۸۰)
اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں، سوانہ ناموں سے اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان کو غریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کیا جائے، جن میں حسن ہو اور جن اسماء میں کسی وجہ سے نقص یا عیب ہو، ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہ کیا جائے، بلکہ اس سلسلہ میں قرآن اور حدیث کے اطلاقات سے تہلو نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے لوہے اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی، تم گوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کا علم دیا اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرے کی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پر عہد ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے ہمارے زوائد ہوں اور ہم کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے، اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے اور میں نے (ہی) تم کو نبی اسرائیل سے پہلایا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے، تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جلو کے سوالور کچھ نہیں ہے (المائدہ: ۱۱۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کرے گا کہ تم کو کیا جو لب دیا گیا تھا؟ اس آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے گا اور بن کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے بن پر اتنے احسانات فرمائے اور بن کی فرمائشیں پوری کیں، پھر انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اور اس کا شریک بنالیا۔ دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا، اور بن کی شان میں تازیبا باتیں کہی تھیں، یہ کفر میں بن سے بڑھ گئے، انہوں نے اللہ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی۔ "تعالی اللہ عن ذالک" اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور بن کی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلانیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی

خلوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور محترم کرتا ہے، اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے، اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے سب سے بڑی اور مہربان ہے جو پیغمبر اسلام سیدنا محمد ﷺ کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشش رہتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گھولتے ہوئے فرمایا: جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔
روح القدس کا معنی

روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس میں روح کی اضافت قدس کی طرف ہے، قدس سے مراد اللہ عز و جل کی ذات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح، ارواح کی باہیت مختلف ہوتی ہے، بعض ظاہرہ اورانیہ ہوتی ہیں، بعض خبیثہ ظلمانیہ ہوتی ہیں۔ حضرت جبرائیل وہ روح ہیں جو ظاہرہ اور نورانی ہے، اور حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کی مدد ظاہرہ اور نورانی روح سے کی گئی ہے۔

حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل

تم گوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی یعنی بچپن میں اور پختہ عمر میں، ہر دور میں ان کا کلام عقل اور حکمت کے مطابق تھا اور انبیاء اور حکماء کے کلام کے موافق تھا، کیونکہ منگھوڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے، اور میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے گوارے میں وحی فرمائی، اب یہاں ایک یہ سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوارہ میں کلام کرنا تو مجرہ ہے، پختہ عمر میں ان کا کلام کرنا کس طرح مجرہ ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کھولت تیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال سے پہلے آسمانوں کی طرف اٹھالیے گئے اور کئی ہزار سال بعد زمین پر ان کا نزول ہو گا، اور اس وقت وہ پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ بھی ان کا مجرہ ہے کہ کئی ہزار سال گزرنے کے بعد بھی وہ صرف کھول ہوں گے، حتیٰ کہ بوڑھے بھی نہیں ہوں گے اور پختہ عمر کی حالت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر نزول کی بھی دلیل ہے، کیونکہ وہ پختہ عمر اور کھولت کے زمانہ کو پانے سے پہلے آسمانوں پر اٹھالیے گئے تھے اور قرآن مجید کے مطابق ان کا کھولت کی عمر میں کلام کرنا بھی ضروری ہے، اس سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بھی ہیں اور ان کا زمین پر نزول بھی ہو گا، اور اس آیت کا صمدی کیسے ہو گا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے کھولت کا زمانہ پالیا تھا اور وہ کھولت کے زمانہ میں باتیں کرتے تھے تو یہ مجرہ کیسے ہوا؟ کھولت کے زمانہ میں تو سب باتیں کرتے ہیں، یہ مجرہ اسی وقت ہو گا جب انہیں کھولت کے زمانہ سے پہلے اٹھالیا گیا ہو، اور وہ کئی ہزار برس بعد زمین پر نازل ہوں اور کھولت کا زمانہ پا کر لوگوں سے باتیں کریں، سو اس طرح اس آیت میں ان کے مجرہ کا ذکر بھی ہو گا اور یہ آیت ان کی حیات اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل بھی ہو گی۔

کتاب، حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی

اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کا علم دیا، کتاب سے مراد یہ تو اس کا مصدری معنی ہے، یعنی لکھنا، اور یا کتاب بمعنی مکتوب ہے، اور اس سے مراد جس کتاب ہے، کیونکہ انسان پہلے انسان کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشکل اور ادق کتابیں پڑھتا ہے، اور حکمت سے مراد علوم نظریہ اور علوم عملیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نازل شدہ کتابوں کا علم اور

ان کے اسرار کی فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد نفس کا کمال علمی اور علم کے تقاضوں پر عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد صحیح قول ہے 'تورات سے مراد وہ کتب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی' اس میں شرائع اور احکام ہیں اور انجیل سے مراد وہ کتب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی 'اس میں سواعظ اور اخلاق ہیں' پہلے کتب کا ذکر فرمایا پھر تورات اور انجیل کا ذکر فرمایا حالانکہ وہ بھی کتبیں ہیں 'یہ شرف اور فضیلت کی وجہ سے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے' جیسا کہ اس آیت میں ملائکہ کے بعد جبرائیل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے 'حالانکہ وہ بھی ملائکہ میں سے ہیں:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ
جو شخص اللہ اور فرشتوں اور رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

(البقرہ: ۹۸)

تورات اور انجیل کے معنی کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۳ میں کر دی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات

جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی 'اور تم میرے حکم سے ماورِ زوائد میں نور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے بطور عطا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا 'اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے لیے چمگوڑ بنائیں اور اس میں روح ڈال دیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور اس سے چمگوڑ کی صورت بنائی۔ پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی 'چمگوڑ کو بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسب تھا' اور اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے چمگوڑ بنانے کا مطلب اس لیے کیا تھا کہ یہ گوشت اور خون سے بنا ہوا عجیب ترین جانور ہے اور یہ پروں کے ساتھ اڑتا ہے اور حیوان کی طرح بچے دیتا ہے 'اور بقی پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا' اس کے تھن ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے 'انسان کی طرح ہنستا ہے اور اس کو عورت کی طرح حیض آتا ہے' یہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ رات کے اند میرے میں 'یہ رات کے ابتدائی حصہ تک دکھائی دیتا ہے۔

(ماشیہ محی الدین شیخ زادہ علی ایضادی 'ج ۲' ص ۱۳۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اعلیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے اور اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھا پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماورِ زوائد میں کو اللہ کے حکم سے پناہ کرتے تھے 'برص ایک جلدی بیماری ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور ایک تکلیف دہ غارش ہوتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے۔ یعنی تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے۔ جب تم اللہ سے دعا کر کے مردے سے یہ کہتے تھے 'اللہ کے اذن سے اپنی قبر سے باہر آ' ان تینوں افعال میں اللہ کے اذن کا ذکر کیا ہے 'تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کا فاعل حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

اور میں نے (عی) تم کو بنو اسرائیل سے بچایا 'جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جلود کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یعنی جب تم بنو اسرائیل کے پاس اپنی نبوت اور رسالت پر دلائل اور معجزات لے کر گئے 'تو انہوں نے تمہاری تکذیب کی اور تم پر تمہمت لگائی کہ تم جلود گر ہو 'اور انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا اور میں نے تم کو اپنی طرف لوہا اٹھایا اور تم کو ان کے شر سے بچایا۔ انصاف: ۱۵۸ میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان

پر اٹھائے جانے کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب میں نے حواریوں پر الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ!) تو کو لو ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ (المائدہ: ۱۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار اور ان کے غلط اصحاب تھے، حور کا معنی ہے کسی چیز کو صاف کرنا اور ان لوگوں نے اپنے نفوس کا تذکرہ کر کے پاک اور صاف کر لیا تھا اس آیت میں مذکور ہے میں نے حواریوں کی طرف وحی کی، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ جس کلام کو اپنے نبی کی طرف نازل فرماتا ہے خواہ فرشتے کے واسطے سے ہو یا بلا واسطہ اس کو وحی کہتے ہیں اس لیے اس آیت کا معنی ہے ہم نے حواریوں کی طرف الہام کیا۔ قرآن مجید کی لور بھی کئی آیتوں میں وحی بمعنی الہام ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ أَخْرِجْ

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام فرمایا کہ انہیں

(القصص: ۷) دودھ پلاؤ۔

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ

اور آپ کے رب نے شد کی بھیجے کے دل میں ڈال کہ تو

النَّجْمِ اللَّائِي تُنِيرُ مِنَ الشَّجَرِ وَتَصْنَعُ خَشْنَتَ

نہاڑوں میں گھربنا اور درختوں میں اور ان پھپھروں میں جنہیں

(النحل: ۶۸) لوگ ادھپھپھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں، سورہ ایمان لے آئے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر کی ہوئی نعمتوں کو شمار کر رہا ہے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حواریوں کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا حضرت عیسیٰ کے حق میں نعمت کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کا اس درجہ میں ہونا کہ لوگ اس کے قول کو قبول کریں، اس کو محبوب بنائیں اور اس کی اطاعت کریں، اس کے ماننے پر ان کی نجات موقوف ہو، یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا؟ پھر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے نہ کہ ان کی والدہ سے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کو جو شرف اور مقام ملا ہے، وہ اس کی ماں کے لیے عزت اور سرخ روئی کا باعث ہوتا ہے، سو یہ نعمتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ہیں اور نعمتاً اور بلاواسطہ ان کی ماں پر بھی ہیں۔

جس زمانہ میں جس قسم کے کمال کا چرچا اور شہرت ہوتی ہے، نبی کو اس زمانہ میں اسی نوع کا ایسا کمال دے کر بھیجا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کمال کے ماہرین اس کی نظیر لانے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں اور یہی ان کا مجزہ ہوتا ہے جو ان کی نبوت کی دلیل قرار پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری اور شعبد بازی کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور یہ بیضا دے کر بھیجا جو ان کی جادوگری پر غالب آگیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا چرچا تھا تو آپ کو حکمت کا ایسا کمال دے کر بھیجا کہ اس زمانہ کے اطباء اور حکماء اس کی نظیر لانے سے عاجز ہو گئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، تو آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال اس زمانہ میں کوئی لاسکا، نہ آج تک کوئی لاسکا ہے۔ علم اور ادب میں دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت ہیں، اگر اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثال کا لانا ممکن ہو تا تو مخالفین اب تک لایچکے ہوتے۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم: کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل

أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ

کر سکتا ہے: (عیسیٰ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دے

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ

ہم ○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور

نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَتَكُونُ عَلَيْنَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾

ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل

مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۚ

فرما تاکہ (دو دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے)

وَأَرْسَلْنَا وَانْتَحَىٰ خَيْرُ الرِّزْقَيْنِ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنْزِلُهَا

اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق ملاؤ گے والا ہے ○ اللہ نے فرمایا: بیشک میں اس خوان کو تم پر

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ ذَلِكَ فَأِنِّي أَعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ

نازل فرمائے والا ہوں، پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہ دلاؤ گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا

ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا اللہ سے (ارد) اگر تم ایمان والے ہو ○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور

ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے

ہو جائیں (المائدہ: ۱۱۵-۱۱۲)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آٹھ نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں میں نویں نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حواریوں کی فرمائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے خوان نعمت کا نازل ہونا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا ہے اور ان کے دعا کرنے میں ان کے بندہ ہونے کا اثبات ہے اور ان کی الوہیت کی نفی ہے اور اس وجہ سے لوگوں کا ان کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ اور رسول حضرت عیسیٰ پر بہت بڑا احسان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا کیونکہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے وہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ جو اسرائیل نے تیس روزے رکھے پھر حضرت عیسیٰ سے کہا اے خیر کی تعلیم دینے والے! آپ نے کہا تھا کہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے اس کا اجر اس کے ذمہ ہوتا ہے اور آپ نے ہمیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا سو ہم نے رکھ لیے اور ہم جس کے لیے بھی تیس دن کلم کرتے وہ ہمیں سیر کر کے کھانا کھلاتا تب انہوں نے کہا کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل کر سکتا ہے؟

(جامع البیان ج ۷، ص ۱۷۵-۱۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کے فرمائش معجزہ کی توجیہات

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں اور اب ان کا یہ قول نقل فرمایا کیا آپ کا رب آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ اور یہ قول اللہ کی قدرت پر شک کو واجب کرتا ہے۔ پھر وہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کا حکم نہیں لگایا تھا بلکہ یہ صرف ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ کا یہ فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کامل نہیں تھا۔

(۲) وہ اپنے دعویٰ کے مطابق مومن تھے اور بن کا یہ کہنا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ کی قدرت پر شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ محض طمأنینہ قلب کے حصول کے لیے تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول طمانیت کے لیے فرمایا تھا اے میرے رب! تو مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا سوال کرنا آیا حکمت کے منافی تو نہیں ہے۔

(۴) مستطیع میں سین زائد ہے اور اس آیت کا معنی ہے کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے فرمائش معجزہ نہ طلب کرو کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ دو معنی یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور اپنے مطالبات پر ہمبر کرو کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۳-۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

خوار یوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خون سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اس آیت میں خوار یوں نے جو اپنا عذر پیش کیا ہے اس کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) ہم اس خون کو کسی معجزہ کے طور پر طلب نہیں کر رہے بلکہ ہم پر بھوک غالب ہے اور ہمیں کہیں اور سے کھانا نہیں ملا اس لیے آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

(۲) ہر چند کہ ہمیں دلائل سے اللہ کی قدرت پر یقین ہے لیکن جب ہم نزول ماندہ کا مشاہدہ کریں گے تو ہمارا یقین اور بختہ ہو جائے گا۔

(۳) ہر چند کہ ہم نے آپ کے تمام معجزات کی تصدیق کی ہے لیکن اس معجزہ کو دیکھ کر ہمارا عرقان اور یقین اور بختہ ہو جائے گا۔

(۴) اس سے پہلے جو آپ کے معجزات تھے ان سب کا تعلق زمین سے تھا اور اس معجزہ کا تعلق آسمان سے ہو گا اس کو دیکھ کر ہمارے ایمان میں مزید تقویت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خون نازل فرما تاکہ وہ (دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۳)

عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر

خوار یوں نے جب خون کی درخواست کی تھی تو کہا تھا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس خون سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے سچ کہا تھا انہوں نے اس خون سے دنیاوی غرض یعنی کھانے کو پہلے ذکر کیا اور اخروی غرض یعنی ایمان کی پہنچ کو بعد میں ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعا کی تو اخروی غرض کو پہلے ذکر کیا اور وہ ہے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو نا اور اللہ کی طرف سے نشانی ہو نا اور دنیاوی غرض کا بعد میں ذکر کیا اور وہ ہے ہمیں رزق عطا فرما اور اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے یہ فرق ہے نبی کی نظر میں اور عام آدمی کی نظر میں۔

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اللہ کی عبادت کی طرف تھی پھر فرمایا کہ وہ تیری طرف سے نشانی ہو جائے یعنی لوگ نزول ماندہ میں غور و فکر کر کے اس کے نازل کرنے والے کی طرف رسائی حاصل کریں اور نظر اور استدلال سے خدا کو پہچانیں یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر ایک بلند مقام سے اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچی۔ پھر جب فرمایا ہمیں رزق عطا فرما تو نفس کے حصہ کی طرف نظر کی اور خالق سے مخلوق کی طرف نزول کیا اور جب کہا تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تو نزول کے بعد پھر خالق کی طرف رجوع کیا اور یوں اس آیت میں حضرت عیسیٰ نے دو مرتبہ خلق سے خالق اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس دعا کے اول میں بھی ان کی نظر اللہ کی

طرف تھی اور آخر میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی اور اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی اس بلند مقام سے عطا فرما فرما (آمین)

اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی

تاکہ وہ دن ہمارے اول اور آخر کے لیے عید ہو جائے۔ ابن جریر نے کہا اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ ہیں اور آخر سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

سفیان نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہم دو مرتبہ نماز پڑھیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے خون رکھا جائے تو اول سے لے کر آخر تک سب لوگ کھالیں۔

سوی نے کہا جس دن مائدہ نازل ہو اس دن کی تقسیم کرتے ہوئے ہم بھی اس دن عید منائیں اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی۔

امام ابن جریر نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ اس دعا کا معنی یہ ہے کہ یہ دن ہمارے لیے عید ہو جائے اور جس دن یہ خون نازل ہو اس دن ہم نماز پڑھیں جیسے لوگ عید کے دن نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان ۲/۷۷۸-۷۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ۱۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے جو خون نازل کیا گیا تھا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے بچا کر بھی رکھا سو ان کو مسح کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (سنن ترمذی ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۷۲)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

بنو اجل کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنو اسرائیل کے خون کا کیا معاملہ ہوا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے سوال کیا کہ ان کے اوپر کھانے کا ایسا خون نازل کیا جائے جس سے وہ کھانا کھاتے رہیں اور وہ بھی ختم نہ ہو ان سے کہا گیا کہ وہ خون تمہارے پاس رہے گا بشرطیکہ تم اس میں سے کچھ چھپا کر نہ رکھو اور خیانت نہ کرو اور اس میں سے کوئی چیز نہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔ پھر ایک دن بھی نہیں گزر اسی کہ انہوں نے اس میں سے چھپایا اور اٹھا لیا اور خیانت کی سو ان کو ایسا عذاب دیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا تھا اور اے عرب والو! تم لوگ اونٹوں اور بکریوں کو چراتے تھے پھر اللہ نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے حسب اور نسب کو تم جانتے اور پہچانتے تھے اور تمہارے نبی کی زبان سے تم کو یہ اطلاق دی کہ عنقریب تم پورے عرب پر غلبہ پاؤ گے اور تم کو سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے منع کیا اور بخدا تم اب دن رات سونا اور چاندی جمع کر رہے ہو اور درناک عذاب کے مستحق ہو رہے ہو۔

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر مائدہ نازل کیا گیا اس میں جنت کے پھول تھے ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس

میں سے نہ چھپائیں نہ خیانت کریں نہ ذخیرہ کریں۔ ان لوگوں نے خیانت کی چھپایا اور ذخیرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر اور بھنڈو بنا دیا۔ (جامع البیان ج ۷، ص ۹۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میلاد رسول ﷺ

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہم اس (خوان طہام) کے نزول کے دن کو عید بتائیں اس کی تعظیم کریں خوشیاں منائیں تہنیتی عبادت کریں شکر بجا لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بتانا اور خوشیاں منانا عبادتیں کرنا شکر الہی بجالانا طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی شریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (ترجمہ اعراف ص ۲۰۳، مطبوعہ آج کلینی لیسٹڈ لاہور)

علامہ شریف سید احمد بن عبدالحق بن عمر عابدین دمشقی متوفی ۷۳۰ھ (سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۷۵۲ھ کے عم زاد) نے علامہ ابن حجر عسقلانی کی متوفی ۷۳۳ھ کی کتاب التعمد الکبریٰ کی شرح لکھی ہے۔ علامہ ابن حجر کی شافعی نے التعمد الکبریٰ نئی بیروت کے میلاد کے ثبوت اور بیان میں لکھی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں لیکن سب سے مبسوط شرح علامہ احمد عابدین دمشقی کی ہے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نسائی متوفی ۴۵۵ھ نے اس شرح کو جو اہر البهار میں مکمل نقل کیا ہے۔ ہم اس شرح کے چند اقتباسات جو میلاد النبی ﷺ کے ثبوت سے متعلق ہیں یہاں پر نقل کر رہے ہیں۔

محفل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا

جس بار میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی اس میں میلاد شریف کو منانا بدعت مستحبہ میں سے ہے اس کو ایجاہد کرنے والا ارسل کا پادشاہ مظفر تھا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول میں میلاد شریف منعقد کرتا تھا اور بہت عظیم الشان محفل کا اہتمام کرتا تھا اس کی بادشاہی کافی عرصہ قائم رہی اور وہ ۷۳۶ھ میں فوت ہوا۔ وہ بہت بہادر نیک عادل اور ذہین بادشاہ تھا وہ اس محفل میں بہت علماء اور صوفیاء کو مدعو کرتا تھا اور اس عظیم الشان دعوت میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ علامہ نووی کے استاذ شیخ ابو شامہ نے میلاد شریف کی رات بکثرت صدقہ و خیرات کرنے پر ملک مظفر کی بہت تعریف کی ہے اور علامہ ابو شامہ کی یہ تعریف شب ولادت میں میلاد شریف منانے کے بدعت حسنہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔

علامہ ابو شامہ کی عبارت یہ ہے:

ہمارے زمانہ میں نبی ﷺ کی ولادت کے دن جو میلاد شریف منایا جاتا ہے اور صدقات اور خیرات کیے جاتے ہیں اور خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے یہ سب سے اچھی اور نیک بدعت ہے نیز اس عمل کے ذریعہ نبی ﷺ سے محبت کی وجہ سے نیکواریوں اور مغفلوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے جس شخص نے اس بدعت کو ایجاہد کیا اللہ تعالیٰ اس کو نیک جزا دے۔ نیز اس عمل کی وجہ سے کفار اور منافقین کے دل غیظ سے جلتے ہیں۔

(السیاحت علی اسکار الیدخ والحوادث مطبوعہ دار الایض الریاض بعد اولیٰ ص ۳۱۰ھ)

علامہ زرقلی مالکی نے لکھا ہے کہ حافظ ابو الخیر حسن الدین بن الجزری نے کہا وہ ابوبہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا اس نے نبی ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویہ کو انگلی کے اشارہ سے آواز کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس فعل کی یہ جزا دی کہ ہر پیر کو جب وہ اس انگلی کا سراپو سنا ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو نبی ﷺ کا امتی مسلمین اور مومنین

ضمیمہ القرآن

جب ایمان کے رشتے سے آپ کی ولادت پر خوشی منائے گا اور اپنی استطاعت کے مطابق ملے خرچ کر کے صدقہ اور خیرات کرے گا تو اس کی جزاء کیا ہوگی اور مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل عظیم سے جنت النعیم میں داخل کرے گا۔ امام محقق ابو ذر عہ عرائی سے سوال کیا گیا کہ میلاد شریف منانا آیا مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس میں کوئی چیز وارد ہوئی ہے اور کیا یہ فعل صحابہ کرام سے منقول ہے تو علامہ عراقی نے جواب دیا کہ دعوت کرنا اور کھانا کھانا ہر وقت میں مستحب ہے اور جب اس کے ساتھ نئی چیز کی تشریف آوری کی خوشی اور مسرت شامل ہو تو یہ فعل کیونکر مستحب نہیں ہو گا اور ہم سلف صالحین کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتے اور کسی چیز کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بدعت مکروہ ہو کیونکہ کئی بدعات مستحب ہیں بلکہ واجب ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی حنفی نے کہا اگر محفل میلاد میں برائیوں کو شامل کر لیا جائے مثلاً عورتیں شریک ہوں اور بلند آواز سے گائیں یا مردوں اور عورتوں کے قلو ط اجتماع ہوں (یا جلوس کے دوران نمازیں نہ پڑھی جائیں) تو اس قسم کے افعال بالاجتماع حرام ہیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ برائیوں کے شامل ہونے کی وجہ سے کسی نیک کو ترک نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس وجہ سے عبادات کو ترک نہیں کیا جاتا بلکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ عبادات اور نیکیوں کو بجا لائے اور بدعات کا انکار کرے اور حتی الامکان ان کا ازالہ کرے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۳) علامہ زر قلی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہ میلاد شریف بدعت ہے اس میں محاسن بھی ہیں اور قبح بھی سو اگر محاسن کو اختیار کیا گیا اور قبح سے اجتناب کیا گیا تو یہ بدعت حسنہ ہے ورنہ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مجھ پر میلاد شریف منانے کی اصل ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور حضرت موسیٰ کو نجات دی تھی تو ہم اس دن بطور شکر کے روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس معین دن میں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے اس دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور نبی ﷺ کی ولادت اور آپ کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی۔ سو جس دن آپ کی ولادت ہوئی اس دن مختلف عبادات کرنا مثلاً نوافل پڑھنا روزہ رکھنا صدقہ و خیرات کرنا اور تلاوت کرنا اور ان عبادات سے اللہ کا شکر بجالانا اس حدیث کے مطابق ہے اور حافظ ابن حجر سے پہلے علامہ ابن رجب حنبلی نے اس اصل کو تلاش کیا تھا۔ حافظ ابن حجر کی نے کہا ہمارے نبی ﷺ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں اس دن روزہ رکھا اور یہودی سے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہمارا تم سے زیادہ حق ہے۔

علامہ احمد عابدی نے کہا نبی ﷺ کی محفل میلاد میں شریک ہونا اور آپ کی ولادت مبارکہ کا واقعہ اور آپ کے فضائل اور محلد کو بیان کرنا اور آپ پر بکثرت درود و سلام پڑھنا آپ کی محبت کا سبب ہے اور آپ کے قرب کا موجب ہے۔ سو ہر وہ شخص جو آپ کی محبت میں ملوث ہو اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی ولادت کے عینہ کی آمد پر خوش ہو اور اس عینہ میں اس محفل کو منعقد کرے اور اس میں آپ کی ولادت کے متعلق احادیث صحیحہ اور آثار قویہ بیان کرے اور امید ہے کہ ایسے شخص کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی کیونکہ شفاعت آپ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ سو جو شخص محافل میلاد منعقد کر کے آپ کا بکثرت ذکر کرے گا اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرنا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ تو امید ہے کہ آپ کی محبت سے محفل میلاد میں آپ کا ذکر کرنے والے

اور آپ پر بکثرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے 'جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر رحمت نازل فرمائے جنہوں نے میلاد النبی ﷺ کے بار مبارک کی راتوں کو عیدیں منادیاں۔

(جو اہر البحار ج ۳ ص ۲۶۲-۲۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

عید میلاد النبی ﷺ کی مشروعیت پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں تشریح حاصل بحث کی ہے اور اس سورت کی آیت ۳ میں بھی مابین کے بکثرت حوالہ جات سے میلاد شریف کی مشروعیت اور استقباب کو بیان کیا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ ہمارے نزدیک محفل میلاد منعقد کرنا مستحسن اور مستحب ہے واجب یا فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں اس خون کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہیں دوں گا۔ (المائدہ: ۱۱۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر اس مائدہ کو نازل کرنے اور تم کو اس کا طعام کھلانے کے بعد جس نے میرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور میرے احکام کی اطاعت کرنے سے روگردانی کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔ قلمرو نے بیان کیا ہے کہ ان کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا سب سے زیادہ عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہو گا منافقین کو اصحاب مائدہ میں سے کافروں کو نور آل فرعون کو۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کی کیفیت کی تحقیق

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصہبانی المتوفی ۳۹۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: سلمان الخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کے خون) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا وہ اس نشانی میں جٹا کیے گئے پھر اس نشانی کے قتلے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے نماز پڑھی اور بہت گریہ و زاری سے دعا کی اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما تو اللہ تعالیٰ نے دو بلالوں کے درمیان من پر سرخ دسترخوان نازل کیا جو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے اے اللہ! اس خون کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ دعا کر رہے تھے کہ وہ دسترخوان حضرت عیسیٰ کے پاس آکر ٹھہر گیا حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی حضرت عیسیٰ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے یہود اس خون کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے وہ خون ایک رومل سے اٹھا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ عجلت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہو گا وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں حضرت عیسیٰ نے دوبارہ وضو کیا نماز پڑھی اور اللہ سے رو رو کر اپنے اور قوم کے لیے برکت کی دعا کی پھر اس کو کھوا تو اس میں بہت بڑی بھٹی ہوئی پھٹی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے کھجی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روئیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتون ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔

شمعون نے کہا یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دنیا کا طعام

ہے نہ آخرت کا اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا انہوں نے کہا یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو نور نشانی کا سوال کرتے ہو۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے اس مچھلی سے کہا اے مچھلی! تو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہو جاؤ مچھلی اللہ کی قدرت سے زندہ ہو گئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی، خواری خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی! اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بجھتی ہوئی ہو جا، پھر انہوں نے کہا اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اسی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ خواری اور لن کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کھانے سے کیسے وہ مثلہ نہ ہو جائیں، یا ان پر کوئی آفت نہ آجائے۔ تب حضرت عیسیٰ نے فقراء اور پابھوں کو بلایا کہ تم اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ اللہ کے نام سے شروع کرو اور اللہ کے شکر پر ختم کرو، تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا، نور من میں سے ہر شخص سیر ہو گیا، حضرت عیسیٰ اور خواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس لپاچ نے کھلیا وہ سدرست ہو گیا اور وہ لوگ تلامذہ حیات اسی طرح رہے۔ پھر خواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تلامذہ مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا۔ پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب، صحت مند اور بیمار، پھوٹے اور بڑے، بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کر دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا، چالیس دن تک یہی معمول رہا، جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا، وہ اس کو دیکھتے رہتے، حتیٰ کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے تیسویں، فقیروں اور پابھوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں، کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں، حضرت عیسیٰ نے فرمایا بخدا اگر تم نے اس میں شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہو گا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غلب اور حکمت والا ہے۔ شام کو جب شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسح کر کے خنزیر بنا دیا، صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر بنی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے، حضرت عیسیٰ ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے، ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔ آپ فرماتے، میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تھا، گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا، وہ تین دن تک اسی طرح جلتے رہے اور ان کے گھروالے ان کو دیکھ کر روتے رہے، لوگوں کے دل ان کا حل دیکھ کر پگھل گئے، پھر چوتھے دن حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کر دے، سو چونکہ روزہ مرگئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا، اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے۔ البتہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

(کتاب الفکر، ص ۳۶۷-۳۶۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے اور بعض نے تفصیل سے بعض نے اپنی سند سے اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(ازاد المسیر، ج ۲، ص ۳۵۹-۳۶۰، تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۷۷، المباح لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۸۴، تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۶۸۵-۶۸۶، البیضاوی مع الکازرونی، ج ۲، ص ۳۸۱-۳۸۲، الدر المنثور، ج ۲، ص ۳۳۶-۳۳۷، تفسیر ابو السعود علی ہاشم، التفسیر الکبیر، ج ۳، ص ۹۵-۹۶، تفسیر المجل، ج ۱، ص ۵۳۵-۵۳۶، روح البانی، ج ۲، ص ۳۰۷، قصص الانبیاء للشمس، ص ۳۰۷-۳۰۸، تفسیر السمرقندی، ج ۱، ص ۳۶۸)

علامہ سیوطی نے اس حدیث کو حکیم ترمذی کی نوادر الاصول کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ میں نے اس کی چاروں جلدیں دیکھیں، ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام رازی، علامہ سمرقندی اور علامہ قرطبی نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، باقی سب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ ان مفسرین نے بغیر کسی جرح کے اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ علامہ ابوالیمان اندلسی نے لکھا ہے کہ میں اس روایت کے ذکر سے اعراض کرتا ہوں، کیونکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس پر قرآن مجید کی آیت دلالت کرتی ہو اور سب سے اچھی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا، اس میں گوشت اور روئیاں تھیں۔ بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے بچا کر نہ رکھیں اور خیانت نہ کریں، انہوں نے اس حکم کی معصیت کی تو یہ مائدہ اٹھالیا گیا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (المحرر الجلیل، ج ۲، ص ۳۱۵-۳۱۴)

امام ترمذی کی روایت کا مغلطہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے کفران نعمت کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور سلمان الخیر کی مفصل روایت کا مغلطہ یہ ہے کہ انہوں نے اس مائدہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شک کیا اور یہ کفر ہے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ لیکن ترمذی کی حدیث صحاح میں سے ہے اور وہ حدیث مرفوع ہے اور اس حدیث کی سند میں دھب بن منبہ ہیں یہ اسرائیلی عالم تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سو یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے اس لیے ہمارے نزدیک بھی اس کے مقابلہ میں امام ترمذی کی روایت ہی کو ترجیح ہے، ہم نے صرف تحقیق مقام کے لیے اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے ماخذ کے ساتھ درج کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں نزول مائدہ کا ذکر نہیں ہے، نہ وہ اس دن کو عید مناتے ہیں، لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مائدہ کو نازل فرماؤں گا اس لیے ہمارے نزدیک حجت قرآن اور حدیث ہے، عیسائیوں کا نقل نہ کرنا ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس (سلمان الخیر) کی حدیث میں بحث کی گنجائش ہے اور یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھی۔ حضرت عثمان بن یاسر اور قتادہ نے کہا مائدہ آسمان سے نازل ہوا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے، اور دھب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو کی روئیاں اور مچھلیاں نازل کی تھیں اور یہ تین اقوال امام

ترمذی کی حدیث کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا اور ترمذی کی حدیث میں اقوال سے اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جز ۶' ص ۲۸۷-۲۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دستر خوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم

مسلم الخیر کی حدیث میں مائدہ کا بیان ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ وہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان) تھا وہ کوئی خوان (میز) نہیں تھی جس کے پائے ہوں اور نبی ﷺ اور عربوں کا مائدہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان تھا) حکیم ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی خوان کے اوپر کھانا کھایا نہ پیالی میں اور نہ کبھی آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: سفرہ پر۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے کہا خوان ایک نئی چیز ہے جس کو ہمیں نے ایجاد کیا ہے 'عرب سفرہ پر کھانا کھاتے تھے' سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے جس کو کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے 'چمڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان چوکی یا میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے۔ حسن نے کہا میز پر کھانا کھانا بلا شاہوں کا فعل ہے اور کپڑے کے دسترخوان پر کھانا ہمیں کا فعل ہے اور سفرہ پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جز ۶' ص ۲۸۸-۲۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر گوہ حرام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے مائدہ پر نہ کھائی جاتی۔ (صحیح مسلم 'المعجم' ۳۶ (۱۴۷) ۳۵۰ صحیح البخاری 'رقم المصنف: ۲۵۷۵ سنن ابوداؤد 'رقم المصنف: ۳۷۳۳ سنن النسائی 'رقم المصنف: ۳۳۸) اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے دسترخوان اور چمڑے کے دسترخوان دونوں پر کھانا سنت ہے 'لور میز ایک نئی چیز ہے' نبی ﷺ نے اس پر کھانے سے منع نہیں فرمایا اس لیے اس پر کھانا مباح ہے اور اگر میز پر کپڑے یا چمڑے کا دسترخوان بچھالیا جائے اور اس پر کھانا کھایا جائے تو سنت پر بھی عمل ہوگا۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي

اور جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم: کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے

دُاعی الٰہین من دُونِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ

سوا خدا بنا کر ؛ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقِّ ط اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ

کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے، اگر میں نے (بالغرض) یہ کہا ہوتا تو اسے ضرور جانتا، تو ان باتوں کو

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ

جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں، بیشک تو ہی سب غیبوں کا

الْغُيُوبِ ۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ

جانتے والا ہے ۰ میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے علم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا

میرا رب اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے

تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

مجھے (آکھن پر) اٹھایا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا ۰ اور تو ہر چیز پر گواہ

شَهِيدٌ ۱۱۷ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ

ہے ۰ اگر تو ان کو عذاب سے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت

أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱۱۸ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

غائب بڑی حکمت والا ہے ۰ اللہ فرمائیے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع

صَدَقَهُمْ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

پہنچائے گا، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ

أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۱۱۹

رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۰

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ

آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز

شَيْءٍ عَاقِبٌ ۚ ۱۲۰

پر قادر ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا خدا بناؤ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے (بافرض) یہ کہا ہو تا تو تو اسے ضرور جانتا تو ان باتوں کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا

جو تیرے علم میں ہیں، بے شک تو ہی سب فیوض کا جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۲۰)

اس اشکال کا جواب کہ عیسائی تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمایا کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا ہیلاؤ؟ اس سوال کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا ہیلا لیا تھا، اس آیت سے ان کو زجر و توبیح کرنا، ان کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے، کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے انکار کریں گے تو ان لوگوں کی واضح تکذیب ہوگی۔ نیز اس سوال و جواب سے یہ بتاتا تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے دین کو بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ خود قائل نہ تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم کو خدا نہیں کہا، اور نہ یہ ان کا عقیدہ ہے تو پھر یہ آیت کس طرح صلیق ہوگی؟ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا ہیلاؤ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ انہوں نے صراحتاً حضرت مریم کو خدا نہیں کہا، لیکن ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے کسی انسان کو جنم نہیں دیا، انہوں نے خدا کو جنم دیا ہے اور بیٹا ماں کا جز اور ماں کی جنس سے ہوتا ہے، تو جب بیٹا خدا ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس کی ماں بھی خدا ہو۔ گویا وہ صراحتاً حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور الزام ان کی ماں کو بھی خدا کہتے ہیں، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا عَذُوًّا احْبَارَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ اَنْ يَتَّبِعُوْنَ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمَ (النسبہ: ۳۷)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا اور ککائین مریم کو بھی۔

حضرت عذی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! عیسیٰ اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو ان کے علماء اور درویش حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو اس کو ان کے علماء اور درویش حلال کہیں تو یہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے (اور ان کو خدا ماننا ہے۔ تعلیٰ) سو جس طرح عیسیٰ صراحتاً اپنے علماء اور درویشوں کو خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے، اسی طرح وہ مریم کو صراحتاً خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا ہیلاؤ، حالانکہ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور خدائی کی کبھی نفی نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں عیسائیوں کے متعلق مذکور ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الْيَهُودُ قَالُوا لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثَلَاثًا نَّكَثًا

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا (المائدہ: ۱۳۷) تیسرا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے ہاتھوں سے جو معجزات ظاہر ہوئے ان کے خالق حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں۔ اس لحاظ سے ان سے یہ نقل اور حکایت کرنا صحیح ہے کہ ”کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا ہیلاؤ؟“

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ اللہ کے خدا اور معبود ہونے کی نفی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِأَلْسِنَةٍ أَلْيَا (الانعام: ۶۰)

وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری رو میں قبض کر دیتا

ہے۔

اور اس آیت میں توفی کا معنی پورا پورا اٹھایا گیا ہے، جیسا کہ بکثرت احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اس آیت میں توفی کا معنی موت مراد لینے پر مرزائی حسب ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر نصیحت کرتے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور تمہاری تم نگہ پیر، نگہ بدن اور غیر محنتوں ہو گے اللہ نے فرمایا ہے جس طرح ہم نے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا، ہم اسی حالت میں اس کو لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم بے شک اس کو کرنے والے ہیں (الانبیاء: ۱۰۳) اور سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سنو! میری امت میں سے چند لوگ لائے جائیں گے۔ ان کو بائیں جانب سے پکڑا ہوا ہو گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، سو کہا جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیانی باتیں نکالی ہیں، تو میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے عہد صلح نے کہا تھا میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی، تو تو ہی ان پر گواہ تھا۔ (المائدہ: ۸۷-۸۸) سو مجھ سے کہا جائے گا: آپ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ایزدوں پر پلٹ گئے تھے۔ (مرتد ہو گئے تھے)

(صحیح مسلم، البیت: ۵۸، (۲۸۶۰) ۷۰۶، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۳۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۲۳-۳۱۷۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۰۸۷)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ مائدہ کی اسی آیت کو نقل فرمایا ہے اور اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ مرزائی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب اس آیت کو پڑھیں گے تو آپ کے حق میں اس کا معنی وفات ہی ہو گا، کیونکہ آپ کے حق میں اس معنی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب توفی ہوئے تو ان کے حق میں اس کا معنی وفات نہیں ہو گا، کیونکہ اس معنی کے خلاف بہ کثرت احادیث ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے، سو اس کا معنی ہو گا جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھایا۔ بعض اوقات فاعل کے اختلاف سے فعل کا معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ صلی اللہ کا معنی ہے اللہ نے رحمت نازل کی، صلی اللہ کا معنی ہے فرشتوں نے استغفار کیا، صلی المسلمون کا معنی ہے مسلمانوں نے رحمت طلب کی۔ اس لیے مستبعد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توفی ہوئے تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے وفات دی اور جب حضرت عیسیٰ توفی ہوئے تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے آسمان پر اٹھایا جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ توفی کا معنی لازماً موت اور وفات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۸۸)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے آپ کے

آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آپ کو اور آپ کی مائیں کو معبود عطا کیا تھا کیونکہ سلسلہ کلام ان ہی کے ساتھ مربوط ہے اور وہ لوگ مشرک تھے اور مشرکوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی شفاعت کیسے کی؟ کیونکہ مشرکوں کے لیے شفاعت جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اس میں ضمیر ان کی طرف راجع ہے جنہوں نے موت سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کر لی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قیامت کے دن کے بارے میں نہیں ہے بلکہ آسمان پر اٹھانے جانے کے بعد ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر باقی رکھے حتیٰ کہ یہ مرجائیں اور تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور اپنی توحید اور اطاعت کی ہدایت دے پھر تو ان کو بخش دے تو توبہ بہت غالب ہے تیرے ارادہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور تو اپنے انصاف میں حکیم ہے جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اور ”اگر تو ان کو بخش دے“ کے ساتھ ”تو غالب اور حکمت والا ہی مناسب ہے اور غفور رحیم مناسب نہیں ہے۔“

العزیز الحکیم اور الغفور الرحیم کا فرق

امام رازی کے والد ضیاء الدین عمر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس آیت کے آخر میں العزیز الحکیم الغفور الرحیم سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ غفور رحیم ایسی صفت ہے جو ہر محتاج کے لیے مغفرت کو واجب کرتی ہے اور عزیز رحیم ایسی صفت ہے جو ہر ایک کے لیے مغفرت کو واجب نہیں کرتی کیونکہ عزیز ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غالب ہے جو چاہے کرے کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے اور جب وہ عزیز ہو اور ہر اعتبار سے غالب ہو پھر اس کا بخش دینا اس کا مستحق ہونا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اگر وہ غفور رحیم کہتے تو یہ قبور ہوتا کہ وہ شفاعت کر رہے ہیں اور جب انہوں نے العزیز الحکیم کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ معاملہ بالکل اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

فساق مومنین کے لیے نبی چہر کی شفاعت

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے شفاعت فرمائیں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں یہ نیکو کاروں کے حق میں نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ عذاب کے سزاوار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دعا کفار کے حق میں ہے کیونکہ ان کا یہ قول ”اگر تو ان کو بخش دے تو توبہ بہت غالب بہت حکمت والا ہے“ کفار کے لائق نہیں ہے کیونکہ کافروں کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ پس واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شفاعت ان مومنین کے لیے ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مرتکبین کبار کی شفاعت ثابت ہے تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے مرتکبین کبار کی شفاعت بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگی اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے اس آیت کو پڑھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی اے میرے رب ان بتوں نے بت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً توبہ بہت بخشے والا ہے حدیث رقم فرماتے والا ہے (ابراہیم: ۳۶) اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو توبہ بہت غالب بہت حکمت والا ہے (المائدہ: ۸۸) نبی ﷺ نے اپنے

ہاتھ بلند کیے اور کہا اے اللہ! میری امت! میری امت! اور آپ رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے کہا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جاننے والا ہے، ان سے پوچھو ان کو کیا چیز رلائی ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔

(صحیح مسلم، الامان ۳۴۶ (۲۰۲) ۳۸۹، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۱۱۲۶۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی امت پر بہت شفیق تھے اور امت کی بھلائی اور بہتری میں کوشش رہتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا مستحب ہے اور اس حدیث میں اس امت کے لیے بہت عظیم بشارت ہے اور اس میں امت کی مغفرت کی بہت بڑی امید ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کی بہت عزت اور وجاہت ہے اور حضرت جبرائیل کو نبی ﷺ کے پاس بھیجے سے آپ کے شرف اور مرتبہ کا اظہار مقصود ہے۔ یہ حدیث اس آیت کے موافق ہے۔ مقرب آپ کا رب آپ کو لتا دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا۔ (اصحیٰ ۵) اللہ اکبر! سارا جہنم اللہ کو راضی کرتا ہے اور اللہ آپ کو راضی کرتا ہے۔ آپ کو راضی کرنے کی بشارت دینے کے بعد یہ فرمایا اللہ آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دے گا کیونکہ بعض امتیوں کو بخش دینے سے بھی راضی کرنا ممکن ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ گیا تو آپ رنجیدہ ہوں گے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے اور آپ کے تمام امتیوں کو دوزخ سے نجات دے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں ہمیں کو ان کا حج نفع پہنچائے گا، ان کے لیے بہتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(الحائدہ: ۱۲۰-۱۱۹)

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہوگا؟

اس پر اجماع ہے کہ اس دن سے مروجہ قیامت کا دن ہے، اور یہ کہ جن لوگوں نے دنیا میں سچ بولا تھا، ان کا حج اس دن کام آئے گا اور ان کو نفع دے گا اور اس دن کسی کا حج بولنا اس کے لیے نفع آور نہیں ہوگا کیونکہ دارالصلیٰ اور دارالعمل دنیا ہے اور قیامت کا دن یوم الجزاء ہے۔ اس دن تو شیطان بھی سچ بولے گا اور کہے گا:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَبَّاسًا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ
(ابراہیم: ۲۲) اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا وہ میں نے اس کے خلاف کیا۔

شیطان کا یہ قول سچ ہے لیکن اس دن کسی کا حج اس کے کام نہیں آئے گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان یوم آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے تبلیغ کرنے کی جو سعی گواہی دیں گے اور اپنے اعمال کی سعی گواہی دیں گے تو مسلمانوں کی یہ سعی گواہی ان کو نفع دے گی اور نفع یہ ہے کہ ان سے شہادت کے چھپانے کا مواخذہ نہیں ہوگا اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سچ بولنے کا نفع دینے تو انسان کو ہر روز حاصل ہوتا ہے، لیکن آخرت میں دائمی اجر و ثواب صرف اس دن حاصل ہوگا۔ اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آخرت میں سچ بولنے کا کیا نفع ملے گا وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں۔ انسان کو کوئی نعمت مل جائے تو پھر بھی اس کو یہ فکر ستاتی رہتی ہے کہ کہیں یہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور اگر نعمت زائل نہ ہو تو اس نے ایک دن مر جائے تب بھی وہ اس خیال سے لول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی نہ ان کو موت آئے گی بلکہ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت انسان کے جسم کی نعمت ہے اور اس کی روح کی نعمت یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے تو جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر فرمایا: یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سب سے بڑی کامیابی اللہ کا راضی ہونا ہے، جنت میں مرغوبات نفس ہیں اور اللہ کی رضا اس سے بہت بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے، ہم جنت کے لائق تو نہیں ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور سب سے بڑا مطلوب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اس آیت میں لفظ ما استعمال فرمایا ہے۔ جو غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے۔ من کا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو ذی العقول کے لیے آتا ہے اس میں ہو سکتا ہے یہ تعبیر کرنا مقصود ہو کہ آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے خواہ وہ ذی العقول اور ذی العلوم ہوں، غیر ذی العقول اور غیر ذی العلوم سب اس کے قبضہ و قدرت میں مسخر ہیں اور سب اس کی قضاء و قدرت کے تابع ہیں۔ اور ذی العقول اس کے سامنے غیر ذی العقول اور جمادات کے درجہ میں ہیں اس کی قدرت کے سامنے کسی کی قدرت نہیں اور اس کے علم کے سامنے کسی کا علم نہیں اس لیے اس آیت میں غیر ذی العقول کو ذی العقول پر غلبہ دے کر لفظ ما استعمال فرمایا۔

شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ

جب آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بھی اللہ کی ملک میں ہیں۔ اس کے مملوک اور عہد ہیں اور جو مملوک اور عہد ہوں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم خدا ہیں اس صورت کے شروع میں فرمایا تھا اے ایمان والو! (اپنے) عہد پر رے کہو اور احکام شرعیہ کے ذکر سے اس سورت کی ابتداء کی تھی اور اس سورت کا اختتام اللہ عز و جل کی کبریائی، اس کی عزت و جلال اور اس کی سلطنت اور قدرت پر کیا ہے۔ گویا یہ صورت شریعت کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور حقیقت کے ذکر پر ختم ہوتی ہے اور اس میں یہ تعبیر ہے کہ شریعت ابتداء ہے اور حقیقت انتہاء ہے اور یہ کہ شریعت پر عمل کر کے ہی انسان حقیقت تک پہنچے گا۔

تمام مضامین سورت کی دلیل

اس سورت میں احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں اور یہود کا رد کیا گیا ہے جو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا انکار کرتے تھے اور عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد تھے اور اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا ہے جس کا معنی ہے ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات، ارواح اور اجسام کا موجد اور خالق ہے اور جب اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے تو اسے اپنی مخلوق کو امر اور نہی، حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہے اور یہی شریعت ہے سو یہی آیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے اور جب اللہ خالق اور مالک ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ جس حکم کو چاہے معطل کر دے اور جس شریعت کو چاہے منسوخ کر دے۔ سو اس نے یہود کی شریعت کو منسوخ کر کے سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو نافذ کر دیا سو اس آیت سے یہود کا رد بھی ہو گیا اور اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کا رد بھی ہو گیا کیونکہ جب ہر چیز

اس کی مملوک ہے تو حضرت یحییٰ بھی اس کے مملوک ہیں، اور جو مملوک ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، سو یہ آخری آیت اس پوری سورت کے مضامین کی دلیل ہے۔
اختتامی کلمات

آج بہ روز چہار شنبہ مورخہ ۹ صفر ۱۳۱۸ھ / ۲۵ جون ۱۹۰۰ء عری کے مبارک وقت میں سورہ مائدہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔ اس سورت کے تمام حقائق و معارف اور تمام اسرار و رموز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اسلاف کی کتابوں سے استفادہ کر کے اور زیادہ سے زیادہ احاطہ پیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اس تفسیر کی سعی کی ہے۔

اللہ العالمین اس سعی کو قبول فرما، اس میں جو کوتاہی ہو گئی اس سے درگزر فرما اور جس طرح تو نے محض اپنے فضل سے سورہ مائدہ کی تفسیر کی توفیق دی ہے، بھایا سورہ قرآن کی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے میری میرے والدین اور اساتذہ کی میرے علائقہ کی اس تفسیر کے کچھ ذرہ کاتب اور صحیح کی اس کے ناشر اس کے تمام معاونین، معبین اور قارئین کی مغفرت فرما۔ ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر مشکل، مصیبت اور پریشانی اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور نعمت عطا فرما۔ شرح صحیح مسلم، اس تفسیر اور میری ہر تصنیف کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے، ان کتابوں کے لیضان کو تاقیام قیامت باقی اور عام رکھ، ان کتابوں کو موانعین کے لیے موجب استطاعت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین یا رب العالمین بحاء نسیک میدنا محمد خاتم النبیین، فائد المرسلین، شفیع المدسین، و علی آلہ الطیبین الطاہرین و علی اصحابہ الکاملین الراشدین و علی ارواحہ امہات المؤمنین و علی اولیاء امنہ و علماء ملتہ اجمعین۔



سُورَةُ الْأَنْعَامِ

(۶)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الانعام

اس سورت مبارکہ کا نام الانعام ہے اس میں ہیں (۲۱) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۲۵۵) آیات ہیں یہ سورت مکی ہے البتہ! اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ ان کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب باحوال آ رہی ہے انعام کا معنی ہے مویشی۔ اس سورت کا نام الانعام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں بن مشرکین کا رد کیا گیا ہے جنہوں نے از خود چند مویشیوں کو حلال کر لیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کر لیا تھا وہ آیتیں یہ ہیں:

وَقَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَاحَرَّتْ جَحَرٌ لَا يَطْعَمُهَا
الْاَمْسُ نَشَاءُ بِمَرْغُوبِهِمْ وَاَنْعَامٌ حَرَمَتْ طَهُورُهَا
وَاَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اَسْمَ الْمَلِكِ عَلَيْهَا اَفْتَرَاءٌ
عَلَيْهِمْ سَبَّحَرْتُهُمْ بِمَا كَانُوا يَقْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا
مَا فَنِي بَطْلُونِ هَذِهِ الْاَنْعَامِ عَالِيَةِ لَذْكُورِنَا
مُسَجَّرٌ عَلَى اَرْوَاحِنَا وَلَنْ يَكُنَّ قَبِيْنَةً فَبِهِمْ
سَرَّ كَانُوا سَبَّحَرْتُهُمْ وَهَمَّهُمْ اِنَّهُ جَحِيْكُهُمْ
عَلَيْهِمْ (الانعام ۱۳۶-۱۳۸)

اور مشرکوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں انہیں وہ کھائے گا جسے ہم چاہیں گے ان کے ذمہ قاصد کے مطابق اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشتوں (پر سواری اور بار برداری) کو حرام کیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے تھے اللہ پر بتان باندھنے کے لیے اللہ ان کو ان کے بتان کی عنقریب سزا دے گا ۝ اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو پچھ (زندہ) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ عنقریب اللہ ان کو ان احکام کو وضع کرنے کی سزا دے گا بے شک وہ بڑی حکمت والا بہت علم والا ہے۔

جیسا کہ ہم عنقریب باحوال بیان کریں گے یہ پوری سورت ایک رات میں یک بارگی نازل ہوئی تھی اور جس رات یہ نازل ہوئی آپ نے اسی رات اس کو لکھوا دیا تھا اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے لفظ البقرہ آل عمران النساء اور المائدہ

مدنی سورتیں تھیں۔ ان سورتوں میں اصلانہ خطاب مومنین سے تھا۔ اور ان میں مسلمانوں کیلئے شرعی احکام بیان کیے تھے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، صلہ رحم، عورتوں کے حقوق، نکاح، طلاق و عدت، ورثہ، امور بالمعروف و نہی عن المنکر اور دیگر احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے اور مدینہ منورہ میں جو غیر مسلم تھے، یہود اور عیسائی، ان کی بدعتیں گیلیں بیان کر کے ان کا رد فرمایا تھا اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے تھے اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بیان فرمائی تھیں اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مسلمانوں کو خبردار فرمایا تھا اور ضمناً بعض آیتوں میں مشرکین کا بھی رد فرمایا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ پہلی مکی سورت ہے، چونکہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی کوئی ریاست قائم نہیں کی تھی اور نہ ان کو اس کے مواقع میسر تھے اس لیے وہاں مسلمانوں کے پاس اپنا نظام معیشت اور نظام حکومت قائم کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا، وہاں پر مسلمانوں کا مشرکین سے تصادم تھا اور توحید کا پیغام پہنچانے میں مشرکین زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان کرنے اور ان کو دلائل سے ثابت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

الانعام میں توحید و رسالت کے بنیادی مسائل اور دلائل بیان فرمائے ہیں اور حیات بعد الموت اور حشر و نشر کو بیان فرمایا ہے اور اصل دین ابراہیم کی وضاحت کی ہے اور انسان کی اندرونی اور بیرونی شکلوں اور عقل و فطرت کے تقاضوں سے استدلال کیا ہے، مشرکین کے فرمائشی معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتائی ہیں۔ نقد پر کامیاب کیا ہے اور بعض مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے، مشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ عذاب آگیا تو تمہارے پاس اس کے چھوٹا کیا سالن ہے؟ سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت اسلم بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر سورۃ الانعام یکبارگی مکمل نازل ہوئی۔ اس وقت میں نبی ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی اور اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۰-۳۳۳۸، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام نازل ہوئی اور آنحضرت کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ العظیم۔ اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سالمی متوفی ۳۲۳ھ، (المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مطبوعہ مکتبۃ العارفین، ریاض، ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام النخاس نے اپنی کتاب ناخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی، سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا تین آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (فل نعالوا نل ما حرم ربکم علیکم۔ الا یہ ۱۵۳-۱۵۱)

امام ابن المنذر نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے یہ کی سورت ہے۔ ماہوا اس آیت کے ولو اننا نزلنا البیہم الحلانکۃ (الانعام ۱۱) امام قریابی، امام اسحاق بن راہویہ اور امام عبد بن حمید نے قمر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے یہ کی سورت ہے ماہوا ان دو آیتوں کے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۱۵-۱۱۶) (الموطاۃ ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ بیروت) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے سورۃ الانعام چھ آیتوں کے سوا کہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے کتابوں کو بلا کر اسی رات اس سورت کو لکھوا لیا تھا۔ (قرطبی ج ۲ ص ۳۱۵)

سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام دہلوی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام پڑھنے والے کو ایک مٹوی نڈا کرتا ہے۔ اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔ امام ابو الشیخ نے ابو محمد عابد سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلیمان سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا برحق بندہ ہے۔ امام ابن الصریس ابو محمد قادی سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلیمان سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دہلوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے مصلیٰ پر بیٹھ گیا اور سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الموطاۃ ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ بیروت)

ابن ابی حاتم کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الملاحح لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴)

حافظ سیوطی نے سورۃ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسناد سے سکوت کیا ہے۔ لیکن گھڑ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں تب بھی ضعف سے بہر حال خالی نہیں ہیں اور فضائل ائمہ میں احادیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہیں اور تعدد اسناد سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ نہ فرائض واجبہ اور سنن و مستحبہات پر عمل کی ضرورت ہے نہ عمرات اور مکہ ہجرت سے اجتناب کی حاجت ہے تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیارے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا، حتیٰ کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو منکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔ (صحیح بخاری، ج ۲، رقم الحديث ۵۵۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سو اگر اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے اور جنت عطا فرمائے تو یہ اس کے کرم اور نکتہ لوازی سے کب بعید ہے؟

سورۃ الانعام کا موضوع

جس طرح باقی کی سورتوں میں اصالة عقائد کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی اصول اور عقائد ہی کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور الوہیت، وحی، رسالت، بعثت بعد الموت اور جزاء و سزا کا اثبات اور اس پر دلائل فراہم کرنا اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس سورت میں مشرکین اور دیگر ان بتدعین کے خلاف دلائل ہیں جو حشر اور نشر کا انکار کرتے تھے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پوری سورت کو یکبارگی نازل کیا جائے۔ کیونکہ پوری سورت پہ منزلہ دلیل واحد ہے۔ اگرچہ اس کی فروع بہت ہیں اور حکمیں نے اسی سورت پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھی ہے، کیونکہ اس میں ایسی آیات ہیں جو قدر یہ کار د کرتی ہیں۔ (المجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۹، مطبوعہ بیروت)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی دلائل کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی دلائل کی تلقین کی ہے۔ خود دلائل پیش کرنے کی چند مثالیں یہ ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ
جَمَعَ الطُّلُوعَ وَالشُّورَ ثُمَّ الْذِبْنَ كَقَمَرٍ
يَرْتَبِعُهُمْ بَعْدَ لُؤْلُؤِهِ (الانعام: ۷۳)

سب قرطیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور
زمینوں کو پیدا فرمایا اور تار یکپوں اور روشنی کو پیدا فرمایا پھر
(بھی) کنار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) براہ قرار دیتے
ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا
وَإِلَىٰ مُّسْتَقَرٍّ عِيْدُهُ ثُمَّ أَنْتُمْ تُمْتَرُونَ (الانعام: ۷۴)

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر مدت (حیات) مقرر
فرمادی اور (قیامت کا) صحن وقت اللہ ہی کے پاس ہے، پھر تم
ٹھک کرتے ہو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ
حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
رُسُلًا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ (الانعام: ۷۵)

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر (نگہبان) فرشتے
بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے
تو تمہارے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کو تابی
نہیں کرتے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہ کثرت دلائل تلقین فرمائے ہیں۔ ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلٌّ لِّلَّهِ
كُتِبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ (الانعام: ۷۶)

آپ پوچھئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کی
ملکیت ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے اپنے
کرم سے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا
تَكُوْنُوْنَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الانعام: ۱۳)

قُلْ اِنِّیْ كُنْتُ اَكْثَرَ شَهَادَةً قُلِّی اللّٰهُ شَهِیْدٌ
بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ (الانعام: ۱۴)

قُلْ مَنْ یُّنْفِقْ مِنْکُمْ مِّنْ ظُلُمَتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
تَنَدُّعُوْهُ نَصْرًا وَخُفْمَةً لِّیْنِ اَنْحَسَامِیْنْ هٰذِهِ
لَسَکُوْنٌ مِنَ الشُّکْرِیْنَ ۝ قُلِّی اللّٰهُ یَسْتَجِیْبُکُمْ
مِّمَّاهُمْ مِّنْ کُلِّ شَیْءٍ تُنَادُوْنَ تَشْرِیْکُوْنَ ۝

(الانعام: ۷۳-۷۴)

آپ کئے مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام
لانے والا ہوں اور یہ کہ تم ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو گے۔

آپ پوچھئے سب سے بڑی کس کی گواہی ہے؟ آپ فرمائیے
میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

آپ پوچھئے تمہیں فحش اور مسترد کی تاہکیوں سے کون
نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔

اگر وہ ہمیں اس (معصیت سے) بچالے تو ہم ضرور اس کے
شکر گزار بن جائیں گے ۝ آپ کئے اللہ ہی تم کو اس (معصیت)

سے اور ہر معصیت سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے

-۱۱-

سورۃ الانعام کے مضامین

سورۃ الانعام کے مضامین کو حسب ذیل عنوانوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کی صفات پر انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے استدلال
- ۲۔ نبوت رسالت اور وحی پر عقلی اور مشاہداتی دلائل اور مشرکین کے شبہات کے جوابات
- ۳۔ بعثت بعد الموت حسب و کتاب حشر و نشر اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء اور سزا کا اثبات۔
- ۴۔ تمدنی اور معاشرتی زندگی کے مسلمہ اخلاق اور آداب کا بیان۔
- ۵۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور اصول اور عقائد میں لوگوں کے اختلاف کا اہواہ مصلحت اور آباء و اجداد کی تقلید پر مبنی ہونا۔
- ۶۔ آخرت میں ثواب اور عذاب کا لوگوں کے محضی اعمال پر مبنی ہونا۔
- ۷۔ انسانوں کے افعال کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کا کسب انسان کرتا ہے۔ کسب سے مراد انسان کا اختیار اور ارادہ ہے۔ انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے اور اس کو جزا و سزا اپنے کسب اور اختیار کی وجہ سے ملتی ہے۔ اس لیے جبر بھی نہیں ہے کیونکہ انسان مختار ہے اور قدر بھی نہیں ہے کیونکہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے موافق اسباب و مسببات کے ساتھ مربوط ہونا۔
- ۸۔ کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور مومنوں اور نیکو کاروں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہے۔

۹۔ حلال اور حرام کرنے کی تشریع اور شریعت سازی اللہ عزوجل کا حق ہے اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فضاء کے مطابق نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور یہ بھی شریعت ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔

۱۰۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے احوال میں غور و فکر کریں کہ جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی ان کا کیا

حاصل ہوا اور زمین میں گھوم پھر کر ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار دیکھ کر حیرت حاصل کریں اور ان بکثرت نشانیوں میں غور و فکر کریں جو اللہ تعالیٰ کی ذات 'اس کی عظمت اس کے علم اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو مصائب سے اور دنیاوی زیب و زینت سے اسحق اور آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ نیک اور بد ممتاز ہوں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اس لیے کسی کفر یا فاسق کی دنیاوی عیش و عشرت 'آسودہ حالی اور اقتدار سے کسی مسلمان کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۳۔ یہودی اور لولاد سے اللہ تعالیٰ کی حزمہ کا بیان 'اسوہ اسحاق اسرائیلی نے کیا ہے کہ سورۃ الانعام میں توحید کے تمام قواعد ہیں۔

۴۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے ہیں ان کو نصبت کرنا اور جو دین حق کی کذب کرتے ہیں ان کو پہلی امتوں کے کذبین کی وعید سنانا اور یہ بتانا کہ ان کے انکار سے صرف ان کو نقصان ہوگا۔

۵۔ جو مشرکین مکہ نبی ﷺ سے علواً علوات طلب کرتے تھے ان کی جہالت کا بیان کرنا۔

۶۔ نبی ﷺ کو یہ تسلیم کرنا کہ آپ کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۷۔ رسولوں کو بھیجے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کے ثواب کی بشارت دیں لوگوں کی فرمائش سے ان کو مضبوطی پر مطلع کرنا یہ رسول کا منصب نہیں ہے۔

۸۔ فضیلت کا معیار اللہ تعالیٰ کے دین کو منظور تقویٰ ہے۔

۹۔ نفس کو طہیات یعنی پاکیزہ اور طہل چیزوں سے محروم کرنا یہ تقویٰ نہیں ہے بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ نفس کے ناجائز تقاضے پورے نہ کیے جائیں اور اس کو شوائع ہلکہ کی محفل سے محروم کر دیا جائے۔

۱۰۔ امت محمدیہ پر یہ احسان کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا جس طرح حضرت موسیٰ پر تورہ نازل کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سابقہ امتوں کا خاتم بنایا۔

۱۱۔ قرآن اور دین اسلام کی فضیلت اور یہ کہ اس امت کی نیکیوں کا ثواب اللہ نے کئی گنا بڑھایا۔

۱۲۔ یہ سورت مشرکین جاہلیت کے تمام احوال کی جامع ہے اور اس میں ان کی جہالت پر سب سے زیادہ رد کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَفِيهَا اَيُّهَا قَوْمِي بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ

سورۃ الانعام مکہ کی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیات اور ۱۱۱ میں رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شرع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا

التَّوَّابَةُ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ

فرمایا: پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں ۵ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے

مِّن طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُّسْتَمْسِكٌ وَعِنْدَهُ ثَمَرُ أَنْتُمْ

پیدا فرمایا، پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی، اور قیامت کا مبین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ

تَمْتَرُونَ ② وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کرتے ہو ۵ اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے، وہ تمہارے ظاہر اور باطن

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ③ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ

کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے ۵ اور جب بھی اللہ کے پاس اللہ کے رب کی نشانیں ہیں

مِّنْهُمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

کوئی نشان آتی ہے وہ اس سے نہ مڑ لیتے ہیں ۵ کہہ شک یہ اللہ کے پاس حق آگیا تو انہوں نے اس کو

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑤ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

بھلا دیا سو منقریب ان کے پاس اللہ کی خبریں آئیں گی جن کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۵ کیا انہوں نے نہیں دیکھا

أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمْكِنْ

کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں

لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ قَدْرًا ⑥ وَجَعَلْنَا الْآلِهَةَ تَجَرِي

دیا ہم نے ان پر آسمان سے مولا و حار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں وغیرہ کے) نیچے دریا بہائے

مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری

آخِرِينَ ⑦

قوم پیدا کر دی ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ پھر بھی (کفار اپنے رب کے ساتھ) دوسروں کو برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰۱)

حمد، مدح اور شکر کا فرق

حمد، مدح اور شکر میں فرق ہے۔ مدح سے عام ہے۔ کسی شخص کی اختیاری خوبی اور کمال پر تعریف اور توصیف کو کہتے ہیں خواہ وہ نعمت ملنے کی وجہ سے کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اور مدح کسی چیز کے حسن اور خوبی پر کی جانے والی تعریف کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ اس کی اختیاری خوبی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر آپ کسی عالم کے علم و فضل کی تعریف کریں گے تو یہ حمد بھی ہے اور مدح بھی ہے اور اگر آپ کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کریں گے تو یہ مدح ہے، حمد نہیں ہے۔ حمد اور شکر میں بھی فرق ہے۔ حمد عام ہے خواہ نعمت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے علم کی تعریف کریں جو آپ کو جاننا نہیں ہے اور آپ کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے تو یہ حمد ہے، شکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے آپ کو کچھ مل دیا ہو اور آپ اس کی صلوات کی تعریف کریں تو یہ شکر بھی ہے اور حمد بھی ہے۔

تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا

ہم نے الحمد للہ کا ترجمہ کیا ہے ہم تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کیونکہ الحمد میں الف لام جنس کا ہے اور اللہ میں نام اختصاص کا ہے یا استحقاق کا ہے اور اس کا معنی ہے حمد کی مابیت اور حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ شتم کا شکر واجب ہے مثلاً تعلیم کی وجہ سے استاذ کا شکر واجب ہے۔ بدل کی وجہ سے منصف کا شکر واجب ہے احسان کی وجہ سے محسن کا شکر واجب ہے اور پالنے پونے کی وجہ سے ماں باپ کا شکر واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

آلِ الشُّكْرِ لِيْ وَلِيَ الْاِيْدِيْكُمْ (القصص: ۳۳)
مَنْ جَرَّاءَ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا۔
نیک کامیابی کے سوا اور کیا ہے؟

(الرحمن: ۴۰)

اور لہام ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بمستلنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۸، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۹۹، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۵۸، ج ۳، ص ۳۲، ج ۲، ص ۲۷۸، ص ۲۷۹)

یہ برحق ہے کہ جب کوئی انسان کسی انسان کے ساتھ کوئی نیکی کرے یا اس کو کوئی نعمت پہنچائے تو اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے، لیکن درحقیقت تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور تمام احسانات اسی کے ہیں۔ اسی لیے حقیقت میں صرف وہی مشکور ہے اور باقی سب مجازاً مشکور ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اس وقت احسان کرتا ہے جب اس کے دل میں اس احسان کا محرک اور داعیہ پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعیہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اصل احسان اسی کا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر بلا غرض احسان کرتا ہے اور بندہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور یہ غرض یا حصول نفع ہوتی ہے یا دفع ضرر۔ کسی ضرورت مند پر احسان کر کے محسن کا دل خوش ہو اور مطمئن ہوتا ہے یا وہ اس پر احسان کر کے اس کے کسی سابقہ

احسان کا بدلہ چکاتا ہے یا اخروی ثواب کے لیے احسان کرتا ہے اور یہ حصول نفع ہے یا اس ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس رقت کے ازالہ کے لیے اس پر احسان کرتا ہے اور یہ دفع ضرر ہے تو انسان انسان پر کسی نہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا غرض احسان کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بلا واسطہ احسان کرتا اور انسان بلا واسطہ احسان کرتا ہے۔

مثلاً ایک انسان کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلا کر احسان کرتا ہے۔ اگر اس انسان کے پاس طعام خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے یا پیسے تو ہوتے لیکن بازار میں طعام دستیاب نہ ہوتا تو وہ اس کو طعام کیسے کھلاتا؟ پھر یہ بھی سوچنے کے لیے طعام کس کا پیدا کیا ہوا ہے؟ پھر اگر وہ انسان طعام فراہم کر لیتا لیکن وہ بھوکا شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا جس کی وجہ سے وہ کھانا نہ کھا سکتا تو وہ اس کو کیسے کھانا کھلاتا؟ غرض انسان جب کسی انسان پر احسان کرتا ہے اور اس کو فیض پہنچاتا ہے تو اس تک اس احسان اور فیض پہنچنے میں بیسیوں واسطے ہوتے ہیں اور ہر واسطہ اللہ کے فیض اور اس کے احسان پر قائم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ جو شخص کسی پر انعام اور احسان کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور اس کا احسان ہے۔ لہذا تمام احسانات پر شکر اور تمام کمالات اور محاسن پر ستائش اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی اس کا مستحق ہے اور مخلوق میں جس کی خوبی پر حمد کی جائے اور جس کے احسان کا شکر ادا کیا جائے وہ سب مجاز ہے۔ حقیقت میں وہی منظور ہے اور وہی محمود ہے۔

عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اور بغیر کسی کچی کے آسمان کو بنایا اور آسمانوں میں سورج اور چاند کو رکھا اور اس کو ستاروں سے مزین کیا اور ہوا کے دوش پر بادلوں کو رکھا زمین کا فرش بچھلایا اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں کشتہ راستے رکھے اور اس میں سمندر روں اور دریاؤں کو رواں دواں کیا اور پتھروں سے چٹانیں نکالے۔ ان تمام چیزوں میں اس کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت پر دلالت ہے کیونکہ اس کائنات کا پورا نظام طرز واحد پر چل رہا ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہی اللہ واحد شمار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور وہی مبدئ کا مستحق ہے اس نے تاریکیوں اور نور کو پیدا کیا۔ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد تاریکی اور نور کے پیدا کرنے کا ذکر کیا کیونکہ آسمان اور زمین جو اہر اور ایمان ہیں اور تاریکی اور نور سعانی اور اعراض ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی (زمین) کو ہفت کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور ہجر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن مکرمہ چیزوں کو پیدا کیا (مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں التنفس کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں معدنیات) اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں موشیوں اور جانوروں کو پھیلا دیا اور مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم 'النافعین' ۲/ ۲۷۹) (۲۷۹) 'مسند احمد' ج ۲/ ۲۷۹ 'رقم المسند' ۸۳۳۹ 'طبع دار الفکر' 'مسند احمد' ج ۲/ ۲۷۹ 'طبع

قدیم

کفار کی احسان فراموشی

یہ آیت کفار کی شطوت اور قیامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ

آسمانوں اور زمینوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے کے دلائل اور نشانیوں سب پر ظاہر اور واضح ہیں اور اس کی مخلوق اور مخلوقات سے کائنات کا ہر فرد فیض پاتا ہے اور قائمہ انصار ہے اور کوئی شخص بھی اس کے کرم سے محروم نہیں ہے۔ پھر ان تمام احکامات کے بلوجود یہ کفار بے جن جنوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثل ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی کو طاقت کرتے ہوئے کہے میں نے تم کو اتنا مل دیا اتنی عزت دی تم پر اتنے احسان کیے پھر بھی تم مجھے گالیاں دیتے ہو اور برا کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے سے اس کو ایسی ہی لعنت ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ اس نے جو میری تکذیب کی وہ اس کا یہ فاسد گمان ہے کہ میں اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس نے جو مجھے گالی دی وہ اس کا یہ قوس ہے کہ میرا بیٹا ہے سو میں اس سے پاک ہوں کہ میں کسی کو پھر دی یا بنائوں۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۲، سنن اقصائی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۷۷، مسند احمد ج ۲، ص ۳۵۸، طبع قدیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ شک کرتے ہو۔ (الانعام: ۴)

عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین یعنی عالم کبیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں انسان یعنی عالم صغیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم آدم کی اولاد ہو لہذا تم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔

امام ابو بکر احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ مومن 'مقی' کہیم اور کافر 'مکفر' خوار و ذلیل۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(شعب الایمان ج ۳، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلا واسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے وہ نطفہ کو اپنی پٹلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے 'اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے 'اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیا ہے؟ اور اس کی موت کب ہوگی؟ اللہ فرماتا ہے تم لوح محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق 'اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا وہ وہیں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا حقیق ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (جلد ۵۵)
ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے
اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(المجادلہ: ۱۵، القرآن: ۶: ۶۰، مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطا خراسانی سے روایت کیا ہے جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے مہا خلیفہ کسم۔

(الدر الثور: ج ۲، ص ۳۰۶، مطبوعہ ایران)

حافظ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۳۵۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(جلد الادبیات: ج ۲، ص ۲۸۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی متقی بر حلقہ پوری متوفی ۱۰۶۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود کی تکبیر میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارض کی طرف لوٹا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں نور ابو بکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنز العمال: ج ۱۰، رقم المسند: ۳۳۷۷)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس موقف پر عقل سے بھی استدلال کیا گیا ہے: "کیونکہ انسان کو مٹی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا گوشت اور زہنی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زمینی پیداوار سے بنتا ہے تو مٹی زمینی پیداوار ہے اور زمینی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے" پھر اس طریقہ سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ و روپ اور صورت و شکل میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب، دماغ، کھجھرے، جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں، باریک شریانیں اور پٹے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت و شکل اور مختلف طبائع اور خلائق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ و نسل کے انسان پیدا کرنا صرف اسی کی تخلیق سے عمل میں آسکتا ہے جو حکیم اور مدبر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزار ہا سال سے ایک ہی نظم اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہ اللہ الواحد القهار ہے۔

دو اجلوں کی تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اس نے اجل (موت) مقرر فرمادی اور اجل مستقی (مدت مقررہ) اس کے پاس ہے۔ اجل کے معنی موت ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن موتوں کی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد موت ہے اور دوسری اجل سے مراد قیامت ہے، کیونکہ آخرت میں جن کی حیات کی مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہوگی اور اس کی مدت اور اس کی کیفیت کا اصل اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کی مدت ہے۔ اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر اس کے دوبارہ پیدا ہو کر اٹھنے تک کی مدت ہے اور اس مدت کو برزخ کہتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد نیند ہے اور

دوسری اجل سے مراد موت ہے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد طبی موت ہے اور دوسری اجل سے مراد حلاوتی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'وہ اس کے پاس مقرر ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اس کو مظلوم ہے اور لوح محفوظ میں مذکور ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی خاصیت نور اس کی وحدانیت کے اس قدر واضح دلائل ہونے کے باوجود تم اس کی وحدانیت میں شک کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے۔ وہ تمہارے ظاہر اور باطن کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے (الانعام: ۳)

اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل

اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو نور تارکیوں اور نور کو پیدا فرمایا دوسری آیت میں فرمایا جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہاری خلوت اور جلوت کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل ہے اور کمال علم اور کمال قدرت یہ ایسی دو صفاتیں ہیں جن پر الوہیت کاملہ ہے اور ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل کامل ہو گئی۔

اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ وہی اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس سے یہ لازم آیا کہ آسمان اور زمین اللہ کے لیے غریب ہیں اور اللہ تعالیٰ مطروف ہے اور مطروف محدود ہوتا ہے اور محدود ہونا الوہیت کے منافی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں میں معتمد ہے 'یا معبود ہے' یا مستحق عبادت ہے 'یا اس کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر میں مغلوب ہے' یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری خلوت اور جلوت کو آسمانوں اور زمینوں میں جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو کسب کا معنی ہے حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے کوئی کام کرنا اسی لیے اللہ تعالیٰ کے افعال کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں سو بے شک جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو جھٹا دیا۔ سو غریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (الانعام: ۵-۴)

کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر بالرسول کی مذمت

اس سے پہلی تین آیات کا تعلق توحید کے ساتھ تھا اور ان آیتوں کا تعلق رسالت کے ساتھ ہے۔ سابقہ آیتوں میں مشرکین کے اس کفر کو بیان فرمایا تھا جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیتوں میں ان کے اس کفر کو بیان فرمایا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیات میں وجہ اور تباہیہ ہے کہ مشرکین کہہ رسول اللہ ﷺ کا انکار بھی اس لیے کرتے تھے کہ آپ اللہ عزوجل کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور خدا کے واحد کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ اس وجہ سے وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنی رسالت کے صدق پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرتے تو وہ اس سے منہ موڑ لیتے تھے۔ سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ آپ نے قرآن مجید پیش کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ کوئی انسان اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی بھی نظیر نہیں لاسکتا سو کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکتا۔ پھر آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کئی معجزات

پیش کیے، لیکن انہوں نے ان معجزات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کا مذاق اڑایا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے انکار اور کفر کے تین احوال بیان فرمائے ہیں۔ پہلا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا اور منہ موڑا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اور تیسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کا مذاق اڑایا اور یہ ان کے کفر اور انکار کی استقامت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اس وعید میں دو احتمال ہیں اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی اور ان کو اپنی عسکری برتری اور طاقت کا جو گھمنہ تھا وہ خاک میں مل گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں) کے نیچے دریا بہائے، پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔ (الانعام: ۶)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرنے، ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے اس انکار اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعید سنائی تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سناتا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا ان مکذبین کو لوگوں سے خبریں سن کر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی سابقہ امتوں کو مثلاً قوم عاد و ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس گھمنہ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی کہ وہ امت ممدار اور طاقتور ہیں۔ وہ قریش مکہ سے اس بات میں مستاز تھے کہ ان پر بکثرت موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی تھیں جس سے ان کی زرعی زمینیں بہت زرخیز ہوتی تھیں اور ان کے مکانوں کے کنارے پر دریا بہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم پیدا کی جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی تھی اور یہ بھی اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُنْتُمْ أَهْلًا لِّكُمْ مِّنْ قَرَبَةٍ تَبَطَّرْتُمُوهَا فَمَا لَكُم مِّنْهَا لِمَا كُفِّرْتُمْ لَمْ تَكُنْ لِيُمْسِكُوا بِعَالِيهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكَتَابَحُمُ الْوَرْنِ بَرٍّ وَمَا كَانُوا بِكُمْ مِّنْهُ لِيَكُنَ الْفَرَى عَنِّي يَبْعَثَ عَنِّي أَهْلًا رَسُولًا تَسْلُوا عَلَيْهِمْ أَيْتَا وَمَا كُنَّا مِّنْهُ لِيَكُنِيَ الْفَرَى إِلَّا وَاهِلًا طَالِ السُّور (الفصص ۵۸-۵۹)

ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا (جن کے رہنے والے) اپنی خوشحالی پر اڑا جانے لگے تھے۔ سو یہ ہیں ان کے مکان جن میں ان کے بعد بہت کم رہائش کی جگہ تھی اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کی طاقت کرے اور ہم اس وقت ہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جب اس کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار مکہ کو نصیحت کی جائے اور انہیں اس بات سے ڈرایا جائے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب

نہ آجائے جو پچھلی امتوں کے ان جیسے کافروں پر آیا تھا جب کہ وہ لوگ دنیاوی شہن و شوکت اور قوت و طاقت اور مادی حیثیت سے اہل مکہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ اور برتر تھے۔

قرن کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے قرن پہ کر دیئے اس آیت میں قرن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی حنفی ۳۵۷ھ نے قرن کا یہ معنی لکھا ہے قرن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مقرب ہوں اس کی جمع قرون ہے ولفظ واحد ۳۵۷ھ میں ۳۵۷ھ میں امیر رازی حنفی ۳۵۷ھ نے لکھا ہے ہر زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں متوسط عموم کی مقدار پر مشتمل لوگ ہیں۔ یہ لفظ اقربان سے ماخوذ ہے یعنی جتنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عموم اور اپنے احوال سے مقرب ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ چالیس سال کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا زمانہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مطلق زمانہ ہے۔ (التلویہ ج ۳ ص ۵۹) امام رازی متوفی ۳۵۷ھ نے لکھا ہے کہ واحدی نے کہا ہے کہ زمانہ کی جس مدت میں ایک قوم مقرب ہو وہ قرن ہے یعنی جس مدت میں ایک قوم مقرب ہو پھر موت سے وہ دوسری قوم سے متفرق ہو جائے تو وہ قوم ایک قرن ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ ایک دوسری قوم ہوں گے اور وہ آپس میں مقرب ہوں گے تو یہ دوسری قرن ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام قرون میں بہترین میرا قرن ہے۔ اور جبکہ عموماً لوگوں کی عمریں ساٹھ 'ستر' اور اسی سال کے لگ بھگ ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا قرن ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ بعض نے کہا ستر سال کا اور بعض نے کہا اسی سال کا زمانہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی کوئی ایسی معین مقدار نہیں ہے جس پر زیادتی یا اس سے کمی نہ ہو سکے بلکہ اس سے مراد ہے ہر زمانہ کے لوگ اور جب اس زمانہ کے اکثر لوگ فتنہ ہو جائیں گے تو کہا جائے گا کہ وہ قرن فتنہ ہو گئی۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۱۱ طبع قدیم)

امام رازی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سب میں بہترین میرا قرن ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (الحدیث)

(صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۶۵۸۱ صحیح مسلم فضائل صحابہ: ۳۵۵ (۳۵۵) سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۶۵۷ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۷۶۹ سنن نسائی ج ۳ رقم الحدیث: ۳۸۸۸ صحیح ابن حبان ج ۱۹ رقم الحدیث: ۴۲۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۷۶ المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۵۸۵۰ مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۴۷۰۸ طبع دار الفکر مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۵۴۳ طبع قاہرہ مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹ طبع قدیم)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں: اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن تک زندہ رہو گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔

(المجمل للاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

بعض سوالوں کے جوابات

اس آیت پر ایک یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اس میں زجر و توبیح کی

کون سی بات ہے؟ کیونکہ موت تو ہر شخص کو آتی ہے۔ مگر وہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زبردستی کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب شدید سے موت آئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے گزشتہ امتوں کی ہلاکت کو نہیں دیکھا؟ مگر انہوں نے گزشتہ امتوں کے احوال کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دینے کے وہ صدق نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کیا ان کو ان امتوں کے احوال نہیں معلوم ہو رہے تھے اور لوگوں کے درمیان مشہور تھے۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ اس بات کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ان کی جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ پر دشوار نہیں ہے، وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ قِرْطَابٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ

اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لینے تب بھی کفار

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ

یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ۝ اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ

عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَاهُ مَلَكًا لَّقُفِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۝

کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں بہت نہ دی جاتی ۝

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۝

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورۃ) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا بِرُسُلٍ قَبْلِكَ فَحَاقَّ بِالَّذِينَ سَخِرُوا

اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کا یہی مذاق اڑایا گیا تو انی مذاق اڑانے والوں کو اسی مذاق نے گھیر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

یا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے

تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے۔ (الانعام: ۷)

ربط آیات اور شان نزول

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید اور پیغام اسلام کو مسترد کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اپنے میل و آرام

میں مست تھے اور ان کو اپنی قوت و حشمت پر گھمنڈ تھا۔ ان کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ تھے

جو نبی پیچھے کے پیش کیے ہوئے معجزات کو کھلا ہوا جلوہ قرار دیتے تھے۔ ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۵ھ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے کنااے محمد ﷺ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

کفار کے انکار کا حقیقی سبب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کس سبب سے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا انکار چند ضعیف شہادت پر مبنی تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل ہو اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہو جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے، لیکن حقیقت میں ان کے انکار اور کذب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرتے تھے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ سو اگر اللہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتا اور وہ اس کو چھو کر دیکھ لیتے، پھر بھی کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے اور ایمان نہ لاتے۔ ہاتھ سے چھونے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیز کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز زیادہ یقینی ہوتی ہے، کیونکہ مشاہدہ میں یہ اختلاف ہو سکتا ہے کہ نظربے دھوکا دکھایا ہو یا نظربندی کی گئی ہو۔ لیکن ہاتھ سے چھونے کے بعد یہ احتمالات ختم ہو جاتے ہیں، لیکن یہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلَمُوا
فِيهِ يَعْزُبُونَ ۝ لَّقَالُوا لَئِنَّا لَتَكِبَرَاتٍ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِي
نَا ۝ نَلَّ تَحَسُّنَ قَوْمٌ مِّنْهُمْ حُورٌ ۝ (الحجر: ۱۳)

اور اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں (اون بھر) چھتے رہیں (تو پھر بھی) یہ لوگ یقیناً بھی تمہیں گے کہ محض ہماری نظربندی کی گئی ہے، بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں مصلحت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (سورۃ ۳) مرد مٹاتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا، تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الانعام: ۸۰)

کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی پیچھے کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو مسلمان کرنے کی ابتلائی کو شش کی تو زید بن الاسود، نضو بن حارث، عبیدہ بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عامر بن وائل نے کہا کہ آپ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا۔ (الدر المنثور، ج ۳، ص ۵، مطبوعہ بیروت)

کفار مکہ کا خیال یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ کیونکہ فرشتوں کے علوم انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قدرت اور ان کی نسبت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ کمال طور

پر دو سروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ سوان کی نبوت اور رسالت میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوگا تو اس وجہ سے اگر اللہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جو جواب دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ فرشتے کو اسی وقت دیکھ سکتے تھے جب وہ کسی جسم کثیف میں متعطل ہوتا اور ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے اور دوسری جنس سے غیر مانوس ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجتا تو اگر وہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے نہ اس کا کلام سن سکتے اور نہ اس کی عبادات اور معمولات ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے۔ کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہوتی اور اگر وہ ان کے سامنے انسانی پیکر میں متعطل ہو کر آتا تو وہ اس سے کہتے کہ تم فرشتے نہیں ہو تم تو ہماری طرح انسان ہو اور پھر ان کا وہی پہلا شبہ لوٹ آتا۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی فرشتے بعض اوقات انسانی پیکر میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہما السلام کے پاس فرشتے انسانی صورتوں میں آئے اور نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل اعرابی اور وجہ کلبی کی شکل میں آئے اور نبی ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ نے لکھا ہے کہ اگر کفار فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو اسی وقت مر جاتے کیونکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا کہ قیامت آجائی۔ حسن اور قتادہ نے کہا ان پر عذاب آکر ان کو ملیا میٹ اور تس تس کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جاتی ہے اور پھر وہ ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو کوئی انور ہلاک کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمانی عذاب نہیں آتا تھا اس لیے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ۶/۲۶۷ ص ۳۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا

بعض کفار مکہ نبی ﷺ سے استہزاء یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آنا چاہیے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ نے آپ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ آیت نازل کی اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ
(الحجر: ۱۰-۱۱)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلے کردہوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

تیرا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَاُصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاعْرِضْ عَنِ
الْمُشِيرِ كَيْسَ ۚ إِنَّا كَمُتِّئِكَ الْمُشْتَهَرِئِينَ
(الحجر: ۹۵-۹۴)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو عطا نہ کر فرمائیں اور مشرکین سے اعراض کریں اور بے شک ان مذاق اڑانے والوں کو سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور مکہ کے جو منافق رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا بدلہ لے لیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسد بن عبد العزیٰ سے اسود بن المطلب تھا رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتا ہے، آپ نے اس کے خلاف دعا کی۔ اے اللہ! اس کو اندھا کر دے اور اس کے بچوں کو گم کر دے اور بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد بنحوث تھا اور بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ تھا۔ اور بنو سہم میں سے عامر بن وائل تھا اور خزاعہ میں سے حارث بن ظالمہ تھا۔ جب ان کی سرکشی بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑانے لگے، تو سورۃ حجر کی یہ آیات (۹۵-۹۳) نازل ہوئیں اور جس وقت یہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیل کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اسود بن المطلب حضرت جبرائیل کے پاس سے گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے منہ پر ہنر بٹا مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور اسود بن عبد بنحوث گزرا، جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کو اشتقاق (پیس) کی بیماری لگ گئی، پانی پی پی کر اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ اسی حال میں مر گیا۔ اور ولید بن مغیرہ گزرا، دو سال پہلے اس کے بچہ کی ایڑی کے نیچے ایک زخم آیا تھا، یہ نگہ وہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا، تو اس کا تیر اس کے تہنہ میں ٹکس گیا جس سے اس کا بچہ زخمی ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس زخم کی طرف اشارہ کیا وہ تازہ ہو گیا اور وہ اس کی تکلیف میں مر گیا۔ اور عامر بن وائل سہمی گزرا حضرت جبرائیل نے اس کے بچہ کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اپنے گدھے سے گر اور اس کے ٹکڑے میں کھانا چبھ گیا اور اس سے زخم ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ مر گیا۔ اور حارث بن ظالمہ گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو اس کے سر سے پیپ نکلنے لگی اور وہ اسی بیماری میں مر گیا۔

(جامع البیان، ج ۱۳، ص ۹۵-۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو نبی گمراہی کا لہر نبی ﷺ پر طعن کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے، وہ سب عذاب الہی میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ تم زمین میں گھومو، پھر دیکھو جہلانے والوں کا انجام کیسا

الْمُكَذِّبِينَ ۝ قُلْ لِّمَنْ قَالِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِلّٰهِ

ہوا ۝ آپ (ان سے) کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے کہ

كُتِبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ۖ لِيَجْمَعَ كُمُ الْيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا

وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے (خود اپنے) اپنے اور رحمت لازم کر لی ہے، وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس

رَأٰیكَ فِيْهِ الدِّیْنُ خَسِرُوْا اَنْفُسَكُمْ فَمُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ دَلٰہُ مَا

میں کوئی شک نہیں ہے، (مگر) جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ۝ رات اور دن میں

سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ أَغَيَّرَ

جو بھی کونٹ پتھر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جانتے والا ہے۔ آپ کہیے کیا میں اللہ

اللَّهُ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا

کے سوا کسی اور کو کار ساز بناؤں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلا رہا نہیں

يُطْعَمُ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ

جائے، آپ کہیے کہ مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۴﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَأَيْتُ عَذَابَ

دلوں میں سے نہ ہونا۔ آپ کہیے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُضَرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۖ وَذَلِكَ

دڑتا ہوں۔ جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بیشک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی

الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ وَإِنْ يَمَسُّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا

بہت واضح کامیابی ہے۔ اور (اے مخاطب) اگر اللہ تجھ پر ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا

هُوَ وَإِنْ يَمَسُّكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ

نہیں ہے، اور اگر وہ تجھ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہی اپنے

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۱۸﴾

تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم زمین میں گھومو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ (الانعام ۱۱) اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اے محمد ﷺ ان مذاق اڑانے والوں اور جھٹلانے والوں سے کہئے کہ تم زمین میں سڑکو اور تفتیش کرو اور تم سے پہلے کافروں پر تکذیب کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس کے آثار اور نشانات دیکھو اور اس کے متعلق لوگوں سے خبریں معلوم کرو۔ اس آیت میں تکذیب کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہئے

کہ وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔ وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے مگر جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۳)

الوہیت رسالت اور قیامت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور قیامت کے دن مخلوق سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور دلیل کی تقریر یہ ہے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمان اور زمینیں اور ان میں تمام رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ساری مخلوق اللہ کی مملوک ہے اور مملوک پر اپنے مالک کی اطاعت کرنا لازم ہے سو تمام انسانوں پر لازم ہے کہ صرف اس ایک رب کی عبادت کریں اور اسی کو عبادت کا مستحق مانیں اور عبادت کا طریقہ بتلانے اور اللہ کے احکام پہنچانے کے لیے ایک رسول کا ہونا ضروری ہے جو دلیل اور معجزہ سے اپنی رسالت کو ثابت کرے اور سیدنا محمد ﷺ نے بکثرت دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ کی اطاعت کریں ان کو اجر دینے کے لیے اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دینے کے لیے ایک دن ہونا چاہیے اور وہ روز قیامت اور روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ: ۱۳ (۲۷۵۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۱۵۳ سنن کبریٰ للنسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۷۵۰ سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۹۵ مسند احمد، ج ۲، ص ۲۶۰-۲۶۲ طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو اپنی اس کتاب میں لکھا جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ: ۱۲ (۲۷۵۱) مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۵۰۳، طبع دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کرنے والے مسلمان کو ثواب عطا فرمائے اور اپنے بندہ کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے اور اللہ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرے اور مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا اس کی صفت قدیمہ ہے جس سے وہ تمام مرادات کا ارادہ فرماتا ہے اور رحمت کی سبقت اور اس کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ رحمت بہت زیادہ اور بہت کثیر افراد کو شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنت انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں۔ اس رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں موخر کر رکھی ہیں۔ ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

(صحیح مسلم، التوبہ: ۱۴ (۲۷۵۲) سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۳)

یہ دنیا دار ابلاہ اور دارالطیث ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی ایک رحمت سے مسلمانوں کو 'اسلام' قرآن اور نماز کی رحمت حاصل ہوئی۔ بلکہ تمام شریعت اللہ کی رحمت ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھی جس سے وہ نکلے صلہ رحمی اور غریب پروری کرتے ہیں تو ان نافرمانوں کی رحمتوں کی وسعت اور گیرائی کے مطلق کوئی شخص کیا تصور کر سکتا ہے جو دار آخرت میں حاصل ہوں گی جو دارالقرار اور دارالجزاء ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اس نے قیدیوں میں اپنے بچہ کو دیکھا اس نے بچے کو اپنے پیٹ سے چمٹایا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں خدا کی قسم اگر آگ میں ڈالتا اس کے لیے مقدور ہوتا یہ اپنے بچہ کو بھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اپنے بچہ پر جس قدر رحم کرنے والی ہے اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ: ۲۴، ۶۸۳۵ (۴۷۵۳) صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۹۹۵)

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب میں اپنے بچہ کو آگ میں ڈالتا گوارہ نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈالتا کیسے گوارا کرے گا؟ جبکہ اللہ میں سے کہیں زیادہ رحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور جن کو آگ میں ڈالے گا وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتے۔ کوئی خود کو بتوں کا بندہ کہتا ہے کوئی اپنے آپ کو سورج 'آگ' پہل اور کوئی گائے کا بندہ کہتا ہے اور کوئی خود کو بیٹی اور عزیز کا بندہ کہتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتا ہے مگر زندگی اپنی خواہشات کی کرتا ہے:

آرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَشْكُرُ
عَلَيْهِ وَكَيْلًا (العنقران: ۲۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کی دکالت کریں گے!

ہاں! جو لوگ خود کو اللہ کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں وہ ان کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور ایسے لوگوں سے اگر کبھی انسانی تقاضے سے کوئی لغزش یا اطاعت میں کمی ہو گئی اور انہوں نے پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیا تو اللہ انہیں معاف فرمادے گا اور ان میں سے اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کے لیے بھی اللہ کی رحمت اور نبی ﷺ کی شفاعت سے غفور و کریم کی گنجائش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا پھر میرے جسم کو پینا اور میری راتھ کو سمندر میں ہوا کے اندر اڑا دینا۔ پس یہ خدا اگر میرا رب مجھ پر قادر ہو تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا؟ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تمہارے اس فعل کا محرک کیا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب اتیرا خوف۔ سو اللہ نے اس وجہ سے اس کو بخش دیا۔ (صحیح مسلم، التوبہ: ۲۵، ۶۸۳۸ (۴۷۶۱) صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۵، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۵۵، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۷۹)

اس حدیث میں ہے کہ اگر یہ خدا میرا رب قادر ہو تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ (الحدیث) اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ اس اعتراض کے متعدد جواب ہیں۔

- ۱۔ اس شخص کے قول میں "قدر" قدرت سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ قضاء قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے میرے لیے عذاب مقرر کر دیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔
- ۲۔ "قدر" اس قول میں تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدَرْنَا عَلَيْهِ رِزْقَهُ (الفجر: ۴۷)

سو اس پر اس کا رزق نیک کر دیا۔

فَقَطَّرْنَا لَهُ نَارًا تَقْدِرُ عَلَيْهِ (الانبیاء: ۸۷)

پونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

- ۳۔ "قدر" قدرت ہی کے معنی میں ہے۔ لیکن اس شخص نے سوچ سمجھ کر یہ لفظ نہیں کہا اور اس نے جو یہ کہا اگر اللہ عذاب دینے پر قادر ہو تو اس کو ایسا عذاب دے گا اس کلام سے اس کا یہ قصد اور ارادہ نہیں تھا کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک ہے۔ بلکہ اس نے خوف، دہشت اور سخت گھبراہٹ کی کیفیت میں بغیر تدبیر اور تفکر کے یہ الفاظ کہے۔ جیسے کوئی شخص غفلت اور نسیان سے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کی عکفر نہیں کی جاتی، جیسے ایک شخص کو اپنی تم شدہ اونٹنی مل گئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے شدت فرح اور خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا تھا تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اسی طرح اس نے غلبہ خوف اور دہشت کی وجہ سے سوایہ الفاظ کہے اور اس سے اس کی عکفر نہیں ہوتی۔

- ۴۔ عربوں کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ قیمتی امر کو شک کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ
اللَّهُ وَلَآئِنَّا أَرْسَلْنَاكُمْ لَحُلًى هُدًى أَوْ بَیِّنًى ضَلَّالٍ
تَمِیْیْنِ (اسہ: ۴۴)

آپ کئے تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کئے اللہ! اور بے شک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا گمراہی میں۔

اسی طرح اس شخص کو اللہ کی قدرت پر یقین تھا لیکن اس امر کو شک کی صورت میں بیان کیا۔

- ۵۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جہل تھا اور جو شخص اللہ کی کسی صفت سے جہل ہو اس کی عکفر متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری اس کی عکفر کرتے ہیں، دیگر ائمہ نے کہا کہ اللہ کی صفت سے جہل کفر نہیں ہے، اس کی صفت کا انکار کفر ہے۔ امام ابو الحسن اشعری نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

- ۶۔ وہ شخص زندہ فترت میں تھا اور اس کے لیے صرف توحید کو ماننا کافی تھا، اور صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت نازل ہونے سے پہلے کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَنْفُتَ رَسُولًا

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک

(الاسراء: ۱۵) رسول نہ بھیج دیں۔

- ۷۔ اس شخص نے خود کو حقیر اور مستحق عذاب قرار دینے کے لیے اور اللہ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے یہ کہا تھا، اس کو اللہ کی قدرت پر شک نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تم نے کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں یا فرشتوں نے کہا یاد کرو۔ اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور میں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ جو تک دست ہو اس کو صلت دینا اور خوش حال پر سختی نہ کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔ حضرت حذیفہ کی ایک اور روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس چیز کا میں تم سے زیادہ حقدار

ہوں میرے بندے سے درگزر کرو۔

(صحیح مسلم، المساقہ، ۲۶، (۱۵۶۰) ۳۹۱، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث ۲۰۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث ۲۴۲۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا۔ اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک شنی دیکھی، اس نے اس کو راستہ سے ایک طرف کر دیا، اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے اس شخص نے کہا: خدا میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا، تاکہ ان کو ایذا نہ پہنچے۔ تو وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم، البر والصلہ، ۳۸، ۳۷، (۱۹۳) ۵۳۶، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث ۲۴۷۲، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحديث ۱۹۶۵، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث ۳۶۸۳، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحديث ۵۳۶، مسند الحمیدی، رقم الحديث ۱۱۳۳، الموطاء، رقم الحديث ۲۹۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۲، طبع قدیم)

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کی گمانوں میں سے ہے، خواہ وہ کانٹوں کی شنی ہو، شیش کا ٹکڑا ہو، کیلے یا آم کا چھلکا ہو، کوئی گندی چیز ہو یا مردار ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں دیکھا، اس میں اتر کر پانی پیا۔ پھر وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا ایک کتا پیاس کی شدت سے کچڑا چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی، وہ کنوئیں میں اتر اور اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا، پھر موزہ کے منہ کو بند کر کے کنوئیں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر میں اجر ہے۔

(صحیح مسلم، سلام، ۱۵۳، (۲۲۳۳) ۵۷۵۱، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث ۲۳۶۳، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحديث ۲۵۵۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک زانیہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو کنوئیں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکال ہوئی تھی، اس عورت نے اپنے موزہ میں اس کے لیے پانی بھرا، تو اس عورت کو بخش دیا گیا۔ (صحیح مسلم، سلام، ۱۵۳، (۲۲۳۵) ۵۷۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں داخل ہو گئی، اس نے اس بلی کو باندھ کر رکھا، اس کو خود کھلایا نہ اس کو آواز کیا، تاکہ وہ زمین سے کچھ اٹھا کر کھالیتی۔ حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

(صحیح مسلم، التوبہ، ۲۶، (۲۷۵۶) ۷۸۵۰، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث ۲۳۶۵، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحديث ۳۸۸۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث ۳۲۵۶، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحديث ۲۸۳، سنن کبریٰ للبخاری، ج ۸، ص ۳۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۵۹، ۱۸۱، ۲۶، طبع قدیم)

آثار رحمت کی احادیث ذکر کرنے کے بعد ہم نے آخر میں آثار غضب کی بھی ایک حدیث درج کر دی ہے، تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر کرتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے، کیونکہ اگر وہ ایک کتے کو پانی پلانے پر عمر بھر کے مثلاً معاف کر کے جنت عطا فرماتا ہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار دینے پر غضب میں آکر دوزخ میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس کی دونوں صفوں پر نظر رہے اور ایمان، عذاب کے خوف اور ثواب کی امید کی درمیانی کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھے غم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی بہت واضح کلمہ الٰہی ہے۔

(الانعام: ۱۶۰-۱۶۳)

مغفرت، نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے یہ نبوت کا دعویٰ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہم تمہارے لیے اس قدر مل جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے غنی ہو جاؤ گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ رات اور دن میں جو چیز بھی متحرک ہے یا ساکن، یا جو چیز بھی سکونت پذیر ہے، وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا آپ کہتے ہیں کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب، ناصر اور معبود بنالوں؟ کیا میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دوں؟ جو اپنی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے اور وہ اپنی حیات اور بقا میں کسی غذا کا محتاج نہیں ہے۔

اور چونکہ نبی ﷺ اپنی امت میں سب سے سابق ہیں، اس لیے آپ کو سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا اور شرک کرنے سے منع کیا۔ پھر فرمایا کہ آپ کہتے ہیں اگر میں بھی باغرض اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس میں امت کے لیے تعریض ہے جب نبی ﷺ جو معصوم ہیں جن کی وجہ سے ان گنت گنہگار بخشے جائیں گے، جب وہ بھی اللہ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں تو عام مسلمانوں کو اللہ سے کتنا زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر فرمایا جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا، بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا۔

مختلہ یہ کہتے تھے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس کے مقابلہ میں اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عمل ہے اور یہ آیت اہل سنت کی دلیل ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا، اور یہ کتنا ہی وقت مستحسن ہو گا جب نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا اللہ کا فضل اور احسان ہو۔ اگر ان کو عذاب سے بچانا اللہ پر واجب ہوتا تو پھر ان کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا رحم نہ ہوتا، بلکہ یہ ان کا حق ہوتا اور اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا محض اس کا رحم و کرم اور فضل و احسان ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا مگر یہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ذیلت لے۔

(صحیح مسلم، مناقب، ۵۷، (۲۸۸) ۷۸۳، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث ۳۶۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث ۳۲۰۱، سنن

داری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۳۳ 'مسند احمد' تحقیق احمد شاکر 'ج ۷' رقم الحدیث: ۷۴۴۷ 'طبع کاہرہ' 'مسند احمد' 'ج ۲' ص ۲۵۶ '۲۳۵' طبع قدیم)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا ان کو جہنم سے نجات یافتہ کیا جائے گا (صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث: ۷۴۵۵ 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۲۰۸ 'طبع قدیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے بھی تین تین بچے فوت ہو جائیں وہ اس مسلمان کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۷۳۸۸ 'سنن نسائی' 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۷۲ 'سنن ابن ماجہ' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۰۵ 'مسند احمد' 'ج ۲' ص ۵۰ 'طبع قدیم)

امام ابو یوسف محمد بن یوسف ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۸۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا کرے 'اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا کرے 'اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں۔'

(صحیح مسلم 'مسافرن' '۶۸' (۷۳) 'سنن ابوداؤد' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۷۵۵ 'سنن نسائی' 'ج ۲' رقم الحدیث: ۷۴۹۱ 'سنن کبریٰ' 'سنن' 'ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۰۰۵ 'عمل الیوم واللیلہ الفضلی' 'رقم الحدیث: ۷' 'سنن ابن ماجہ' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷۲ 'سنن داری' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۹۳ 'ج ۲' ص ۲۷۸ 'مسند احمد' 'ج ۵' ص ۲۲۵ 'طبع قدیم)

نبی کریم ﷺ نے استغفار کی جو دعا تعلیم فرمائی ہے اس میں ایک جملہ یہ ہے:

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۲ 'سنن نسائی' 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۵۳ 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۳۳۳ 'طبع قدیم)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قیسہ بن عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا اے قیسہ تم کس کام سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا اے قیسہ! تم کسی پتھر درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزر دو گے مگر وہ تمہارے لیے استغفار کرے گا۔ اے قیسہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو "سبحان اللہ العظیم وبحمده" تم پانچا سو گنا جہنم اور قلع سے محفوظ رہو گے۔ اے

لیکھنا تم یہ دعا کرو اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر اپنی رحمت نکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۶۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں قرائت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرتے تھے۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے ثواب اور عذاب ثابت نہیں ہوتا اور نہ احکام بحیثیت عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور شرع سے ثابت ہوتے ہیں۔ نیز اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، تمام جہان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ اگر وہ تمام اطاعت کرنے والوں اور صالحین کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ اس کا عمل ہو گا اور جب وہ ان پر اکرام اور احسان کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا تو یہ اس کا فضل ہو گا اور اگر وہ کافروں پر اکرام کرے اور ان کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اس کا بھی مالک ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کی خبر کا کذب ہونا محال ہے۔ اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ مومنوں کی مغفرت کر دے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمائے گا اور یہ اس کا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا اس کے برخلاف معتزلہ کہتے ہیں کہ احکام بحیثیت عقل سے ثابت ہیں اور نیک اعمال کا اجر و ثواب و عذاب واجب ہے۔

ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی اطاعت کی وجہ سے جنت کا مستحق نہیں ہے، بلکہ جنت کا دار عمل پر نہیں محض اللہ کے فضل پر ہے۔ البتہ بعض آیتیں بظاہر معتزلہ کی مویہ ہیں۔

ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون
ان اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم کرتے
(النحل: ۱۲۵) تھے۔

وذلكم الجنة التي اوردتموها بما كنتم تعملون (الرحرف: ۷۴)
اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کیے گئے ہو، ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے

یہ آیتیں اور اس نوع کی دوسری آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں دخول کا سبب نیک اعمال ہیں، لیکن نیک اعمال کی توفیق اور اعمال میں اخلاص کی ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ان نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے تو حاصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت محض عمل سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جتنی ہے اس کی توفیق اور ہدایت نہ ہو تو کوئی نیک عمل کیسے کر سکتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ارادہ ہوا

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک جنت میں دخول کا صوری اور ظاہری سبب ہے اور ایک حقیقی سبب ہے۔ ظاہری اور صوری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ ان آیتوں میں ظاہری سبب یعنی اعمال کی طرف دخول جنت کی نسبت فرمائی ہے اور جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں دخول جنت کی نسبت حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف فرمائی ہے اور عمل کی جو نفی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب اعمال نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بعض علماء نے کہا جنت میں دخول ایمان کی وجہ سے ہو گا۔ درجات اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت میں

س ۳۵۳ طبع کراچی

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو فقر، مرض، غم اور ذلت کی وجہ سے جو مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان مصائب اور شدائد کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور رنج و الم کو اس کے سوا کوئی زائل کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح صحت، دولت، عزت اور اولاد کا بھی صرف وہی دینے والا ہے۔ دنیا اور آخرت میں اس کی سلطنت اور فرمانروائی ہے، اسی کا غلبہ اور ماسی کی کبریائی ہے، بڑے بڑے بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کی گردنیں اسی کے سامنے جھکتی ہیں۔ تمام انبیاء و رسل اور فرشتے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، سب اسی سے سوال اور دعا کرتے ہیں۔ وہی سب کا داتا ہے اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے، وہی کارساز مطلق ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔ اس لیے اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

امام ابو یوسف، محمد بن یحییٰ ترمذی، سنن ۱۹۷۷، روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اپنے رب سے اس کا سوال کرے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ثابت بن جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی حاجت میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ نمک کا بھی اس سے سوال کرے اور جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اس سے سوال کرے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۷۳۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اگر کسی شخص کی دعا فوراً قبول نہ ہو تو اس کو یوں ہو کہ دعا ترک نہیں کرنی چاہیے، بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اس قدر ہاتھ بلند کرے کہ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی بظنیں ظاہر ہو جائیں اللہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! جلدی کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ میں نے سوال کیا اور میں نے سوال کیا اور مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ وہ کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۶۱۰، کنز العمال، رقم الحدیث ۳۶۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یا تو اس کا مطلوب اسے فوراً دنیا میں دے دیا جاتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں اس کا اجر ذخیرہ کیا جاتا ہے یا اس دعا کے بہ مقدمہ اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کی یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور غفلت نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! غفلت کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی اس نے میری دعا قبول نہیں کی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۷۸۸، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث ۳۳۰، صحیح مسلم، ۴۷۳۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۸۸۴)

۳۸۸۴ سوطا امام مالک، رقم الحدیث ۳۵۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث ۳۰۰۰، طبع جدید، دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سوال یہ ہے کہ اس سے

ظہان القرآن

جلد سوم

عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصائب نازل ہو چکے ہیں اور جو نازل نہیں ہوئے ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۵۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہیے کہ راحت کے وقت بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۹۳، المستدرک، رقم الحدیث: ۱۹۹۷)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حیادار کرم ہے۔ وہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو نامراد اور خالی لوٹا دے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۵۶۷، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۶۵)

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا، مگر انسان بھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے، کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں، انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر دوا کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے، قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام صحابہ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے، بلکہ آپ نے دو گناہ گاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔ (صحیح بخاری، ج ۲۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دھکتی ہوئی آنکھ میں حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن مسعود کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفا یاب ہو گئے۔ (اشفاء، ج ۱، ص ۲۳) امام بخاری نے بھی حضرت علی کی آنکھوں کی شفا کی حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۷۷۹) نیز امام بخاری نے حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ج ۵، رقم الحدیث: ۳۲۰۶) اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحک گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۳۹)

ایسے بہ کثرت واقعات ہیں اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے خلاف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں، وہ اللہ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دواؤں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ شخص جب میں شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور نیک دستوں کو غنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَمَا تَقْضُوا إِلَّا أَنْ أَعْلَمَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ نَضْرُ
فَصُولَهُ (النسبہ: ۷۴) اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے
انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے
غنی کر دیا۔ سو مظلوم ہوا ایسا کتنا جائز ہے۔ البتہ ایہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ ﷺ
نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لذن سے غنی کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ قَوْلَ يَتْلُو آتَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمَتْ
عَلَيْهِ (الاحزاب: ۴۳) اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام
فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ نعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لذن سے انعام فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے
انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا
رَكِيبًا (مریم: ۱۹) ہوں، تاکہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔

حقیقت میں بنادینے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بنادینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی ہے، کیونکہ اللہ
نے حضرت جبرائیل کو اس کا جب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ
السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حقیقتاً بلا واسطہ اور بلاذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لڑن سے مقررین حضرت رب العزت خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں غنی اور شلو کام کرتے ہیں۔

قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہیے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَتَيْنَكُمْ

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس (شک) پر پہنچے۔ کیا تم ضرور

لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آخِرَ قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہیے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہیے کہ وہ صرف

هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنِّي بِرِئِءٍ مِّمَّا تَشْرِكُونَ ۝۱۹ الَّذِينَ اتَّيْنَهُم

ایک مستحق عبادت ہے اور بیشک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْكِتَابِ يَعْزِفُونَ كَمَا يَعْزِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا

دی ہے وہ اس (نبی) کو لپٹے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جافوں کو نقصان میں ڈالا

أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۰

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہئے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہئے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ (الانعام: ۱۹)

ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کو آپ کے سوار رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا ہمیں کوئی شخص نہیں ملا جو آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرے۔ ہم نے یہود اور نصاریٰ سے آپ کے رسول ہونے کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی نبوت کی گواہی کون دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ کہئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی

ہے؟ آپ کہئے 'اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' کیونکہ سب سے بڑی گواہی اللہ سبحانہ کی ہے اور جب وہ اس کو بیان لیں تو آپ بتائیں کہ میری نبوت پر اللہ گواہ ہے۔ کیونکہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے اور یہ قرآن مجزہ ہے 'کیونکہ تم فصحاء اور بلغاء ہو اور تم اس قرآن کا محاضہ کرنے اور اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے ہو اور جب یہ قرآن مجزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس قرآن کو مجھ پر نازل کرنا میرے دعویٰ نبوت کے موافق ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے نبی ہونے کی شہادت ہے۔ اور یہ اس آیت کا معنی ہے 'اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں (اور ان کو) جن تک یہ پہنچے۔'

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری طرف سے تبلیغ کرو 'خواہ ایک آیت ہو۔ اور بنو اسرائیل سے احادیث بیان کرو' کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے مجھ پر عہد اجموت باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۷۰ سنن ترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۷۹ مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۶۳۹۱ صحیح ابن حبان 'رقم الحدیث: ۱۷۵۶)

جن لوگوں کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی 'نبی ﷺ نے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ جریجو 'نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت اور علم کو دے کر مجھے بھیجا ہے 'اس کی مثل اس بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برسی 'ان میں سے بعض زمینیں زرخیز تھیں۔ انہوں نے پانی کو قبول کر لیا اور تر اور خشک گھاس کو اکٹھا اور بعض غیر زرخیز زمینیں تھیں 'ان میں پانی جمع ہو گیا' اللہ نے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے پانی پیا 'اپنے سویسیوں کو چلایا اور کھیتوں کو پانی دیا اور ایک اور زمین کی قسم پر بارش ہوئی جو غیر ختمی 'اس نے پانی جمع کیا' نہ کچھ اگایا۔ یہ مثل ہے اس شخص کی جس نے دین میں کچھ حاصل کی اور اللہ نے جو دین دے کر مجھے بھیجا ہے 'اس سے نفع پایا۔ اس نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور یہ مثل ہے اس شخص کی جس نے اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۶۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

پہلی مثل کے مصداق ائمہ مجتہدین ہیں 'دوسری مثل کے مصداق محدثین ہیں اور تیسری مثل کے مصداق کفار اور منافقین ہیں۔

بعض روایات میں مذکور ہے جس شخص کے پاس کتب اللہ کی ایک آیت پہنچ گئی اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ گیا 'خواہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ حاتل نے کہا جن لوگوں میں سے جس کے پاس قرآن پہنچ گیا وہ اس کو ڈرانے والا ہے۔ اور قرعی نے کہا جس کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے سیدنا محمد ﷺ کو دیکھا اور آپ سے ملے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ۶' ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا اس نے مجھ سے بالشفہ ملے۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے آپ کہئے کہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے 'تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں

تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے ان سے احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ آپ نے پوچھا تم نے ان کو اسلام کی دعوت دی ہے؟ صحابہ نے فرمایا نہیں آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے نیز یہ آیت بھی اس مطلوب پر دلیل ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَبْعَثَ رَسُولًا

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک

(الاسراء: ۸۵) کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عذاب ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ اپنے پہلے دین کے باطل ہونے کا اعتراف اور اقرار کرے اور اس سے برائت اور بیزاری کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتب دی ہے وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۳۰)

اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانا

اس سے پہلی آیت کے شان نزول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کفار نے یہ کہا تھا کہ ہم نے آپ کی نبوت کے متعلق یہود و نصاریٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں دیا کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور آپ کی نبوت پر اللہ گواہ ہے اور دو سرا جواب اس آیت میں دیا کہ اہل کتاب کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپ کی نبوت کو نہیں پہچانتے بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا آپ کو پہچانتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے کہا یہ خدا ہم نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے کیونکہ ہماری کتاب میں آپ کی صفت اور شہادت مذکور ہے اور رہے ہمارے بیٹے تو ہم نہیں جانتے کہ ہماری بیویوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ (جامع البیان ۷/ ۲۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لے آئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت پہلے کون سا طعام کھائیں گے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے ماسوں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی ان چیزوں کی جبرائیل نے خبر دی ہے۔ عبد اللہ نے کہا فرشتوں میں وہ یہودیوں کا دشمن ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی اور اہل جنت جو طعام سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور بچے کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے عمل ترویج کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر

عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ مل کے مشابہ ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر کہنا یا رسول اللہ! یہود کو اگر میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو گیا تو وہ مہسوت ہو جائیں گے۔ سو یہود آئے اور عبد اللہ گھر میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عبد اللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ اسلام لے آئیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے ہلا میں رکھے۔ تب حضرت عبد اللہ بن سلام جہیز ان کے سامنے آئے اور کہا "اشہد ان لا اله الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ" تو انہوں نے کہا یہ ہم میں سب سے بدتر شخص ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ھ)

ابو حمزہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ بتاؤ! یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت ابن سلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے، ہم آپ کو اس صفت اور نعت سے پہچانتے تھے۔ جب ہم نے آپ کو تسمارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو دوسرے لڑکوں کے درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کی میں کیا کرتی رہی تھی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے ج کمال۔

(روح البانی، جزء ۷، ص ۱۲۰، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ معرفت دلائل سے حاصل ہوئی تھی، کیونکہ نبی ﷺ مسلسل غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور غیب پر مطلع ہونا بدوں وحی کے متصور نہیں تھا۔ نیز آپ سے متواتر معجزات کا ظہور ہو رہا تھا اور سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا۔ اس لیے جو شخص بھی ان دلائل میں غور کرنا سے آپ کی نبوت کا عرفان ہو جاتا، اولاد کے لب کے متعلق کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں تھی اور آپ کی نبوت کے بارے میں بہت دلائل تھے، لہذا یہ صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی علامات سے آپ کو پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اول تو ان کی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی اور ثانیاً وہ علامات شرق و غرب میں پھیلے ہوئے سب یہودیوں کو کتب معلوم تھیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی ان علامات کو آپ پر منطبق کر لیتے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

کفار کے اخروی نقصان کا معنی

یعنی جو لوگ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو پہچانتے تھے، اس کے باوجود انہوں نے غلو، آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس انکار سے انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا، کیونکہ ان کو اب دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ خسارہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک جہنم بنائی ہے، تاکہ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کو اس جہنم میں داخل کر دیا جائے، اور اس کے لیے ایک دوزخ بنائی ہے، تاکہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے، اور قیامت کے دن کافروں کی جہنمیں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی اور مسلمانوں کی دوزخیں کافروں کو دے دی جائیں گی اور یہ کافروں کا نقصان ہے کہ اپنی جہنمیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور اس کے بدلے میں دوزخیں ملیں گی اور مسلمانوں کو اپنی جہنمیں بھی ملیں گی اور وہ کافروں کی جہنمیں کے بھی وارث ہوں گے، اس لیے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے
اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
(السومون: ۳۰-۳۱)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، بیشک ظالم

لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝۲۱ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

فلاح نہیں پائیں گے ۝ اور میں دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے

أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَاءِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝۲۲ ثُمَّ لَكُمْ

تہائے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنہ کرتے تھے ۝ پھر وہ مرتبہ ہی نکلے

فَتَنَّهُمْ ۝۲۳ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝۲۴ أَنْظِرْ

انہیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝ دیکھیے انہوں نے

كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝۲۵

اپنے اور پر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ انہماک سے کرتے تھے وہ سب گم ہو گئے ۝

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ

يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَإِنْ يَرَوْا كَلًّا آيَةً لَا يَوْمِنَهَا

آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کان میں گرانی پیدا کر دی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا

حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو معنی پہلے لوگوں کا

إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝۲۶ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ

نہ کہانی ہے ۝ اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور

جلد سوم تبیان القرآن

إِنْ يَهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۱﴾

مرن اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شور نہیں رکھتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یہ شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ (الانعام: ۳۱)

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دو ظلم بیان فرمائے ہیں۔ ایک ظلم ہے اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا اور دوسرا ظلم ہے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔ اللہ پر جھوٹا بہتان لگانے کی تفصیل یہ ہے کہ کفار کہہ دیتے تھے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں اور اللہ سبحانہ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ قرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے نیز کفار کہہ دیتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے بحیرہ 'سامہ' عالی اور وسیلہ سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا تھا اور وہ اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہن کی شریعتیں غیر منسوخ ہیں اور ان کے نبیوں کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خصوصاً یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور دوسری کی آگ ہمیں صرف چند دن جلائے گی اور ان میں سے بعض جلاء یہ کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم فنی ہیں اور خصوصاً نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تو مسیح ابن مریم علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور یہود و نصاریٰ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

ان کا دوسرا ظلم اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے، یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے ان کو جھٹلایا اور قرآن مجید جو نبی ﷺ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے، باوجود اس کے کہ وہ اس کی نظیر لانے کے چیلنج کو پورا نہیں کر سکے، انہوں نے اس کو کھانا جلوا دیا، کبھی شعر و شاعری کہا اور کبھی گزرے ہوئے لوگوں کی داستان کہا اور کبھی کہا یہ محض ان کے قیامت ہیں۔ انہوں نے اس کے کلام اٹھائی ہوئے کا انکار کیا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنے کرتے تھے؟ پھر وہ صرف یہی غصہ اٹھا سکیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے۔

(الانعام: ۲۳-۲۴)

روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور ناکامی

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ملامت کرنے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے ان سے سوال فرمائے گا تمہارے وہ شرکاء اور جھوٹے معبود اور پتھر کی سوریہیں کہاں ہیں جن کے حلق تم دنیا میں یہ دعوے کرتے تھے کہ یہ تمہارے کارساز ہیں اور مددگار ہیں اور وہ تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری شفاعت کر کے تمہیں عذاب سے چھڑالیں گے اب وہ کہاں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَيَوْمَ يُسْأَلُهُمْ فِيمَا كَانُوا يَ
الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (القصص: ۱۷)
وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفَّيْنِ رَعْمَتُمْ
أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءَ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ
صَلَّ عَمَّكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام: ۱۷)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ندا کر کے فرمائے گا میرے وہ
شرکاء کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) زعم کرتے تھے۔
ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو
نہیں دیکھ رہے جن کے حلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ
تمہارے کاموں میں (ہمارے) شریک ہیں، بے شک تمہارا
(خود ساختہ) ربط ٹوٹ گیا اور تم دنیا میں جو زعم کرتے تھے وہ
ٹوٹ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی زعم کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے جھوٹا قول۔
جب اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ سوال فرمائے گا تو وہ اس کے جواب میں حیران اور پریشان ہوں گے اور کوئی صحیح
اور معقول جواب ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا اور اس کے سوا انہیں کوئی بات نہیں سوچے گی کہ وہ دنیا میں اپنے کیے ہوئے
شرک کا انکار کر دیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی مغفرت اور بخشش ہو رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم
بھی مشرک نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے
نزدیک ان کا کوئی گناہ بھاری نہیں ہوگا۔ جب مشرکین یہ ماجرا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش رہا ہے اور
شرک کو نہیں بخش رہا، آؤ ہم بھی یہ کہیں کہ ہم گناہگار ہیں، مشرک نہیں ہیں۔ جب وہ اپنے شرک کو چھپائیں گے تو ان کے
سونسوں پر مرگ جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، اس وقت مشرکین یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ
تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ يُنْفِخُ بُوقُ الْمَدْيَنَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ
لَوْ تَسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْنُسُونَ اللَّهُ
حَدِيثًا ۝ (الأنعام: ۱۷)

جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، اس دن وہ
تینا کریں گے، کاش! ان پر زمین ہموار کر دی جائے اور وہ اللہ
سے کوئی بات چھپانہ سکیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا یہ آیت منافقین کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں
گے؟ آپ نے فرمایا کیا دہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں! آپ
آپ نے فرمایا چودھویں رات کو جب بادل نہ ہوں تو کیا چاند کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ آپ
نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی
تکلیف تم کو سورج یا چاند کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا
اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی؟ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور
اونٹ مسخر نہیں کیے اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ وہ بندہ کہے گا کیوں نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے
گا کیا تو یہ ممکن کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس
طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ دو سرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں

دی؟ کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی؟ کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے؟ اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ وہ شخص کے گائیکوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا! پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اس سے اسی طرح فرمائے گا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا! میں نے نماز پڑھی، روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی پتا چل جائے گا! پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں! وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا! میرے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی زبان اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کھٹائی جائے گی! تم بولنا پھر اس کی زبان اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعضاء بیان کریں گی اور یہ اس لیے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات میں اس کے خلاف حجت قائم ہو۔ یہ وہ منافق ہو گا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔

(صحیح مسلم، الابواب ۱۲: ۱۸، ۲۹۶۸) ۲۰۴ سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث ۴۷۳۰، ۴۷۳۱

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے انہوں نے اپنے لوہے پر کیا جھوٹ باندھا مشرکین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ جنوں کی عہدت ہمیں اللہ کے قریب کر دیتی ہے اور منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے اور اپنے نفاق کا انکار کیا۔

پھر فرمایا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے، یعنی دنیا میں ان کا جو یہ گمان تھا کہ ان کے بعد ان کی شفاعت کریں گے وہ باطل ہو گیا۔ یا اللہ کو چھوڑ کر وہ جن جنوں کی عہدت کرتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے اور ان سے کسی عذاب کو دور نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کلن لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے۔ (الانعام: ۲۵)

شان نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، نضر بن الحارث، عتبہ بن ربیعہ کے دونوں بیٹے، امیہ اور ابی بن خلف۔ رسول اللہ ﷺ کی باتیں کلن لگا کر سن رہے تھے تو انہوں نے نضر سے کہا اے ابو قتیبہ (سیدنا) محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے میرے اور ان کے کلام سننے کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ میں صرف ان کے ہونٹ ہٹتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ پچھلے لوگوں کی داستانیں ہیں جیسا کہ میں تمہیں گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں سناتا ہوں۔ اور نضر پچھلے لوگوں کے قصے بہت زیادہ بیان کرتا تھا۔ وہ قریش کو واقعات بیان کرتا تھا اور وہ اس کی باتیں غور سے سنتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(اسباب النزول، ۲۱۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

کفار کے کانوں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے کانوں میں ڈاٹ (گرانی) تھی اور ان کے دلوں پر پردے تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کوئی بات نہ سنتے اور کسی بات کو نہ سمجھتے۔ حالانکہ وہ لوگوں کی باتیں سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ وہ نبی ﷺ کی باتوں کو نہیں سنتے تھے اور نہ سمجھتے تھے تو اس کے معارض اس آیت کا آخری حصہ ہے جس میں فرمایا ہے جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے کلام کو سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے البتہ مانتے نہیں تھے۔

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ سننے سے مقصود یہ تھا کہ وہ سن کر اس سے نفع حاصل کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور سمجھنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ نکالتے اور یہ اعتراف کر لیتے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے اور کوئی انسان اس کی نظیر نہیں لاسکتا اور نبی ﷺ کی نبوت کو مان لیتے اور جب انہوں نے سننے اور سمجھنے کے مقصود کو پورا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے پھر اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت کفار کی مذمت میں وارد ہوئی ہے اور جب ان کے کانوں میں اللہ نے گرانی رکھی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ نے پردے ڈال دیے ہیں تو وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے پھر ان کی مذمت کی کیا وجہ ہے؟ وہ سراسر اعتراض یہ ہے کہ جب ان کے کانوں میں اللہ نے ڈاٹ لگا دی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے تو اب ان کا ایمان لانا ممکن نہیں رہا پھر ان کو ایمان لانے کا ملکت کرنا کس طرح درست ہو گا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

لَا يَكْفُرُ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِلَّا أُولَٰئِكَ الَّتِي لَمْ يَكْفُرُوا بِاللَّهِ تَعَالَىٰ (البقرہ: ۲۸۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے منہ اور بغض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جانب میں یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسی شدید گستاخی کی جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حق کو سننے کے لیے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور حق کو سمجھنے کے لیے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء: ۵۵) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ نے مر لگا دی۔
ذَلِكَ بِمَا كَانُوا أَكْثَرُ كُفْرًا وَأَقْطَبَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ قَسَمٌ لَّا يَقْبَلُونَهُ (النساء: ۴۸) یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا سو ان کے دلوں پر مر لگا دی گئی سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی تھی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا جاننے کے خوگر اور علوی ہو گئے تھے کیونکہ اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے اور دلائل میں صحیح طریقہ سے غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان میں گمراہی اس قدر رائج ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انکار کی ایسی حالت پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان میں حق بخند نہیں ہو سکتا تھا اور ان کے کانوں میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ حق بات کو سنا نہیں بہت ناگوار ہوتا تھا اور ان کے دلوں اور کانوں میں اس کیفیت کا پیداکرنا ان کو کفر اور گمراہی پر مجبور کرنا نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے اختیار سے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کو جو اختیار کیا تھا یہ اس کی سزا اور تعزیر تھی تو چونکہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتا ہے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ

نے پیدا کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرائی رکھی ہے اور چونکہ اس کو پیدا کرنے کا سبب ان کافروں کا اپنا ارادہ، اختیار اور کسب تھا، اس وجہ سے ان کی مذمت فرمائی اور آیت سے قطع نظر کر کے فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے، اس لیے ان کو ایمان کا حکمت کرنا بھی صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور محتاج بالغیر ہے۔

دو سراجواب یہ ہے کہ کفار از رانہ تکبر خود کہتے تھے ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ آپ کی باتیں سننے کے لیے ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور آپ کے اور ہمارے درمیان مضبوط پردہ حائل ہے۔

بشارت دیجایا اور ڈراتا ہوا، سو اکثر کافروں نے منہ پھیر لیا ہیں وہ نہیں سمجھتے اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو، ہمارے دلوں میں اس کے لیے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضبوط حجاب ہے تو آپ اپنا کام کریں، بے شک ہم اپنا کام کر

کفار یہ ظاہر کرتے تھے کہ رسول کا کلام ان کے سننے کے قائل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا نہیں بلکہ تم اس قائل نہیں ہو کہ تم کو ہمارے رسول کا کلام سنایا جائے، تو جس طور سے انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے کانوں میں ذات ہے اور ہمارے دلوں پر پردے ہیں، اسی طور سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے کانوں میں ذات ہم نے لگائی ہے اور تمہارے دلوں پر پردے ہم نے ڈالے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کافروں نے حق کو سننے اور اس کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کیا اور اپنے باپ دلو کی اندھی تقلید پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انکار اور اعراض کی حالت کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جس کے دل پر پردے ہوں اور اس کے کانوں میں گرائی ہو، سو اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً ان کے دلوں پر اللہ نے پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق سے ان کی مسلسل روگردانی ایسی ہے جیسے ان کے دلوں پر پردے ہوں اور ان کے کانوں میں گرائی ہو، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن تُمِئُّ مِنْهُ لِيُجْزَىٰ الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

اور جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس نے تکبر کرتے ہوئے پیٹہ پھیر لی گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں گرائی ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت حتم اللہ علیٰ قلوبہم کی تفسیر میں میں نے اس پر مفصل لکھا ہے۔ وہاں پر میں نے صرف پہلے جواب کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے لکھا ہے اور یہاں پر دو مزید جواب ذکر کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور یہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۳۶)

ایمان ابو طالب کی تحقیق

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کفار لوگوں کو نبی مہدی پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے سے

تبیان القرآن

روکتے ہیں اور آپ سے دور بھاگتے ہیں یا وہ لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور اس کو ماننے سے روکتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ اس طرز عمل سے صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ سے مروی ہے۔
 اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابو طالبؓ نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور خود آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے سے دور رہتے تھے یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اور ان کے علاوہ قاسم بن معصومہ اور عطاء بن دینار سے بھی ماثور ہے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۲۹-۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتے تھے اور خود نبی ﷺ کے لئے ہوئے دین سے دور رہتے تھے۔ یہ عطاء بن دینار اور قاسم بن معصومہ کا قول ہے اور مقاتل نے کہا کہ ابو طالب کے پاس نبی ﷺ تشریف فرما تھے آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو قریش ابو طالب کے پاس جمع ہو گئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ابو طالب نے چند اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگوں سے آپ کا قطع کرتے ہیں اور خود آپ کی تصدیق سے دور رہتے ہیں۔

(اسباب النزول، ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان روایات کے مطابق ابو طالب کا ایمان اور اسلام ثابت نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث اس کی مؤید ہیں۔

ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب کے والد جابرؓ بیان کرتے ہیں جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آپؐ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابو طالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے چچا ایک بار "لا الہ الا اللہ" کہو تو میں تمہارے حق میں اسلام کی گواہی دوں گا۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے "اے ابو طالب! کیا تم اپنے باپ عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ رہے ہو؟" رسول اللہ ﷺ مسلسل ابو طالب کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ بہر حال ابو طالب نے جو آخری الفاظ کہے وہ یہ تھے میں اپنے باپ عبد المطلب کی ملت پر ہوں اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ خدا میں اس وقت تک تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے روک نہ دے "اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) نبی اور مسلمانوں کے لیے مشرکین کی مغفرت کی دعا کرتا جائز نہیں۔ خواہ وہ ان کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جنسی ہونا معلوم ہو چکا ہو (التوبہ: ۱۱۳) اور ابو طالب کے بارے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی (ترجمہ) ہر وہ شخص جس کو آپ چاہیں آپ اس میں ہدایت جاری نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے۔ (التقصص: ۵۶)

(صحیح مسلم، الامان، ۳۹، (۲۳)، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۷۵، سنن النسائی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۰۳۵، سنن کبریٰ

النسائی، رقم الحدیث: ۴۳۸۳)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ میں قیامت کے دن آپ کے حق میں اس کی گواہی دوں گا۔ ابو طالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ یہ

بے مبری کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ کھنڈی کر دیتا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ کرتا ہے۔ (القصاص: ۵۶)

(صحیح مسلم لایمن: ۳۲ (۲۵) صحیح بخاری: ج ۳، رقم الحديث: ۳۷۷۷، سنن ترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۴۹۹، مسند احمد: ج ۲، رقم الحديث: ۲۷۱۱، صحیح ابن حبان: رقم الحديث: ۷۷۰، دلائل النبوة للبيهقي: ج ۲، ص ۳۲۵-۳۲۳)

حضرت عباس بن عبد المطلب نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے رالعت کرتے تھے، آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ صحیح بخاری: ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۸۳، صحیح مسلم لایمن: ۳۵۷ (۲۰۹) ۵۰۰

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا نبی ﷺ کے سامنے ابوطالب کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع پہنچے گا اس کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کا دلخ کھول رہا ہو گا۔ صحیح بخاری: ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۸۵، صحیح مسلم لایمن: ۳۶۰ (۲۲۱) ۵۰۲

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم دوزخ کا عذاب ابوطالب کو ہو گا اس کو آگ کی دو جوتیاں پسائی جائیں گی جن سے اس کا دلخ کھول رہا ہو گا۔

(صحیح مسلم لایمن: ۳۳۳ (۲۳۳) ۵۰۳، صحیح بخاری: ج ۶، رقم الحديث: ۷۵۶، سنن ترمذی: ج ۳، رقم الحديث: ۲۷۳۳، مسند احمد: ج ۶، رقم الحديث: ۱۸۳۱۸، صحیح ابن حبان: ج ۲، رقم الحديث: ۷۷۷۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہو گا جس کے پیروں کے ٹکڑوں میں دو انگڑے ہوں گے جس سے اس کا دلخ اس طرح کھول رہا ہو گا جس طرح پتیل کی دیکھی میں پانی کھولتا ہے۔ صحیح مسلم لایمن: ۳۳۳ (۲۳۳) ۵۰۵، صحیح بخاری: ج ۶، رقم الحديث: ۷۵۶

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا اس کو زمین میں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جو اپنے باپ کو زمین میں دفن کر دو۔ (سنن الترمذی: ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۰۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابوطالب فوت ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ میں نے عرض کیا وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ جب میں دفن کر کے نبی ﷺ کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا غسل کر لو۔

(مسند احمد: ج ۱، ص ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر کہا آپ کا بوڑھا چچا جو کافر تھا وہ فوت ہو گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲، ص ۲۲۸، مطبوعہ کراچی: ۱۳۰۶ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین یحییٰ متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کی آیت نور وہ لوگوں کو (انہیں ایذا پہنچانے سے) منع کرتے ہیں اور خود

ان سے دور رہتے ہیں (الانعام: ۲۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے شرکین کو منع کرتا تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتا تھا۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۳۸ مطبوعہ بیروت)
 ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین کے مذاہب کی تصریحات
 التوبہ: ۱۳ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی مفتی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ امام احمد، امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن منذر اور امام بیہقی نے سب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا اے چچا! لا الہ الا اللہ کو، میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے حجت پکڑوں گا ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا اے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر "لا الہ الا اللہ" پیش کرتے رہے اور ابو جہل اور عبد اللہ اس کو اس کلمہ کے خلاف بھڑکاتے رہے، آخر میں ابوطالب نے کہا وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

حسین بن فضل نے یہ کہا ہے کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے، اور یہ سورت مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو اس آیت کا شان نزول قرار دینا مستبعد ہے۔ علامہ واحدی نے کہا یہ اعتبار خود مستبعد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ابوطالب کی موت کے بعد اس کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی، کیونکہ کفار کے ساتھ سختی کرنے کی آیات مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر حدیث کا معنی یہ ہوگا، اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی، یہ معنی نہیں ہوگا اس کے بعد یہ آیت نازل کی اور ماسرل میں فاسبت کے لیے ہوگی، نہ کہ محنت کے لیے۔ اکثر علماء نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہ ہے بھی عمدہ توجیہ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوطالب کی موت کے بعد کئی دن تک نبی ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے رہے، حتیٰ کہ خیر ائیل اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورہ توبہ کی یہ آیت مکہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور باقی آیات بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اس سورت کو باعتبار غالب کے مدنی کہا جاتا ہو۔ بہر حال یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا اور یہی اہل سنت و جماعت کا معروف مذہب ہے۔

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ ہے کہ ابوطالب کے مرض الموت میں نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اے چچا! آپ "لا الہ الا اللہ" کہیں تاکہ قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت جائز ہو، اور نبی ﷺ نے یہ اصرار ترغیب دی۔ ابوطالب نے کہا یہ خدا اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خدا نہ ہو تاکہ میرے بعد قریش تم پر اور تمہارے باپ کی اولاد پر طاقت کریں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا۔ جب ابوطالب پر موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹ بل رہے تھے، انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور سے کہا اے بھتیجے! تم نے اسے جس کلمہ کو پڑھنے کے لیے کہا تھا، اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا (البدایہ والنہایہ)

ج ۳ ص ۱۳۳) اس روایت سے ابوطالب کے جو اشعار حضور کی مدح میں مشہور ہیں، ان سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ابوطالب مومن تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار کی سند منقطع ہے، علاوہ ازیں ان اشعار میں ابوطالب کے ایمان لانے کی تصریح نہیں ہے۔ دہی یہ روایت تو یہ شیعہ کی روایت ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، علاوہ ازیں اس روایت میں بھی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ”میں نے نہیں سنا“۔

امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے، اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں، اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ روزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۳۶)

باقی ابوطالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی، بلکہ نسب اور قرابت کی وجہ سے کی، اور اعتبار دینی محبت کا ہے، نہی محبت کا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے شدید اصرار کے بعد بھی ابوطالب نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت اذیت بھی تو پہنچائی ہے، تاہم ابوطالب کے کفر کے باوجود اس کی اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابو جہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے۔ (روح البانی ج ۲ ص ۳۲-۳۳ مطبوعہ بیروت)

امام رازی شافعی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ مشرک تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۵ طبع قدیم دار الفکر بیروت)

حافظ ابن کثیر شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں اعلیٰ کے حوالے سے ابوطالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۰ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے بھی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۶۶-۳۶۷)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی النبی التونی ۷۵۹ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(ازاد المسیر ج ۳ ص ۵۰۷-۵۰۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متونی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن ابی حاتم، امام ابن مردودہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب پر موت آنے لگی تو اسکے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا اے چچا! ”لا الہ الا اللہ“ کہئے، میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کی ملامت کا خدشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں کے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو میں تمہاری آنکھیں لٹنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِنْ آلَ النَّفْثِ لَا يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (الفصص ۵۶)

بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے، لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔

امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام نسائی اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب نبی ﷺ نے ابوطالب سے اسلام لانے کے لیے شدید اصرار کیا۔ امام ابن مردودہ نے بھی اس روایت کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر

اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۳۸)
 ابو طالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ کتنا کہ تمام مسلمانوں کا یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت
 ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ ابو طالب اسلام لے
 آئے تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا بھی اس پر اجماع ہے اور ابو طالب کے اکثر قصائد اس پر شہد ہیں اور جن کا یہ
 دعویٰ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ علماء شیعہ کے اختلاف اور ان کی
 روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ تاہم ابو طالب کے اسلام نہ لانے کے قول کے باوجود ابو طالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کے
 حق میں یا وہ کوئی کفری چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی ﷺ کو بھی ایذا
 پہنچے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰۷ ۲۰۸ مطبوعہ بیروت)

ابو طالب کے ایمان کے متعلق مصنف کا نظریہ

مذہب اربعہ کے معروف علماء، فقہاء، مفسرین اور جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے۔
 ہم نے عدا ان تمام تصریحات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ہمارے لیے یہ کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی
 خواہش تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئے۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا یہ بہت نازک مقام ہے جو لوگ اس مسئلہ میں شدت
 کرتے ہیں اور ابو طالب کی اہل بیت اور اہل جہل کی طرح مذمت کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کے خطرہ میں ہیں۔
 ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی دل آزاری سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ہم اس بحث میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ
 قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے اور یہ جڑ ہم پر بھی اتنی ہی گہری اور باعث رنج ہے جتنی اہل
 بیت کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس بحث میں نہ کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس مسئلہ کی باریکیوں میں الجھنا چاہتے ہیں۔ بعض
 علماء اہل سنت نے ابو طالب کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ رائے تحقیق اور جمہور کے موقف کے خلاف ہے، لیکن ان کی
 نیت محبت اہل بیت ہے اس لیے ان پر طعن نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ دُقِفُوْا عَلٰی النَّارِ فَقَالُوْا اِلَيْتُنَا نَرُدُّ وَلَا نُكْذِبُ

اور دیکھ لو اگر وہ لوگ جو آپ پر دُکھائے گئے، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوٹا

پا لیتے، یا ایتِ رائیتنا ونكون من المؤمنين ﴿۲۷﴾ بَلْ يَدَّالْهُمُ مَا كَانُوْا

دیا جاتے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب کریں اور کہیں گے کہ ہم دنیا میں لوٹیں گے۔ ﴿۲۷﴾ بلکہ ان پر اب وہ حقائق آشکار ہو گئے ہیں

يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ

جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور جگہ

تَكْذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْا اِنْ هٰیْ اِلَّا حَيٰتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

وہ منکر رہ جھوٹے ہیں ﴿۲۸﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے

يَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقُوا عَلٰى رءُوسِهِمْ قَالِ الْيَسَّ

جائیں گے ○ اور (اے مخاطب) کاش تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رجبے سامنے کھڑا کیا جائے گا: اللہ فرمائے گا

هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلٰى وَمَا بِنَا قَالِ قَدْ ذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کیا یہ رد و بارہ کرتے ہو: حق نہیں ہے: وہ کہیں گے: کیوں نہیں بلے: بلے سے رب! اللہ فرمائے گا: پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے

كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾

عذاب (کا مزہ) چکھو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) کاش! تو دیکھ جب ان کافروں کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا: اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔

(الانعام: ۲۷)

قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت

قرآن مجید میں دوزخ کا لفظ ہے، یعنی ان کافروں کو جب دوزخ پر واقف کیا جائے گا۔ اس کا معنی قیام بھی ہے اور جانا بھی، اس صورت میں اس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ دوزخ کے پاس کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں (۲) دوزخ کے اوپر جو پل صراط ہے، وہ اس کے اوپر کھڑے ہوئے دوزخ کو دیکھ رہے ہوں (۳) وہ دوزخ کے عذاب پر واقف اور مطلع ہوں (۴) ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو اور وہ اس حل میں دوزخ میں کھڑے ہوئے ہوں کہ وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعبوں کی لپیٹ میں ہوں۔

اس آیت میں جزا مخلوف ہے اور حاصل معنی یہ ہے کہ اے مخاطب! جب تو یہ دیکھے گا کہ فرشتے کافروں کو دوزخ کے پاس کھڑا کر دیں گے تو تو ان کو اس قدر خوف اور دہشت میں دیکھے گا جس کو مضبوط کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت یہ کافر غلام ہوں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے اور پھر ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں اور دلیلوں کی تکذیب نہ کریں جو اس کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور قیامت پر فرشتوں اور کئیوں اور رسولوں پر ایمان لائیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور نیک عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ (الانعام: ۲۸)

یعنی ان کی حالت نہیں بدلے گی اور وہ اسی طرح کفر اور معصیت پر برقرار رہیں گے۔ اب وہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر اور معصیت چھپائی تھی وہ سب قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبَدَّآلَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَتَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿الزمر: ۳۸﴾

اور ان کی کی ہوئی تمام برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ندامت یا تمنا کا صراحتاً رد فرمایا یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو ان کو جس کفر، کبر، معصیت اور خلاق سے منع کیا گیا تھا وہ پھر اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ کیونکہ کفر اور عداوت کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور نسب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت کا انکار کر دیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، صلب و کتب اور جزاء اور سزا کی پھر تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے

(الانعام: ۳۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا صراحتاً رد فرمایا ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا گیا تو وہ پھر دنیا کی لذتوں میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کفر کریں گے 'وہ صرف دنیا کی زندگی کا اقرار کریں گے اور آخرت کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہم زندہ ہیں اور ہم صرف طبعی حیات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے بعد نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ یہ لوگ ملود پرست اور لہو ہیں جو غیب پر ایمان نہیں لاتے' ان کا نفس المودہ ان کو کفر، گمراہی اور برے کاموں پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے طالب!) کاش اتنا متفرد نہ تھا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اللہ فرمائے گا کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے 'کیوں نہیں؟ اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا' پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔ (الانعام: ۴۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حشر کے دن کافروں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گا جس طرح مجرموں کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس فرمائے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيَقُولُ لَهُمْ رَبُّهُمْ تَسْفُتُونَ (الصفت: ۴۳)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَكْلِمُہُمْ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (البقرہ: ۱۷۴)

اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔ اور اس آیت میں ان سے کلام فرمائے گا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ کلام نہیں فرمائے گا اور اس آیت میں جس کلام فرمائے گا ذکر ہے وہ فرشتوں کے واسطے سے ہے 'یا اللہ تعالیٰ ان سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام غضب کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ مرکز دوبارہ نعمات حق نہیں ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ یہ بالکل حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمُ السَّاعَةُ

بیشک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اپنا ملک قیامت آ پہنچے گی تو

يَعْتَهُ قَالُوا يَحْسِرُنَا عَلَىٰ مَا قَرَّرْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ

کہیں گے ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی بیٹیوں پر (اپنے گنہگاروں)

أَوْ نَارَهُمْ عَلَى ظُهْرِهِمْ ۖ إِلَّا سَاءَ مَا يَزْمُرُونَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيَاةُ

کا، بوجہ اٹھائے ہوئے ہوں گے، سزا وہ کیا برا بوجہ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اور دنیا کی زندگی تر

الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۖ

موت کیل تھاتا ہے اور بیشک آخرت کا گھر متقی کے لیے بہت اچھا ہے ○ پھر

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لِيَحْزُنَكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ

کی تم عقل سے کام نہیں لگے ○ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ رگ جو باتیں بناتے ہیں ان آپ ٹھیک ہوتے ہیں،

لَا يُكَذِّبُوكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بَايَتِ اللّٰهَ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ

در اصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ خام تر اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ آپ سے پہلے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبِرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَادُّوا حَتَّىٰ

بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا و رسانی پر صبر کیا حتیٰ کہ

أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۖ وَلَا مَبْدِلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ۖ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ

ان کے پاس ہماری مدد آپسچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے، اور بیشک آپ کے پاس رسولوں کی

نَبَايِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِنْ كَانَ كِبَرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ

غیر آپ کی ہیں ○ اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو آپ اگر زمین میں کوئی

اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْمًا فِي السَّمَاءِ

سنگ یا آسمان میں کوئی سیرمی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوب) پہنچ سکیں

فَتَأْتِيَهُمْ بَأْيَةٌ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ

(تو سب آئیں) ○ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، (تو سب اللہ کے ہدایت پر آتے) تو ہرگز نادانوں

مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَىٰ

میں سے نہ ہو جا ○ (موت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (توجہ سے) سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو

يَبْعَثُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُدْرَجُونَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اللہ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۵ اور انہوں نے کہا اس دروس پر اس کے رب کی طرف

آیہ مِّن تَرَايِهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنْ

سے کوئی (مطوب) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہیے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطوب) معجزہ نازل کرے، لیکن ان کے

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہے شک من لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچی تو کہیں گے 'ہائے افسوس! ہماری اس تفسیر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی بیٹیوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے' ستواہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱) منکرین قیامت کے خسارہ کا بیان

اس آیت میں بھی ان کافروں کے احوال بیان فرمائے ہیں جنہوں نے قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا ان کا ایک حل یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے نقصان اٹھایا اور دو مراحل یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی بیٹیوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا تاکہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر عقلی اجرو ثواب کے حصول کا اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب کافر اللہ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوا اور کفر اور معصیت کی وجہ سے ثواب کے بجائے عذاب کے مستحق ہوئے۔ من کا دو سرا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی معلولت کا مکمل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی دلفریبیوں اور عیاشیوں سے خود کو بے حلق رکھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے اور جو نقص قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا منکر ہو گا وہ اخروی زندگی کے لیے کسی زور و راہ کو تیار نہیں کرے گا اس کے برعکس وہ شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں اغرق کرنا رہے گا حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آپہنچی تو وہ کہے گا 'ہائے افسوس! میری اس تفسیر جو قیامت کے حلقہ بچھ سے ہوئی اور آٹھ ایک کہ وہ اپنی بیٹی پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو گا اور وہ کیسا برا بوجھ ہے۔'

روز قیامت کو سماعت اور اللہ سے ملاقات کا دن فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں قیامت کو سماعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قیامت ایک سماعت میں واقع ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حساب و کتب بھی ایک سماعت میں ہو گا گویا قیامت ایک سماعت حساب ہے۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو اللہ سے ملاقات کا دن فرمایا ہے، کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے غضب کے آثار کا ظہور ہوگا دنیا میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مسرت اور ذمیل دیتا ہے اور ان کے گناہوں اور سرکشی پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَكُنَّا آلَٰهًا سِوَاهُ مَا لَهُمْ بِالشَّارِكِينَ لِلَّهِ الْمُلْكُ لَا يَنْصُرُهُم بَشَرٌ لِّقُضِيَ إِلَٰهُهُمْ أَجَلُهُمْ فَبُذِّرَ الْغَايِبُ لَا يَرْجِعُونَ لِقَاءَ نَافِيٍّ طَعْنَانِيهِمْ يَعْصَهُونَ ۝ (ابوس: ۳۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو مزادینے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ بھلائی کی طلب میں کرتے ہیں، تو ان کی مدت عمل ختم کی جا چکی ہوتی (مگر یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے) لہذا جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیا میں مسرت اور ذمیل دی، تاکہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے کو یاد کریں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے اور اس کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ اپنے گناہوں اور سرکشی کے مٹھن کیا بذر پیش کریں گے۔ اس لیے انہیں زندگی میں مسرت دی گئی کہ کسی بھی لمحہ وہ اس ملاقات کے دن کو یاد کر کے اپنی معصیت اور سرکشی سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُخْلَقُونَ (البقرہ: ۲۲۳)

اور اللہ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔

وَقَبِّلَ الْيَوْمَ نَفْسُكُمْ كَمَا تَنَیَّبْتُمْ لِقَاءَ رَبِّكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ نَّاصِرِينَ (الحجرات: ۲۴)

اور ان سے کہہ دیا جائے گا آج کے دن ہم تم پر رحم نہیں کریں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانہ اور زرخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن کو یاد رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ملاقات کے شوق میں نیک عمل کرے، تاکہ اس دن اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور رحمت کے ساتھ اس سے کلام کرے اور اس کو اپنے دیدار سے نوازے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو بچہند کرتا ہے، اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو بچہند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا ہم تو موت کو بچہند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے۔ البتہ جب موتم پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ عزوجل کے راضی ہونے اور اس کے کرم کرنے کی بشارت دی جاتی ہے۔ تو اس وقت اس کو آخرت کے سفر میں آگے جانے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور کافر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ لہذا اس کو آخرت کے اگلے سفر سے زیادہ کوئی چیز بچہند نہیں ہوتی، سو وہ اللہ سے ملاقات کو بچہند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو بچہند کرتا ہے۔

اصح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵۵۰، صحیح مسلم، اللہ عالمہ کریم، ۱/۲۷۸ (۲۷۸۵)، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۶۸، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۳۳، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۵۶

صحیح مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارا خیال ہے وہ بات نہیں ہے لیکن جب باتیں اوپر کی طرف چڑھ جائیں اور جب سانس سینہ میں اکٹرنے لگے اور جسم پر لرزہ طاری ہو اور انگلیوں میں تشنج ہو جائے اس وقت جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اس وقت اللہ سے ملاقات کو پسند کرے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خوشی اور ناخوشی نزع روح کے وقت معتبر ہوتی ہے۔ اس وقت ہر انسان کو یہ خبر دے دی جاتی ہے کہ اس کا کیا انجام ہے؟ اور آخرت میں اس کے لیے کیا تیار کیا گیا ہے؟ اور اس کا اخروی ٹھکانہ اس کے لیے منکشف کر دیا جاتا ہے۔ نیک لوگ موت کو اور اللہ سے ملنے کو پسند کرتے ہیں تاکہ ان انعمت کی طرف منتقل ہو جائیں جو ان کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اللہ بھی ان کو پسند کرتا ہے تاکہ ان پر اپنا انعام اور اکرام فرمائے اور بدکار لوگ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کو پتا چل جاتا ہے کہ ان کو عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا اور اللہ بھی ان سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور ان کو اپنی رحمت اور اپنے عفو و کرم سے دور رکھتا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں عبید بن قیس سے روایت کیا ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا نیک عمل حسین صورت اور نقیض خوشبو میں اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں البتہ! تمہاری خوشبو بہت نقیض ہے اور تمہاری صورت بہت حسین ہے۔ وہ کہے گا تم بھی دنیا میں اسی طرح تھے میں تمہارا نیک عمل ہوں میں دنیا میں بہت عرصہ تم پر سوار رہا آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو اور یہ آیت پڑھے گا جس دن ہم مستحقین کو رخصت کی طرف بطور وقفہ جمع کریں گے (مریم: ۸۵) اور کافر کا ملل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا تو دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا برابر عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا اور وہ اپنی جینوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ سنو اور کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱) جامع البیان ج ۷ ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے اور بے شک آخرت کا کھر مستحق کے لیے بہت اچھا ہے پھر کیا تم حمل سے کام نہیں لو گے۔ (الانعام: ۳۲)
آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے سکر تھے ان کے نزدیک دنیا اور اس کی رہنمائیوں و لغزبیاں اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کا فیس اور گھٹیا ہونا اور اس کا رکیک اور بے وقعت اور بے مایہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ یہ دنیا آخرت کی مخلوقوں اور کامیابیوں کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اس لیے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً دنیا کی زندگی نہ موم نہیں ہے بلکہ کافر کی زندگی نہ موم ہے اور مومن چونکہ نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس لیے اس کی زندگی مودعوب نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور دنیا کی زندگی مطلقاً مودعوب ہے اور دنیا سے مراد دنیا کی لذتیں اور راحتیں ہیں اور جس طرح انسان کھیل تماشے میں مشغولیت سے جب فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر اس وقت کو کسی نیک کے کام میں گزارا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا اسی طرح دنیا کی لذتوں سے جب انسان فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر یہ وقت کسی عبادت میں صرف کیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

دنیا کی زندگی کو مودعوب قرار دینے کی وجوہات

دنیا کی زندگی کو مودعوب قرار دینے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

- ۱۔ لوو لعب کی مدت کم ہوتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کم ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔
 - ۲۔ لوو لعب عموماً کسی فریب پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح انسان دنیا کی زندگی کو بھی کسی فریب کے سہارے گزارتا ہے۔
 - ۳۔ عموماً بچے اور بھوان اور غافل لوگ لوو لعب میں اشتغال کرتے ہیں اور سنجیدہ اور فہیدہ لوگ لوو لعب میں زیادہ مشغول نہیں ہوتے۔ اسی طرح دنیا کی لذتوں اور تقریپوں میں بھی جاہل اور غافل لوگ مشغول رہتے ہیں اور جو عقل مند اور زیرک لوگ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں فانی ہیں۔ لہذا وہ فانی کی بہ نسبت باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔
- دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث

حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مستورد بن شداد جہڑی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواروں کی ایک جماعت میں جا رہا تھا اچانک آپ ایک جگہ سے گزرے جہاں بکری کا (مرود) بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اس کے مالکوں نے اس کو پھینکا ہو گا تو یہ ان کے نزدیک بے وقعت ہو گا۔ صحابہ نے کہا اس کے بے وقعت ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ جس قدر یہ بکری کا مرود بچہ اپنے مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہے اللہ عزوجل کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

(موسم رسائل ابن ابی الدنیا ج ۲، ذم الدنیا، رقم الحديث: ۲، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۲۸، سنن داری ج ۲، رقم الحديث: ۲۷۳۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۷، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۰۳۵، دار الفکر، طبع جدید، مسند احمد ج ۲، ص ۳۸۸، ج ۲، ص ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۶، دار الفکر، طبع قدیم)

حضرت سلیمان قاری جہڑی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا موسن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(ام الدنیا، رقم الحديث: ۳، صحیح مسلم، الزم (۳۷۶)، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۲، صحیح ابن ماجہ، رقم الحديث: ۷۸۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۷، مسند احمد ج ۲، ص ۲۲۳، ۲۸۵، طبع قدیم، کتاب الزمہ، ص ۳۷)

محمد بن مسعود اپنے والد جہڑی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا ملعونہ ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے، سو اس کے جو اللہ کے لیے ہو۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے، سو اللہ کے ذکر کے اور ذکر کرنے والوں کے اور سو اس عالم یا متعلم کے۔

(ام الدنیا، رقم الحديث: ۷، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۲۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۷، حیت الادلیاء ج ۳، ص ۱۵۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری جہڑی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ سو تم باقی رہنے والی چیز کو فانی ہونے والی چیز پر ترجیح دو۔ (ام الدنیا، رقم الحديث: ۸، مسند احمد ج ۲، ص ۳۷، طبع قدیم، المستدرک ج ۲، ص ۳۰۸)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔ (ام الدنیا، کتاب الزمہ، ص ۳۷)

مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب جہڑی سے کہا اے ابوالحسن! ہمارے لیے دنیا کی حقیقت بیان کریں۔ آپ نے فرمایا دنیا کی جو چیزیں حلال ہوں گی ان کا حساب لیا جائے گا اور جو چیزیں حرام ہوں گی ان پر دوزخ کا

عذاب ہو گا۔ (ذم الدنیا: ۷، مطبوعہ موسسۃ الکتب الشریعہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

حضرت عمرو بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ خدا مجھے تم پر فکر کا خوف نہیں ہے، لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، سو تم دنیا میں اس طرح رغبت کر دے گے جس طرح انہوں نے رغبت کی اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۱۵۸، صحیح مسلم، الزح ۶، (۲۹۷) ۷، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۷۰، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۹۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس کے نشان آپ کی جلد پر نقش ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ خدا ہوں، اگر آپ ہم کو اجازت دیں تو ہم چٹائی کے اوپر کوئی چیز بچھا دیں جس سے آپ کی جلد محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے؟ میری اور دنیا کی مثل یہ ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں بیٹھے، پھر سائے کو ترک کر کے سر شہر شروع کر دے۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرنا جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! اللہ ہم حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے لیکن اللہ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ تم سر اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور پیٹ اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور موت اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی نعمت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے اس طرح حیا کی جو حیا کرنے کا حق ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۶۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۵۹)

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا مقصود دنیا ہو، اللہ اس کے حالات دگرگوں کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فکر کر دیتا ہے اور دنیا سے اس کو وہی چیز ملتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اور جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حالات مجتمع کر دیتا ہے اور اس کا دل مستغنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۵، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تمام تفکرات کو صرف آخرت کا حصہ بنادیا، اللہ اس کو دنیا کے افکار سے کٹا ہو گا اور جس شخص کے تمام افکار دنیا کے حالات کے متعلق ہوں، اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ کس دلوئی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ پار کرنے والے ہو اور اپنے آپ کو ال قیور میں سے شمار کرو۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۰، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۱۳۹)

حضرت سل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی وقعت پھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۰، حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۳۰۳، ج ۸، ص ۲۹۰)

حضرت سل بن سعد السعدي جہیز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کو میں کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دنیا میں بے رنجی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں ان سے بے رنجی کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۱۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی جہیز نے فرمایا دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے فرزند ہیں۔ سو تم آخرت کے فرزند بنو دنیا کے فرزند نہ بنو۔ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری کتاب الرقاق، باب فی الاول واولاد)

حضرت ابو سعید خدری جہیز بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اس کی ہم کو خبر دی اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو اسنو تم دنیا سے پرہیز کرو اور عورتوں سے پرہیز کرو (مسلم کی روایت میں ہے) کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا قہر عورتوں میں برپا ہوا تھا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ جس شخص کو حق کا علم ہو جائے تو لوگوں کا دلو اس کو حق بیان کرنے سے باز نہ رکھے۔ حضرت ابو سعید روئے لگے اور کہا ہم نے کئی چیزوں کو دیکھا اور ہم دلو میں آگئے۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۸۸، صحیح مسلم، لکڑ کر و عدد عام ۹۹، (۲۷۳) ۷۸۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۰۰، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۲۱، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۷۷)

حضرت قتادہ بن النعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

دنیا کے مال کو انسان اگر بیش و عشرت اور عجاظ خواہشات کو پورا کرنے میں صرف کرے تو پھر دنیا اور دنیا کا مال نہ موسم ہے اور ان اعلیٰ کا یہی محل ہے اور اگر دنیا کے مال و دولت کو دین کی سرکندی، تبلیغ دین، اسلام کی نشر و اشاعت اور ضرورت مندوں کی مدد پر صرف کرے اور حج اور عمو کرے، قربانی، زکوٰۃ اور صدقات لو اکرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے اور نیکی اور خیر کے راستوں میں مال کو خرچ کرے تو پھر دنیا کا مال و دولت بہت مبارک اور مستحسن ہے۔

نیکی کی راہ میں صرف کرنے کی نیت سے مال دنیا کا استحسان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف دو شخصوں پر حسد (رتک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو اور وہ دن رات قرآن کے ساتھ قیام کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات اس مال کو (نیکی میں) خرچ کرتا ہو۔

(صحیح مسلم، مسافرن ۲۲۱، (۸۵) ۷۸۳، صحیح البخاری ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۹۹، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۳۳، سنن کبریٰ للنسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۸۰۷۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۰۹، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۷۳۴، دار الفکر، طبع)

جدید 'مسند احمد' ج ۳ ص ۳۸۵ 'دار الفکر' طبع قدیم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف دو مصلحتوں پر حسد (ارتکاب) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستوں پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت (علم دین) عطا کی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور تعلیم دے ہو۔

(صحیح مسلم 'مسافرن' ۳۸۸، (۸۷۱) ۸۷۱، صحیح ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۴۳۷۷، سنن کبریٰ للشیخ ج ۳، رقم الحدیث: ۵۸۳۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۰۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۲، ج ۲ ص ۳۳، ۳۴، ۸۸، ۹۰، ج ۳ ص ۲۵، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مساجدین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اصحاب ثروت اور دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے۔ آپ نے فرمایا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے کہا وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں، اور وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجات کو پاؤ، جنہوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر بھی سبقت کرو گے اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو گا، اس کے جو تمہاری طرح اس کلمہ کو کہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ فقراء مساجدین پھر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی ان تسبیحات کا پتہ چل گیا؟ اور وہ بھی ہماری طرح یہ تسبیحات پڑھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم 'مسافرن' ۳۲، (۵۵۵) ۳۲۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کی تائید اس آیت کریمہ میں بھی ہے:

قِيَادًا قُصِبَتِ الْقُلُوبُ فَأَنشَرُوا فِي الْأَرْضِ وَ
اِسْتَمَرَّ امْرُؤٌ قَصِيلٌ الْبُؤَاءُ الْحَمِيمَةُ (۱۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال مسجد کے ہاتھ پر تھا (یہ مسجد کے سامنے موجود تھا) رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خوش ذائقہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے، جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو۔ (آل عمران: ۹۴) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال میرا ہے اور یہ اللہ کی دلوں میں صدقہ ہے۔ میں اللہ کے پاس اس کی نیکی اور ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ نے فرمایا چھوڑو یہ مال نفع آور ہے، یہ مال نفع آور ہے۔ تم نے اس کے متعلق جو کہا وہ میں نے سن لیا اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ پھر حضرت ابو طلحہ نے میرا کو اپنے رشتہ داروں اور غم داروں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح مسلم 'زکوٰۃ' ۳۲، (۹۹۸) ۲۲۷۸، صحیح ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۶۱، سنن کبریٰ للشیخ ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ! انس آپ کا غلام ہے۔ آپ اس کے حق میں اللہ سے دعا کیجئے، آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! اس کے دل اور لولہ کو زیادہ کر اور اس کو جو کچھ عطا فرمائے، اس میں برکت دے۔

(صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۳۱، ۳۵۵ (۲۳۸۰) صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحديث: ۳۲۸۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۸۵۳)
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے دل عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے لو، جب تمہارے پاس دل آئے در آنحایک تم اس پر حرص ہو، نہ اس کا سوال کرو رہے ہو تو اس دل کو لے لو اور جو دل اس طرح نہ ہو اس کے در پہ نہ ہو۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۱۱۰، ۲۳۶ (۱۰۳۵) صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحديث: ۱۳۷۳، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۲۶۰۸)
حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا۔ آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا پھر آپ نے فرمایا یہ دل سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو شخص اس دل کو استفتاء نفس سے لے گا، اس کو اس دل میں برکت دی جائے گی اور جو شخص حرص ہو کر اس دل کو لے گا، اس کو برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھانا ہے اور سیر نہیں ہو تا اور لوہہ والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہرہ ہے۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ، ۹۶، ۲۳۲۹ (۱۰۳۵) صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحديث: ۱۳۷۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۷۱، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۲۵۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحديث: ۲۳۲۰، مسند احمد، ج ۵، رقم الحديث: ۱۵۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحديث: ۳۲۲۰، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحديث: ۲۰۸۰، مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث: ۲۰۰۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۱۸۶)

دنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً دنیا مذموم نہیں ہے۔ البتہ اگر دل دنیا کو باجائز خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے تو یہ لائق ملامت اور مستوجب عذاب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا اور ان سے دل لگانا بھی مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی لٹٹھک نماز میں ہے۔

(سنن النسائی، ج ۷، رقم الحديث: ۳۹۳۹، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۸۵، ۱۹۹، ۱۲۸، طبع قدیم)
بلکہ ممنوع اور مذموم یہ ہے کہ انسان دنیا کے حصول کو ہی مقصد حیات سمجھ لے، جبکہ مقصود آخرت ہے اور دنیا اس کے حصول کا وسیلہ اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے یا بندہ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ انسان اپنے لیے اپنے دل باپ اور اپنے دل و عیال کے لیے رزق حلال کی جستجو کرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے ساتھ جو الفت اور محبت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ملک و قوم کی فلاح کے لیے اور انسانیت کی خدمت کے لیے جو دنیا میں لگ دو کرتا ہے اور کارنامے انجام دیتا ہے ان تمام کاموں میں حسن نیت کی بناء پر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بشارتوں کے مطابق اجر و ثواب ملے گا اور یہ تمام کام اطاعت اور عبادت میں شامل ہیں اور جس وجہ سے دنیا

کی خدمت کی گئی ہے یہ کام اس میں داخل نہیں ہیں۔
لوو لعب کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف لوو لعب ہے۔ اس لیے ہم لوو لعب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لوو کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جس چیز میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے اس کو لوو کہتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت مثلاً عورتوں اور بچوں کو بھی لوو لعب کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے

أَلْهَيْكُمْ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝
(التكاثر: ۲۴)
میل جمع کرنے کی حرص نے تمہیں اس قدر غافل کر دیا کہ تم قبروں میں بھی گئے۔
يَأْتِيهَا الْيُسُوفُ ۖ أَمْوَالُكُمْ لَا تُلْهِيكُمْ عَنْهَا ۖ وَالْأُولَادُ كُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۖ وَالْمُنَافِقُونَ ۖ
(المنافقون: ۹)
اے ایمان والو! تمہارے مال اور اولاد کی مشغولیت تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔
وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت کی مشغولیت اللہ کی یاد نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے۔ (النور: ۳۷)

ان آیات میں اولاد مال و دولت اور تجارت میں مشغول ہونے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا بلکہ اس حد تک اشتغال سے منع فرمایا ہے کہ انسان نماز اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں تجارت اور مال جمع کرنے کی اجازت دی ہے:

لِيَشْهَدُوا مَعَ رَبِّهِمْ (الحج: ۲۸)
(وہ حج کے لیے حاضر ہوں گے) تاکہ اپنے فائدے کے مقامات پر حاضر ہوں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنَ رَبِّكُمْ (البقرہ: ۲۸۸)
(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(المفردات، ص ۲۵۵، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران ۱۳۶۲ھ)

لعب کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لعب اصل میں لعب ہے یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب نہ سے لعب بنے لگے اور جب کسی شخص کا فعل بغیر قصد کے واقع ہو تو اس کو لعب کہتے ہیں۔ (المفردات، ص ۲۵۰، مطبوعہ ایران)
علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

لعب کا معنی ہے مذاق میں کوئی کام کرنا۔ حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سلک بطور مذاق سلجیدگی سے نہ لے یعنی وہ اس کا سلک اس کو تنگ کرنے کے لیے لیتا ہے اور چوری کا ارادہ نہیں کرتا لیکن اس کو اذیت پہنچانے کا سلجیدگی سے ارادہ کرتا ہے۔ سو ایسا نہ کرے اور جو شخص لغو اور بے فائدہ کام کرے اس کو بھی لعب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے ہم سمندر میں

مڑ کر رہے تھے، جب موجیں جوش سے اٹھ رہی تھیں اور ایک لاکھ تک موجیں اگلے ساتھ حب کرتی رہیں، یعنی موجوں نے ان کو اس طرف نہیں جانے دیا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ (المطالع ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۴ مطبوعہ ایران ۱۳۶۷ھ)

اردو میں لودو لعب کا ترجمہ کھیل تماشے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہم نے لودو کا جو معنی بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ ہے غافل کرنا اور لعب کا خلاصہ ہے بے مقصد اور بے فائدہ کام، نور کھیل اور تماشہ عموماً لودو اور بے فائدہ ہوتا ہے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان عبادت اور کئی اہم کاموں سے غافل ہو جاتا ہے، اس لیے کھیل اور تماشے کو لودو لعب کہتے ہیں۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام

ہر کھیل تماشہ مطلقاً ممنوع اور حرام نہیں ہے، بلکہ جو کھیل تماشہ کسی غیر شرعی امر پر مشتمل ہو، مثلاً غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو یا اجنبی مرد عورتوں کے سامنے یا اجنبی عورتیں مردوں کے سامنے مثلاً کرکٹ کھیلیں یا ٹینس کھیلیں یا رقص کریں یا کسی کھیل میں کھیلنے والوں کا ستر کھلا رہے تو ایسے کھیل ممنوع ہیں یا جس کھیل میں جانبین سے شرط لگائی جائے کہ جو فریق بھی کھیل میں ہار گیا وہ جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا یا فلاں چیز دے گا یا فلاں چیز کھائے گا۔

یا کسی کھیل میں اس قدر اشتغال کیا جائے جس سے فرائض اور واجبات ترک ہو جائیں تو وہ کھیل جائز نہیں ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۳۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لودو صرف تین چیزوں میں ہے۔ کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، کسی شخص کا اپنی بیوی سے دل لگی کرنا اور کسی شخص کا تیر اندازی کرنا۔

(سنن النسائی ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۸۰، سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حبشی نبی ﷺ کے پاس مسجد میں کھیل رہے تھے، حضرت عمر داخل ہوئے اور انہوں نے ایک کٹری اٹھا کر انہیں ماری۔ آپ نے فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔

(معجم البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۰۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ آپ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے، لیکن میں ان کے کھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے، حتیٰ کہ میں خود واپس مڑی۔ سو تم اندازہ کرو کہ ایک کم عمر کھیل کی شوقین لڑکی نے کتنی دیر کھیل دیکھا ہو گا۔

(معجم مسلم، حدیث ۱۸۱۸، (۸۹۲) ۲۰۳۰-۲۰۳۴، معجم البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵۰، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۷۹۶)

حدیث میں ہے کہ عید کے دن حبشی مسجد میں آکر رقص کر رہے تھے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اچھل کود رہے تھے، اور اپنے جنگی آلات کے ساتھ کھیل رہے تھے، اور ان کا یہ کھیل رقص کے مشابہ تھا، کیونکہ اکثر روایات میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ہے۔ اس لیے اس حدیث کی ایسی تاویل کی جائے گی جو باقی احادیث کے موافق ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت زید سے فرمایا تم میرے سولی (آزاد کردہ غلام) ہو تو وہ ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر سے فرمایا تم میری صورت اور حیرت کے مشابہ ہو تو وہ حضرت زید کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو میں حضرت جعفر کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار الفکر طبع قدیم مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۸۵۷۷ طبع دار الحدیث قاہرہ ۱۳۱۶ھ)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۵۳۷ طبع قاہرہ)

حافظ احمد بن علی بن عمر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے مسند احمد میں ہے۔ اسی طرح الباقی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نبی ﷺ کے گرد چکر لگانے لگے۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے جشیوں کو دیکھا ہے وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے اس طرح کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ نباشی جب اپنے اصحاب میں سے کسی سے خوش ہوتا تو اس کے گرد کھڑے ہو کر ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگتے۔ حدیث میں حاصل کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر حیرت مخصوصہ کے ساتھ رقص کرنا اور حضرت علی کی حدیث میں مذکور ہے کہ تینوں نے اس طرح رقص کیا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۷ مطبوعہ لاہور ۱۳۰۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو ایک انصار کے مو سے زلف (شادی) کے لیے تیار کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے عائشہ کیا تمہارے پاس کوئی لہو (کھیل) ہے؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۶ رقم الحدیث: ۵۱۶۲ مطبوعہ بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عاصم بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ بن کعب اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شادی میں گیا۔ وہیں بچیاں گاری تھیں۔ میں نے کہا آپ دونوں رسول اللہ ﷺ کے بدری صحابی ہیں اور آپ کے سامنے یہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر گھاسنو اور چاہو تو چلے جاؤ ہمیں شادی کے موقع پر لہو کی اجازت دی گئی ہے۔ (سنن الترمذی ج ۶ رقم الحدیث: ۳۳۸۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو لبابہ کی بیٹی کے خلوہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابو لبابہ کی بیٹی کی شادی ہوئی تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا کوئی لہو (کھیل) ہے؟

(مسند احمد ج ۲ ص ۶۷ طبع قدیم مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۸۵۷۷ طبع قاہرہ ۱۳۱۶ھ مطبوعہ دار الفکر ج ۲ ص ۲۵۸)

صحیح ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۹

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ابن حجر نے التعمیل میں اس کی تصویب کی ہے۔

(مسند احمد ج ۱۳ ص ۹۶ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۶ھ)

نبی ﷺ نے گھوڑے سواری کا مقابلہ کرایا، پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا، آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ

لے، اسی طرح آپ نے رکنہ سے کشتی بھی کی۔ ان تمام حدیثوں کو ہم نے صحیح اور سنن کے حوالہ سے (شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۳۹۰-۳۹۱ میں) بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لبو و لعب مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور جب کوئی کھیل کسی غیر شرعی امر پر مبنی نہ ہو نہ اس میں شرط لگائی جائے نہ اس سے کوئی عبادت ضائع ہو تو غرض صحیح سے مناسب حد تک اس کا کھیلنا جائز ہے اور جب کسی کھیل میں زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے انسان عبادات سے غافل ہو جائے تو وہ ممنوع اور مذموم ہے۔

انسان کی صحت اور جسم کو ہلکی دھچک دینے کے لیے مناسب حد تک کھیل اور ورزش مستحسن ہیں۔ بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں، ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا جس سے ان کی توہم نکل آتی ہے اور خون میں کلسترول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر، دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا، معدہ کا ضعف، گیس اور السر وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے جائز کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے، ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مسلمانوں کی کرکٹ ٹیم کی کامیابی کے لیے وکیلہ تلیا تھا۔ دیکھئے شمع شبستان رضا، حصہ سوم، ص ۵۰-۴۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرّم) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بتاتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں، دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

شان نزول اور مناسبت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جنگ بدر کے دن انیس بن شریق اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی، انیس ابو جہل کو اس جگہ لے گیا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ابو جہل سے کہا اے ابو الکھما مجھے یہ بتاؤ کہ (سیدنا) محمد ﷺ صلیق ہیں یا کاذب؟ کیونکہ یہاں پر میرے اور تمہارے سوا قریش کا اور کوئی فرد نہیں ہے جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔ ابو جہل نے کہا تم پر غصوں ہے، یہ خدا (سیدنا) محمد ﷺ البتہ ضرور صلیق ہیں اور (سیدنا) محمد ﷺ نے بھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن جھنڈا کعبہ کی درہانی اور زمزم کی پھیل پہلے ہی ہو قصی کے پاس ہیں۔ اگر نبوت بھی وہ لے گئے تو قریش کے پاس کیا ہائی بچے کا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

تابع بن کعب بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے، لیکن آپ جو چیز لے کر آئے ہیں، ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ، اسباب النزول ص ۲۱۹، ۲۱۸)

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت حارث بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی تکذیب کرتا تھا اور جب گھروالوں کے ساتھ تھا ہوتا تو کہتا (سیدنا) محمد ﷺ جھوٹوں میں سے نہیں ہیں اور میرے نزدیک وہ صرف بچے شخص ہیں۔ (اسباب النزول ص ۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس سے پہلے آیتوں میں کفار کا رد کیا جا رہا تھا اور اس آیت میں بھی ان کا رد ہے۔ پہلے ان کفار قریش کا رد کیا جو توحید، نبوت اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔ پھر ان کافروں کا رد کیا جو سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ بشر تھے

اور فرشتہ نہ تھے تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تب بھی ہم اس کو انسان کی صورت میں ہی بھیجتے اور تم پر پھر اشتباہ ہو جاتا اور اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جو نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے ایذا پہنچاتے تھے۔ بعض آپ کو جھوٹا کہتے تھے۔ بعض آپ کو جلودگر کہتے تھے اور بعض شاعریا کاہن یا مجنون کہتے تھے۔

نبی ﷺ کی تسلی کی آیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کفار کی تکذیب اور ان کی دوسری دل آزار باتوں کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بتاتے ہیں ان سے آپ شکین ہوتے ہیں۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اور کئی آیتوں میں بھی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تسلی دی ہے:

فَلَمَّا جَاءَكَ بِأَيُّهَا رَسُولُ اللَّهِ عَلَيَّ آثَارُهُمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِرُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَتَمْنَاءُ (الكهف: ۱۸)
اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے تو کہیں فرط غم سے آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ
ان پر حسرتوں کی وجہ سے آپ کی جان نہ ملی جائے۔

(فاطر: ۸)

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا حَمِيلًا ۚ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا (المرمل: ۱۰-۱۱)
کافروں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیجئے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

اس آیت میں نبی ﷺ کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کافروں اور کافروں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا انبیاء سابقین علیہم السلام کا طریقہ ہے اور نبی کو چاہیے کہ ان کی بے ہودہ باتوں سے اعراض کرے اور ان کی ازیتوں پر صبر کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعُرْسِ مِنَ الرُّسُلِ
سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ امت والے رسولوں نے صبر کیا

(الاحقاف: ۳۵) خدا۔

اس قسم کی آیات سے نبی ﷺ کو بار بار تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی حکمت یہ ہے کہ صبر کرنے سے مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور صبر کے اندر رحمت کے نزول اور کشمکش کے حصول کی بشارت ہے:

فَوَاقٍ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا
کیونکہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (الانشراح: ۵-۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں یعنی ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین کو لوگوں نے جھٹلایا اور انہوں نے ان کے جھٹلانے پر صبر کیا اور پھر رسولوں کے پاس اللہ کی مدد آن پہنی۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ (المومن: ۵۱)
بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں ضرور مدد فرمائیں گے اور (آخرت میں) جس دن

کو نہ کھڑے ہوں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْشُورُونَ ۝ وَإِنْ
جُئِنَّا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصفت: ۸۷-۸۸) غلبہ پانے والا ہے۔

اور جو بات اللہ پہلے فرما چکا ہے اس کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر بن لوگوں کی بے اعتدالی آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی بیڑی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (من کا مطلب) مجھ لے آئیں (تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا (تو اسے کا مطلب) تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو جاتا۔ (الانعام: ۳۵)

شان نزول

بعض آثار میں ہے کہ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کوئی نشانی لائیے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نشانیاں لاتے تھے۔ پھر ہم آپ کی تصدیق کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی مطلوبہ نشانیاں عطا فرماتے سے انکار فرمایا۔ تو انہوں نے نبی ﷺ سے منہ پھیر لیا، نبی ﷺ پر ان کا اعراض کرنا بہت دشوار ہوا، کیونکہ آپ ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حرص تھے، اور وہ جب بھی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تو ان کے ایمان لانے کی طمع میں آپ کی یہ شدید خواہش ہوتی کہ وہ نشانی (مجزہ) نازل کر دی جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی 'جزء ۳' ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر بیڑی لگانے کے معانی اور توجہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو ان لوگوں کا کفر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ان کی تکذیب بہت گراں محسوس ہوتی ہے اور اس سے آپ کو بہت رنج پہنچتا ہے تو اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر اس میں داخل ہونے پر قادر ہوں یا بیڑی لگا کر آسمان پر چڑھنے پر قادر ہوں تو آپ ایسا کر لیں اور اگر آپ اس پر قادر نہیں ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ ان کے خلاف غم و غصہ کو برداشت کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور آپ کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت پر جو دلائل قائم کیے ہیں صرف ان سے استدلال کریں اور جن لوگوں میں غور و فکر کرنے کی اہلیت ہے ان کو اس کی طرف متوجہ کریں اور جو اپنی عقل سے کام لینے کے بجائے بہت دھڑی پر قائم رہتے ہیں ان کی پروا نہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ کے خیال میں ان کے ایمان لانے کے لیے آپ کا زمین میں سرنگ بنا کر چلے جانا یا آسمان پر بیڑی لگا کر چلے جانا کافی ہے تو آپ ایسا کر لیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر چلے جائیں یا آسمان پر بیڑی کے ذریعہ چڑھ کر ان کا مطلوبہ مجزہ لائیں تو آپ ایسا کر لیں اور اس کی تائید ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا
الْكِتَابَ يَسْبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونُ لَكَ حَتَّةٌ مِّنْ نَّجَاسٍ
وَعِيبٍ فَنُمْسِجَهَا لَسَانَهَا فَئِجِيرًا ۝ أَوْ
تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا رَعِمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

اور کافروں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے

حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا

آپ کے لیے بھوروں اور انگوڑوں کا کوئی باغ ہو پھر آپ

اس میں بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ نے کہا

اَوْ تَاْتِيْ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنُ
لَكَ بَيْتٌ مِّنْ رُّحْرٰٓءٍ اَوْ تَرْفَىٰ فِى السَّمَآءِ وَلٰنَ
تُؤْمِنَ بِرُفُؤِكَ حَتّٰى تُسِرَّ عَلَيَّا كِتٰبًا مُّفْرَقًا
قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۝

(بنواسرائیل: ۹۰-۹۳)

آپ ہم پر آسمان کو ٹھوٹے ٹھوٹے کر کے گرا دیں یا آپ اللہ
اور فرشتوں کو تارے سانسے بے حجاب لے آئیں، آپ کا
سولے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے
آسمان پر چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ
ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔ آپ کہتے: میرا
رب پاک ہے، میں صرف ایک بشر ہوں اور اللہ کا رسول
ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دعوای نبوت کے صدق پر بطور برہان اور معجزہ قرآن مجید نازل فرمایا اور یہ پہنچ گیا کہ اس میں
نہ رد وہیں ہو سکتا ہے نہ اس کی کوئی نظیر لا سکتا ہے اور جب تمام دنیا اس پہنچ سے عاجز ہو گئی اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا خوب ظاہر
ہو گیا اور کفار کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی، تو وہ لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے طرح طرح کی نشانیوں طلب کرنے
لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوا دیا کہ آپ کہتے کہ میں صرف بشر اور رسول ہوں۔ یعنی میرا کلام اللہ
کا پیغام پہنچاتا ہے۔ وہ میں نے پہنچا دیا اور میری نبوت ہر کسی شخص کے اطمینان اور یقین کے لیے جس قدر معجزات اور نشانیوں
ضروری ہو سکتی تھیں، وہ سب میرے رب نے ظاہر فرمادی ہیں۔ اب یہ کافر خیل و جنت اور ہٹ دھرمی کے لیے عجیب و غریب
معجزات طلب کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ معجزات اس لیے عطا نہیں فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی نہیں نازل
فرماتا جس کے بعد عقل کی آزمائش کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کافروں کی پوری قوم کسی معجزہ کی طلب پر
اصرار کرے اور اس معجزہ کے تصور کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے اور نبی ﷺ کی ہمت
کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ اب ان پر عذاب نازل نہیں ہو گا چنانچہ فرمایا:

وَمَا كُنَّا اِلَّا لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

(الانفال: ۳۳) آپ ان میں موجود ہیں۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے در آنحالیکہ

معجزہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کسی نشان اور معجزہ کو ظاہر کرنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ کسی نشانی اور معجزہ کو ظاہر فرمادیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو نبی ﷺ اپنی کوشش سے کسی معجزہ کو ظاہر
نہیں کر سکتے اور یہ بالکل برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قدرت دی ہے اور اختیار عطا فرمایا ہے، لیکن اس قدرت اور
اختیار کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں قلد و عمار ہیں، حتیٰ کہ جس کلام کو اللہ نہ کرنا چاہے آپ اس کو کر سکتے
ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ یہ کہنا مطلقاً درست ہے کہ کوئی معجزہ نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ تمام
معجزات نبی ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ قرآن مجید نبی ﷺ کا معجزہ ہے، لیکن اس کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ
تعالیٰ جب چاہتا ہے قرآن مجید کی آیات نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح غیب کی خبریں دیتا آپ کا معجزہ ہے، لیکن یہ آپ کے اختیار میں
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تو آپ غیب کی خبریں دیتے ہیں اور بعض معجزات آپ کے اختیار میں ہوتے
ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ بعض خصائص کی وجہ سے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور ان
خصائص میں سے یہ ہے کہ جس طرح عام انسانوں کے اختیار میں افعال علیہ ہوتے ہیں، اسی طرح نبی کے اختیار میں افعال غیر

علویہ (معجزات) ہوتے ہیں۔ (فتح البیدی 'ج ۳' ص ۷۷، طبع لاہور، انبیاء العلوم ج ۵، ص ۵۳، طبع بیروت)

نیا پیچھے نے اپنے لعلب دہن سے کئی بیماروں کو شفا عطا فرمائی۔ (الصفاء 'ج ۱' ص ۲۳۳-۲۳۴) آپ نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے نوارے کی طرح پانی جاری ہو گیا۔ (صحیح البخاری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۹) سرکہ بدر میں جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ننگریوں کی ایک مٹی بھر کر کفار کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ شاہت الوجوہ فرمایا۔ اللہ کی قدرت سے ننگریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ (روح المعانی 'ج ۹' ص ۱۸۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکل گئی۔ (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم ۳۳۹)

نیا پیچھے نے ایک شخص کے متعلق فرمایا ابو خیشمہ ہو جاوہ شخص جو کوئی بھی تھا وہ ابو خیشمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم 'التوبہ' ص ۵۳) (۲۷۹) اس قسم کے معجزات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نیا پیچھے کی قدرت اور اختیار میں دے دیا تھا۔

جبر اہدایت نہ دینے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کو جبراً مومن بنانا چاہتا تو ان سب کو مومن بنا دیتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اور اس کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں خیر اور شر دونوں چیزوں کو پیدا کر دیا ہے اور شر کی ترغیب کے لئے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی ترغیب کے لئے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور انسان کے اندر بھی خیر اور شر کے دو محرک پیدا کیے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی، اب وہ خارجی اور داخلی تحریکات میں سے جس سے بھی متاثر ہو کر جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے، خیر اور شر میں سے جس راہ پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ از خود اس پر کوئی راستہ مسلط نہیں کرتا اور چونکہ خیر یا شر بندہ میں اسی کے اختیار میں پیدا کی جاتی ہے اس لیے اس اختیار کی وجہ سے اس کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے۔

اس آیت میں نیا پیچھے کو یہ بتایا گیا ہے کہ کفار کہہ کو ہدایت پر لانے کے لیے تمام دلائل کھول کھول کر بیان کیے جا چکے ہیں اور بہت سے معجزات اور نشانیوں دی جا چکی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کو ہدایت پر لانے کی صرف یہی صورت رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ہدایت پیدا کر دے، لیکن یہ اللہ عزوجل کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ از خود تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔ پھر کسی نبی اور رسول کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتاب اور صحائف نازل کرنے کی اور نہ معجزات اور نشانیوں پیش کرنے کی حاجت ہوتی اور رشد و ہدایت کلیہ حکمت پر مبنی نظام اور مربوط سلسلہ عبث اور بے کار ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ۳۷)

کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ

جو لوگ آپ کی دعوت اور تبلیغ سے منہ موڑ رہے ہیں اور اللہ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے، ان کے ایمان نہ لانے اور اعراض کرنے سے آپ دل برداشتہ اور مغموم نہ ہوں، کیونکہ آپ کے پیغام کو وہی لوگ توجہ سے سنیں گے جن کے کانوں کو اللہ عزوجل نے غور سے سننے کے لیے کھول دیا ہے اور ان کے لیے آپ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور وہ لوگ

تبیان القرآن

آپ کے پیغام کو توجہ سے نہیں سنیں گے، جن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے کانوں پر عر لگا دی ہے۔ سو جب آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلائیں گے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا جس طرح موسیٰ اپنے چرواہوں کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتے، سو یہی ان کا حال ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الْإِذْيَ بَنِي قَوْمٍ
يَمْسَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاةً وَبِدَاةً صُمُّوا عَنْكُمْ عَمًى
فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (السفرہ: ۷۷)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایسے کو پکارے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہ سنے، برے گوشتے اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتی (مردہ) فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح مردے کوئی آواز سنتے ہیں نہ کسی پکار کا معنی سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی نشانیوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں۔ قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ان کو مردہ فرمایا ہے:

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الْقُتُمَ
الدُّعَاةَ إِذَا كُنُوا مَذْمُورِينَ ۚ وَمَا آتَتْ بِمَدْيَنَ
الْعُصَىٰ عَنْ صَلَاةِهِمْ إِنَّهُ لَسَمِيعٌ ۚ لَا مَن يَأْمُرُ
بِأَيْسَافِهِمْ يُصَلِّمُونَ (النمل: ۸۰-۸۱)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہیں، جب وہ پینہ پھیر کر جا رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لانے والے ہیں، آپ صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ
مَّن فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲)

بے شک اللہ سنا سکتا ہے جسے چاہے اور آپ قبرداروں کو سنانے والے نہیں ہیں۔

ان کافروں کی آنکھیں نہیں لیکن ان کو اندھا فرمایا، ان کے کان تھے پھر بھی ان کو سہرا فرمایا اور ان کی زبان قحی، اس کے باوجود ان کو گونگا فرمایا اور یہ زندہ تھے پھر بھی ان کو مردہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کا جلوہ دیکھے، کان اس کے ہیں جو عقیدت سے آپ کی باتیں سنے، زبان اس کی ہے جو آپ کا کلمہ پڑھے اور زندہ وہ ہے جو آپ کی غلامی میں زندہ رہے۔ جو آپ کی محبت سے جلا میں مارا جائے، جو آپ کی خاطر سرکٹائے تو اللہ کے نزدیک وہ مردہ نہیں ہے، جو آپ کی غلامی میں رہے وہ زمین کے اوپر ہو، پھر بھی زندہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جو آپ سے منحرف ہو اور آپ کا منکر ہو وہ زمین کے اوپر ہو، پھر بھی مردہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی مردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (معجزہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہئے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کر دے، لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(الانعام: ۳۷)

کفار کی مطلوبہ نشانیاں نازل نہ کرنے کا سبب

یہ آیت منوید قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے جو عتلا اور سرکشی کی بنا پر نبی ﷺ سے کسی معجزہ اور نشانی کا سوال کرتے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے جا چکے تھے جو کسی منصف مزاج شخص کے ایمان لانے کے لیے کافی تھے اور جن نشانوں کا یہ سوال کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے نازل کرنے پر بھی قادر تھا جیسا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ متعدد نشانیاں

نازل فرما چکا تھا، مثلاً ان کے مطالبہ پر چاند کو شق کیا گیا، لیکن یہ اس کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ لہذا ان کے مطالبہ کے موافق نشائیاں نازل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ ہر نشانی نازل ہونے کے بعد یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ سو واضح ہوا کہ یہ محض مٹلا اور ہٹ دھرمی سے نشانیوں کو طلب کرتے ہیں، مگر ان کے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کے اجتماعی مطالبہ کے موافق کوئی نشانی نازل کر دی جائے اور یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر ایسا عذاب آئے گا جس سے یہ سب لمبا میٹ ہو جائیں گے، تو ان کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ فرماتا اس حکمت پر مبنی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا آمَنَتْ

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فنا میں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مش غفلت

أَمْثَلَكُمْ مَا قَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

ہے۔ ہم نے کتاب (تورہ، انجیل) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع

يُحْشَرُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُومُوا فِي الظُّلُمَاتِ

کے جائیں گے ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی (وہ) ہرے اور گھٹے ہیں، اندھیروں میں بٹھائے ہوئے

مَنْ يَشَأِ اللَّهُ يُضِلَّهُ ۖ وَمَنْ يَشَأِ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغِيدَ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے، کیا (اس وقت) اللہ

اللَّهُ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ

کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے، (بتاؤ) اگر تم سچے ہو؟ ۝ بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ

فَيَكْشِفْ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَتَسَوَّنَ مَا تَشْرِكُونَ ۝

چاہے گا تو وہ اس بتلی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فنا میں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی

مش غفلت ہے۔ ہم نے کتاب (تورہ، انجیل) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے ۝

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اگر کفار کے فراموشی اور مطلوبہ معجزات کے نازل کرنے میں کوئی تاخیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرماتا اور اس کی تاکید اس آیت میں فرمائی کہ زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور نفع میں اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و کرم فرمایا ہے اور ان پر احسانت کیے ہیں اسی طرح تم پر بھی فضل و کرم فرمایا ہے اور تم پر بھی احسانت کیے ہیں اور تمہارے مطلوبہ معجزات کو تم پر نازل نہ کرنا بھی اہل اتم پر احسان ہے کیونکہ اگر تمہاری فراموشی کے مطابق نشانیں نازل کر دی جاتیں اور تم ایمان نہ لاتے تو تم پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا جس سے تم نیست و نابود ہو جاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافروں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اس کے حضور جمع کیے جائیں گے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حیوانات اور پرندے بھی تمہاری مثل ہیں یعنی ان کو بھی اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا۔ جانوروں کے حساب اور قصاص کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن ہر چیز مقدمہ پیش کرے گی حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنہوں نے ایک دوسرے کو بے سنگہ مارے تھے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۰ طبع قدیم اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۹)

امام ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲ رقم الحدیث: ۱۴۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیشے ہوئے تھے اور وہ بکریاں گھاس چر رہی تھیں۔ ایک بکری نے دوسری بکری کو بے سنگہ مار کر اس کا حمل ساقط کر دیا تو رسول اللہ ﷺ چلے گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس بکری پر تعجب ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس بکری سے قیامت کے دن قصاص لیا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۱ مسند ابی ہریرہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۳۵۰)

امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بے سنگہ والی بکری سے بغیر بے سنگہ کی بکری کا قصاص لیا جائے گا۔ (مسند ابی ہریرہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۳۴۹ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بعض مخلوق کا بعض سے حساب لیا جائے گا حتیٰ کہ بغیر بے سنگہ والی بکری کا بے سنگہ والی بکری سے اور حتیٰ کہ چوٹی کا چوٹی سے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۳ امام احمد کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۵۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جبار ہمارے و تعالیٰ متوجہ ہو گا اور ہل صراط پر اپنا پیر رکھ دے گا پھر فرمائے گا مجھے اپنی عزت و جلال کی تمہا کوئی ظالم ظلم کر کے مجھ سے بھاگ نہیں سکتا۔ پھر وہ بعض مخلوق کا بعض سے انصاف لے گا حتیٰ کہ بغیر بے سنگہ کی بکری کا بے سنگہ والی بکری سے اس کو بے سنگہ مارنے کا انصاف لے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۳۷۱۱ اس حدیث کی سند میں ایک راوی بنہ بن ربیعہ ضعیف ہے اور باقی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۵۳)

ج ۱۰ ص ۵۳

حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر حیوان اور ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔ یہ تمثیل اور تشبیہ کس چیز میں ہے؟ اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ حیوانوں اور پرندوں کو بھی اللہ کی معرفت ہے، وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تَسْبِيحٌ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (اسو اسراہیل: ۳۲)

سات آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے، وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ ضُفًى كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ (النور: ۳۱)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور صف بستہ پرندے، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا۔

حضرت شریف رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے بلا فائدہ کسی چیز یا کو قتل کیا، وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھ کو بے فائدہ قتل کیا اور کسی نفع کے لیے مجھے قتل نہیں کیا۔

(سنن نسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۵۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۹، مسند المصنف، رقم الحدیث: ۵۸، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۵، المستدرک، ج ۲، ص ۳۳۳، سنن کبریٰ للطیسی، ج ۱، ص ۸۶، الکامل لابن عسکری، ج ۵، ص ۱۸۳، کنز العمال، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۳۹۹۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو واقعات اور حوادث کا ادراک اور ان کی معرفت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہمد کے مکالمہ کا جو ذکر کیا گیا ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح چوٹی کے جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی حیوانوں کے ادراک اور معرفت پر دلیل ہے۔

۲۔ جس طرح انسانوں میں والد اور ناسل ہے، اور وہ ایک دوسرے سے انس رکھتے ہیں، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں میں بھی یہ امور ہیں۔

۳۔ اللہ عزوجل نے جس طرح انسانوں کو ایک خاص تدبیر سے پیدا کیا ہے، اور وہ ان کے رزق کا کفیل ہے، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کا معاملہ ہے۔

۴۔ جس طرح قیامت کے دن انسانوں سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا، سو حیوانوں اور پرندوں سے بھی یہ معاملہ ہوگا۔

۵۔ ہر انسان میں کسی نہ کسی حیوان یا پرندے کی خلعت اور خصوصیت ہے۔ بعض انسان شیر کی طرح دلیر اور بہادر ہیں، بعض انسان بھیڑیے کی طرح حملہ کرتے ہیں، بعض انسان کتوں کی طرح بھونکتے ہیں، بعض انسان مور کی طرح مزین ہوتے ہیں، بعض انسان خدو کی طرح پاک چیز کو چھوڑ کر ناپاک کی طرف لپکتے ہیں، بعض انسان مٹی کی طرح خوشامدی ہوتے ہیں، بعض کوے کی طرح حریص اور بعض لومڑی کی طرح چلاک ہوتے ہیں۔

۶۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی موت، حیات، عمل، کمال، نقص، اور ان کا اخروی انجام مقدر کر دیا ہے، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کے بھی یہ امور مقرر کر دیئے ہیں۔

۷۔ جس طرح انسان اپنی روزی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اور اسے کسی مکان کی حاجت ہوتی ہے، جس میں وہ سردی، گرمی اور بارش سے پناہ حاصل کر سکے۔ اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کو بھی ان امور کی حاجت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محمل قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَإِنِّي أَنَا الْكَافِرُ (۳۸)

آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت کی بنا پر بعض لوگ نبی ﷺ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے کہانی ﷺ کے مماثل کوئی بشر نہیں ہے۔ اس نے کہا کیا آپ کے دو ہاتھ نہیں تھے؟ کیا آپ کی دو آنکھیں اور دو کان نہیں تھے؟ میں نے کہا تم دو ہاتھ تو دکھا دو گے مگر ان ہاتھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان ہاتھوں سے اشارہ کریں تو سورج مغرب سے طلوع ہو جائے، ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو چاند شق ہو جائے، دھوکے برتن میں ہاتھ رکھ دیں تو انگلیوں سے نوارے کی طرح پانی جاری ہو جائے اور تم دو آنکھیں تو دکھا دو گے لیکن ان آنکھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان آنکھوں سے جنت اور فرشتوں کو دیکھو حتیٰ کہ رب کائنات کو بے جلب دیکھو اور تم دو کان تو دکھا دو گے مگر ان کانوں میں یہ قوت کہاں سے لاؤ گے؟ کہ فرشتوں اور جنت کا کلام سن سکو، زمین پر ہوتے ہوئے آسمانوں کی آوازوں کو سن سکو، حتیٰ کہ رب کائنات کا کلام سن سکو۔ وہ کہنے لگا کمالات کی بات کو چھوڑو، صرف اس بات میں تو آپ ہماری مثل ہیں کہ آپ کے بھی دو کان تھے اور دو آنکھیں تھیں، یعنی ان اعضاء کے بعد اور گنتی میں تو آپ ہماری مثل ہیں۔ میں نے کہا اس طرح تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو، کیونکہ تمہارے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں۔ اور ان کے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں اور جس طرح تم رسول اللہ ﷺ کے مماثل ہونے کے ثبوت میں سورہ کاف کی یہ آیت پڑھتے ہو، وہ تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل ثابت کرنے کے لیے یہ آیت پڑھ سکتا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيمٍ إِلَّا أَتَيْنَا بِمِثْلِهِ نَظِيرًا (الانعام: ۳۸)

اور زمین میں چلنے والا ہر جانور اور فضا میں اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔

اگر تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل کہا جائے تو یہ تمہاری توہین ہے۔ حالانکہ تمہیں کتے اور خنزیر پر اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسول اللہ ﷺ کو ہم پر فضیلت ہے، تو سوچو کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی مثل کہنے سے آپ کی کس قدر توہین ہوگی؟

اب یہ سوال کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف عدم الوہیت میں ہماری مثل ہیں۔ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور اسی پر تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا مماثل نہیں ہے نہ بشریت میں، نہ عبادت میں، نہ نبوت اور رسالت میں اور اس کائنات میں جو بھی آپ کی مثل ہے، وہ عہدی وصف میں آپ کی مثل ہے یعنی نہ وہ خدا ہے نہ آپ خدا ہیں۔ نہ وہ واجب، قدیم اور مستحق عبادت ہے نہ آپ واجب، قدیم اور مستحق عبادت ہیں۔

لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے لوح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تمام مخلوقات کے تمام احوال تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ قَعَلْنَاهُ فِي الثُّبُرِ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ حَسِبِرْدُ
گیشیر مُسْتَقَرٌّ (القمر: ۵۳-۵۴)
انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ہر
چھوڑا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور سے جلی فرمائی سو جس نے اس نور کو پایا اس نے ہدایت کو پایا اور جس نے اس نور سے فطاک کی وہ گمراہ ہو گیا اسی لیے میں کتابوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۵۱، صحیح ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۵۶، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۱، صحیح ابن
حبیب ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۰، مسند ابوعوانہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۰، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۰۶۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقین رکھو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے اور اگر تمام امت تم کو نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نقصان پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے قلم اٹھالے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۲، مسند احمد ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نو جوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خوف ہے اور عورتوں سے نکاح کرنے کی میری پادوست میں ہے آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چوتھی بار اسی طرح عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! جو کلام تمہیں درپیش ہے ان کے حلق قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے خواہ تم غصی ہو یا ایسے رہو۔

(صحیح ابوداؤد ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۷۶، سنن الترمذی ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۵)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ میں تمام مخلوقات کے تمام احوال لکھ دیئے گئے ہیں اور قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

قرآن مجید تمام عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا جامع ہے

اس آیت میں کتاب کی دو سری تفسیر کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور اب معنی یہ ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں حساب الجبرا، ریاضی اور سائنسی علوم اور ان کے قواعد کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح جدید اور قدیم میڈیکل سائنس کے علوم کا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ معنی کس طرح درست ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہے دین کی معرفت عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

ذَٰلِكُمُ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى
لِّلْمُتَّقِينَ (البقرہ: ۲)
یہ عظیم الكتاب اس (کے حوال من اللہ ہونے) میں
کوئی شک نہیں ہے یہ متنفیس کے لیے ہدایت ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء: ۵۵)

بے شک ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے
تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ فرمائیں
جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا تِبْيَانٌ لِّهِمْ
الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ (السجدة: ۳۴)

ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل فرمائی ہے کہ
جس چیز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، آپ اس کو صاف صاف
بیان کر دیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور
رحمت ہے۔

وَتَرَىٰ عَلَىٰ الْكِتَابِ نَبَأَ آلِ كَلْبِ شَيْءٍ وَ
هُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن
بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت
ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب ہر شے کا روشن بیان ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس میں تمام علوم و فنون
کا روشن بیان ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کے تمام واقعات کا تفصیلی ذکر ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں ہر
پیش آمد مسئلہ کے لیے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر
معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شریعہ کا بیان ہے، اس میں منطق، فلسفہ، ریاضی اور سائنس
وغیرہ کی تعلیم نہیں ہے۔ یہی یہ بات کہ احکام شریعہ سارے کے سارے قرآن کریم سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض
قرآن مجید سے ثابت ہیں، بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے، بعض آثار صحابہ سے، بعض اجماع
سے اور بعض قیاس سے ثابت ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم
دیا ہے۔ لہذا جو احکام سنت سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی
اقتداء کا حکم دیا ہے۔ لہذا جو مسائل آثار صحابہ سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن کریم میں ہے اور اجماع اور
قیاس کا حجت ہو تا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لہذا جو مسائل اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن
مجید میں ہے۔

سنت کی محبت پر دلائل

جو احکام رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں، ان کی اصل یہ آیات ہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوا (الحشر: ۵۹)

اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن
کاموں سے تم کو منع کریں، ان سے باز رہو۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کر

(النساء: ۸۰) لی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

آپ کہتے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع
کرو، اللہ تم کو اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش

(آل عمران: ۳۱) دے گا۔

آثار صحابہ کی محبت پر دلائل

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور اجراع کی اصل یہ احادیث ہیں:

حضرت عباس بن ساریہ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے، احکام کو سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ تم پر جہنمی غلام مسلط کر دیا جائے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ تم دین میں نئی نئی باتیں نکالنے سے اپنے آپ کو بچلا کیونکہ یہ گمراہی ہے تم میں سے جو شخص اس چیز کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو ڈاڑھوں سے پکڑے۔ امام ترمذی نے کبابہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۲۷۸۵، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۴۲۰۷، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث ۴۲، سنن دارمی ج ۱، رقم الحدیث ۹۵، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث ۵۳۵، طبع جدید، مسند احمد ج ۳، ص ۳۶۳، طبع قدیم، مستدرک ج ۱، ص ۹۶۰) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت ضرور وہ کام کرے گی جو بنو اسرائیل نے کیے تھے بالکل برابر، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ ایسا کریں گے اور بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت تتر فرقوں میں منقسم ہوگی اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس ملت پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۲۷۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۳۳ھ)

حضرت عمر بن الخطاب جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں جو اختلاف ہوگا اس کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اے محمد! آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں۔ بعض اصحاب بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کا نور ہے جب ان کے مواقف میں اختلاف ہو تو جو شخص ان میں سے جس کے موقف پر بھی عمل کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث کو امام رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۵۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی) اس حدیث کے آخری حصہ کو علامہ زبیدی نے امام دارمی اور امام ابن ہدی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(اتحاف السادة السنین ج ۲، ص ۲۲۳، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۱ھ)

اجماع کی محبت پر دلائل

اجماع کی اصل درج ذیل آیت اور احادیث ہیں:

وَمَنْ تَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ سُوِّلَهُ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصِّلَهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۵۵)

جس شخص نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں تمام مسلمانوں کے موقف اور مسلک کی مخالفت پر عذاب کی وعید ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی موقف حجت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کبھی

بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، سو تم جماعت کو لازم رکھو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ المیشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک سند کے رولوی صحیح اور ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۴۱۸)

حضرت مطہریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے، اور یہ امت بیٹھ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قیاس کی محبت پر دلائل

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
الْبُكْتِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ
أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَارِعَتْهُمْ مَبْغُوثُهُمْ
مِنَ اللَّهِ فَأَنَّهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَ
قَدْ كَفَرُوا قُلُوبُهُمُ الرَّعْبُ يُخْرِئُونَ يَوْمَهُمْ
يَأْتِيهِمْ وَأَيُّدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي
الْأَبْصَارِ (الحشر: ۲۴)

وہی ہے جس نے کفار اہل بکت کو ان کے گھروں سے پہلے
بار ہلا وطن کرنے کے وقت نکالا، تمہیں ان کے نکل جانے کا
گمان (بھی) نہ تھا۔ وہ اس گھمڑ میں تھے کہ ان کے مضبوط قلعے
انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے، سو ان کے پاس اللہ کا حکم
آگیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں
میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو دیر ان
کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، سو اسے
آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر
کی طرف لوٹنا، یعنی جو حکم اصل شے کے لیے ثابت ہو گا وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہو گا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو
عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس حکم کے سبب سے کفار اہل بکت پر عذاب نازل ہوا ہے، تم وہ حکم نہ کرنا
ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو گا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میری
بہن فوت ہو گئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا
کرتیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تو اللہ کا حق ادا کیلئے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۳، صحیح مسلم، ص ۱۵۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۱، سنن ابوداؤد، ج ۲،

رقم الحدیث: ۳۳۱۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۵۹، سنن کبریٰ للعلانی، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۷۳)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو
جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر ملنی، پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھتیجی نبی ﷺ
کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہم آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ لو ایگی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۴، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۷۸۸، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۵۵، سنن النسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۷۳۱)
حضرت مطہر بن جبل جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مطہر کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۳۶، ۲۳۷)
عبدالرحمن بن حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر قارئین تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدور کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ نبی ﷺ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابو عبدالرحمن نسائی نے کہا یہ حدیث بہت جید (محدۃ) ہے۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)
اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید میں صرف ان علوم کو بیان کیا گیا ہے جن کی تکفین کو ہدایت اور اثر دینی فوہ و ظلال میں احتیاج ہوتی ہے یا قرآن مجید میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حلو کا ذکر موجود ہے۔ علامہ آلوسی کا عقیدہ مانی اللہ کہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ سچی اور ایک جماعت کا عقیدہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جن کی دین اور دنیا میں ضرورت پڑتی ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے اور یہ ذکر یا متصل ہے یا مجمل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ سے عقل ہے کہ دین کا جو مسئلہ بھی پیش آئے گا اللہ کی کتاب میں اس کے متعلق ہدایت موجود ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کو نے والی پر اور گدوالے والی پر لعنت کرتا ہے اور ہل لوچنے والی پر اور جو خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جھری کر داتی ہیں اور اللہ کی مٹوٹ کو تبدیل کرتی ہیں۔ ہم یعقوب نے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی

ہے اور اس پر کتاب اللہ میں لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا یہ خدا میں نے قرآن مجید کو پڑھا ہے اس میں تو اس لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ خدا اگر تم نے قرآن مجید کو پڑھا ہو تو تم اس لعنت کو پالیتیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور رسوں تم کو جو احکام دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔ (المشترک: ۵۹) (صحیح البخاری ج ۷، رقم الحديث: ۵۹۳۹) صحیح بخاری میں اسی قدر ہے، لیکن علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود جو بیڑی نے اس عورت سے پوچھا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی اس نے کہا پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ امام شافعی نے مکہ میں فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو میں تم کو اللہ کی کتاب سے اس کا جواب دوں گا ان سے سوال کیا گیا جو محرم بجز (تسمیہ) کو مار ڈالے آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا اس کو مار سکتا ہے اور اس پر حضرت ابن مسعود کی طرح استدلال کیا۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا اس قرآن میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے، لیکن ہمارا علم ان چیزوں کو حاصل کرنے سے قاصر ہے جن کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور امام ابو اسحاق نے کتاب العطلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی چیز سے غافل ہو تا تو چوٹی رائی کے دانہ اور پتھر سے غافل ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو گئی تو میں اسے اللہ کی کتاب میں تلاش کر لوں گا (یہ اثر کسی صحیح یا مستبر سند سے منقول نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور علامہ حری نے کہا قرآن مجید میں اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور ان علوم کا حقیقہ احاطہ صرف اللہ تعالیٰ نے کیا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے مسوا ان چیزوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور میں نے بعض علماء سے سنا اور اس کی صحت کا ذمہ ان ہی پر ہے کہ ایک دن محی الدین ابن العربی قدس سرہ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر جا رہے تھے، اچانک شیخ گدھے سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگ شیخ اکبر کو سوار کرانے کے لیے آگے بڑھے، انہوں نے کہا مجھے کچھ سہلت دو۔ انہوں نے کچھ سہلت دی۔ پھر شیخ نے ان کو سوار کرانے کی اجازت دی، لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا میں نے اللہ کی کتاب میں اس حلوے پر غور کیا تو مجھے سورۃ الفاتحہ میں اس کا ذکر مل گیا، اور یہ امر ہماری عقلوں سے باہر ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے سورۃ الفاتحہ سے باوجود ان کے نام نکلے ہیں اور ان کے احوال اور ان کی سلطنت کی مدت وغیرہ مستنبط کی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ ام الکتاب ہے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں اس تخصیص کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید میں ان ہی چیزوں کا بیان کیا گیا ہے جن کی ممکن کو ضرورت ہے، مثلاً دلائل توحید وغیرہ۔

(روح المعانی ج ۷، ص ۱۳۵-۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قرآن مجید میں صرف ہدایت کے مذکور ہونے پر دلائل

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع صرف ہدایت دینا ہے۔ اس لیے اس نے عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کی ہدایت دی ہے، اور اس سلسلہ میں موعظت اور نصیحت کے لیے انبیاء اور صالحین اور کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور جنت اور دوزخ کا بیان کیا ہے اور اخروی فوز و فلاح کی ہدایت کے لیے جو امور ضروری ہیں ان سب کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض علماء اور صوفیاء کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ماسکات و مایکون کا بیان ہے، یعنی ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک ہر ہر جزئی اور شخص واقعہ اور حلوے کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہر چند کہ ان کا

صراحتاً اور تفصیلاً بیان نہیں ہے، لیکن ان امور کا اجمالاً ذکر ہے اور کچھ رموز، اشارات اور کنایات ہیں جن سے ان تمام امور کا استخراج کیا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت

(النحل: ۸۸) ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اگر ہر چیز سے ماسکات و مایکون مراد لیا جائے تو ان کے اپنے قول کے مطابق اس کا بیان رموز اور اشارات سے ہے اور اس کو تبیان اور روشن یا واضح بیان نہیں کہا جاسکتا۔ پس اگر اس سے مراد عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ ہوں تو ان کی ہر چیز کا قرآن مجید میں روشن بیان ہے۔ نیز وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَعْدِيَةً ۖ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَفُصِّلَ كُلُّ شَيْءٍ وَهُدًى وَ
رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (یوسف: ۸)

یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے، لیکن یہ ان کتابوں کی صدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے

ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن اس آیت سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اس میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر مخلوق اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کی تفصیل ہے تو فی الواقع قرآن کریم میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں ہے اور ان علماء کا بھی یہ کہنا ہے کہ ان تمام امور کا قرآن مجید میں اجمالاً ذکر ہے، نہ کہ تفصیلاً۔ اس لیے یہ آیت بھی ان کے مدعا پر دلیل نہیں ہے اور اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ اس میں عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سے ہر چیز کی تفصیل ہے تو یہ معنی برحق ہے، لیکن یہ معنی ہماری ناپسند کرتا ہے نہ کہ ان کی۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند مفسرین کا نظریہ

علامہ ابو الحسن علی بن احمد الواحدی الشیبہری الترمذی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا فَتَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

عطا نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کو جس چیز کی حاجت تھی، ہم نے اس کا بیان کر دیا ہے یا صریح عبارت میں یا دلالت انس سے یا اجمال سے یا تفصیل سے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان

(النحل: ۸۸) ہے۔

یعنی قرآن مجید ہر اس چیز کا روشن بیان ہے جس کی دین میں احتیاج ہے اور سورۃ الانعام کی زیر بحث آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو ماسکات و مایکون پر مشتمل ہے، یعنی ہم نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک کی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے۔

(الویض: ج ۲، ص ۲۶۹، ۲۶۸، مطبوعہ دار الکتب اعلیٰ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

علامہ واحدی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

تبیان القرآن

حضرت عبید بن العاص جرحہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اس سے فرمایا لکھ تو اس نے ابد تک ہونے والی سب چیزوں کو لکھ دیا۔

(سنن الترمذی ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۳۰، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۴۷۰، مسند احمد ج ۵، ص ۳۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا لکھ تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

(المعجم الكبير ج ۳، رقم الحديث: ۳۵۰۰، مسند ابو یعلیٰ ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳، اللسان والصفات للبیہقی، ص ۷۸، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۸۰، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

علامہ ابو الفرج جمل الدین عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کتاب کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی ہم نے ہر چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے تمہاری حاجت کی ہر چیز قرآن مجید میں بیان کر دی ہے یا صراحتاً یا بجملاً یا دلالتاً۔ جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۸۹ میں ہے ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یعنی ہر اس چیز کو بیان کر دیا جس کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (زوال السیر ج ۳، ص ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۲۰۰۷ء)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں: قرآن مجید کی تمام یا اکثر آیتیں مطلقاً، ضمنیہ، اور التزاماً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین اللہ کی معرفت اور اللہ کے احکام کی معرفت کو بیان کیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۴، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۵۴۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے، کیونکہ اس میں تمام حلو و ثوابت کیے گئے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے دین کی کسی چیز کو قرآن مجید میں نہیں چھوڑا، اور دین کی ہر چیز کی اس میں دلالت ہے۔ یا تو بالکل واضح دلالت ہے اور اگر مجمل دلالت ہے تو اس کا بیان رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (المباح لاحکام القرآن ج ۶، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی متوفی ۷۸۵ھ لکھتے ہیں:

کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے، کیونکہ اس میں دنیا کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز لکھی ہوئی ہے اور اس میں کسی جائیداد یا بے جان کی کسی چیز کو ترک نہیں کیا گیا اور یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کی تدوین کی گئی ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ مفصلاً بھی اور بجملاً بھی۔ (السنن مع الکافرین ج ۲، ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالیمان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جو اللہ کی معرفت کی دعوت دیتی ہو، اور اس کے احکام کی طرف بلاتی ہو۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام احکام شریعہ پر مشتمل ہے۔

(المحرر المیط ج ۴، ص ۵۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزی حنبلی متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس چیز کو نہیں چھوڑا جس کے ذکر کی احتیاج ہے۔

(بدائع التفسیر، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار ابن الجوزی، ریاض، ۱۴۱۳ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد حسین قمی نیشاپوری حنفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کے ذکر کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کتب حسب حسب دیگر علوم اور لوگوں کے مذاہب کی تفصیلات تو نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تفریط نہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کی احتیاج ہو اس کو نہ چھوڑا جائے اور احتیاج اصول اور قوانین کی ہوتی ہے۔ لہذا قرآن مجید میں مذکور ہیں اور علم الفروع کی تفصیل کے متعلق علامہ نے کہا ہے کہ وہ سنت اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان علی حاشی جامع البیان، ج ۲، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی حنفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب اپنی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء کے اعتبار سے ان تمام امور پر مشتمل ہے جن کی طرف ہم اپنی صلات میں متوجہ ہیں۔

(مدارک التذلل علی حاشی الحازن، ج ۲، ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور)

علامہ ابو سعود محمد بن محمد ملکی حنفی حنفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہم اشیاء کے بیان میں سے قرآن کریم میں کسی شے کو ترک نہیں کیا اور ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کی مصلحتوں کی رعایت فرماتا ہے۔

(تفسیر ابو سعود علی حاشی التفسیر الکبیر، ج ۳، ص ۱۶۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۹۸ھ)

قاضی غلام اللہ پانی پتی حنفی حنفی ۸۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کو مفصلاً بجملاً مدون کیا گیا ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (التفسیر المصطفوی، ج ۳، ص ۲۲۲، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، ۱۴۰۴ھ)

سید محمد رشید رضا اپنے استاذ الشیخ محمد عابد کی تقریر لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے قرآن مجید مراد لیا جائے تو اس آیت کے عموم سے مراد دین کے موضوع کا عموم ہوگا جس دین کو دے کر رسولوں کو بھیجا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے کتابوں کو نازل کیا جاتا ہے اور وہ ہدایت ہے کیونکہ ہر چیز کا عموم اس کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کسی قسم کو ترک نہیں کیا جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا جاتا ہے اور ہم نے ان کو اس کتاب میں بیان کر دیا ہے اور وہ دین کے اصول، قواعد اور احکام ہیں اور ان میں انسان کی قوت بدنی اور قوت عقلی کی یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے وہ ان سے کس طرح استفادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی سنتوں کی رعایت کر کے کس طرح سے انفرادی اور اجتماعی کمال حاصل کرے اور قرآن مجید نے صریح عبارات اور اشارات سے اس کے حصول کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم ہیں اور تمام ماسکات و مابکون کا ذکر ہے اور یہ کہ ایک دن شیخ محی الدین ابن العربی اپنے دراز گوش سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو انہوں نے لوگوں کو اس وقت تک یہ

اجازت نہیں دی کہ ان کو اٹھائیں جب تک کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ سے اپنے گدھے سے گرنے اور ٹانگ ٹوٹنے کے علاوہ کا استخراج نہیں کر لیا۔ یہ دعویٰ ایسا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے اس کا قول نہیں کیا اور نہ فقہاء تابعین اور علماء سلف صالحین میں سے کسی کا یہ قول ہے اور نہ ہی لوگوں میں سے کوئی شخص اس قول کو قبول کرے گا سوائے لوگوں کے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے وہ سب حق ہے۔ خواہ اس کو عقل قبول کرے نہ اس کی نقل تائید کرے اور نہ اس پر لغت دلائل کرے۔ اس کے برعکس ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ عبارات ضروریہ کے تمام احکام فرعیہ پر قرآن مجید مشتمل نہیں ہے نہ صریح عبارات سے نہ دلائل انصاف سے نہ اشارۃ انصاف سے بلکہ قرآن نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اجماع کرنا واجب ہے۔ لہذا ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت ہے اس پر بھی قرآن دلائل کرتا ہے۔ نیز قرآن مجید نے قیاس صحیح کے قواعد کو ثابت کیا ہے اور دیگر قواعد کو بھی ثابت کیا ہے۔ لہذا قیاس کی فروع اور جزئیات پر بھی قرآن مشتمل ہے اور دین کی کوئی چیز ان سے خارج نہیں ہے۔ (السنار، جزء ۷، ص ۳۵۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید شریعت کا کلیہ ہے اور اس میں امور کلیات جمع کیے گئے ہیں کیونکہ ان کے نزول کے مکمل ہونے سے شریعت تامہ ہو گئی۔ لہذا جب ہم شریعت کے کلیات کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید ان تمام کو شامل ہے۔ (تفسیر القاسمی، ج ۱، ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ احمد مصطفیٰ الراغبی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کوئی قسم نہیں چھوڑی جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے اور اس میں دین کے اصول احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ انسان اپنی بدی اور عقلی قوتوں کو کس طرح استعمال کرے۔

(تفسیر الراغبی، جزء ۷، ص ۱۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ڈاکٹر وجہ زحلی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل شریعت پر دلائل کرتا ہے اور اسلام کے مہلوی اور تمام احکام کے اصول اور دین کے اخلاقی و ضوابط پر محیط ہے۔

(تفسیر المنیر، جزء ۷، ص ۱۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ محی الدین شیخ زاہد حنفی ۱۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم میں علم طب اور علم حساب کی تفصیل کا ذکر تو نہیں ہے نہ دیگر علوم اور ان کے مباحث کا ذکر ہے اور نہ ائمہ کے مذاہب کا ذکر ہے اور نہ ان کے فن دلائل کا ذکر ہے جو علم الاصول اور علم الفروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں چھوڑا اس سے مراد یہ ہے کہ مکلفین کو اپنے دین کی قسم میں جن امور کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے ان کو نہیں چھوڑا۔ اور جن امور کی حاجت نہیں ہے ان کی تفصیل نہیں کی اور علم الاصول، جملہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں دلائل اسیلہ پوری تفصیل سے موجود ہیں اور ائمہ مذاہب کی تفصیل اور ان کے اقوال کے ذکر کی اس میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ باقی رہی علم الفروع کی تفصیل تو علماء نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اس پر دلائل کرتا ہے کہ اجماع، خبر واحد اور قیاس شریعت

میں حجت ہیں اور جو مسئلہ بھی ان تین ذرائع میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گا وہ درحقیقت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو روکیں ان سے باز رہو (الحشر: ۵۹) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے 'تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے' یعنی گودنے والی پر اور گدوانے والی پر اور بل جوڑنے والی پر اور بل جڑوانے والی پر۔

روایت ہے کہ ایک عورت نے پورے قرآن کو پڑھا پھر وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے گزشتہ رات پورے قرآن کو پڑھا اور مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی کہ گودنے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم واقعی غلویت کرتی تو تم کو وہ آیت مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے منع کریں ان سے باز رہو اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں ان میں یہ حکم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرماتا ہے اور روایت ہے کہ ایک دن امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے آکر پوچھا اگر محرم بجز (حتیہ) کو مار دے تو کیا اس پر تلواں ہے؟ امام شافعی نے فرمایا اس پر کوئی تلواں نہیں ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ قبول کرو پھر سند کے ساتھ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا۔ پھر سند کے ساتھ ذکر کیا کہ جس محرم نے بجز کو قتل کیا تھا اس کے متعلق حضرت عمر نے یہی فرمایا تھا تو امام شافعی نے تین درجات کے ساتھ اس حکم کو قرآن مجید سے مستنبط کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع حجت ہے اور خبر واحد حجت ہے اور قیاس حجت ہے لہذا ہر وہ حکم جو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گا وہ درحقیقت قرآن مجید سے ثابت ہو گا اور اس تقریر کے مطابق اس آیت کا یہ معنی صحیح ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کو نہیں چھوڑا کیونکہ اس کتاب کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے اور وہ تمام عقائد اور احکام قرآن مجید میں یا صریح عبارت کے ساتھ موجود ہیں یا دلالت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ دلالت اجماع، خبر واحد یا قیاس میں سے کسی ایک سے حاصل ہوگی۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر ایضادی ج ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
ہم نے یہ واضح کرنے کے لیے بہ کثرت دلائل اور حوالہ جات پیش کیے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ بات بہت مشہور ہو گئی ہے کہ قرآن مجید میں ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دغوں جنت اور دخول نار تک تمام کوائف اور حوادث اور تمام مخلوقات کے تمام احوال بیان کیے گئے ہیں اور جیسا کہ قارئین پر واضح ہو چکا ہے یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ ہرے اور گوندے ہیں۔ اندھیروں میں (بھٹکے ہوئے) ہیں اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے۔ (الانعام: ۳۹)
اللہ تعالیٰ کے گمراہی اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ۔

جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا ان کی جماعت اور ان کی کج فہمی کی وجہ سے ان کی مثل ہرے شخص کی طرح ہے جو ستانہ ہو اور گوندے شخص کی طرح ہے جو

بولتا ہو۔ وہ حق کی طرف دعوت و ارشاد کو قبول کرنے کے لیے سننے اور حق کو پہچاننے کے بلجود اس کا اقرار نہیں کرتے اور وہ شرک، بت پرستی اور رسوم جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور جماعت، آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور ہٹ دھرمی اور کٹ جتنی کے اندھیروں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ سو جو شخص سرور اور کوٹکا ہو اور اندھیروں میں بھٹک رہا ہو، وہ کیسے صحیح راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے یا ان تاریکیوں کے جل سے کس طرح نکل سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے، تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے، ہدایت پیدا فرماتا ہے اور جس میں چاہتا ہے، گمراہی پیدا فرماتا ہے۔ جو شخص اللہ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان میں غور و فکر کرنے سے تکبر کرتا ہے اس شخص میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جو انسان اپنی سماعت، بصارت اور عقل سے صحیح کام لے کر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اس کی قدرت اور اس کی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جس چیز کا سبب اور اور وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے تو گمراہ کی خدمت کس لیے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ پیدا کرتا ہے تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے ایہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے، یا تم پر قیامت آجائے کیا (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو؟ (الانعام: ۴۰)

مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا ہے کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی بناء میں آتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے چنانچہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین سے کہئے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا، یا ان پر سخت آندھیاں آتی یا بجلی کی کڑک آتی یا طوفان آتا اگر تم پر ایسا ہی عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے جو تم سے ان مصائب کو دور کرے گا یا تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے جوں کو پکارو گے جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دیں گے۔ بتاؤ اگر تم ان جوں کی عبادت میں سچے ہو؟ تو پھر اللہ تعالیٰ از خود اس سوال کا جواب دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ چاہے گا تو وہ اس بجلی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھوں جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔ (الانعام: ۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سختی، مصیبت اور سختی میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو، تاکہ تمہاری مصیبتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہے تو تم سے وہ تکلیف دور کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں تم اپنے جوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ کے سوا تم کو کوئی یاد نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
تَذْعُوهُ نَصْرًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنُحَا مِنْ هُدًى
لَّكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ
مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُنْجُونَ ۝

(الانعام: ۴۳-۴۴)

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ لَمَّا دَعَا إِلَهُ
مُغْلِبِينَ لَهُ الْإِثْنَيْنِ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِ إِذَا
هُمْ بِشِيرَ كُؤُونَ ۝ (العنكبوت: ۲۵)

آپ کہنے کہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے تمہیں کون
نجات دیتا ہے؟ جسے تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ
ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر کرنے والوں میں
سے ہو جائیں گے؟ آپ کہنے اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف
سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر تم شرک کرتے ہو۔

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں
اور آگاہیکہ وہ اعلا میں سے اس کی عبادت کرنے والے ہوتے
ہیں اور جب وہ ان کو خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو
ایک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ
خدا کے واحد کی پرستش کرے اور اسی کو پکارے۔ اس لیے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس کی امید کی
نظریں اس کے سوا اور کسی کی طرف نہیں اٹھتی۔

يُطْرَقُ اللَّهُ إِلَيْنِي فَطَرْتُ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا
تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ (الروم: ۳۰)

اللہ کی پائی ہوئی سرشت کو اپنے اوپر لازم کر لو جس پر اس
نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی سرشت میں کوئی
تبدیل نہیں ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا

وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذَا جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا

کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ۝ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ

وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَفُتِنُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

گڑگڑا کر دعا کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا ۝

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ

إِذَا فَرَّحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝

جب وہ ان چیزوں پر اترنے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناپید ہو کر رہ گئے ۝

فَقُطِعَ دَايِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٥﴾

پس نعلوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام قرینیں استہجی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَابْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ

آپ کیسے یہ بتاؤ اگر انتہا سے کان اور تہاری آنکھیں سے جاسنے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو

مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تباہی سے پاس سے آئے ، دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں

هُمُ يَصْدِفُونَ ﴿٣٦﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً

میر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں ○ آپ جسے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس احباب ماکمل کھلا، اللہ کا عذاب آئے

أَوْجَهَرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ

تو ظلم ہوگا، جس کے سوا اور کوئی ملک نہیں بنامو گئے۔

الْأَمِيشِيِّنَ وَمُنْذَرِيْنَ فَمَنْ أَمِنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَأَمَّا بَعْدُ فَيَسْأَلُهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ يَوْمَ هُمْ كَاثِرُونَ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سُمْهُمُ الْعَذَابِ

[illegible]

مَا كَانُ الْقُسْفُفُنَ ۖ قُلْ لَا أَقُولُ لَكَ عَنِ اللَّهِ ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۵۔ نالرمائی کرتے تھے ۰ آپ جیسے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَا أَعْلَمُ الْعَيْبَ وَلَا أَتَوَلَّى لَكُمْ إِيَّيْكُمْ إِنَّ ابْنِي ابْنِي ابْنِي

اور وہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا

يُوحَىٰ إِلَىٰٓ أَن هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿١٠٠﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں۔ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ گڑگڑا کر دعا کی، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔ (الانعام: ۴۲-۴۳)

مصیبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا حال بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اس آیت میں ان سے زیادہ سخت دل کافروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ الباساء کا معنی ہے شدت، عذاب، قوت اور شدت فخر اور اس کا اطلاق جنگ اور مشقت پر بھی کیا جاتا ہے اور الباساء جنگ کی شدت کو بھی کہتے ہیں اور الضراء، ضرر سے بڑا ہے، ضرر نفع کی ضد ہے، یعنی نقصان اور مرض کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں الباساء سے مراد ہے فخر کی تنگی اور الضراء سے مراد ہے بیماری کی سختی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی جہرت کے لیے سابقہ امتوں کی مثل دی اور یہ بتایا کہ اپنے بندوں کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے تاکہ وہ گمراہی اور کفر سے ہدایت اور ایمان کی طرف رجوع کریں۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔ سو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ہم نے ان کو فخر اور معاش کی تنگی میں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں کیونکہ سختیاں جھیلنے سے انسان کندن بن جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اس لیے بتایا ہے کہ وہ بھی پچھلی امتوں کے کافروں کی طرح عذاب الہی کے خطر تھے اور نبیؐ کی مخالفت کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو مکرر فرمایا کہ جب ان کافروں پر فخر اور مرض کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کیوں نہیں کی، ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہوئی نہ خوف پیدا ہوا اور انہوں نے جہرت حاصل نہیں کی۔ سو ان کے دل پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور یہ لوگ جو نبیوں سے ملنا رکھتے تھے، شرک کرتے تھے اور فسق و فجور میں ڈوبے رہتے تھے، شیطان نے ان کے ان کاموں کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا اور ان کے دلوں میں یہ دوسرہ ڈالا کہ اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ڈنٹے رہو کیونکہ یہی حق و صواب ہے۔ پھر جب انہوں نے اس سبب کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس سے وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ چنانچہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ پس ظالموں کی جزا کاٹ دی گئی اور تمام تعزیریں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الانعام: ۳۴-۳۵)

گناہوں کے باوجود نعمتوں کا ملنا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے

اس آیت میں ان کے نصیحت کے بھولنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا، علائکہ بھولنے سے احتراز تو ان کے اختیار میں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھولنے سے مراد ترک کرنا ہے، یعنی جب انہوں نے اس نصیحت کے تقاضوں پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے جس دین کی طرف ان کو اللہ اور اس کے رسولوں نے دعوت دی تھی، اس کو انہوں نے ترک کر دیا، بلکہ اس کا انکار کیا اور اس کو رد کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی معاش کی تنگی کو رزق کی وسعت سے بدل دیا اور بیماریوں کو صحت اور سلامتی کے ساتھ بدل دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر ہرجز کے دروازے کھول دیئے مگر یہ معلوم ہے کہ ان پر رحمت اور توبہ کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ ان کے علاوہ نیکی اور صلاح اور فلاح کے دروازے بھی بہت زیادہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے رزق کی وسعت خوشحالی اور جسمانی صحت و سلامتی کے جو دروازے ان پر بند کر دیئے تھے بطور استدراج اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہم نے وہ بند دروازے ان پر کھول دیئے۔ اس کی نظیر اس آیت میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ نَبِيًّا إِلَّا أَخَذْنَا
أَهْلَهَا بِالنَّاسِ وَالْقُرَّاءِ كَعَلَّمَهُمْ
يَقْرَءُونَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ
الْحَسَنَةَ حَتَّى عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَثَرَتْ أَبْنَاؤُنَا
الْقُرَّاءُ وَالْقُرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ۝ (الاعراف: ۵۵-۵۴)

ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی

والوں کو (نبی کی مکتب کی وجہ سے) ہم نے تنگی اور تکلیف

میں گرفتار کر لیا تاکہ وہ گڑبگڑا کر دعا کریں پھر ہم نے بد حالی کو

خوشحالی سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ (مال اور اولاد میں) بہت زیادہ

ہو گئے اور کہنے لگے ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف اور

راحت پہنچتی رہی ہے پھر ہم نے اچانک ان کو اپنی گرفت میں

لے لیا اور انہیں ان کو شعور نہ تھا۔

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝

(الاعراف: ۵۳) - بہت مضبوط ہے۔

محمد بن نصر عارثی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستی والوں کو بیس سال ملت دی تھی۔ ابن جریر نے کہا کہ وہ خوشحالی

میں مغرور تھے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا۔ ابن زید نے کہا مجلس وہ شخص ہے جس پر ایسی مصیبت آجائے جس کا تدارک نہ ہو

سکے۔ یا اس پر ایسا عذاب آئے جس سے بچو نہ کیا جاسکے۔ (جامع البیان: ۷/۷۷ ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے

بلو جو ان کے سوالوں کے مطابق عطا فرما رہا ہے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استدراج اور ڈھیل ہے پھر آپ

نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہرجز کے دروازے کھول دیئے

(الآیہ) (مسند احمد: ج ۶ رقم الحديث: ۱۷۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت طبع جدید ۱۳۸۳ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں حسن نے کہا جس شخص پر بھی اللہ نے دنیا و سبع کر دی ہے 'نور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل

دی گئی ہے تو اس شخص کا عمل ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہو گی اور جس شخص سے اللہ نے دنیا کی وسعت روک لی ہو اور اس

نے اس تنگی میں خیر کا گمان نہ کیا ہو تو اس شخص کا عمل بھی ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہو گی اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جب تم فکر کو اپنی طرف آنا دیکھو تو نیک لوگوں کی طرح مر جاؤ اور جب تم غنا کو

اپنی طرف آنا دیکھو تو کمویہ آزمائش ہے جس میں مجھے جلا کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن: ج ۶ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں نے اپنے رب کے خلاف سرکشی کی تھی اس کے رسولوں کی مکتب کی تھی اور ان کے احکام کی مخالفت کی

تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اچانک بالکل ہلاک کر دیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر نیست و نابود کر دیا۔ اس لیے فرمایا پس ظالموں کی جز

کٹ دی گئی اور فرمایا تمام تعزیریں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، یعنی کمال شہداء اور کمال شکر اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس نے اپنے رسولوں پر اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر انعام فرمایا اور ان کو اپنے مخالف کافروں کے خلاف دلائل اور براہین سے غلبہ عطا فرمایا اور کافروں کو ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جس عذاب کی وعید سنائی تھی، وہ عذاب ان پر نازل کر دیا اور اپنی وعید کو سچا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے کھن اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مر لگادے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے، دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں۔ (الانعام: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ خالقیت پر استدلال کرنا مقصود ہے، کیونکہ انسان کے اشرف الاعضاء کان آنکھیں اور دل ہیں۔ کان قوت سمعہ کا عمل ہیں، آنکھیں قوت باصرہ کا عمل ہیں اور دل حیات، عقل اور علم کا عمل ہے۔ اگر ان اعضاء سے یہ صفات زائل ہو جائیں تو انسان کے حواس اور اس کی کارکردگی کا نظام قسب ہو جائے گا اور وہ دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہو جائے گا اور یہ ہدایت معلوم ہے کہ جس ذات نے ان قوتوں کو پیدا کیا اور ان کو زائل ہونے سے محفوظ رکھا ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان عظیم الشان اور علی قدر نعمتوں کا دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے تو پھر یہ کہنا واجب ہے کہ تعظیم، شہاد اور عبادت کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جنوں کی عبادت کرنا باطل اور فاسد طریقہ ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر وہ تمہارے دلوں پر مر لگادے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کافروں کے دلوں پر مر لگادے جس سے وہ ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو بالکل زائل کر دے اور وہ پاگلوں اور مجنونوں کی طرح ہو جائیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو مردہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، یعنی ہمیں بھی اپنی نعمتیں یاد دلا کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں اور بھی انہیں پچھلی امتوں کا عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں اور بھی اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو تمہارے اشرف الاعضاء کو معطل اور بے کار کر دیں، تاکہ تم ایمان لے آؤ اور بھی اپنی الوہیت، قدرت اور توحید پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ تم ان دلائل سے متاثر ہو کر ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے۔ (الانعام: ۴۷)

کافروں کے عمومی عذاب میں آیا مومن بھی مبتلا ہوں گے یا نہیں؟

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے صرف اشرف الاعضاء کو زائل کرنے کی وعید سنائی تھی اور اس آیت میں عمومی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب خواہ کسی قسم کا ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس عذاب کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح خواہ کسی قسم کی خیر ہو، اللہ عز و جل کے سوا اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اس آیت میں عذاب کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اچانک اور کھلم کھلا، کیونکہ یا تو عذاب کی پہلے علامتیں نمودار ہوں گی یا پیشگی علامتوں کے بغیر عذاب آئے گا۔ ثانی الذکر اچانک عذاب ہے اور اول الذکر کھلم کھلا عذاب ہے۔ ثانی الذکر کا اچانک ہونا ظاہر ہے اور اول الذکر کو کھلم

کھلا اس لیے فرمایا کہ اس عذاب کی علامتیں پہلے نمودار ہو چکی تھیں 'حتیٰ کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے تو وہ کفر اور سرکشی سے توبہ کر کے بچ سکتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر یہ عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیا جائے گا؟ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب عمومی عذاب آئے گا تو پھر نیک اور بد کی تمیز نہیں رہے گی اور کافروں کے ساتھ مومن بھی ہلاک ہو جائیں گے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ ظاہر مومن اور کافروں ہلاک ہوں گے لیکن حقیقت میں ہلاکت صرف کفار کے لیے ہوگی اور مومنوں کے لیے یہ ضرر عظیم ثواب اور بلند درجات کا سبب ہوگا 'اس لیے ان کے حق میں یہ ہلاکت نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منت جاریہ 'یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقہ کے کافروں پر عمومی عذاب نازل فرماتا ہے تو ایمان والوں کو وہاں سے نکل دیتا ہے 'جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں پر جب عذاب نازل فرمایا تو ایمان والوں کو وہاں سے نکل لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ ٹھکین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہو گا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الانعام: ۳۸-۳۹)

انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام

اس آیت کا معنی ہے کہ ہم رسولوں کو صرف ترغیب اور ترہیب کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ دنیا میں رزق کی وسعت اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکور ذیل آیتوں میں ترغیب اور ترہیب دونوں کی مثالیں ہیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○
أَمَّا مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ إِنَّ يَأْتِيهِمُ بَأْسٌ بَآبَاتٌ مِّنَ هُمْ يَأْتِيهِمُونَ (الاعراف: ۹۶-۹۷)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے 'لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا ○ کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ راتوں رات ان پر عذاب آ جائے اور انہیں وہ سوزے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔ اس لیے نہیں بھیجا کہ کفار ان سے من مانے اور فرضی معجزات طلب کریں۔ انبیاء علیہم السلام صرف ان ہی معجزات کو پیش کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور کسی انسان کی قیاس اور اطمینان کے لیے جس قدر معجزات کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمادیتا ہے اور جو شخص ان معجزات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنا ہے اور نیک عمل کرتا ہے وہ آخرت میں عذاب سے بے خوف ہو گا اور جن لوگوں نے ان معجزات کے بلوجود انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ان کو آخرت میں عذاب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں 'میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا میرے کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

نبی ﷺ سے قدرت، علم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت کے منکروں سے کہنے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں جس کی ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں از خود ایسے غیب کو جانتا ہوں جن غیبات کو اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ تم میرے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرو کیونکہ خدا وحی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت میں کائنات کی ہر چیز ہو اور جس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہ ہو یعنی جس کا علم اور اس کی قدرت کامل ہو خدا وحی ہو سکتا ہے اور نہ میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں کیونکہ میں تم کو دکھائی دیتا ہوں اور فرشتہ عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام سنایا ہے یہ دعویٰ ہے جس کی میری طرف وحی کی گئی تھی۔ میں صرف وحی الہی کی پیروی کرتا ہوں میں نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے اس پر میں نے اللہ کی طرف سے قوی اور مستحکم دلیلیں پیش کی ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے اور نہ عقل کے خلاف ہے۔ اے عجمی مجھ پر آپ کہنے کیا وہ لوگ جو حق کو اور دلائل کو دیکھنے سے اندھے ہیں وہ اور وہ لوگ جو دلائل کو دیکھ کر حق کا اعتراف کر لیتے ہیں وہ تو براہ راست ہو سکتے ہیں کیا تم لوگ میرے دعویٰ کی سچائی اور اپنی تکذیب کے فسار پر غور نہیں کرتے؟

اہم فخر الدین محمد بن خیاں الدین عمر رازی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے تین جملے دراصل مشرکین کے تین سوالوں کے جواب ہیں:

۱۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ اللہ سے ہمارے لیے دنیا کے منافع اور اچھائیاں طلب کریں اور یہ کہ اللہ ہمارے لیے سعادتوں کے دروازے کھول دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر ای کے ہاتھ میں ہے میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (خزانہ کا معنی ہے ایسی حفاظت کی جگہ جہاں لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں)

۲۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ درحقیقت رسول ہیں تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ مستقبل میں کیا فائدے ہوں گے اور کیا نقصانات ہوں گے؟ تاکہ ہم فوائد حاصل کرنے کی تیاری کریں اور نقصانات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں (از خود) غیب کو نہیں جانتا تو تم مجھ سے ان امور کا کیسے مطالبہ کرتے ہو؟

۳۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے اور شادی کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں۔

نبی ﷺ سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ان تین امور کی نفی کرائی۔ اس نفی کرانے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے اللہ کے سامنے تواضع اور خضوع کا اظہار کریں تاکہ لوگ آپ کے متعلق وہ اعتقاد نہ کر لیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا گیا تھا۔

(ب) کفار مکہ آپ سے بہت زبردست معجزوں کے اظہار کا مطالبہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں دے سکتے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ اس

کے درمیان سے کوئی دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرادیں یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتب نازل کریں جسے ہم پڑھیں۔ آپ کئے میرا رب سبحان ہے۔ میں تو صرف بشر رسول ہوں (بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)۔ یعنی صرف رسالت اور نبوت کا دعویٰ دار ہوں اور جن امور کو تم طلب کر رہے ہو ان کو اللہ کی قدرت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ سو اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ جن معجزات کا تم مطالبہ کر رہے ہو ان کو حاصل کرنے کے لیے میرے پاس مستقل قدرت نہیں ہے۔

(ج) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس ایسی قدرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور نہ میں غیب جانتا ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ کے علم سے متصف ہوں اور ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا مدعی نہیں ہوں۔

(تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۴۸-۴۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ، طبع قدیم)

قاضی بیخاوی متوفی ۷۸۵ھ لکھتے ہیں:

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے مقدرات اور اس کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ جس غیب کی میری طرف وحی نہ کی جائے یا جس غیب پر دلیل (عقلی یا سمعی) قائم نہ ہو اس کو میں نہیں جانتا، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتوں کی جنس سے ہوں یا جن کاہنوں پر فرشتے قادر ہیں ان پر میں قادر ہوں۔ نبی کریم نے خدا ہونے اور فرشتہ ہونے کے دعویٰ سے براہت کا اظہار کیا اور نبوت کا دعویٰ کیا جو بشر کے کمالات سے ہے۔

(الانوار التنزیل مع انکار دونی، ج ۲، ص ۳۱۱-۳۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

مولانا شیخ الاسلام کا خیال یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ عزوجل کے افعال سے متعلق علم غیب کو جانتا ہوں، حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت واقع ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم مجھے خلاف علت افعال کا حکم کرو، مثلاً آسمان پر چڑھنے کا اس سے یہ وہم نہ ہو کہ فرشتہ نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ شیر، بھیڑیا، سانپ اور پرندے ایسے کام کر لیتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان سے افضل ہوں۔ (روح المعانی، ج ۷، ص ۵۵۵-۵۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء دیوبند کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل

اس آیت کو علماء دیوبند نے بھی اس پر محمول کیا ہے کہ نبی کریم سے مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ مستقل اور بالذات علم کی نفی کی گئی ہے یا آپ سے تمام معلومات الہیہ کی نفی کی گئی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں تمام فیوض کو (جو کہ معلومات الہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی بطور غلط اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟) بیان القرآن، ج ۸، ص ۷۸، مطبوعہ تاج کتبپن لینڈ، کراچی)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ تمام مقدرات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھائے یا تمام معلومات غیبیہ و شلوہیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پر چھوہ فوراً بتا دیا کرے۔

(تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود الحسن، ص ۱۷۷)

منفی محمد شلیح ریوینڈی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کے تحت غلامہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں (جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے)

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۲۳، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی ۱۳)

نہی نبی کے لیے علم غیب کا ثبوت

مفسرین کرام نے اس آیت میں علم غیب کی نفی کو مطلقاً علم غیب کی نفی پر محمول نہیں کیا بلکہ اس علم غیب کی نفی پر محمول کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو خصوصاً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو عموماً علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات حسب ذیل ہیں:

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف

(آل عمران: ۴۴) وحی فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے علم کا ایک ذریعہ وحی ہے، سوجب نبی ﷺ کی طرف غیب کی وحی کی گئی تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا۔ چونکہ شرح عقائد میں لکھا ہوا ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ جو اس سلسلہ 'خبر صادق' اور عقل (شرح عقائد، ص ۱۰) اور جب نبی ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئیں تو آپ کو غیب کا علم حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَكْفُرْ مِنَ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِمْ إِلَيْكَ

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن خبروں کی ہم آپ کی طرف

(ہود: ۴۹) وحی فرماتے ہیں۔

عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَمَا كُنَّا اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ

اللَّهُ يَخْتِصُّ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ

(آل عمران: ۱۷۹) اللہ کے رسول ہیں۔

عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا

(اللہ) غیب کا جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب کا کسی پر اظہار

نہیں فرماتا، سوائے ان کے جن کو اس نے پسند فرمایا، جو اس کے

(الحج: ۲۵۴)

رسول ہیں۔

بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف صراحتاً علم غیب کی نسبت نہیں کی، بلکہ اظہار غیب اور اطلاع علی الغیب کی نسبت کی ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام پر غیب ظاہر کیا گیا، یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے علم غیب کی بلا استثناء نفی فرمائی ہے، اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب دیا گیا، یعنی عبارت میں کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے معلوم ہو کہ اس علم سے

مراد عطائی ہے ذاتی نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشف پر میر سید شریف رحمت اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (المفردات ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

امام احمد رضا قادری کی اس عبارت سے نہ کور لکھتے ہیں کی تائید ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس معاملہ میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا تھا بلکہ تمام فرشتوں اور اولین و آخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے ان سب سے زیادہ حضور ﷺ کو علم عطا فرمایا گیا ہے۔ یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہاں اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کی بے شمار تصریحات کے مطابق تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علم محیط صرف حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق و رازق قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کے علم محیط میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

(معارف القرآن ج ۳ ص ۲۶۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۱۳ھ)

نہی ﷺ پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز

ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نزدیک آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محمد عزوجل کتنا جائز نہیں ہے ملائکہ آپ عزوجل جلیل ہیں۔ اسی طرح محمد جبرک و تعالیٰ کتنا جائز نہیں ہے ملائکہ آپ باہرکت اور بلند ہیں کیونکہ عرف اور شرع میں عزوجل اور جبرک و تعالیٰ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامین والحق ص ۲۰۳ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

مولانا سردار احمد متوفی ۱۳۸۲ھ لکھتے ہیں:

لفظ عالم الغیب کا اطلاق ہم بھی عرفاً غیر خدا عزوجل پر نہیں کرتے۔ (مناظرہ بریلی ص ۱۶۶ مطبوعہ المکتبہ الخلدیہ لاہور)

ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں علماء اہل سنت اور خصوصاً علماء دیوبند کی بکثرت عبارات پیش کی ہیں۔ جن میں مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی ہے۔

نہی ﷺ کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

۱۔ بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں ہوسکتا خود ضروریات دین سے ہے اور مگر کافر۔

۲۔ بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا مسلولی تو درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ

مقرنین سب کے علوم مل کر علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑوں حصہ کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں مٹتی ہیں اور مٹتی کو مٹتی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الہیہ کے غیر مٹتی در غیر مٹتی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش و شرق و غرب و جملہ کائنات از روزاں تا روز آخر کو محیط ہو جائیں۔ آخر مٹتی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں شرق و غرب دو حدیں ہیں روزاں و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے سب مٹتی ہے بالفضل غیر مٹتی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا تو جملہ علوم خلق کو علم الہی سے اصلاً نسبت ہوتی ہی مکمل قطع ہے نہ کہ معلول اللہ تو ہم مساوات۔

۳۔ یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر وافر فیوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نہت ہی کا منکر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے فیوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔

(خاص الاعتقاد ص ۳۸-۳۹ مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی ۱۳۲۸ھ)

کیا نبی ﷺ کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے؟

اس آیت کے آخر میں ہے (آپ کہئے کہ) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے آپ کہئے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے تھے اور آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے تمام احکام وحی سے صادر ہوتے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَا يَسْطِطِعُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ يَشَاءُ يُخَوِّدْكُمْ أَوْ يُصِصْكُمْ ۚ وَتِلْكَ أَمَارَاتُ النَّبِيِّينَ ۚ (الحج ۳۳)

اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ان کا کلام کرنا بیوقوفی ہے۔ صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور جب نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تو امت کے لیے بھی اجتہاد جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ صرف وحی الہی کی اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں؟ کیونکہ بغیر وحی کے عمل کرنا اندھے کے عمل کے قائم مقام ہے اور وحی کے مطابق عمل کرنا دیکھنے والے کے عمل کے قائم مقام ہے۔ پھر فرمایا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اس سے صاحب عقل کو متنب کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دونوں امور کا فرق سمجھے اور غافل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد پر دلائل

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے۔ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور نصوص پر قیاس کرنا بھی جائز ہے۔ سورہ انبیاء ۷۹-۸۰ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اجتہاد کا ذکر ہے اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر پائی پھر وہ فوت ہو گئی اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بڑا اگر تمہاری بہن پر قرض ہو تا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں آپ نے

فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو اور اوائلی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۴، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۱۹۹، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۵۵، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱) اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد اور قیاس کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَاعِبَسْرُوْا۟ اِنَّا۟ وَلٰی الۡاَبْصَارِ (الحشر: ۴۰) اے صاحبان بصیرت! اعتبار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا اور یہی معنی قیاس میں بھی مستحق ہوتا ہے، کیونکہ قیاس میں اصل کے حکم کو فرع کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بخاری متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے قیاس کی حیثیت پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ایک حل سے دوسرے حل کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دو چیزوں میں مشارکت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی قیاس ہے۔ (النوار التتمیل علی حاشی علیہ القاضی ج ۸، ص ۱۷۱-۱۷۲، مطبوعہ دار صلور، بیروت) علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ہمیں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، پس طور کہ اس شے پر اس کی نظیر کا حکم عائد کیا جائے اور یہ اعتبار نصیحت حاصل کرنے، قیاس شرعی اور قیاس لغوی کو شامل ہے اور یہ آیت نصیحت حاصل کرنے پر عبارت "اور قیاس پر اشارۃ" دلالت کرتی ہے۔ (علیہ القاضی ج ۸، ص ۱۷۲، مطبوعہ دار صلور، بیروت) صحابہ کرام کے اجتہاد پر ولایت

بکثرت احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک سردار تھے جس نے انہوں نے اجتہاد کر کے غسل کی بجائے تیمم کر لیا، نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری کتاب التیمم باب ۷)

اور امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعید کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۹۲، سند احمد ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے حکم کرے اور صحیح حکم دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ حکم میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۱، صحیح البخاری ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۵۴، صحیح مسلم القاضی ج ۱۵، ص ۱۷۱-۱۷۲، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۷۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۳، سنن کبریٰ طبرانی ج ۳، رقم الحدیث: ۵۹۸۸)

جلد سوم

آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اجتہاد کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس آیت میں ہے ”میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے“ اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا، میں اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے جو احکام دیئے ان کی تائید اللہ کی وحی سے ہو گئی، کیونکہ جب آپ احکام دے رہے تھے اس وقت نزول وحی کا زمانہ تھا۔ اگر آپ کے احکام میں خطا ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کی اصلاح فرماتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام کو برقرار رکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے احکام صحیح تھے اور چونکہ آپ کے احکام کو وحی کی تائید حاصل تھی تو گویا آپ مکمل کے اعتبار سے اتباع وحی کر رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مخصوص احکام میں آپ صراحۃً ”اتباع وحی کرتے ہیں اور غیر مخصوص احکام اور اجتہادی مسائل میں آپ آل کے اعتبار سے اتباع وحی کرتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ کفار آپ سے مال طلب کرتے تھے۔ غیب کی باتیں پوچھتے تھے اور غیر معمولی کام کرنے کے لیے کہتے تھے۔ تو آپ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں، میں وحی چیزیں دوں گا اور وحی چیزیں بتاؤں گا اور وحی کام کروں گا جس کی اللہ مجھے اجازت دے گا۔ اس لیے یہ آیت نبی ﷺ کے اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ یہاں چونکہ اجتہاد کی بحث آگئی ہے اس لیے ہم اجتہاد کی تعریف اور نبی ﷺ کے اجتہاد میں نزاعیہ علماء بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق۔

اجتہاد کی تعریف

امام غزالی نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے احکام شریعہ کا علم حاصل کرنے کے لیے مجتہد کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔

(المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰)

علامہ آمدی نے کہا احکام شریعہ میں سے کسی حکم شرعی کا علم غالب حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کرنا کہ اس سے زیادہ کوشش سے نفس عاجز ہو۔ (الاحکام ج ۴ ص ۱۲۹)

قاضی بیہلوی نے کہا احکام شریعہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔

(نہایہ السنول ج ۴ ص ۵۲۴، الابحاج ج ۳ ص ۲۳۶، الابحاج ص ۲۶۷)

علامہ ابن عمام نے کہا حکم شرعی ظنی کو حاصل کرنے کے لیے فقہ کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔ (تیسیر التقریر ج ۳ ص ۱۷۹) ان تعریضات میں طاقت خرچ کرنے ”جدوجہد کرنے اور کوشش کرنے سے مراد یہ ہے کہ مجتہد علمی اور ذہنی کوشش کرے اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہے قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ میں اس کی تلاش تلاش کرے اور اصل اور فرع میں علت مشترکہ نکالے اور اس میں غور کرے کہ جس مسئلہ کو وہ قیاس سے معلوم کر رہا ہے، کہیں وہ صراحتاً کتب و سنت میں منصوص تو نہیں ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ دنیاوی مصلحتوں اور جنگ کی تدبیروں اور ابن جیسے امور میں نبی ﷺ کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور آپ نے ابن امور میں اجتہاد کیا بھی ہے۔ ابن حزم نے اس کی یہ مثل دی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے تہائی پھل دے کر

خلفان سے صلح کا ارادہ کیا اور یہ مبلغ ہے، کیونکہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اپنے دل سے جس کو چاہیں بیہ کر دیں۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے مجبوروں میں پیداوار کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے مجبوروں میں پیوند لگانے کا حکم دیا، کیونکہ ہر شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی مجبور میں پیوند لگائے یا نہ لگائے، اور احکام شریعہ میں آپ کے اجتہاد کے متعلق اختلاف ہے کہ جن چیزوں میں نصوص وارد نہیں ہیں ان میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، بعض کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

نیا بیچنے کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین

استاذ ابو منصور کا مذہب یہ ہے کہ نیا بیچنے کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ کو نص کے حصول پر قدرت ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان هو الا وحی یوحی (التجم: ۳) من کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے، ان حرم کا بھی یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نیا بیچنے سے گدھوں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ پر ان کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۶۰، صحیح مسلم، زکوٰۃ: ۲۳، (۹۸۷۱) ۲۲۵۳، سنن نسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۶۳)

نیا بیچنے سے جب کسی کلام کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا، پھر ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا معتاد متنع ہے۔ یہ امام الحرمین کا قول ہے جس کو انہوں نے حنفیہ میں لکھا ہے اور ابو علی اور ابو حاشم کا مذہب یہ ہے کہ آپ اجتہاد سے عہدت نہیں کرتے تھے۔

نیا بیچنے کے اجتہاد کے جواز کے قائلین

امام شافعی، امام احمد، اکثر مالکیہ، قاضی ابو یوسف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نیا پیدا ہونے والے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی نے "الرسالة" میں اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کو تدبیر اور اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں، اسی طرح نیا بیچنے کو بھی تدبیر اور فکر کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ غور و فکر کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ اعتبار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے "ان هو الا وحی یوحی" (التجم: ۳) من کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اجتہاد شری کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگی واقعات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ مثلاً انصو کو قتل کرنا اور بہت سے امور ہیں۔ آپ نے غور و فکر کر کے وہ جائز کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے اور احکام شریعہ میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب امت کے لیے احکام شریعہ میں اجتہاد کرنا جائز ہے تو آپ کے لیے یہ طریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں، اور امت خطا سے معصوم نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اجتہاد سے کسی حکم کو معلوم کرنے میں منصوص حکم کو معلوم کرنے کی بہ نسبت زیادہ دشواری ہے اور جس عمل میں زیادہ مشقت ہو اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

نیا بیچنے کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین

علامہ الصیرفی نے "شرح الرسالة" میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے، کیونکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں اور کسی قول کو مختار قرار نہیں دیا اور یہ کہنا کہ جس چیز میں نص کتاب نہ ہو اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی طریقہ کو بیان نہیں کیا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نیا بیچنے کو اس کا علم عطا فرمایا ہے

اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ نے اسی کام کے طریقہ کو بیان کیا ہے جس کی اصل کتاب میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام آتا تو نبی ﷺ اس پیغام سے اللہ تعالیٰ کے فرض ادا کرنے کا طریقہ (سنت) بیان فرماتے۔ بعض نے کہا نبی ﷺ نے سنت سے جتنے احکام بیان کیے ہیں وہ سب آپ کے دل میں اٹھائے گئے تھے۔ پھر امام شافعی نے التلخیص والمنسوخ کے باب میں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَيِّنَ لَهُ مِنْ نَفْسِهِ نَفْسِي
مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس قرآن کو اپنی طرف سے تبدیل
(یونس: ۵۵) کروں۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حق دیا ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب کا حکم نازل نہیں ہوا ہے اس میں اللہ کی توفیق سے اپنی طرف سے بیان فرمائیں۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ (الرعد: ۳۹)

اللہ جس فرض کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس فرض کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے۔

آپ کے اجتہاد کرنے کے متعلق امام شافعی نے یہ متعارض دلائل نقل کیے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان توقف کی طرف ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء

نبی ﷺ سے اجتہاد کے وقوع کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ بعض علماء نے وقوع کا مطلقاً انکار کیا، بعض علماء نے اصول اور قواعد میں آپ کے اجتہاد کرنے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ آپ فروع اور مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض نے اس میں توقف کیا۔ جنہوں نے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا انہوں نے کہا تمام سنت وحی ہے، لیکن یہ وحی غیر مکتوبہ ہے اور قرآن مجید وحی مکتوبہ ہے اور سنن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا سنوا مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے حضرت یحییٰ بن امیہ جونیڈ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے جب پر خوشبو کے لپ کے آثار تھے اس نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ مجھے عمرہ میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اس وقت نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی آپ کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ حضرت یحییٰ کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت دیکھیں۔ حضرت عمر نے کپڑے کی چادر ایک طرف ہٹائی تو حضرت یحییٰ نے دیکھا کہ ان کو اونٹ کے بڑھانے کی آواز آرہی تھی جب آپ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا اس خوشبو کے اثر کو دھو ڈالو اور جب اتار دو اور جو کچھ حج میں کرتے ہو وہی عمرہ میں بھی کرو۔

(صحیح مسلم، ج ۶، ص ۲۷۵ (۸۸۰) صحیح بخاری، ج ۲، رقم الحدیث ۱۸۴۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث ۱۸۴۷) یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ جس طرح آپ پر قرآن نازل ہوا تھا اسی طرح سنت بھی نازل ہوتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر منصوص احکام میں نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تھے بلکہ وحی سے احکام حاصل کر کے بیان کرتے تھے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے کہا کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا صرف جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی ﷺ کے اجتہاد میں خطا جائز ہے یا نہیں۔ محققین کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطا جائز نہیں ہے اور اکثر علماء جواز کے قائل ہیں، لیکن آپ کو خطا پر قرار نہیں رکھا جاتا۔ (شرح صحیح مسلم بن نووی، ج ۱، ص ۵۸۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۰۱ھ)

نہی پیچیدہ کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نہی پیچیدہ کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے انہوں نے حضرت یحییٰ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے غزوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی لیکن بکثرت ایسی احادیث ہیں کہ نہی پیچیدہ نے نزول وحی کے بغیر فی الفور مسائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یحییٰ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے جبکہ آپ نے بکثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو حمزہ جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنو یسٹ کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے جس کو بنو یسٹ نے قتل کیا تھا۔ نہی پیچیدہ نے لاٹھنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا ہے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور یمن پر رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنوا مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ سنوا وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنوا یہ وحی ساعت ہے نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی ماسوا اعلان کرنے والے کے اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو اس کو دو اختیار ہیں یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ یمن کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! دھرم (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرما لیجئے کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نہی پیچیدہ نے فرمایا ماسوا الزخار کے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۳۳، صحیح مسلم ج ۱، ۲۳۵، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۸۸، سنن نسائی ج ۵، رقم الحدیث ۲۸۷۵، ۲۸۷۴، سنن کبریٰ للنسائی ج ۲، رقم الحدیث ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نہی پیچیدہ سے لڑنے کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نہی پیچیدہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا محرم قیص ہے نہ قلم نہ شلوار نہ ٹوپی نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا۔ اگر اس کو عین نہ ملیں تو وہ سوزے پس لے لے اور ان کو (اوپر سے) کٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۳۳، صحیح مسلم ج ۱، ۲۳۵، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۸۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۲۴۳۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نہی پیچیدہ نے مسائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ

بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہن گزر کر لائیں گی اور نہ کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں۔ (الممتحنہ: ۳۴) اور نیکی کے کاموں میں سے نوحہ کی ممانعت بھی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آل فلان کا استثناء کر دیجئے، کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی تو میرے لیے بھی ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماسوا آل فلان کے۔

(صحیح مسلم، جنازہ: ۳۳، سنن ابوالکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت براء بن جازب جو پیشہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بکری کا گوشت ہے (یعنی قربانی نہیں ہے) کیونکہ وہ نماز عید کے بعد ہے (انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس چھ لکھ کابکرا ہے) آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر لو تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، الاضاحی: ۳، سنن ابوالکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۰۰، ۲۸۰۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۳، سنن ابوالکبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۷، سنن ابوالکبریٰ للنسائی، ج ۹، ص ۲۳، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۰، طبع جدید)

ان دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر استثناء بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں خوشی سے سرشار تھا تو میں نے روزے کے بلوغہ بوسہ لے لیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج میں نے بہت سنگین کام کیا ہے۔ میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا، آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے گلی کر لو تو (واری میں ہے) میں نے کہا تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہو گا۔ آپ نے فرمایا تو اس سے کیسے ہو گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۵، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۲۳، مسند احمد، ج ۱، ص ۴۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے صراحتاً قیاس سے حکم شرعی بیان فرمایا ہے اور روزے میں بوسہ لینے کو گلی کرنے پر قیاس فرمایا ہے اور یہ آپ کے اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب نے نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لوگ تو اجداد ثواب لے گئے، وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ نے تمہارے لیے صدقہ کا سبب مہیا نہیں کیا؟ ہر بار "سبحان اللہ" "کنا صدقہ ہے" ہر بار "الحمد للہ" "کنا صدقہ ہے" اور ہر بار "لا الہ الا اللہ" "کنا صدقہ ہے" اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص کا جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص محض شہوت سے جماع کرے، پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تم میں سے کوئی شخص حرام محل میں شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال محل میں شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ: ۵۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۹۲، سنن ابوالکبریٰ للنسائی، ج ۵، ص ۱۶۸-۱۶۷)

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ کے قیاس اور اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر ملی، پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہو تا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ لو انکی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ مَا يَكُفِّرُونَ لَهُمْ

اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی عزت جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں اور ان کا بیکار اندہ

مَنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ

کے سوا ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا۔ (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ مستحق برجائیں اور ان (سکین مسلمانوں) کو دور

يَدْعُونَ مَا بِهِمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعِشْيِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ

نہیجے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں دراصل عاقل وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل

مِنْ حِسَابِهِمْ مَنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ

آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرور ان کے ذمہ نہیں ہے، یہی اگر بالفرض، آپ نے ان کو

فَطَرْدَهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ

دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ○ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض

بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مِمَّنْ آتَاهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ

کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافرا) کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے

اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا

احسان کیا ہے! (لے کر) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے

فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا

یہ تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے تمہارے رب کے نام پر رحمت کو لازم کر لیا ہے، کہ تم میں سے جس کو چاہے

عَمَلٍ مِنْكُمْ سُوءٌ أَوْ جَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ

تو اراقتیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک اللہ بہت

عَفْوٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

بخشنے والا ہے نہ رحم کرنے والا ہے۔ اور ہم یہ بھی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح

الْمُجْرِمِينَ ﴿۵۵﴾

ہو جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں، در آنحائیکہ اللہ کے سوانہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔

(الانعام: ۵۱)

کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محل

اس سے پہلے کی آیتوں میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا اس آیت میں فرمایا اس قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں؟ بعض نے کہا اس سے مراد کافر ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کافروں کو عذاب آخرت سے ڈراتے تھے، اور بعض کافروں پر اس ڈرانے کا اثر ہوتا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ پھر فرمایا اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا۔ اس میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (المائدہ: ۱۸) اور اس میں مشرکین کا بھی رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کو ہر چند کہ اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے کا یقین تھا، لیکن ان کو اپنے اوپر عذاب کا یقین نہیں تھا، کیونکہ ان کو یہ ممکن تھا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور نیک اعمال پر ہو گا۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان کو عذاب ہو، اس لیے فرمایا کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں، تاکہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور نیک اعمال پر طہیت قدم رہیں۔ اس کے بعد فرمایا اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی مدد کر سکے گا نہ شفاعت کر سکے گا اور گناہگار مسلمانوں کے لیے جو شفاعت کی جائے گی، وہ اللہ کی اجازت سے ہو گی۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے۔ (البقرہ: ۵۵)

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ

اور اس کی بارگاہ میں صرف اسی کی شفاعت سے نفع ہو گا جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔ (سبا: ۴۳)

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ (الانبیاء: ۲۸)

اور وہ (فرشتے) اسی کی شفاعت کریں گے جس کے لیے وہ (رب) راضی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں، در آنحائیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حسب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حسب سرموان کے ذمہ نہیں

ہے 'پس اگر (بافرض) آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)
مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری اس وقت آپ کے پاس حضرت خباب، حضرت صیب، حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ذرا ایسے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۱)

(مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث ۳۹۸۵، طبع دار الحديث قاہرہ، علامہ احمد محمد شاہر، متوفی ۷۶۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۳۲۰، طبع قدیم، بیروت)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲) کی تفسیر میں بیان کیا 'اقرع بن حابس حمی اور عینہ بن حن فزاری آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسکین مسلمانوں میں سے حضرت صیب، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، جب مشرکین نے ان کو نبی ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ان مسکین مسلمانوں کو حقیر جانا، پس وہ آپ کے پاس آکر خلوت میں بیٹھے اور کہنے لگے 'ہم آپ کے ساتھ مجلس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عربوں میں ہماری کیا فضیلت ہے؟ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے رہتے ہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ عرب لوگ ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ تو جب ہم آپ کے پاس آیا کریں آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو جائیں تو پھر آپ چاہیں تو ان کو اپنے پاس بٹھالیا کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا انہوں نے کہا آپ ہمیں یہ لکھ کر دے دیں۔ آپ نے صحیفہ منکویا اور حضرت علی کو لکھنے کے لیے بلایا اور ہم اس وقت ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور انہیں وہ اسی کی رضا ہوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرموان کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر بافرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)

پھر اقرع بن حابس اور عینہ بن حن کا ذکر کیا اور فرمایا اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (میں دار کافرا) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے کسی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳) پھر فرمایا اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو تمہارے رب نے (مخلص اپنے کرم سے) اپنے لوگوں پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ (الانعام: ۵۴) حضرت خباب نے کہا پھر ہم آپ کے قریب بیٹھتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے گھنٹوں کو آپ کے گھنٹوں کے ساتھ ملا کر بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے اور جب آپ اٹھ کر جانا چاہتے تو ہمیں مجلس میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہتے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ٹھیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی نعمت چاہتے ہو اور آپ اس

مخلص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکلمۃ: ۲۸)

حضرت خباب نے کہا پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے حتیٰ کہ جب نبی ﷺ کے جانے کا وقت آتا تو ہم آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ پھر آپ تشریف لے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۷۷ جامع البیان 'ج ۷' ص ۲۳۳ شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۱۰۳۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۵۷۳ طلیۃ الاولیاء 'ج ۱' ص ۳۶۸ الدر المنثور 'ج ۳' ص ۳۳ اسباب النزول 'ص ۲۲۱-۲۲۰)

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو مسند ابو یعلیٰ اور دلائل النبوة کے حوالوں سے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کا تسامع ہے۔ مسند ابو یعلیٰ اور دلائل النبوة میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام ابن جریر 'امام ابن ابی حاتم' امام ابن الجوزی 'امام رازی' علامہ قرطبی 'علامہ ابوالیمان اندلسی' حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (الانعام: ۵۲) ہم چھ نفوس کے متعلق ٹانوں ہوئی ہے۔ میرے متعلق 'حضرت ابن مسعود کے متعلق' حضرت صیب 'حضرت عمار' حضرت مقداد اور حضرت بلال کے متعلق۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم ان لوگوں کے چھوڑ جانے سے راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے پھر رسول اللہ ﷺ کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے منصوبہ بنایا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲)

(صحیح مسلم 'فوائد الصلحہ' ۴۵-۴۶ (۲۳۳) 'ص ۳۳' سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۸۸ سنن کبریٰ للبخاری 'رقم الحدیث: ۱۸۲۲)

صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت

اس آیت میں ان مسکین مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے 'وہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پابندی اور دوام کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت پڑھتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس 'مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صبح اور شام اللہ سے دعا کرنا ہو تاکہ دن کی ابتداء اور اس کا اختتام اللہ کی دعا سے ہو اور دن کا اختتام بھی اللہ سے دعا پر ہو۔ نیز فرمایا اور آنحضرت ﷺ کی رضا اور اس کی رضا جوئی کرتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اخلاص سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی عبادت اور اعمال میں اللہ کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے 'اس آیت میں نور قرآن مجید کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو 'وجہ' (چہرہ) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ انسان کے جسم کی شناخت اس کے چہرے سے ہوتی ہے اور اس کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ مکرم اس کے چہرے کی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چہرے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم نور چہرہ ہے 'صبح اور شام کے وقت عبادت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان اوقات میں لوگ آرام اور کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں تو جو لوگ ان اوقات میں بھی عبادت میں مشغول ہوں وہ باقی اوقات میں بہ طریق اولیٰ عبادت میں مشغول ہوں گے۔

مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت

جب سورۃ کاف کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ میرے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہنے جو صبح اور شام اپنے رب کی

عبادت کرتے ہیں تو نبی ﷺ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ یہ مسکین مسلمان خود اس مجلس سے نہیں اٹھتے تھے جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کے حوالوں سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کی جزا و جزا یا ان کو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ ان کو جزا دینا اور ان کو رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزا بھی اللہ کے ذمہ ہے کسی اور کے ذمہ نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ مسکین مسلمان فہر میں جلا ہیں تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ آپ مشرکین کی فرمائش پر ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کریں۔ آپ پر ان کے رزق اور ان کے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں ہے مگر آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔ آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ معاملات کے ظاہر پر عمل کریں اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیں اور ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھیں اور ان کو اپنے پاس سے دور نہ کریں۔

نبی ﷺ کو منع کرنا دراصل امت کے لیے تعریض ہے

اس کے بعد فرمایا اگر آپ نے (بالفرض) ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے یہ تصور نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد بھی ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور تعریض دوسرے مسلمانوں کو سنانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ بھی امیر کافروں کی رعایت کر کے غریب مسلمانوں کو بالفرض اپنی مجلس سے انھادیں تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے تو کوئی اور مسلمان ایسا کرے گا تو وہ کیونکر ظالموں میں سے نہیں ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع

(الزمر: ۲۵) ہو جائے گا۔

زیر بحث آیت اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کافریا فاسق کی اس کی دنیوی شہن و شوکت کی وجہ سے عزت کرنا اور کسی نیک مسلمان کی غربت اور افلاس کی وجہ سے بے توقیری اور تحقیر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض کا جواب

جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر طعن کرتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے انھادیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ لہذا ان کو مجلس سے اٹھانا گنہ ہوا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر آپ نے ان کو مجلس سے اٹھایا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور آپ نے ان کو مجلس سے انھادیا تو آپ کا (معاذ اللہ) ظلم ہونا ثابت ہوا۔ سورہ کف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں ارشاد ہے اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور انھادیا کہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ٹھیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس شخص کا کمانہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز ہو گیا۔ (الکحد: ۲۸) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں اور ایک اور آیت میں آپ کو دنیا کی زینت کا ارادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے اور آپ دنیا کی زندگی کی ان ذمتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان کے

مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (طہ: ۵۱) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا ہے اور سورہ کعب کی آیت میں فرمایا ہے کہ آپ زینت دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فعل گنہوار؟ (العیاذ باللہ)

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ظلم فرمایا ہے تو آپ اگر ان کو مجلس سے اٹھاتے تب گنہوار ظلم لازم آتا لیکن آپ نے ان کو مجلس سے نہیں اٹھایا اس لیے گنہوار ظلم لازم نہیں آیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ گنہوار عزم بھی گنہوار ہے اور آپ نے ان کو اٹھانے کا عزم کر لیا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو لکھوانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا تھا تو بہر حال گنہوار لازم آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کے بعد کام کیا جائے یا اس کا عزم کیا جائے تب گنہوار گناہ کا کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی لیکن جب نبی ﷺ نے ان کو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا تھا لہذا نافرمانی یا اس کا عزم کیسے لازم آیا؟ منع تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم کے بعد فرمایا ہے اور ممانعت سے پہلے آپ کا یہ فعل جائز اور مباح تھا اور اس کا عزم بھی جائز اور مباح تھا۔ نیز آپ کا منصب تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے بڑے سردار اسلام قبول کر لیں تو ان کو دیکھ کر ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں گے اس لیے آپ نے سوچا کہ اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھا دیا جائے تو ہر چند کہ اس سے ان کی دس ٹکنی ہوگی لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے اور زیادہ نفع کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ کی یہ سوچ برحق تھی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور ہم امام رازی کے اس جواب سے متفق نہیں ہیں کہ آپ کی یہ اجتہادی خطا تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۰)

لیکن اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو علم تھا کہ یہ کفار اس موقع پر ایمان لانے والے نہیں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور فرمایا آپ ان کافروں کے اسلام لانے کے طمع میں ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے نہ اٹھائیے کیونکہ یہ کافر تو بہر حال اسلام نہیں لائیں گے تو آپ اپنے وفادار غلاموں کی دل آزاری کا نقصان کیوں اٹھائیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فعل خلاف اولیٰ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ خلاف اولیٰ بھی تب ہو تا جب آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد اشاعت اسلام کے لیے ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کرتے اور جس وقت آپ نے ان کو مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کیا تھا اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے منع ہی نہیں فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ کے کس حکم کی مخالفت ہوئی؟ جس وجہ سے آپ کا یہ ارادہ خلاف اولیٰ کا ارادہ ہو گیا اجتہادی خطا قرار دیا جاتا؟

منکرین عصمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا اور آپ نے کافر سرداروں کی دولت اور ثروت دیکھ کر زینت دنیا کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ ممنوع کام کا ارادہ ہے اور گنہوار ارادہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زینت دنیا کا زینت دنیا کی وجہ سے ارادہ ممنوع ہے اور نبی ﷺ ان کافر سرداروں کے مل و دولت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے بلکہ اشاعت اسلام کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے تاکہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور ان کی وجہ سے ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں اور آپ کا یہ ارادہ کسی معصیت کا یا خلاف اولیٰ کام کا ارادہ نہیں ہے بلکہ فرائض رسالت میں سے ایک فرض کی لواستگی کا ارادہ ہے اور اس پر آپ کو فرض ادا کرنے کا اجر و ثواب ملے گا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو علم تھا کہ یہ لوگ اس موقع پر اسلام لانے والے نہیں ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی خوشنودی کی خاطر اپنے وفا شعار اور اطاعت گزار غلاموں کو مجلس سے نہ اٹھائیں۔ نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض

کی اس وقت گنجائش ہوتی جب اس ممانعت کے بعد نبی پیغمبر نے کسی مسکین مسلمان کو کافر سرداروں کی خاطر اپنی مجلس سے اٹھایا ہو یا اس کا ارادہ کیا ہو۔

یاد رکھئے تمام انبیاء عظیم السلام معصوم ہیں، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیر یا کبیرہ، سوایا عہد، صورت یا حقیقت ان سے کبھی بھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، پس انبیاء سابقین عظیم السلام سے اجتہادی خطا ہوئی ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوع سے کھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبلی کو مکا مارنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصی اجازت کے بغیر بستی سے چلے جانا وغیرہ اور ہمارے نبی سیدنا محمد پیغمبر کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجتہادی خطا سے بھی مامون اور محفوظ ہیں اور محققین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے علامہ نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا تاکہ انجام کار وہ (مل دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳)

بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہوتا

اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے سبب آزمائش میں مبتلا کرنا یہ ہے کہ لوگ رزق اور اخلاق میں ایک دوسرے سے متفاوت رہیں۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے غنی بنایا اور بعض لوگوں کو فقیر بنایا، بعض لوگوں کو قوی بنایا، بعض لوگوں کو ضعیف بنایا اور بعض لوگوں کو بعض لوگوں کا محتاج کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مل دار بنایا اور بعض لوگوں کو فقراء بنایا اور ملہ داروں نے فقراء کے متعلق کہا کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے، یعنی ان کو ہدایت دی ہے۔ انہوں نے یہ بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کی خاطر کہا تھا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۷۰، طبع دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے ہاتھ کی پہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے، مل دار کافر، فقراء صحابہ سے ان کی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہو گئے تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہوں گے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی اور فقراء صحابہ ان مل دار کافروں کو ہمیشہ راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو مل و دولت کی ایسی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ ہم مل اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں، تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا اور دوسرا فریق اس کو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور اس بناء پر کافر یہ کہتے تھے کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اور اصل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور صاحب ہے اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہے اور اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے عواقبیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ مت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے اور ہم پونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ (الانعام: ۵۵-۵۳)

شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق پانچ اقوال ہیں:

- ۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ابن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔
- ۲۔ حسن بصری اور عکرمہ نے کہا یہ آیت ابن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا تھا نبی ﷺ جب ان کو دیکھتے تو ابتداً سلام کرتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو رکھا جن کے متعلق مجھے ابتداً سلام کرنے کا حکم دیا۔

- ۳۔ عطاء نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابو عبیدہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سالم، حضرت ابو سلمہ، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

- ۴۔ ابن السائب نے کہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اشارۃً یہ کہا تھا کہ ملکہ کافروں کی دلجوئی کے لیے مسکین کافروں کو موخر کر دیجئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اور ابن مسکین مسلمانوں کو (دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو حضرت عمر اپنے اس مشورہ پر معذرت کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے آئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔
- ۵۔ ابو سلیمان دمشقی نے کہا یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام کی بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت عمر آئے اور اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی۔

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لیے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ انہیں سلام کریں اور ابن زید نے کہا آپ کو اللہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ زجلج نے کہا سلام کا معنی انسان کے لیے آفات سے سلامتی کی دعا ہے۔

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۴۹-۴۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان، حضرت صہب اور حضرت بلال کے پاس چند لوگوں میں حضرت ابوسفیان آئے تو انہوں نے کہا اللہ کی تلواریں اللہ کے دشمنوں کی گردنوں میں اپنی جگہ پر نہیں پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ قریش کے شیخ اور سردار کے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہو! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! تم نے ان (خبراء صحابہ) کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ تب حضرت ابوبکر ان کے پاس گئے اور کہائے میرے بھائیو! میں نے تم کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں، اے بھائی! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

(صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۱/۴۳، ۲/۵۳، ۳/۱۶۰، المعجم الکبیر، ج ۱۸، رقم الحديث ۲۸۵۷، مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحديث ۲۰۵۱۸، طبع دار

الحديث قاہرہ، مسند احمد، ج ۷، رقم الحديث ۲۰۲۱۵، طبع جدید دار الفکر، مسند احمد، ج ۵، ص ۵۵، طبع قدیم دار الفکر، سنن کبریٰ، ج ۵، رقم الحديث ۸۴۷۷)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیک مسلمانوں کا احرام کرنا چاہیے اور جس بات سے انہیں غصہ آئے یا ان کو ایذا پہنچے اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص اللہ کے اولیاء میں سے کسی کو ناراض کرتا ہے وہ اللہ کے عذاب اور اس کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت

اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے جس کسی نے بلا اقیقت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرماتے والا ہے

مجاہد نے کہا جس شخص نے اللہ کی معصیت میں کوئی کام کیا تو یہ اس کی جہالت ہے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کر لے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا جہالت کا معنی خطا اور غلطی ہے اور اس پر توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے غلبہ شہوت سے معصیت کی اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان علم کے باوجود کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر اس پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حسن بھری نے کہا جس نے کوئی معصیت کا کام کیا وہ جاہل ہے۔ پھر معصیت کو جہالت سے تعبیر کرنے کی وجہ سے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا وہ اس سے جاہل ہے کہ اس کام کی وجہ سے اس سے کتنا ثواب جاتا رہا اور وہ کتنے عذاب کا مستحق ہو گیا؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ اس کو علم ہے کہ اس فعل کا نتیجہ نہ سوچا ہے لیکن اس نے فوری اور دنیاوی لذت کو دیر سے اور آخرت میں ملنے والی خیر کثیر ترجیح دی اور جو شخص قلیل کو کثیر ترجیح دے اس کو عرف میں جاہل کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے عمر کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہر چند کہ وہ جاہل نہیں ہے لیکن اس نے کام جاہلوں والا کیا ہے اس لیے اس کے کام پر جہالت کے کام کا مطلق کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۵۳، مطبوعہ دار الفکر، طبع قدیم ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو الیمان اندلسی متوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے خواہ وہ معصیت عمر آ کی جائے یا جھلات۔ کبھی نے کہا جہالت سے گناہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسے اس کام کے معصیت اور گناہ ہونے کا تو علم ہو لیکن اسے اس گناہ کی سزا کی گناہ اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ مگر ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا دنیا کے تمام کام جہالت ہیں۔ ذہاج نے کہا اس کی جہالت یہ ہے کہ قائل لذت کو باقی لذت پر ترجیح دے رہا ہے اور دنیاوی منفعت کو اخروی منفعت پر ترجیح دے رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد ہے معصیت پر اصرار کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ وہ غلبہ شہوت کی وجہ سے ارتکاب معصیت کرے اور اس کا مقصد گناہ کو معمولی سمجھنا ہو۔ یا کوئی شخص اس خیال سے گناہ کرے کہ وہ اس گناہ کے بعد توبہ کر کے نیک بن جائے گا اور اس سے جاہل ہو کہ وہ ایسا کر سکے گا یا نہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کے حصول کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کرے اور وہ اس کے قائل اور انجام سے جاہل ہو۔

(المحرر المبدع، ج ۳، ص ۵۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے غلبہ شہوت یا منفعت کی بناء پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کر لیا پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی اس گناہ سے رجوع کیا اور علوم ہو اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا

اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گنہ کی تلافی اور تدارک کیا اور اس گنہ کے بعد کوئی نیکی کی تاکہ اس گنہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گنہ کو بخش دے گا کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔
مجرموں کے طریقہ کو بیان کرنے کی حکمت

اس کے بعد فرمایا اور ہم یونہی تفصیل سے آئوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے، یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء و قدر کے دلائل بہت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کیے ہیں قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت بیان کیے ہیں۔ اسی طرح ہم ہر اس حق کو بیان کرتے ہیں جس کا اہل باطل انکار کرتے ہیں تاکہ مومنین کے لیے مجرمین کا طریقہ واضح ہو جائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہو جائے گا تو اہل حق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہو جائے گا کیونکہ باطل کی ضد حق ہے کیونکہ ایک ضد کی خصوصیت اس کے مقابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

آپ کیسے بیشک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کا تم اللہ کے سوا پرستیں کرتے ہو، آپ

قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، اگر بالفرض میں نے ایسا کیا تو میں گمراہ ہرجاؤں کا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا

آپ کیسے بیشک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا ہے جس چیز کو تم

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ يُقْضَى الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ

مجھ سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین

الْفَصِيلِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ

فیصلہ فرماتے والا ہے۔ آپ کیسے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہت طلب کر رہے ہو تو میرے اور

الْأَمْرِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهُ مَفَازُهُ

تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور اسی کے پاس غیب کی

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ

چاہیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو غفل اور سہمزد دل میں ہے، وہ ہر اس چیز

مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الارضِ وَلَا رَطْبٍ

کرباننا ہے جو درخت سے گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں سر دانہ اور بر تر اور بر خشک چیز

وَلَا يَابِسُ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ

روح محفوظ میں کسی ہوتی ہے اور وہی رات میں تمہاری رگوں کو بغض کر لیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ اَجَلٌ مُّسَمًّى

اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ عمار پوری ہو،

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۶۰﴾

پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے کہ بے شک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ کہتے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔ (الانعام: ۵۶)

بتوں کی عبادت کا خلاف عقل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ حق ظاہر ہو اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مشرکین صرف اپنی خواہش اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے جن کی عبادت کر رہے ہیں، کیونکہ یہ معصی جملوات اور پتھر ہیں جو انسان سے بہت کم درجہ کے ہیں جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اشرف کارئیل کی عبادت کرنا عقل کے خلاف ہے۔ نیز ان بتوں کو خود ان لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور عامل اور صانع کا اپنے معمول اور مصنوع کی عبادت کرنا بھی عقل اور درایت کے متضاد ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان مشرکین کا بتوں کی عبادت کرنا ہدایت کے خلاف ہے اور ان کی خواہش پر مبنی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ کہتے کہ مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ کہتے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا فرق

اس آیت میں "تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ" فرمایا ہے اور دعا کا معنی ہے طلب نفع یا دفع ضرر کے لیے نداء کرنا لیکن مشرکین اپنی سماعت اور مشکلات میں بطور عبادت ان بتوں کو نداء کرتے تھے۔ اس لیے یہی دعا کا معنی عبادت ہے کیونکہ وہ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہیں۔ سو ان کا بتوں کو پکارنا دراصل ان کی عبادت کرنا تھا اس لیے ہم نے یہی دعا کا معنی پرستش اور عبادت کیا ہے اور حدیث میں بھی دعا کو عبادت فرمایا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دعا کرنا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تمہارا

رب فرماتا ہے: اچھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بے شک۔ جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ غریب دلت سے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المومن: ۴۰) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۸۳، سنن ابوداؤد: ج ۱، رقم الحديث: ۴۷۷۳، سنن ابن ماجہ: ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۴۸، صحیح ابن حبان: ج ۳، رقم الحديث: ۸۹۰، مسند احمد: ج ۴، ص ۲۶۷، المستدرک: ج ۲، ص ۳۹۰-۳۹۱، اللآلئ المفرد: رقم الحديث: ۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۰، ص ۲۰۰، مئیت الاولیاء: ج ۸، ص ۳۰، شرح السنہ: ج ۳، رقم الحديث: ۱۳۷۸)

بعض مسلمان اپنی مشکلات اور مصلحت میں یا علی مدد اور یا غوث الاعظم اللہ دکتے ہیں، افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ یا اللہ کہا جائے۔ اللہ کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے، لیکن ان مسلمانوں کی اس ندا سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی مدد کے منتظر ہوتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی یہ ندا شرک نہیں ہے۔ اسی طرح بعض شعراء کی نعمتوں اور مقبوتوں میں بھی یا رسول اللہ اور یا غوث الاعظم کے الفاظ ہوتے ہیں، یہ کلمات ذوق و شوق اور محبت سے کہے جاتے ہیں، یہ بھی شرک نہیں ہے۔ شرک اس وقت ہو گا جب پکارنے والا اس اعتقاد سے پکارے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے، وہ مستقل ہے اور از خود منتا ہے اور اپنی ذاتی طاقت سے از خود مدد کرتا ہے، یا وہ اس کو مستحق عبادت سمجھتا ہو اور اس کو بطور عبادت ندا کرے۔ جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو ندا کرتے تھے۔ مشرکین کے بتوں کو پکارنے اور بعض مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنے میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اس وجہ سے مشرکین کا بتوں کو پکارنا شرک ہے اور مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنا شرک نہیں ہے۔

مشرکین ان بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس کے برخلاف مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور "لا الہ الا اللہ" پڑھتے ہیں اور ان کا یہ ظاہر حال اس پر قریب ہے کہ وہ اپنی مشکلات میں جس کو پکار رہے ہیں، اس کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدا کا مقرب بندہ اور مآدون فی القصر سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی تمام حاجت اور تمام مشکلات میں صرف اللہ عز و جل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا صرف اس سے سوال کرنا چاہیے اور صرف اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو۔

(سنن ترمذی: ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۲۲، مسند احمد: ج ۱، ص ۳۰۷-۳۰۸، مجمع قدیم: مسند احمد: ج ۳، رقم الحديث: ۲۲۶۸، دار الحديث قاہرہ: علامہ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ مسند ابویعلیٰ: ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۵۶، المعجم الکبیر: ج ۱، رقم الحديث: ۵۶۰، ۵۴۳، ۵۴۴، مسند الشیخ: رقم الحديث: ۴۵، کتاب الدعاء للبرقانی: رقم الحديث: ۲۱، عمل الیوم ولیلہ لابن السنی: رقم الحديث: ۳۲۷، المستدرک: ج ۳، ص ۵۴۲، مشکوٰۃ: ص ۴۵۳)

انبیاء علیہم السلام اور صالحین کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی مصلحت، مشکلات اور تمام حاجت میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اسی سے استمداد اور استعاضہ کرتے تھے۔ سو ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی ہر حاجت کا صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام اور صالحین عظام کا وسیلہ پیش کرنا ایک جدا امر ہے۔ اس کے جواز اور استحسان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور جب مقربین بارگاہ صمدیت کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹایا

ہے جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ فرماتے والا ہے O آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم یہ عجلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے O (الانعام: ۵۸-۵۷)

کفار کے مطالبہ کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب کی طرف سے دشمن دلیل پر قائم تھے اور کفار قریش اس دلیل کی تکذیب کرتے تھے۔ اس دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جو قرآن مجید میں اللہ کی توحید پر قائم کی گئی ہے جب کفار اس دلیل کو سنتے تو اس کو بھٹاتے تھے وہ ظالم لوگ آپس میں سرکوشی کرتے ہوئے کہتے تھے:

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ
أَنْتُمْ تُبْصِرُونَ (الانباء: ۳)

نہی ﷺ ان مشرکین کو عذاب الہی سے ڈراتے تھے تو وہ ڈرنے کے بجائے آپ سے اس عذاب کو جلد بھیجنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَادْعُوا آلَهُم إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِكَ قَامِطٌ عَلَى سَاحِلَةِ مِثْرَ السَّمَاءِ أَوْ
أَنْتُمْ بَعْدَ آيِ الْيُسُفِ O وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ
يَسْتَكْفِرُونَ O (الانعام: ۳۳-۳۲)

اور جب انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو تو اپنی طرف سے ہم پر آسمان سے پھر برسا یا (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے اور آنحضرت آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے اور آنحضرت وہ استغفار کر رہے ہوں۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عمار اور بلقی قریش نے نبی ﷺ سے استزاء کیا اے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس وہ عذاب لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں اور انھوں نے کعب کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے اللہ اجو یہ کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو تو ہمارے اوپر عذاب بھیج دے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ نیز فرمایا آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم یہ عجلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، اسباب النزول، ۲۲۲)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اس عذاب کو نازل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو عذاب کو نازل فرمائے گا اور اگر وہ اپنی کسی حکمت کی بنا پر عذاب کو نہ نازل کرنا چاہے تو نہیں نازل فرمائے گا۔ مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے مطالبہ پر عذاب کو لا چکا ہوتا۔

زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو اور

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو، جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ احد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے زیادہ تکلیف وہ تھی جو مجھے یوم عقبہ کو پہنچی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یاکل بن عبد کلال پر پیش کیا (یعنی اس کو رحمت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا۔ پس میں غم زدہ ہو کر واپس چلا آیا اور قرن فاعاصب پر پہنچ کر مجھے افقہ ہوا، اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا اس میں جبرائیل تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے من لیا اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا، وہ بھی من لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، تاکہ آپ اس کو ان کفار کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ حضور نے فرمایا پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا۔ پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب من لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے، تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح مسلم، ج ۱، ۱۱۱، ۱۷۹۵، ۳۵۷۲، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۴، رقم الحدیث: ۷۷۰۶)

اس آیت میں اور اس حدیث میں اس طرح موافقت ہے کہ آیت میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ پر عذاب نازل کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ پہاڑوں کے فرشتے کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ کفار پر عذاب نازل کیا جائے جس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے۔ وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تیر اور ہر خشک چیز یوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (الانعام ۵۹)

مفتاح الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش

علامہ محمود بن عمر زرخوری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مفتاح الغیب کا ذکر ہے۔ مفتاح کی جمع ہے۔ مفتاح کا معنی چابی ہے اور یہ کلام بہ طور استعارہ ہے کیونکہ چابی سے خزانہ تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جس کے پاس چابی ہو اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو، وہ خزانہ کو پالیتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ فقط وہی غیب تک واصل ہونے والا ہے۔ جس طرح جس شخص کے پاس خزانے کے قفلوں کی چابیاں ہوں اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی خزانہ تک واصل ہو سکتا ہے۔

(الکشاف، ج ۲، ص ۳۱، نشر ابلاغ، قم، ایران، ۱۳۱۳ھ)

علامہ زرخوری کا یہ لکنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چابی کے ذریعہ غیب تک واصل ہونے والا ہے، کیونکہ اس سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل علم حاصل نہیں ہے بلکہ تدریجاً علم حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں غائب ماضی کی مانند ہے، ماضی اور مستقبل کا علم اس کے سامنے یکساں ہے، ہر چیز کا علم اس کے سامنے ہر وقت حاضر ہے۔

اسی طرح شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۳۶ھ کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

جس کے ہاتھ کھنی ہوتی ہے، فضل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے، جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ جب چاہیں کریں، جب چاہیں نہ کریں۔ سو اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (تقویت الایمان، ص ۱۳، (کلاں) مطبوعہ مطبعہ ملکی، لاہور) اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بالفعل غیب کا علم نہیں ہے۔ وہ جب چاہے غیب کو دریافت کر سکتا ہے اور یہ بدایت باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت تمام مغیبات اور شمولات کا علم حاضر ہے اور اسے کبھی بھی دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

مفتاح الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس جگہ مرے گا، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ بارش کب آئے گی؟

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۶۱، مطبوعہ بیروت، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۱، دار الحدیث قاہرہ، المجمع الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۳۳۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے نبی ﷺ کو ہر چیز کی مفتاح دی گئی ہیں۔ سو پانچ چیزوں کے۔ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ بے شک اللہ بہت جانتے والا، بہت خبر رکھنے والا ہے۔

(التمیز: ۳۳) (مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۵۹، علامہ محمد امجد شاکر حنفی، ۱۳۷۷ھ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، مسند ابویعلیٰ، ج ۵، رقم الحدیث: ۵۵۵۳، مسند حمیدی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳، جامع البیان، ج ۷، ص ۷۸، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۳)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ سے سوال کیا، قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں عنقریب تمہیں اس کی علامتیں بیان کروں گا، جب تم دیکھو کہ عورت سے اس کا مالک پیدا ہوا، تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے، اور جب تم ننگے پیر، ننگے بدن، بہرے، گونگے لوگوں کو زمین کا مالک دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور جب تم موبیشیوں کے چرانے والوں کو بڑے بڑے مکان بناتے دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ بہت جانتے والا، بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (التمیز: ۳۳)

(صحیح مسلم، ایمان، ۷، (۱۰) ۹۹)

مفاتیح الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۴ھ لکھتے ہیں:

مفاتیح الغیب کی تفسیر میں جن پانچ چیزوں کا مدعی میں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اہم چیزیں ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جو باقی مغیبات ہیں ان کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ پانچ چیزیں ہوں یا باقی غیب از خود ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور اس نے ان پانچ چیزوں کا علم بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔
علامہ قاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے توسل کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ میں مجھوتا ہے۔ (مرقات المفاتیح ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لاہور ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ شمس الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۹۰ مطبوعہ مصر ۱۳۳۸ھ فتح الباری ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ)
علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے چھپائے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح المصنوع ص ۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۹۱ھ)
شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۵۹ھ لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں، وہی ان میں سے جس خزانے کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات اور اک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے یا جتنے غیب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرے۔ کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کبودوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کما چاہیے حق تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مخصوص رکھا ہے۔

(تفسیر فتح عثمانی ص ۱۷۹ مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپنیز)

علامہ محمد بن یوسف ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۵۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مفاتیح الغیب سے مراد آسمانوں اور زمینوں میں غیب کے خزانے ہیں۔ مثلاً رزق اور قدرت کے عطاء نے کہا اس سے مراد ثواب و عذاب اور مستقبل کی غائب کی چیزیں ہیں۔ زجاج نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو علم غیب کے حصول کا وسیلہ ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمروں کے انجام اور خواتیم اعمال ہیں۔

(المحرر المہبط ج ۲ ص ۵۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اس آیت میں مفاتیح کا لفظ ہے۔ عربی قواعد کی رو سے یہ مفتوح (مسم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفتوح (مسم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مفتوح (مسم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی چابیاں ہیں اور اگر مفتوح (مسم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی خزانہ ہے۔

آیا نبی چھپر کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی بھی کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کا اثبات بھی کیا گیا ہے، علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بلا واسطہ، بلا تعلیم اور ذاتی علم غیب کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور بلا واسطہ، بذریعہ وحی و الہام اور عطائی علم غیب کا غیر اللہ کے لیے ثبوت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور اطلاع علی الغیب اور اکتساب غیب کا ثبوت ہے، یہ دونوں توجیہات صحیح ہیں۔ بعض متاخرین علماء دیوبند نے یہ کہا ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور غیب کی خبروں کا ثبوت ہے۔ اس توجیہ میں ہمیں کلام ہے، کیونکہ خبر بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اور کسی چیز کی خبر کا ثبوت اس کے علم کے ثبوت کو مستلزم ہے، نیز حقدین علماء دیوبند نے نبی چھپر کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے، پہلے ہم بعض متاخرین علماء دیوبند کی عبارت نقل کریں گے، پھر اس پر جرح کریں گے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۶۱ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا، اس کو قرآن میں غیب کی بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے، جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے۔ "تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ" سو حبیہا الیک، اس لیے آیت مذکورہ میں "لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ" یعنی غیب کے خزانوں کو، جو اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۳۸، مطبوعہ لواء المعارف، ۱۳۳۳ھ)

نیز مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں، وہ حقیقتاً علم غیب نہیں ہے، بلکہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ "مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ" سو حبیہا الیک، (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۳۸، مطبوعہ لواء المعارف، ۱۳۳۳ھ)

لیکن حقدین علماء دیوبند نے نبی چھپر اور دیگر مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۴۵ھ لکھتے ہیں:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں ضروری کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زیادہ و عموماً بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔ (حفظ الایمان، ص ۵، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند یو پی)

اس عبارت میں شیخ تھانوی نے نہ صرف رسول اللہ چھپر کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے، بلکہ ہر آدمی، بچوں، پاگلوں، حیوانات اور بہائم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ شیخ تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۵۵ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم چھپر کو علم غیب باعطاء الہی حاصل ہے۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۵، مطبوعہ لاہور)

نیز لکھتے ہیں:

سرور عالم چھپر کو جو بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں، اس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۰، مطبوعہ لاہور)

نیز شیخ چاند پوری لکھتے ہیں:

صاحب حفظ الایمان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو باوجود علم غیب عطائی ہونے کے عالم الغیب کتنا جائز نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۳، مطبوعہ لاہور)

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ لیکن آپ کو عالم الغیب کتنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے، جیسے باوجود عز و جلال ہونے کے محمد عز وجل کتنا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کے لیے عالم الغیب کتنا مکروہ قرار دیا ہے۔

نیز شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۲۵۷ھ لکھتے ہیں:

اول: میں نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلا واسطہ ہو وہ تو خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور جو بواسطہ ہو وہ قلوب کے لیے ہو سکتا ہے مگر اس سے قلوب کو عالم الغیب کتنا جائز نہیں۔ (حفظ الایمان، ص ۱۴، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند)

اس قسم کی عبارات بہت ہیں۔ ہم نے یہ فرض اختصار چند عبارات نقل کی ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب مقام ولایت و نبوت میں ہے۔ بہر حال ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کو عطاء الہی سے علم غیب حاصل ہے، جیسا کہ شیخ چاند پوری نے اس کی تصریح کی ہے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت درست ہے اور یہ کتنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں، غیب کا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں فرق

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۵۷ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیت میں سے ہیں جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔ ایک علم غیب، دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۳۸، مطبوعہ ادارۃ المطارف، کراچی)

نیز مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء عظیم السلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو غیب کی ہزاروں ماکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر یہ رسول کی تعلیم کا وہ غلو ہو گا جو پیسائیوں نے القیاد کی کہ رسول کو خدا کے برابر ٹھہرا دیا۔ اسی کا نام شرک ہے۔

نحوہ باللہ منہ۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۵۰، مطبوعہ ادارۃ المطارف، کراچی)

ہمارے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں مساوات کا قول کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور نبی ﷺ کا علم حادث اور متناہی ہے، اللہ تعالیٰ کا علم از خود اور بے تعلیم ہے، نبی ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی تعلیم سے ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ایک قطرہ کو جو نسبت سمندر سے ہے، نبی ﷺ کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے، کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور نبی ﷺ کے علم اور اللہ کے علم میں متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے، بلکہ ایک ذرہ کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے، کیونکہ آپ کو ایک ذرہ کا علم متناہی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجہ سے ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطاء غیر ہو

دوم: علم کا غنا کہ کسی آگے جادہ و تدبیر فکر و نظر و التفات و اشتغال کا اصلاً محتاج نہ ہو

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو

چهارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو

پنجم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقت، ذاتیہ، اضافیہ، مانعہ، آتیہ

(مستقبلہ) موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان پانچ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منقش، یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو

ان پانچ وجہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو، حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الہی کے لیے عقول مفارقت ہوں خواہ نفوس باطنہ ایک

ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے، یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (المصنوع، ص ۷۶، مطبوعہ الامامین پریس لاہور، ۱۳۳۵ھ)

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت

ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کدوئیں حصہ کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ نسبت متنہی کی متنہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متنہی

کی متنہی ہے۔ (المحفوظ، ج ۱، ص ۳۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

لوح محفوظ کا بیان

اسی آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے بعضی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی تھی کہ اسی کے پاس غیب کی چابیاں

ہیں اور اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا، اور آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان

فرمائی۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے، وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گر تا ہے، اور زمین کی

تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ تمام مقبلیات کو جانتا ہے، اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کا علم تمام

موجودات کو محیط ہے، زمین و آسمان میں سے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ غیب اور شہوت کی ہر چیز کو جانتے والا ہے،

درخت کے پتوں میں سے کب لور کس جگہ کوئی پتہ گر تا ہے؟ نباتات، مخلوقات اور حیوانات کی تمام حرکات اور ان کے تمام احوال

اس کے علم میں ہیں، اور ملکین میں سے جن اور انیس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔ زمین کے اندھیروں میں ہوئے ہوئے بیج اور

زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں مکوڑوں اور زمین کے لوہے جلد اوروں اور بے جانوں کے تمام احوال، کوئی چیز اس کے علم سے

باہر نہیں۔ جو تر اور خشک، زندہ یا مردہ، پھل یا کوئی دانہ زمین پر گر تا ہے، وہ سب سے واقف ہے اور ان میں سے ہر چیز کو اس نے

لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ ہر چیز کی پیدائش اور اس کی موت اور حیات، موت اور بعد الموت کے تمام کوائف اس میں لکھے

ہوئے ہیں اور ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے بھی پہلے اس نے تمام مخلوق کے احوال اس

میں لکھ دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ مِّنْ الْأَرْضِ وَلَا فِیْ

زمین میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں

أَنْفِیْسِكُمْ إِلَّا مِمَّا كَتَبَ مِن قَبْلِ أَنْ تَبْرَأَهَا إِنْ

لیکن مصیبت تمہارے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی

ذَٰلِكَ عَلَى النَّاسِ يَسِيرٌ ۝ لَّيْسَ لَكَ تَأْسُوعٌ عَلَىٰ
مَآفَاتِكُمْ وَلَا تَقْرَحُ أَوْبَانَكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ (الحج: ۳۳-۳۲)

ہوئی ہے ہے ہے شک کا شہ پرست آسان ہے تاکہ اگر کوئی چیز
تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے تو تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ
اللہ نے تمہیں دیا ہے تم اس پر اڑا نہ کرو اور اللہ کسی
اڑانے والے حکمران کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھی تھیں اور اس کا عرش پانی
پر تھا۔

(صحیح مسلم، تہذیب، ۱۱، ۱۱۵۳) سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۳، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۸، مسند احمد،
ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ص ۳۷۳

کائنات کے وجود سے پہلے ازل میں اللہ تعالیٰ کو جو اس کائنات کا علم تھا اس کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ کے
مطابق اس کائنات میں جو کچھ ہوتا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ
میں لکھ دیا۔ اللہ کی حرکت اور سورج کی گردش سے دن رات اور ہزاروں سال کا قیام ہوتا ہے اس لیے اللہ کی حرکت سے پیدا کرنے
سے پہلے زمانہ اور سالوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے
مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے اتنی مدت پہلے لوح محفوظ میں لکھا کہ اگر آسمان وغیرہ ہوتے تو اتنی مدت میں
پچاس ہزار سال گزر جاتے اور یا پچاس ہزار سال مدت کے طویل ہونے سے کہنا یہ ہے۔

اس کتاب کو لوح محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب تحریف اور شیطان کی رسائی سے محفوظ ہے، یا یہ محو اور اثبات سے
محفوظ ہے، کیونکہ محو اور اثبات فقط فرشتوں کے میقوس میں ہوتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ بھلائی نہیں گئی۔ امام
رازی کی تحقیق یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا پھر
دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ ميعاد پوری ہو۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم
کرتے تھے۔ (الانعام: ۶۰)

نیند کا وقت صغریٰ ہوتا

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال علم بیان فرمایا تھا کہ غیب اور شہادت کی کوئی چیز اس کے علم سے
باہر نہیں ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کمال بیان فرمایا ہے کہ وہ رات میں تمہاری روح قبض کر لیتا
ہے اور دن میں پھر تمہاری روح لوٹا دیتا ہے اور تمہارے اس سونے اور جاگنے میں حشر و نشر کی دلیل ہے اور پانا آخر تم
نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بلاشبہ سونے والا زندہ ہوتا ہے۔ وہ سانس لیتا ہے اور کوئی نہیں بدلتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ
فرمان کس طرح درست ہو گا اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہیں۔
ایک روح کا تعلق احساس کے ساتھ ہے اور دوسری روح کا تعلق حیات اور حرکت بلا ارادہ کے ساتھ ہے۔ جب انسان سویا ہوا
ہوتا ہے تو اس کی ارواح حسہ ظاہر سے باطن میں چلی جاتی ہیں اس لیے اس کے حواس ظاہرہ عمل کرنے سے محفل ہو جاتے

ہیں اور غیث کے وقت اس کے جسم کا ظاہر بعض اعمال سے معطل ہو جاتا ہے اور موت کے وقت اس کا پورا بدن ہر قسم کے عمل سے معطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیث اور موت کی حالت میں ایک قسم کی مشابہت ہے اور اس اعتبار سے غیث پر بھی موت اور وفات کا اطلاق صحیح ہے۔

اس کے بعد فرمایا پھر اللہ تبارک و تعالیٰ میں اٹھاتا ہے یعنی تمہاری ارواح حلسہ پھر باطن سے ظاہر میں لوٹا دی جاتی ہیں اور تمہارے کوئی ظاہرہ پھر کام کرنے لگتے ہیں تاکہ تم وہ کر سکو جو تمہارے لیے مقدر کیے گئے ہیں اور جو عمر طبعی تمہارے لیے مقدر کر دی گئی ہے اس کو تم پورا کر سکو اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سونے اور جاگنے کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے تاکہ تم اپنی طبعی حیات کو پورا کر لو پھر تم نے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ تم کو خبر دے گا کہ تم اپنی راتوں اور دنوں میں کیا کام کرتے تھے۔

غیث وفات صغریٰ ہے اور موت وفات کبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں وقتوں کا ذکر درج ذیل آیت میں بھی فرمایا ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَازِلِهَا فَبَرُّسِكُ الْيَوْمِ الَّذِي تَقْضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْآخَرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (الزمر: ۴۲)

جن کی موت کا وقت ہو اللہ ان کی جانوں کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت کا وقت نہ ہو ان کی جانوں کو (بھی) غیث میں قبض کر لیتا ہے پھر جن کی موت کا حکم فرمادیا ان کی جانوں کو روک لیتا ہے اور دوسری (جانوں) کو ایک وقت مقررہ کے لیے بھروسہ دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا غیث موت کا بھائی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو غیث آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیث موت کا بھائی ہے اور اہل جنت کو غیث نہیں آئے گی۔

(المعجم الاوسط: ج ۱، رقم الحديث: ۳۳، مسند البراء: ج ۲، رقم الحديث: ۳۵۱، طبع لاہور: ج ۲، ص ۴۰، ظل مناجیہ: ج ۲، رقم الحديث: ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، کمال ابن عدی: ج ۲، ص ۱۵۳، مجمع الزوائد: ج ۲، ص ۱۵، مسند ابی یوسف: ج ۲، ص ۱۵۵)

حافظ الحیثی نے کہا ہے کہ مسند البراء کی سند صحیح ہے۔

وَهُوَ الظَّاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے

جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفْرَكُونَ ۖ ثُمَّ

کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں گرتے۔ پھر وہ

رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ۖ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاكِمِينَ ۖ

اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے، انہیں اس کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد صاحب لینے والا ہے۔

تبیان القرآن

جلد سوم

قُلْ مَنْ يُنَجِّكُمْ مَنْ ظَلَمَتْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ

آپ کہیے تمہیں نکل اور سمندروں کی تاریکیوں سے کرن نجات دیتا ہے جس کو تم عاجزی سے اور پچھے پچھے پکارتے ہو کہ اگر

لَيْنَ أَنْجَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۶۷﴾ قُلْ اللَّهُ يُنَجِّكُمْ

وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچائے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس

مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿۶۸﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ

(مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر (جی) تم شرک کرتے ہو ○ آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ

أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ

تم پر تباہی سے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں سخت گردہوں میں

أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذَيِّقْ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ

تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی ڈائی کا مزہ چکھائے دیکھیے ہم کس طرح

نُصْرَفُ الْأَيَّاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۚ وَكَذَّابٌ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں ○ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہی

الْحَقُّ ۚ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۶۹﴾ لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ وَ

حق ہے آپ کہیے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○ ہر خبر (کے ٹھکانے) کا ایک وقت مقرر ہے

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور متغریب تم جان لو گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگران کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ (الانبیاء)

(الانعام: ۶۸)

اللہ تعالیٰ کے قہر کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلائل تھے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے اور وہ اپنے بندوں پر قابض ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی عدم پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے اور کبھی وجود پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو وجود سے عدم کی طرف لے آتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر اس کی ضد سے قہر فرماتا

ہے۔ مثلاً نور پر ظلمت کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور ظلمت پر نور کے ساتھ 'دن پر رات کے ساتھ اور رات پر دن کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ حیات پر موت کے ساتھ 'موت پر حیات کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور یہ قہر کا ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر اس کی ضد کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے 'ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے 'ملک چھین لیتا ہے 'وہ جس کو چاہتا ہے 'عز و شرف عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے 'ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ يَسْأَلُكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِيدُكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَعْلِهِ (یونس: ۱۰۷)

اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج کے لیے بتایا ہے اور رات نیند کے لیے بتائی ہے۔ اگر انسان دن میں نیند کا معمول بناتا چاہیں اور رات کو کام کاج کا معمول بناتا چاہیں تو نہیں سناکتے۔ وہ قہر رات کو سونے اور دن کو کام کاج پر مجبور ہیں۔ کتنی مرتبہ ہمیں ہوتا ہے کہ انسان جاگنا چاہتا ہے اور نیند اس پر غالب آجاتی ہے اور کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ سونا چاہتا ہے اور اس کو نیند نہیں آتی 'صحت اور بیماری اور حیات اور موت میں انسان کا مطلوب ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر غالب ہونا اور بھی واضح ہے۔

کراما کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض

اس کے بعد فرمایا اور وہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ حفظہ 'حفاظہ کی جمع ہے۔ جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بندوں کی آفات سے حفاظت کرتے ہیں۔ قلمرو سے معقول ہے کہ وہ عمل 'رزق اور معاد حیات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ دو فرشتے رات کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں اور دو دن کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں۔ ایک فرشتہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ برائیوں کو لکھتا ہے 'اور مہلح کاموں کے لکھنے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کل پانچ فرشتے حفظہ ہیں۔ دو دن کے 'دورات کے اور ایک فرشتہ وہ ہے جو دن رات میں سے کسی بھی وقت ہدایت نہیں ہو گا۔

کراما کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَلَوْ عَلَيَّ كُفْرُكُمْ لَعَرَفْتُهُنَّ ۚ أَلَمْ تَعْلَمُوا مَا تَفْعَلُونَ (الانفطار: ۳۰-۳۱)

إِذْ يَتَلَفَّى السَّمَلَقِيُّانِ عِشَى الْيَوْمِئِيسِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَرِيبًا ۚ مَا بَلِغْتَ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَيْنِدًا (فی: ۱۷-۱۸)

اور بے شک تم پر ضرور حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں 'سحرز لکھنے والے 'وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (فرشتے) ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوتا ہے 'وہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے 'اس کو لکھنے کے لیے ایک نگہبان (فرشتہ) تیار ہوتا ہے۔

اور عامہ اعمال رکھ دیا جائے گا 'پس آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس سے ذرا رہے ہوں گے جو اس میں (لہ کور) ہے اور وہ کہیں گے 'ہماری کم نعتی ایہ کیسا نوحشتہ اعمال ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے نہ بڑا گناہ 'مگر اس کا احاطہ کر لیا ہے 'اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا 'وہ سب اپنے سامنے موجود

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُحْسِرِينَ مُشْفَعِينَ لِسَعَادَتِهِمْ وَيَقُولُونَ يُؤْتِلَنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَوْبَهُ وَلَا كَيْبَرُهُ إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظُنُّهُمْ فِيْكَ أَحَدًا (الكهف: ۳۹)

پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر علم نہیں کرتا۔

کرنا کاتبین کے فرائض اور وظائف کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گزار دی ہے وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے 'ملائکہ وہ ان سے زیادہ جانتے والا ہے' تم نے میرے بندوں کو کس محل میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں ہم نے جس وقت ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۵۵۵، صحیح مسلم المساجد ۲۱، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحديث: ۳۸۶، سنن الکبریٰ للشیخ ج ۳، رقم الحديث: ۷۷۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم برائی سے احتراز کرو، کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے بیت الخلاء اور محل تدبیر کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے، تم ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۰۹، شعب الایمان ج ۱، رقم الحديث: ۷۷۶)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ دائیں طرف کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے۔

ابراہیم بھی بیان کرتے ہیں کہ دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتہ کا امیر ہوتا ہے، جب بندہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے سے کہتا ہے 'رک جلا' مثلاً یہ توبہ کر لے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ جو دائیں جانب ہے وہ نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ برائیاں لکھتا ہے۔ (جامع البیان ج ۲، ص ۲۰۵، ۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت) خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیاء نے النبیہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا دائیں جانب ہے اور برائیاں لکھنے والا بائیں جانب ہے، جب بندہ کوئی نیک کرتا ہے تو دائیں جانب والا اس نیکیاں لکھ لیتا ہے، اور جب وہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا بائیں جانب والے سے کہتا ہے 'اس کو چھوڑ دو' حتیٰ کہ یہ تسبیح کرے یا استغفار کرے۔ پھر جب جمعرات کا دن آتا ہے تو اس وقت تک جو نیکیاں اور برائیاں وہ لکھ رہی جاتی ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر یہ نوشتہ لوح محفوظ پر پیش کیا جاتا ہے، تو اس میں یہ تمام چیزیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

امام ابن ابی الدنیاء مفتی بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتہ پر امیر ہوتا ہے۔ اگر بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے 'رک جلا' پھر اگر بندہ استغفار کرے تو وہ اس کو وہ گناہ لکھنے سے منع کرتا ہے اور اگر بندہ استغفار کی بجائے گناہ پر اصرار کرتا ہے تو وہ اس گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲، ص ۵۹۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بلی الشیخ للاسمعانی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

کتابان القرآن

ابن جریج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں دو فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔ جو دائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شلوت کے بغیر لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شلوت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر بندہ بیٹھ جائے تو ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں جانب لو اگر بندہ چلنے لگے تو ایک فرشتہ بندہ کے آگے ہوتا ہے اور ایک پیچھے 'اور اگر وہ سو جائے تو ایک فرشتہ اس کے سر کی جانب ہوتا ہے اور ایک پیروں کی جانب 'اور ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہا انسان کے ساتھ پانچ فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں 'دو فرشتے رات کے 'دو دن کے 'یہ آتے جاتے رہتے ہیں اور پانچواں فرشتہ دن رات کے کسی وقت میں اس سے الگ نہیں ہوتا۔

(کتاب العظیم، رقم الحدیث: ۵۲۱، ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین السعفی المتوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی مسلمان کے جسم کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو فرشتہ سے فرماتا ہے: اس کے اس عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا پھر اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو غسل سے پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلم اپنے جسم کی کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض میں اس کی صحت کے ہر نیک عمل کو لکھتا رہتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۳، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندہ مومن کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو جو فرشتے اس کے عمل لکھتے تھے 'وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ تو اب ہمیں اجازت دے تو ہم آسمان پر چڑھ جائیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرا آسمان ان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ عرض کریں گے تو کیا ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کر رہی ہے 'وہ کہیں گے پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا تم میرے اس بندہ کی قبر پر قیام کرو اور سبحان اللہ 'الحمد للہ 'اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو اور قیامت تک اس کو میرے اس بندہ کے لیے لکھتے رہو۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۱، مطبوعہ بیروت)

آیا دل کی باتوں کو کرمانا کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں؟

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۸۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کی نیکیاں لکھ لو۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے اور ایک روایت اس طرح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب! تمہاری بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے 'حالا نکہ اے گناہ پر خوب بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا انتظار کرو اگر یہ اس گناہ کو کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر اس کو ترک

کردے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو گیونکہ اس نے میری وجہ سے اس گنہ کو ترک کیا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۰۵، ۲۰۳، ۲۲۷ (۳۸)، صحیح بخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۵۹، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۸۸۱، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۰، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۳۰۰)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور احوالوں پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کے احوال اور نیات پر مطلع نہیں ہوتے۔

امام عبد اللہ بن محمد ابو الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۱ھ روایت کرتے ہیں:

نصرہ بن حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، اس عمل کو وہ بہت زیادہ اور بہت بلند کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی سلطنت میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے، اس عمل کو لے کر پہنچتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرماتا ہے، تم میرے بندے کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہو، اور میں اس کے دل کی نگہبانی کرنے والا ہوں۔ میرے اس بندے نے یہ عمل میرے لیے اخلاص سے نہیں کیا، اس کو جہنم کی ایک ولدی میں ڈال دو اور وہ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھیں گے، اور اس عمل کو بہت کم گمان کریں گے۔ پھر وہ اللہ کی سلطنت میں سے جہاں تک اللہ چاہے گا، اس عمل کو لے کر پہنچیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرمائے گا تم حفاظت کرنے والے ہو اور جو کچھ اس کے دل میں ہے، میں اس پر نگہبان ہوں۔ اس کے اس عمل کو دگنا چو گنا کرو اور اس کو جہنم میں ڈال دو۔

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۵۲۲، ص ۱۸۵، مطبوعہ بیروت، کتاب الزهد لابن السہارک، رقم الحدیث: ۳۵۲، مطبوعہ بیروت)

امام ابن السہارک کی روایت میں ہے میرے اس بندے نے اخلاص سے عمل کیا ہے، اس کو جہنم میں لکھ دو۔

یہ ظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور سنن ترمذی اور سنن نسائی کی روایت ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے، وہ کتاب العظمت اور کتاب الزهد کی روایت ہے اور ثانی الذکر کتابیں اول الذکر کتابوں کے پائے کی نہیں ہیں۔ نیز اول الذکر حدیث متصل ہے اور ثانی الذکر مرسل روایت ہے اور اول الذکر سند صحیح ہے اور ثانی الذکر سند ضعیف ہے۔ اس لیے ترجیح پہلی حدیث کو ہے اور رائج یہی ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر بھی مطلع ہوتے ہیں اور موثر روایت کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ربا اور اخلاص کو مستثنیٰ فرمایا ہے، اخلاص کو غفلت رکھا، تاکہ قیامت کے دن اس بندے کی عزت افزائی کی جائے اور ربا کو غفلت رکھا، تاکہ ربا کار کے عمل کی قیامت کے دن زیادہ رسوائی ہو، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم بنو بکر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ جنت کے قریب ہوں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے، اور جنت کے مخلوق کی طرف دیکھیں گے اور ان چیزوں کی طرف دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار کی ہیں تو ان کو خدا کی جاسے گی کہ جنت سے واپس آ جائیں، ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ حسرت کے ساتھ جنت سے واپس آئیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! کاش! تو ہمیں اپنا ثواب دکھانے سے پہلے اور اپنے اولیاء کے لیے جو تو نے نعمتیں تیار کی ہیں ان کو دکھانے سے پہلے ہمیں دوزخ

میں داخل کر دیا تو یہ ہم پر آسمان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا کہ جب تم غلوت میں ہوتے تو میرے ساتھ بہت بڑا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے تم میرے لیے عاجزی کرتے تھے۔ تم لوگوں کے لیے دکھلوا کرتے تھے اور تم اپنے دلوں سے مجھے اس کے خلاف دیتے تھے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے اور تم لوگوں کو بزرگ جانتے تھے اور مجھے بڑا نہیں جانتے تھے۔ سو آج میں تم کو دردناک عذاب چکھائوں گا اور تم کو ثواب سے محروم کروں گا۔

(المعجم الاوسط 'ج' ۶، رقم الحديث: ۵۳، المعجم الكبير 'ج' ۷، رقم الحديث: ۸۹، ص ۸۶، بیئہ الاولیاء 'ج' ۳، ص ۱۲۵-۱۲۴، شعب الایمان 'ج' ۵، رقم الحديث: ۷۸۰۹، مجمع الزوائد 'ج' ۱۰، ص ۱۲۰)

اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں

اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کی نیکیاں اور برائیاں لکھنے والے فرشتے ہر روز بدلتے ہیں یا اخیر عمر تک وہی فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ سرحال ثابت ہے کہ دن اور رات کے فرشتے بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ بندہ کی موت کے بعد فرشتے کیا کرتے ہیں؟ بعض نے کہا وہ آسمان پر جا کر جہالت کرتے ہیں، لیکن ہم شعب الایمان کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ وہ قیامت تک اس بندے کی قبر پر بیٹھ کر اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

کرنا کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اس کی کیا حکمت ہے؟ ایک حکمت تو یہ ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے سامنے اس کے خلاف ایک باری محبت قائم کر دی جائے تاکہ وہ اپنے کسی قول یا عمل سے انکار نہ کر سکے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بندہ کو یہ معلوم ہو گا کہ اس کے اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور ہر سر محشر لوگوں کے سامنے یہ اعمال پیش کیے جائیں گے تو لوگوں کے سامنے اپنی برائیاں اور بے حیائیاں کھلنے کے خوف سے وہ برے اور فحش کاموں کے ارتکاب سے باز رہے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے ابن آدم کی پیدائش پر یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں طون ریزی اور ختنہ و فسلو کرے گا اور جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کی نیکیاں لکھیں گے تو ابن پر ابن آدم کی پیدائش کی حکمت کمال طریقہ سے واضح ہوگی۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کے اعمال میزان میں وزن کیے جائیں گے۔ بظاہر یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اعمال از قبیل اعراض ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ اعمال کے وزن کرنے سے مراد مخالف اعمال کا وزن کرنا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ (الانعام: ۶۸)

اللہ تعالیٰ ملک الموت اور فرشتوں کی طرف قبض روح کی نسبت کی وضاحت

قرآن مجید میں بندہ کی روح قبض کرنے کا استدلال اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے، ملک الموت کی طرف بھی ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (الرمر: ۴۲)
قُلْ يَتَوَفَّيْكُمْ مَلَائِكَةُ اللَّهِ وَ يُحَلِّ
يَكُمُ ثُمَّ أُنْزِلُكُمْ ثُمَّ تُرْجَعُونَ (السجدة: ۹)

موت کے وقت اللہ جانوں (روحوں) کو قبض کرتا ہے۔

آپ کہنے کہ موت کا فرشتہ تمہاری روح قبض کرتا ہے جو

تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں۔ (الانعام: ۶۸)

ان آیات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح قبض کرنے کا فاعل حقیقی ہے اور ملک الموت کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ ظاہری فاعل ہے اور روح قبض کرنے

والے فرشتوں کا نہیں ہے، اور دوسرے فرشتوں کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ روح قبض کرنے میں ملک الموت کے احوال اور انصار ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ انسان کے درجہ اور مقام کے اعتبار سے احوال مختلف ہوتے ہیں اس لیے بعض انسانوں کی روح اللہ تعالیٰ بلا واسطہ قبض کرتا ہے، بعض کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے اور بعض کی دیگر فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں کے نکلنے کی کیفیت
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ پس جب وہ کوئی نیک شخص ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں 'اے پاکیزہ روح نکلو تم پاکیزہ جسم میں تمہیں تم تعریف کی ہوئی باہر آؤ' تمہیں خوشی اور مسرت کی نوید ہو اور رب کے راضی ہونے کی بشارت ہو۔ اس کو پوچھی کہا جاتا ہے 'گا' حتیٰ کہ روح باہر آجائے گی۔ پھر وہ روح آسمان کی طرف چڑھے گی۔ اس کے لیے آسمان کو کھلوایا جائے گا۔ پوچھا جائے گا 'یہ کون ہے؟' پھر اسے بتایا جائے گا یہ فلاں ہے آسمان والے کہیں گے 'پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو' یہ پاکیزہ جسم میں تمہیں تم تعریف کی ہوئی داخل ہو۔ تمہیں خوشی اور مسرت کی بشارت ہو اور رب کے راضی ہونے کی نوید ہو۔ اس سے پوچھی کہا جاتا ہے 'گا' حتیٰ کہ وہ اس آسمان (عرش الہی) میں پہنچے گی جس پر اللہ عزوجل جلوہ فرما ہے۔ اور جب مرنے والا کوئی برا شخص ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں 'کل اے فبیٹ (ٹپاک) روح! تو غیبت جسم میں تمہیں' کل تو نہ مت کی ہوئی ہے۔ تجھے کھولتے ہوئے بدودار پانی کی بشارت ہو اور اسی قسم کے اور پانی کی۔ اسے پوچھی کہا جاتا ہے 'گا' حتیٰ کہ وہ روح جسم سے نکلے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جائے گا اور اس کے لیے آسمان کو کھلوایا جائے گا۔ پوچھا جائے گا 'یہ کون ہے؟' پھر بتایا جائے گا یہ فلاں ہے پھر کہا جائے گا اس ٹپاک روح کا آنا مبارک ہو' یہ ٹپاک جسم میں تمہیں تو نہ مت کی ہوئی داپس ہو جا' میرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا پھر قبر تک پہنچے گی۔

علامہ محمد شاکر متوفی ۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۸۷۵۳، مطبوعہ دار الحدیث، القاہرہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۵۳، طبع قدیم، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۳۷۷)
امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشم کو لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے روح!) نکلو اور آنحالیکہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو، تم اللہ کی راحت اور خوشی کی طرف نکلو اور رب کی رضا کی طرف نکلو۔ پھر روح مشک کی پاکیزہ خوشبو کی طرف نکلتی ہے، حتیٰ کہ بعض فرشتے اس روح کو لیتے ہیں اور اس کو آسمان کے دروازے کی طرف لاتے ہیں اور آسمان والے کہتے ہیں 'یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے؟' پھر وہ اس روح کو مومنین کی ارواح سے ملائے ہیں اور وہ روحیں اس روح سے مل کر اسی طرح خوش ہوتی ہیں جیسے کوئی شخص اپنے چمڑے ہوئے دست سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کیسا ہے؟ فلاں شخص کیسا ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑو، وہ دنیا کے غم میں ہے اور جب وہ کہتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا اور جب کافر کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ٹٹ کو لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں 'نکل در آنحالیکہ تو اللہ سے ناراض ہے'

اور اللہ تجھ سے ناراض ہے۔ تو اللہ کے عذاب کی طرف نکل، تو وہ انتہائی ناگوار بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کو زمین کے دروازہ کی طرف لاتے ہیں اور زمین والے کہتے ہیں: یہ کیسی ناگوار بدبو ہے؟ پھر وہ اس کو کفار کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (سنن نسائی، ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۷، رقم الحديث: ۳۰۱۳، المستدرک، ج ۱، ص ۳۵۳)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ بیان کرتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردودہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ریشم میں منک اور گل رحمن کے گلے لے کر آتے ہیں۔ پھر اس کے جسم سے روح اس طرح نکل لیتے ہیں جس طرح آٹے سے بل نکل لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: اے پاکیزہ روح اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف راضیہ اور مرضیہ ہو کر چلو اور اس کو ریشم میں لپیٹ کر علسن کی طرف لے جاتے ہیں اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹٹ میں انکارے لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے اس کی روح کو کھینچتے ہیں اور کہا جاتا ہے: اے ناپاک روح! نکل در آنما، کہ تو اللہ سے ناراض ہے اور اللہ تجھ سے ناراض ہے، نکل اللہ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف۔ اور جب روح نکل جاتی ہے تو اس کو اس انکارے پر رکھ کر ٹٹ میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو علسن کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ (شرح الصدور، ص ۳۳، مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت، ۱۳۰۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے۔ سنو! اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام: ۶۳)

اللہ تعالیٰ کے مولیٰ اور حق ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹے جائیں گے جو ان کا ایسا مولیٰ ہے جو حق ہے۔ مولیٰ کا ایک معنی ہے آزاد کرنے والا، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عذاب سے آزاد فرما دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (مسند الحمیدی، ج ۳، رقم الحديث: ۳۶۱) نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی اخلاص اپنے بندوں کی طرف فرمائی ہے: یعنی ان کا مولیٰ اور یہ اخلاص انتہائی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ پھر فرمایا ان کا مولیٰ جو حق ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان باطل آفتوں کے ماتحت تھا اور وہ نفس، شہوت اور غضب کے احکام کی اطاعت کرتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آرَءَيْتَ مَنِ اتَّعَذَّ لِلْهَوَاقِفِ؟

کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا

(الفرقان: ۳۳) پیروی کیا۔

اور جب انسان مرجاتا ہے تو باطل آفتوں کے احکام کی اطاعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور صرف اپنے حقیقی مولیٰ کے زیر تصرف آ جاتا ہے۔

روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ انسان کی حقیقت یہ جسم نہیں ہے، بلکہ یہ روح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ انسان مرجائے گا اور مرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا جائے گا اور اس مردہ جسم کا اللہ کی طرف لوٹنا تو ممکن نہیں ہے، تو ثابت ہوا کہ اس کی روح کو اللہ کی طرف لوٹا جائے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے روح موجود تھی، کیونکہ اس عالم سے اللہ کی بارگاہ کی طرف روح کا لوٹنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب روح پہلے سے موجود

ہو اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

إِذْ جَعَلْنَا الْإِنْسَانَ رَجُلًا مِّنْ عَلَمٍ (المحجر: ۲۸)

اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۶۰-۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر

امام رازی کی اس تقریر سے معاد جسمانی کا انکار لازم آتا ہے، جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انسان کا حشر روح مع الجسم ہو گا اور اس مردہ جسم کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ کر دے گا اور جسم میں روح ڈال کر اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس جسم کے زندہ کیے جانے اور اللہ کے سامنے اس کے پیش کیے جانے پر دلائل مذکور ہیں۔

اور انہوں نے کہا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان کی خل بنانے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لیے سوت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، پس ظالموں نے کفر کرنے کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا۔

وَقَالُوا إِنَّا كُنَّا عِطَافًا وَرَمَيْنَا إِذَا لَمْ نَكُنْ نَحْنُ حَلَقًا جَدِيدًا ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمْرَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِنكُم مِّثْلَهُمْ وَيَجْعَلَ لَهُمْ آجَلًا ۚ أَلَيْسَ فِيهِد قَابَسِ الظُّلُمُوتِ إِلَّا كُفُورًا ۝

(ہو اسرائیل: ۶۸-۶۹)

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ آپ کہئے! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔

قَالَ مِمَّنْ يُخَيِّطُ الْعِطَافَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُخَيِّطُهَا اللَّهُ الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَلَيْسَ ۙ

قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف روح نہیں لوٹتی جائے گی بلکہ روح اور جسم دونوں لوٹتے جائیں گے اور انسان صرف روح کا ہم نہیں ہے بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ پیدا ہونے کے بعد جسم کی سالمیت اور اس کے تشخص میں عمر کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے اور مرنے کے بعد جسم بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور انسان واحد کی حقیقت اور اس کا تشخص تو معین اور غیر متبدل ہونا چاہیے اور وہ نفس تو صرف روح میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں اجزاء امیہ ہوتے ہیں جو اس کے جسم کے تمام مختلف احوال میں مشترک رہتے ہیں اور جب جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تب بھی وہ اجزاء باقی رہتے ہیں اور ان ہی اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور انسان کی حقیقت اور اس کے تشخص کا دار روح اور ان اجزاء امیہ پر ہے۔

جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور بحث و نظر

البتہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ روح کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا روحمی مجتمع فکرتی ہیں جو ان میں سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے نا آشنا ہوتی ہیں وہ آپس میں اختلاف کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۵۹، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۳۴، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱

اس حدیث سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے ابتداء خلقت کی خبر کا مقصود ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کو جسوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور جب روحوں کا جسوں میں حلول ہو تو ان کی آپس میں شناسائی یا عدم شناسائی عالم ارواح کے اعتبار سے ہوتی تو روحیں جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملیں تو ان کا ایک دوسرے سے متفق یا مختلف ہونا بھی اسی سابق شناسائی یا عدم شناسائی کے اعتبار سے تھا۔ (فتح البدر ج ۶ ص ۳۶۹ مطبوعہ لاہور ۱۳۶۴ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۵۹ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسوں سے پہلے پیدا کیا ہے۔ (المملوئی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۰۰ مطبوعہ المکتبۃ النوریہ در ضویہ لاہور پاکستان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ روحوں کو جسوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جسوں کے فنا ہونے کے بعد بھی روحیں باقی رہتی ہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے شہداء کی روحیں بنزیر عہدوں کے پونوں میں رہتی ہیں۔ (امحۃ القاری ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ دارۃ البیان المیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ عسقلانی اور حافظ سیوطی نے یہ تو لکھا ہے کہ روحیں جسوں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں، لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث کس امام نے کس صحابی سے روایت کی ہے؟ البتہ علامہ ابن قیم جوزیہ نے لکھا ہے کہ امام ابو عبد اللہ بن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن حبیب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں کی روحیں بندوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ سو جو روحیں ایک دوسرے سے متعارف تھیں وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو روحیں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھیں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ (الروح ص ۵۵۰-۵۵۱ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۱۵ھ)

پھر علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۰ھ نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی عتبہ بن سکن ہے۔ امام دارقطنی نے اس کے متعلق یہ کہا کہ یہ حروک ہے اور ایک راوی ارطاة بن منذر ہے۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی بعض احادیث غلط ہیں۔ (الروح ص ۵۵۱ مطبوعہ قاہرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے جس کو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے۔ اس میں اگرچہ دو ہزار سال پہلے کے الفاظ نہیں ہیں، لیکن وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ روحیں ایک مجتمع لشکر کی صورت میں پہلے پیدا ہو چکی تھیں نیز اس کی مزید تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی جس کو وہ ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک بنائی۔ پھر ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک انہیں بتا چکی تھی۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کو داؤد کہا جاتا ہے حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا اے میرے رب! میری عمر سے چالیس سال اس کی عمر زیادہ کر دے جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیا ابھی میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو یہ عمر نہیں دی؟ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا۔

کیا اور حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ متحد سندوں کے ساتھ از ابو هریرہ از نبی پیچیدہ مروی ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکالا گیا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

نیز امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری حنفی ۳۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے پہلے ان کو ارواح بنایا پھر ان کو صورتیں دیں اور گویائی عطا کی تو وہ بولنے لگے۔ پھر ان سے عہد لیا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے اور ہم نے تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ کیا ہے کہ تم یہ کہو کہ ہم کو پتا نہ تھا یا یہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ سو تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا پس انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی ہمارا رب ہے نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف سے کھاتون میں غنی اور فقیر اور خوبصورت اور بد صورت لوگوں کو دیکھا۔ تو حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اگر تو اپنے تمام بندوں کو براہ کرتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے چرخوں کی طرح روشن انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان سے نبوت اور رسالت کا عہد و میثاق لیا اور اس میں ان آیتوں کی تصدیق ہے:

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے انہوں سے میثاق لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ میثاق لیا۔

سو آپ اللہ کی اطاعت کے لیے اپنی ذات کو ثابت قدم رکھیں اور ان باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت پر لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

یہ ایک ڈرالے والے ہیں پہلے ڈرالے والوں میں سے۔ اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں سے عہد کی دفا نہیں پائی اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمانی پایا۔

پھر نوح کے بعد ہم نے ان لوگوں کی طرف رسول بھیجے جو ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے کیونکہ وہ اس سے پہلے ان کی ٹھکانہ پر تھے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ
مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
أَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا (الاحزاب: ۷)
فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ
(الروم: ۳۰)

هَذَا نَذِيرٌ لِّلَّذِينَ الْاُولَى (النجم: ۵۶)
وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَجَدْنَا
اَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ (الاعراف: ۱۰۳)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا اِلَىٰ قَوْمِهِمْ
فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا يَتُوبُونَ اِلَيْهَا
كَذَّبُوهُ مِنْ قَبْلُ (يونس: ۱۰۳)

پس حضرت عیسیٰ کی روح ان ارواح میں سے تھی جن سے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے صمد لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ روح حضرت مریم کی طرف بھیجی جو اپنے گھروالوں سے الگ ہو کر ایک شرقی مقام میں آگئی تھی۔ پھر لوگوں کی طرف سے انہوں نے ایک پردہ بنا لیا تو ہم نے ان کی طرف اپنے ایک فرشتہ کو بھیجا جس نے ان کے سامنے ایک سدرست آدمی کی صورت اختیار کی۔۔۔۔۔ پھر مریم نے اس کو اپنے بیٹ میں لے لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی۔

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور سنیین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کی روحوں کو نکالا اور ان دونوں حدیثوں کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ آلِ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝ (الاعراف: ۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے جو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں ایم نے کو اسی دی (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن کوہم تو اس سے بے خبر تھے۔

علامہ ابن قیم نے ان دلائل کے معارضہ میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ فرشتہ ہاں کے بیٹ میں روح پھونکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم کے ساتھ یا اس کے بعد حادث ہوتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور آپ صلیق اور مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اپنی ماں کے بیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے (یعنی نطفہ) پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار کلمات کہنے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اس کا عمل لکھو اور اس کا رزق اور شقی یا سعید ہونا پھر وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ بے شک تم میں سے ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے پھر وہ دوزخیوں کا عمل کرتا رہتا ہے اور ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے پھر وہ جنتیوں کا عمل کرتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۲۲، ۳۳۰۸ ج ۲ رقم الحدیث: ۵۵۳ ج ۸ رقم الحدیث: ۷۵۵۲، صحیح مسلم قدر ۱ (۳۷۳) ۷۵۹۹ سنن الترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۳۲۲ سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۷۰۸ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۷۱، صحیح ابن حبان ج ۳ رقم الحدیث: ۷۷۷۳ سنن احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن حیدری ج ۱ رقم الحدیث: ۳۶۱ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۶)

ہر چند کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وقت فرشتہ پھونکے گا تو اس میں روح پیدا کرتا ہے لیکن دوسرے دلائل سے مطابقت کے لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرشتہ کے پھونکے مارے وقت اللہ تعالیٰ اس میں وہ روح بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے پیدا کی جا چکی ہے۔

قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! اسی کا حکم ہے۔ یعنی سورۃ "نور" میں ہر طرح اسی کا حکم ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی اطاعت ثواب کو واجب نہیں کرتی اور کسی شخص کی معصیت عذاب کو واجب نہیں کرتی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اطاعت کرنے والے کا یہ حق ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ثواب عطا کرنے کا حکم دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کا حکم بخند نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر چیز پر اسی کا حکم بخند ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے حسب ذیل آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جلد حساب لینے کے متعلق فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ
سَرِيعٌ الْحِسَابُ (الرعد: ۴۱)

اللہ حکم فرماتا ہے اور اس کے حکم کو روک دینے والا کوئی نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب بہت جلد لے لے گا اور ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص سے حساب لینا اور اس وقت میں کسی دوسرے سے حساب لینا اس کے لیے مانع اور رکاوٹ نہیں ہو گا۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوبا جاتا ہے اور بعض حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف یوم کی مقدار میں حساب لے لے گا بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حساب نہیں لے گا بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرشتوں کو حساب لینے کا حکم دے گا سو ہر فرشتہ ہر بندے سے حساب لے گا اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا اور کافروں سے فرشتے حساب لیں گے کیونکہ اگر اللہ کافروں سے خود حساب لیتا تو ان سے کلام بھی فرماتا، حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا لیکن اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا بلکہ غضب کے ساتھ ان سے کلام فرمائے گا اور قرآن مجید کی ظاہر آیتیں اس قسم کے کلام پر دلالت کرتی ہیں:

وَبِئْسَ مَا تَحْكُمُ بِهِمْ إِذَا تُخْرِجُهُم مِّنْ دِينِهِمْ قَوْلُ لَّيْلٍ
أَوْ يَوْمٍ أَوَّاهٍ وَإِن يَحْكُمُ لَّيْلٍ أَوْ يَوْمٍ أَوَّاهٍ
تَرَعَمُونَ (الانعام: ۲۲)

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر شرک کرنے والے لوگوں سے کہیں گے تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟

قَدْ وَقَفَا عِندَ رَبِّكُم هَٰذَا الْإِنْسَانُ
سَيِّئٌ مَّنْكَ وَتَوَفَّوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ (السجده: ۱۴)

یہی آپ تم (اس کا مزہ) چکھو کہ تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا۔ بے شک ہم نے تمہیں فراموش کر دیا اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو ان (برے) کاموں کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

باقی حساب لینے کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کا عمل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی، ہم اللہ کے حساب لینے پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو عالم الغیب والاشیاء کے سر دہرتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۷، ص ۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ
اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے متعلق
(الرحمن: ۳۹) سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائے گا لیکن اس کے معارض دوسری آیت ہے:
فَوَرَّيْكَ تَسْفَلْتَهُمْ آخِصَّةٍ ۝ عَقَا
كَأَنَّهُمْ قُلُوبٌ ۝ (الحجر: ۴۳-۴۴)
سو آپ کے رب کی قسم اجماع ان سے ضرور سوال کریں گے
ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

ان آیتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کیونکہ ان کے اعمال
فرشتے نے لکھے ہوئے ہیں بلکہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا ہے؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے
دن احوال مختلف ہوں گے۔ کسی سے کسی وقت کوئی سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی دوسرے وقت سوال کیا جائے گا۔ اس کی نظیر
یہ ہے کہ کسی وقت کسی کو اپنا عذر بیان کرنے کی جرات نہیں ہوگی اور کسی وقت وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی جہتیں پیش کریں
گے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ۝ وَلَا يُؤَدُّنَ لَهُمْ
فَعَتُورُونَ (المرسلات: ۳۵-۳۶)
اس دن وہ نہ کوئی بات کر سکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش
کرنے کی اجازت دی جائے گی۔
ثُمَّ إِلَيْكُمْ يَوْمَ الْفَيْصَةِ عِندَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُونَ (المرمر: ۳۸)
پھر یقیناً تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے ہنگامہ کرو گے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ اس دن کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا وہ جھگڑا کریں گے اس کا یہی عمل
ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔
حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نہی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی حدیث سنی تھی اور اس کو نہ سمجھ پاتیں تو وہ نبی ﷺ سے
پوچھتی تھیں حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ
نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا؟

فَقَالَ مَنْ أُوْبِيَ كُتِبَ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ فَسَوْفَ
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (الانشقاق: ۷۸-۷۹)
پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو
غریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا اس سے مراد حرف امل کو پیش کرنا ہے لیکن جس سے حساب میں مبتلا کیا گیا (کہ فلاں کام تم نے کیوں
کیا) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث ۲۸، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث ۳۰۲، سنن

حضرت عبداللہ بن مسعود جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب
سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث ۷۸۳، صحیح مسلم زیات ۲۸، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث ۳۰۲، سنن
البیہقی ج ۱، رقم الحديث ۴۰۴، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث ۳۵۵)

یہ حدیث حقوق العباد پر محمول ہے اور حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر نمازیں درست ہوئیں تو وہ کامیاب اور کامیاب ہو گیا اور اگر نمازیں فاسد ہوئیں تو وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا۔ اگر اس کے فرض میں کمی ہو تو رب تبارک و تعالیٰ فرمائے گا دیکھو میرے اس بندہ کے نفل ہیں؟ پھر فرائض کے نقصان کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح محاسب ہو گا۔

(سنن الترمذی 'ج ۱' رقم الحديث: ۳۳۳۳ سنن ابو داؤد 'ج ۱' رقم الحديث: ۸۷۳ سنن النسائی 'ج ۱' رقم الحديث: ۳۶۶۱ سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحديث: ۳۲۵۵ مسند احمد 'ج ۲' ص ۲۲۵ 'ج ۲' ص ۲۹۰ 'ج ۲' ص ۱۲۳ 'ج ۵' ص ۷۷۷ (۷۲۲۷)

قاضی ابو بکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خشوع میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور میرے نزدیک سبب احتمال زیادہ ظاہر ہے کہ چونکہ آپ نے باقی اعمال کا بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے اور زکوٰۃ میں صرف فرض ہے یا نفل ہے پس جس طرح زکوٰۃ کا فرض فاضل صدقات سے پورا ہو جاتا ہے اسی طرح نماز کا فرض بھی نفل سے پورا ہو جائے گا اور اللہ کا نفل بہت وسیع ہے اور اس کا وعدہ بہت بخیر ہونے والا ہے اور اس کا عزم اتم اور اعم ہے۔ (علامۃ الامام حنفی 'ج ۲' ص ۲۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز کی سنتوں میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ نوافل سے پوری کی جائے گی۔ کیونکہ کوئی سنت واجب کا بدل نہیں ہو سکتی ہے۔ حدیث تہ سی ہے جتنا مجھ سے فرائض کے ذریعہ قرب حاصل ہوتا ہے اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور شیخ عز الدین نے کہا ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کے ایک درہم کا آٹھواں حصہ نفل بزرگ درہم سے زائد ہے اور کوئی آدمی ساری عمر نفل قیام کرے بلکہ تمام زمانہ قیام کرے تو وہ صبح کی دو رکعت فرض کے برابر نہیں ہے۔ (سنن النسائی 'ج ۱' شرح الحديث: ۳۶۶۱ دار المعرفہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا اللہ کا رات میں ایک حق ہے جس کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا اور اللہ کا دن میں ایک حق ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا اور جب تک فرض ادا نہ کیا جائے اللہ نفل کو قبول نہیں کرتا۔ (الحديث)

(مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۳' رقم الحديث: ۲۳۸۰ 'ج ۳' رقم الحديث: ۱۸۸۳ کتاب الزکوٰۃ لابن المبارک 'رقم الحديث: ۴۳' طبع الاولیاء 'ج ۱' ص ۳۶ جامع للاصول الکبیر 'ج ۳' رقم الحديث: ۱۸۸۹)

امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابن آدم کا قدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے اس وقت تک نہیں ہٹے گا حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کر لیا جائے۔ اس نے اپنی عمر کس کام میں نکالی؟ اس نے اپنی جوانی کس کام میں بٹلائی؟ اس نے مال کس سے حاصل کیا؟ اور کس اس کو خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحديث: ۲۳۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے کہا

یا رسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم ہونہ کوئی متاع ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہو گا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گل دی ہوگی اور کسی کو قسمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھلایا ہو گا اور کسی کا خون بھلایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا وہ شخص جینے جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے اس کو بدلہ دیا جائے گا اور اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس پر جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۸، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۸، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۰۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۶، ص ۴۳)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تیرے لیے کفن اور آنکھیں نہیں بنائی تھیں؟ اور کیا مال اور اولاد نہیں دیئے تھے؟ کیا تیرے لیے مویٹیوں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا؟ کیا تجھے سرداری اور خوش حالی نہیں دی تھی؟ پھر کیا تو مجھ سے اس دن ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھے اس طرح فراموش کروں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ اس کو اپنی رحمت سے گھیر لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا (فرمائے گا) تم فلاں گناہ پہچانتے ہو؟ وہ دوبارہ کہے گا اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارا پرہیزگار تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا محیفہ لپیٹ دیا جائے گا باقی رہے کفار تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے پکار کر بلایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر بصوت بلند حاکم۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۸۵، صحیح مسلم، توبہ، ۵۴، ۲۷۸۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۶، رقم الحدیث: ۸۳۲، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں ضرور اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا! ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پس کہا جائے گا اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کر دو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے دور رکھو۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں! اور اس کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے ڈر رہا ہو گا کہ کہیں اس کے بڑے بڑے گناہ نہ پیش کر دیئے جائیں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ تب وہ شخص کہے گا اے میرے رب! میں نے تو اور بھی بہت سے کام کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھی میں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۳۱۳، ۱۹۰، ۲۵۹، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۰۵)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالمہدیؑ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہزار کے ساتھ ستر ہزار (مزید) ہوں گے اور میرے رب نے (دونوں ہاتھوں سے تین بار) (بک) بھرنے کا وعدہ کیا ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۳۵، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۸۶، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۶۱، مسند احمد ج ۸، رقم الحديث: ۲۲۳۸۸، المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحديث: ۷۷۷۷)

حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہؓ تابعین اور علماء کے نظریات علامہ محمد بن احمد السقاریؒ النبی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

حساب کی کیفیات اور اس کے احوال مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض کا حساب آسان ہو گا اور بعض کا حساب مشکل ہو گا، بعض کے ساتھ مدد ہو گا، بعض پر فضل ہو گا، بعض کی عکرم ہوگی، بعض کی زجر و توبخ ہوگی، بعض سے درگزر ہو گا اور بعض کی گرفت ہوگی۔ فور یہ سب اس اکرم الاکرمینؐ اور ارحم الراحمینؐ کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔

سب سے پہلے علماء مجاہدوں، مل داروں اور خوش حالوں سے حساب لیا جائے گا، حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہو گا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "لا اله الا اللہ" کے متعلق سوال ہو گا اور ضحاک نے کہا لوگوں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور علامہ قرطبی نے کہا تمام اقوال اور افعال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (نوا سرائیل ۳۷)

فَوَرَّيْكَ لَسْتَ لَهُمْ آخِزِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النحل: ۳-۴)

امام رازی کا بھی یہی رجحان ہے کہ ہر کام کے متعلق سوال ہو گا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم ان سب سے سوال کریں گے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء عظیم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا۔ انبیاء عظیم السلام سے سوال کے متعلق اس آیت میں تصریح ہے:

فَلَسْتَ لِقَیِّ الدِّینِ أَرْسِلْ إِلَیْهِمْ وَلَسْتَ لِقَیِّ الْمُرْسَلِینَ (الاعراف: ۶)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور یہ شک ہم رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ شمول انبیاء عظیم السلام ہر شخص سے سوال کیا جائے گا۔ البتہ ان سے یہ طور مناسبت سوال نہیں ہو گا، بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ سوال کیا جائے گا اور احادیث میں جن کے متعلق یہ بشارت ہے کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ ان آیات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ انبیاء عظیم السلام سے تبلیغ رسالت کے متعلق سوال ہو گا اور کفار سے انبیاء عظیم السلام کی تکذیب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ علامہ بلبانی نے لکھا ہے کہ کفار نے جو نیک کام کیے ہیں، ان سے ان کے عذاب میں تخفیف حتمی ہے (یہ صحیح نہیں ہے) قرآن مجید میں تصریح ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف

نہیں کی جائے گی۔ لا یضعف عنہم العذاب ولا ہم یسظرون (البقرہ: ۶۴)

شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے تعالیٰ میں حساب لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا جیسا کہ کتب اور سنت میں ہے اور جن لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جاتا ہے کفار سے اس قسم کا حساب نہیں لیا جائے گا کیونکہ ان کی کوئی نیکیاں نہیں ہیں لیکن ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا ان سے ان کا اقرار کرایا جائے گا۔

نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ایک قدم بھی چلتا ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس کا اس سے کیا ارادہ تھا امام ترمذی امام ابن حبان امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا کیا میں نے تمہارے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے سایہ ٹھنڈے پانی اور کھجور کے متعلق سوال کیا جائے گا امام احمد امام بیہقی اور امام ابو نعیم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزوں کے متعلق بندہ سے سوال نہیں کیا جائے گا دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکے اور کپڑے کا اتنا ٹکڑا جس سے وہ اپنی شرم گھ ڈھانپ سکے۔

امام احمد نے سند جید کے ساتھ حضرت ابی عیسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر نبی ﷺ کو پیش لیا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے اس کو کھلیا پھر آپ نے ٹھنڈا پانی منگا کر پیا۔ پس فرمایا قیامت کے دن تم سے اس کا سوال کیا جائے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان چیزوں کے متعلق بھی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اسوا ان تین چیزوں کے وہ کپڑا جس کے ساتھ شرم گھ کو لپیٹا جاسکے روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے بھوک مٹائی جاسکے اور اتنا خمر جو دھوپ اور بارش سے بچانے کے لیے کافی ہو۔

حساب کو آسان کرنے کا طریقہ

امام طبرانی امام یزید اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس میں ہوں اللہ اس سے آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا صحابہ نے پوچھا اللہ کیا خصلتیں ہیں؟ فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو۔ جو تم سے تعلق توڑنے اس سے تعلق جوڑو۔ جو تم پر زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔

امام ابیہانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کر سکتے ہو کہ جب تم صبح اٹھو یا جب شام ہو تو تمہارے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کر لو کیونکہ اس سے تمہارا حساب زیادہ آسان ہو گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ اس نے کہا آپ کعب کی قسم اعلیٰ نجات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لیے کہ کریم جب قلم ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ کریم جب قلم ہوتا ہے تو بخش دیتا ہے اور جب تم سے کوئی لغزش ہو تو وہ پردہ رکھتا ہے اور جلدی

غصہ کرنا اور انتقام لینا یہ کریم کی عادت نہیں ہے۔

مذکورہ اصول و احادیث میں ہے کہ تم کسی کی زیادتی معاف کرو، اس سے تمہارا حساب آسان ہو گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم بندوں کی خطاؤں کو معاف کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی عکرم کے لیے اللہ تعالیٰ حساب کے وقت ان سے بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا اور کفار کی لہانت کے لیے ان سے خود کلام نہیں فرمائے گا بلکہ فرشتے ان سے حساب لیں گے۔

(الوامع الانوار المہدیہ ج ۲ ص ۱۷۷-۱۷۸ مطبوعہ مکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کئے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے آپ کئے کہ اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو (الانعام: ۶۳-۶۴) مصیبت نکل جانے کے بعد اللہ کو بھول جانے پر ملامت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور ان کے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی رحمت اس کے فضل اور اس کے احسان پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں خشکی کی تاریکیوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد حسی تاریکی بھی ہے اور معنوی تاریکی بھی۔ حسی تاریکی رات کا اندھیرا، گہرے ہالوں کا اندھیرا، بارش اور آندھیوں کا اندھیرا ہے اور سمندروں کی حسی تاریکی رات کا اندھیرا، ہلوسوں کا اندھیرا اور موجوں کے عظیم کا اندھیرا ہے اور معنوی تاریکی بن آدمیوں کی وجہ سے خوف شدید، فتنوں کے نہ ملنے کی وجہ سے حشر کی ہدایت نہ پانے کا خوف اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اس قسم کے اسباب مجتمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت وہ ذہن اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل و کرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو بلوٹی و بلا اور جائے پناہ قرار دیا جائے۔ اور جب اس حال میں وہی فریادیں اور دھمکیاں آتی ہیں تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اسی کی عیادت کرنی چاہیے، لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے، جب وہ مشکلات کے بحصور سے نکل جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کو ملنے والی اسباب کی وجہ سے یہ نجات ملی ہے اور پھر وہ اخلاص اور رجوع الی اللہ کو ترک کر دیتا اور اپنی خواہشات کے ترشیدہ بتوں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے دعا کرتا ہے اور عاجزی سے گزارش کرتا ہے اور اس کی طرف اخلاص سے متوجہ ہوتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کا بطیع فرمانبردار اور شکر گزار بن کر رہے گا، لیکن جیسے ہی وہ امن اور سلامتی کو پالیتا ہے۔ وہ اپنی سلجھ روٹ پر لوٹ جاتا ہے۔

یہ ظاہر اس آیت میں مشرکین کو زبردستی توحید کی گئی ہے اور ان کے طریقہ فکر کی مذمت کی گئی ہے، لیکن یہ صورت حال ان

مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتی ہے جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل رہتے ہیں، لیکن جب ان پر اچانک کوئی آفت آنوٹتی ہے اور انہیں اس سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو بے اختیار اللہ کو یاد کرتے ہیں اور گڑگڑا کر اس سے دعا کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور اپنے پیش و طرف اور ہر طرف میں مست اور سہے خود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیتیں یہ ہیں:

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ
تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ مِّنَ
الْبَرِّ اعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَافُورًا

(بنی اسرائیل: ۶۷)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا إِلَىٰ مُوسِمَاتِ الْبُيُوتِ
إِذَا تَحَوَّلَتْ يَمِينُهُ يُنَسِّئُ مَا كَانَ بِذَعْوِ الْكِبَرِ
مِنْ قَبْلُ وَحَمَلَ لِحْوَانَهُ إِذَا الْيُضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ
(الزمر: ۸)

اور جب تمہیں سمندر میں کوئی آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پر شغل کرتے تھے وہ سب تم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا فراموش ہے۔

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو بھارتا ہے، اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب اللہ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرمادے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے جس کے لیے اس سے پہلے وہ اللہ کو بھارتا تھا اور اللہ کے لیے شریک قرار دیتا ہے تاکہ اوروں کو بھی اس کی راہ سے بھکا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھئے اہم کس طرح بار بار دہریلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں۔ (الانعام: ۶۷)

اللہ کی طرف سے دیئے جانے والے عذاب کی اقسام

اس سے پہلے اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین و غیرہ جب مصائب میں اخلاص کے ساتھ اس کو بھارتے ہیں تو وہ ان کو ان مصائب اور آفت سے نجات دے دیتا ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے تم پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے تاکہ مشرکین عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک نوع کی دلیل ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور ظالم حکام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہولناک آواز ہے یا آندھی ہے یا پتھروں کا برسنا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد سخت طوفانی ہارشیں ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور بدکار لوگ اور خدا تمہارے پاؤں سے مراد ہے زلزلہ اور زمین میں دھنسنے کا عذاب۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ مجاہد نے کہا اس امت کے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا عذاب ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے اور جنہوں نے کفر و کذب کی ان کا عذاب

کڑک اور زلزلہ ہے۔

لوہ سے عذاب نازل ہونے کی مثل یہ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفانی بارشیں ہوئیں، جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر سے یا جیسے ابرہہ کے ہاتھیوں پر ابدلیوں نے ٹکریاں برسائیں اور جو عذاب پاؤں کے نیچے سے ظاہر ہوا اس کی مثل زلزلے ہیں اور جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یا بارش اور فصلوں کی پیداوار روک کر قحط کا عذاب نازل کیا گیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پتلا میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی "او من تحت ارجلکم" تو آپ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پتلا میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی او یسلکم شیعا ویدبق بعضکم باس بعض تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ زیادہ سہل اور زیادہ آسان ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۴۷۳۸، السنن الکبریٰ للبخاری، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۵)

امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرماتا اس آیت میں فرمایا ہے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رنگ و نسل اور زبان اور فتنی و اعتقادی نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی۔ نیز فرمایا اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے یہ امت باہم جدال اور قتل کرے گی۔ نبی ﷺ نے دعا کی کہ آپ کی امت کو اللہ ان تمام قسم کے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوہ اور نیچے سے دیئے جانے والے عذابوں سے حفاظت کے حلق آپ کی دعا قبول کر لی اور امت کے آپس کے فرقہ اور لڑائیوں سے حفاظت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حبان قصیری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا سو میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور یہی جتنی زمین میرے لیے لپٹی گئی ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا اور مجھے سرخ اور سفید (سورے اور چاندی کے) دو خزانے دیئے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو عام قحط سے نہ ہلاک کرے اور یہ کہ ان کے لوہ پر ان کا ایسا مخالف دشمن مسلط نہ کرے جو ان کو بالکل ختم کر دے۔ تب میرے رب نے فرمایا اے محمد! جب میں کوئی نذرین بنا دیتا ہوں تو وہ مسترد نہیں ہوتی اور میں نے آپ کی امت کے لیے یہ کوہیا ہے کہ میں ان کو قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا اور یہ کہ میں ان پر ان کا مخالف ایسا دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کو بالکل ختم کر دے، خود وہ تمام روئے زمین سے ان کے لوہ پر چڑھ جائے گا حتیٰ کہ آپ کی امت کے بعض افراد بعض کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو قید کریں گے۔

(صحیح مسلم، متن: ۱۸، (۲۸۸۹) سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۳۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۸۷، سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۴۷۳۸، صحیح ابن حبان ج ۱، رقم الحدیث: ۴۷۳۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۵۴، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۳۲، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۵۴، جامع الترمذی ج ۲، ص ۱۳۹)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ عام طور پر نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہاں اللہ سے رغبت اور اس سے خوف کی نماز تھی، میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا، اس نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک سے منع کر دیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط میں ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے مجھے یہ عطا کر دیا، پھر میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے مخالف کو مسلط نہ کرنا تو یہ مجھے عطا کر دیا اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کے بعض، بعض سے جنگ نہ کریں تو مجھے اس سے منع فرما دیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے تین چیزیں دی گئیں اور ایک چیز سے منع کر دیا گیا، میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت پر ان کا مخالف دشمن نہ مسلط کیا جائے جو ان کو بالکل ختم کر دے اور ان پر قحط نہ مسلط کیا جائے اور وہ گمراہی پر متفق نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے یہ سوال کیا کہ وہ متفرق نہ ہوں اور بعض، بعض سے لڑائی نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "و یذیق بعضکم بعضا" (الانعام: ۶۷) تو رسول اللہ ﷺ نے وضو کر کے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ آپ کی امت پر اوپر سے عذاب نہ بھیجے اور نہ نیچے سے عذاب بھیجے اور نہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرے اور نہ بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ جیسا کہ بنو اسرائیل کو چکھایا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف نازل ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ آپ نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرمادی ہیں اور دو چیزوں کے سوال سے منع فرما دیا ہے۔ آپ کی امت پر نہ اوپر سے عذاب آئے گا اور نہ ان کے پیروں کے نیچے سے ایسا عذاب آئے گا جو ان کو جڑ سے اکھاڑ دے، کیونکہ عذاب کی یہ دونوں قسمیں ہر اس امت کے لیے تھیں جس نے اپنے نبی کی تکذیب کی ہو اور اپنے رب کی کتاب کو مسترد کر دیا ہو، لیکن وہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرمائے گا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزہ چکھائے گا اور ان دونوں قسموں کے عذاب ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو کتاب کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آپ کی زندگی میں آپ کی امت کو اس قسم کے فتوں کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۹۲-۲۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ان تمام احادیث اور روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرما دیا، یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول نہیں کی۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے، لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا سوال رد نہیں فرماتا اور نبی ﷺ سب سے بڑھ کر محبوب ہیں اور سب سے زیادہ مستجاب ہیں۔ اسی لیے جو چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی دعا مانگنے سے منع فرما دیا، تاکہ آپ کی دعا کا مسترد کرنا لازم نہ آئے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت امین عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شام کے وقت اور صبح کو ان کلمات سے دعا مانگتے کہ ترک نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل اور اپنے مال میں، طہور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے محبوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے، ان سے ہٹا رکھ۔ اے اللہ! مجھے آگے اور پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت میں رکھ اور میں نیچے کی مصیبت (دھنسا دینے) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(سنن امین ماچہ، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۷۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ ہر قسم کے عذاب سے پناہ کے لیے بہت جامع دعا ہے اور نبی ﷺ انکار عبودیت، امتثال امر اور ہماری تعلیم کے لیے صبح و شام یہ دعا مانگتے تھے کہ جب آپ اپنے عظیم الشان رسول اور اللہ کے محبوب ہو کر اس قدر یہ دعا کرتے ہیں تو ہم جو دعائوں کے لیے یہی زیادہ محتاج ہیں، ہمیں کس قدر یہ دعا کرنی چاہیے۔

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے ہم کس طرح ہر دہائیوں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ یہ حقہ کریں (سمجھ سکیں) علامہ حسین بن محمد راجب اصلبائی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

حاضر علم سے غائب علم تک رسائی حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں احکام شریعہ کے علم کو فقہ کہتے ہیں۔

(المفردات، ص ۳۸۳، مطبوعہ المکتبۃ الرقعیہ، ایران، ۱۳۶۲ھ)

علامہ شافعیہ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے احکام شریعہ علیہ کا علم جو دلائل تفصیلہ سے حاصل ہو، اور حکم شرعی کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو، اور احکام شریعہ یہ ہیں۔ فرض، واجب، مستحب، مکروہ، سنت غیر مکروہ، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مسامحت، مکروہ تنزیہی، خلاف لونی، نام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔

لہٰذا یہ پہچاننا کہ کیا چیز اس کے لیے ضرر کا باعث ہے اور کیا چیز اس کے لیے نفع کا باعث ہے

دلائل اجمالیہ یہ ہیں۔ مثلاً امر و نہی کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے ہے اور دلائل تفصیلہ یہ ہیں مثلاً "اقیموا الصلوٰۃ" اور "لا تقربوا الربا" اور دلائل تفصیلہ سے احکام شریعہ کے حصول کی مثل یہ ہے۔ نماز کا امر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" اور جس چیز کا امر کیا گیا ہے وہ واجب ہے، کیونکہ امر و نہی کے لیے ہے، لہٰذا نماز واجب ہے۔ وہ صریح مثل یہ ہے زنا سے نہی کی گئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا تقربوا الربا" اور جس چیز سے نہی کی جائے وہ حرام ہے، کیونکہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ لہٰذا زنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کی قوم نے اس کو بھلا یا، حالانکہ یہی حق ہے۔ آپ کہتے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ہر خیال کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے۔ (الانعام: ۶۷-۶۸)

اس آیت میں فرمایا ہے حالانکہ یہی حق ہے۔ اس میں کس چیز کو حق فرمایا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ کفار نے اس عذاب کا انکار کیا، حالانکہ اس کا نزول حق ہے۔

۲۔ کفار نے اس قرآن کا انکار کیا، حالانکہ یہ قرآن حق ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور قوید پر استدلال کے لیے جو آیات نازل کی ہیں کفار نے ان دلائل کا انکار کیا، حالانکہ یہ دلائل

حق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا آپ کہئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی اگر تم ان دلائل سے اعراض کرتے ہو اور حق کا انکار کرتے ہو تو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی نہ میں تم پر جبر کر کے تمہیں مومن بنا سکتا ہوں اور نہ تمہارے اعراض کرنے کی تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ میں تو تم کو صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس نبی پر قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِعَاقِلٍ قَدْ تَجَرَّبَ الْقُرْآنُ مَنْ يَتَخَفُ وَيَعْبُدُ
(فی: ۳۵)

فَذَكِّرْنَا نَسَا أَنْتَ مَذَكِّرٌ ۖ لَسْتَ عَلَيْهِمْ
بِمُعْظِيظٍ (الفصاحہ: ۲۲-۲۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت میں یقیناً اس خبر کا ظہور ہو گا اور اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے عذاب آخرت کی جو خبر دی ہے وہ عذاب یقیناً نازل ہو گا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے تو بغیر شک و شبہ کے اس خبر کا ظہور ہو گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے لیے وعید ہے کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور دنیا میں بھی ان کے لیے وعید ہے جیسا کہ درد و غم میں وہ غلٹ سے دوچار ہوتے اور مسلمانوں کو بھی ڈرانا چاہیے کیونکہ اگر انہوں نے قرآن مجید کے احکام پر عمل نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کی تو یہ قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی عذاب الہی سے دوچار ہو جائیں۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ

اور (اے مخاطب!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن، تشبیہ کا) مشغول بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو،

حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ

حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۷۰﴾ وَمَا عَلَى

یاد آنے کے بعد غم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ۵ اور پرہیزگاروں سے

الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرِى

ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز نہیں ہوگی، ابتر ان کو نصیحت کرتے رہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۶۰﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا

ناکردہ دین، اللہ سے ڈریں ۰ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل و تماشیا بنا لیا ہے

وَعَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكْرُهَا أَن تَبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا

اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو، کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

كَسَبَتْ ﴿۶۱﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ

جاکت میں مبتلا نہ ہو جائیں، اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم

تَعْدِلُ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا

کا قدیم دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ بِمَا كَانُوا

جاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھوتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیوں کہ وہ

يَكْفُرُونَ ﴿۶۲﴾

کفر کرتے تھے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (حسن و تشبیہ کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ۰ (الانعام: ۶۸)

دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت

امام عبدالرحمن بن محمد بن رازی بن ابی حاتم متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے، اور ان کو آپس میں اختلاف کرنے اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے کی قومیں اپنے دین میں اختلاف کرنے اور مناظرے کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں اور بددعا ہو گئیں۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ خوض کا معنی ہے کھنڈ بکرا، گور یہ آیت مشرکین اور اہل اعداء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

سہی نے بیان کیا ہے کہ مشرکین جب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے تو نبی ﷺ اور قرآن مجید کے متعلق بدگوئی کرتے اور ان کو اہل اڑاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تک وہ کسی اور موضوع پر بات نہ کریں ان کے پاس نہ بیٹھو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۱۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلفی، الرياض ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ منکروں اور مکذیوں کے اعمال کے ذمہ دار، محافظ اور نگہبان نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور وقت آنے پر انہیں اپنی تکذیب کا انجام خود معلوم ہو جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب یہ لوگ دین اسلام، رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر نکتہ چینی کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح جب بدعتی اور گمراہ فرقے اپنی بدعت کی ترویج اور اشاعت کر رہے ہوں اور اہل ہمت و جماعت کا رد کر رہے ہوں تو ان کی مجلس سے بھی احتراز کرنا لازم ہے اور گمراہ لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ ملنا جلتا، ربط ضبط پر حلتا بھی جائز نہیں ہے اور عام مسلمانوں کے لیے ان گمراہ فرقوں کا لڑ پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ کتابیں پڑھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں گے۔ البتہ اہل علم کو ان کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور ان کے شکوک و شبہات کا رد کرنا چاہیے۔ شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں مبتلا کرنا ممکن نہیں

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور نبی ﷺ اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں اور اس پر قوی قہنہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور یہ بات شرعاً کامل ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ پر تسلط ہو اور وہ آپ کو کوئی ہمت بھلا دے، اللہ تعالیٰ شیطان سے فرماتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ (الحجر: ۴۲)
ہے شک میرے خاص بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہو گا۔ البتہ جو تیری پیروی کرے، گمراہوں میں سے۔

اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا کہ اللہ کے خاص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چل سکے گا
قَالَ قَبِيَئَرٌ نِّكَ لَا غِيْبَ لِيْهِمْ اٰجَمِيْعِيْنَ ۝ اِلَّا يَعْْبَادُكَ مِنْهُمْ الْمُغْلَبِيْنَ (ص: ۸۳-۸۴)
شیطان نے کہا میں تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور ہکاؤں گا، مگر ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون اللہ کا خاص بندہ ہے، پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر شیطان کا کوئی زور اور غلبہ یا تصرف اور تسلط نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ شیطان نبی ﷺ کو بھلا دے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں خطاب سے مراد عام مسلمان ہو، لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کے برعکس ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: اور اسے محض جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلا دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (تفسیر القرآن، ج ۱ ص ۵۳۹، طبع ۱۹۸۳ء)
مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

اور اگر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جایا کرے تو ان کی تعلیمات پر کیسے اعتماد و اطمینان رہ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت بھول تو ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو حسیہ بذریعہ وحی ہو جاتی ہے، جس سے وہ بھول پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے بلاخر ان کی تعلیمات بھول اور نسیان کے شبہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳ ص ۳۷۴-۳۷۵، طبع جدید، ۱۴۱۳ھ)

شیخ امین احسن اسلامی لکھتے ہیں:

یہاں خطاب اگرچہ واحد کے صیغہ سے ہے، جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ خطاب آنحضرت سے ہو لیکن یہ خطاب آنحضرت کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے ہے۔ (تذکرہ قرآن، ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۹ھ)

ہمارے نزدیک اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب نہیں ہے، بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے اور اس کا غالب قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے۔ لایہ۔ اور یہ محال ہے کہ شیطان نبی ﷺ کے دلوں میں دوسرا انداز کی کمرے اور کوئی حکم شرعی آپ کو بھلا دے۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَیْسَ أَشْرَکُکَ لِیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ (الرعد: ۶۵) اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے۔

قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا نسیان

انبیاء علیہم السلام کے نسیان میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ شیخ ابو جعفر محمد حسن الطوسی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

جبائی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سو اور نسیان جائز ہے۔ اس کے برخلاف رافضی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر سو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ جبائی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن امور کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لو اکرتے ہیں ان میں سو اور نسیان جائز نہیں ہے، اور جن امور کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا نہیں کرتے، ان میں سو اور نسیان جائز ہے۔ اور جن پر سو اور نسیان کیسے جائز نہیں ہو گا؟ حالانکہ وہ سوتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور غیر بھی سو ہے اور وہ اپنے بست سے تصرفات میں بھول جاتے ہیں۔

(التبیان، ج ۳، ص ۱۶۶-۱۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جس طرح بشری تقاضے سے اور کئی جسمانی عوامل نے انبیاء علیہم السلام پر طاری ہوتے ہیں، ان پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طہ: ۸۵) سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ (الکہف: ۷۳) میرے بھولنے کی وجہ سے مجھ سے مواخذہ نہ کریں۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ نُنَزِّلُ الْكِتَابَ لَإِذْ نَسِیْتُ (الکہف: ۶۳) اور جب آپ بھول جائیں تو (یاد آتے ہی) اپنے رب کا

ذکر کیجئے۔

امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم بھول گئے، سوائی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۰۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی، اس میں آپ نے کچھ زیادتی یا کمی کی۔ جب

آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا 'نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ صحابہ نے کہا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھائی ہے' آپ نے پیر سوڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا دو سجدے کیے 'پھر سلام پھیر دیا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تم کو خبر دیتا' لیکن میں محض تسبیحی طرح بڑھوں' میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کہ اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو وہ صحیح امر پر غور کرے' نماز پوری کرے' پھر اسو کے بعد سجدے کر لے۔

(صحیح البخاری 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح مسلم 'مساجد' ۸۸، (۵۷۱) ۷۵۱، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۱۰۳۰، سنن النسائی 'ج' ۳، رقم الحدیث: ۴۴۲، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۴۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ایک شخص کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھلا دیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۵۴۳۸، صحیح مسلم 'ملاۃ السافرن' ۲۲۳، ۷۸۶، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۱، سنن کبریٰ للنسائی 'ج' ۵، رقم الحدیث: ۸۰۰۶، مسند احمد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۸۸، مسند احمد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۲۱۶، طبع دار الحدیث، قاہرہ)

نبی ﷺ کے سمو اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے کہا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا بلکہ ان کو اس پر متنبہ فرمادیتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنبہ فرماتا ہے یا تاخیر سے۔ قاضی ابوبکر نور اکثر علماء اول الذکر کے قائل ہیں اور ابو اللیثی ثانی الذکر کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے افعال بلاغیہ اور عبادات شرعیہ میں سمو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سمو اتفاقاً منع ہے اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ نبی علیہ السلام پر سمو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ آپ قصداً اور عداً نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں تاکہ احکام شرعیہ مسنون ہو جائیں، ایک بہت بڑے امام ابو الطوفان الاسفرائینی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جزء ۱۵'، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ کے دل میں دوسو سے ذال کر سمو اور نسیان پیدا کرنا محال ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے 'بلاشبہ حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی بھی خبر میں غلطی واقع ہونا محال ہے۔ خواہ سمو یا عدا' تندرستی میں یا بیماری میں 'خوشی میں یا غصہ میں' نبی ﷺ کی سیرت 'آپ کے اقوال اور آپ کے افعال' جن کے مجموعہ سے ہر موافق و مخالف مومن اور منکر و عاقل ہے 'ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں فرمائی نہ آپ کو کبھی کسی بات یا کسی کلمہ میں وہم ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ منقول ہوتا جیسا کہ نماز میں آپ کا سمو واقع ہونا منقول ہے۔ بہت دنیاوی معذرت میں بعض مرتبہ آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا جیسے کچھوروں میں پیوند لگانے کا واقعہ ہے۔

(روح المعانی 'جزء ۱۸۳'، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نہی پیچھے کے سوا اور نسیان کی بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

امام مالک بن انس ایسی متونی ۲۴۱ حدیث روایت کرتے ہیں:

انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ (کسی کام کو) سنت کروں۔ (موطائے مالک، رقم الحدیث: ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متونی ۳۳۵ حدیث اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ کی مراد یہ ہے کہ میں امت کے لیے طریقہ صحیح کروں کہ وہ سو کی صورت میں کس طرح عمل کریں اور میرے فعل کی اقتداء کریں۔ (الاسناد کلہ ج ۲، ص ۴۰۶، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳۳۵ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے از ابن شلب، از سعید بن المسیب روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک شب خیر سے واپس ہوئے، جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال سے کہا تم صبح تک ہمارا پہرہ بناؤ اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ جب تک حضرت بلال کی نذر میں تھا وہ پہرہ دیتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سواری سے ٹیک لگا لی وہ اس وقت فجر کے مقرر تھے۔ پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آگئی، رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، نہ حضرت بلال نہ قافلہ کا اور کوئی فرد حتیٰ کہ ان پر دھوپ آگئی، پھر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے۔ پس بلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے نفس کو بھی اسی ذات نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سے کوچ کرو، تو انہوں نے اپنی سواریاں اٹھائیں اور وہاں سے کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو نماز کی اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی، پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ (موطائے مالک، رقم الحدیث: ۲۲۵)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ عام آدمیوں کی طرح سو جاتے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو اور آپ کی امت کے لیے ایک ایسی سنت قائم ہو جائے جو آپ کے بعد باقی رہے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے میں البتہ بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ میں کسی کام کو سنت کروں اور علماء بن خلب کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر اللہ ہمیں بیدار کرنا چاہتا تو بیدار کر دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تمہارے بعد والوں کے لیے یہ سنت ہو جائے اور آپ کے سونے کا جو طبعی فطری اور معروف طریقہ تھا اور آپ سے پہلے نبیوں کا بھی وہ یہ ہے کہ جس کو آپ نے خود بیان فرمایا کہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، آپ نے اپنے اس معمول کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔ اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام نبیوں کا یہی معمول ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا صاف میں مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں، سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبلت، فطرت اور آپ کی عادت ہے۔ باقی رہا سفر میں نماز کے وقت آپ کا سوتے ہوئے رہ جانا تو یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا، تاکہ آپ کی امت کے لیے قضاء نماز کی سنت کا عمل قائم ہو اور آپ امت کو یہ تعلیم دیں کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہا، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا، اس پر کیا کرنا واجب ہے اور وہ کس طرح کرے گا اور اس وقت میں آپ کی نیند کو اللہ تعالیٰ

نے آپ کی امت کے لیے تعلیم کا سبب بنادیا۔

(التحفید، ج ۶، ص ۲۹۳-۲۸۵، ملتقا، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۳ھ لکھتے ہیں:

اس دن نبی ﷺ کا صبح کی نماز کے وقت طلوع آفتاب تک سوئے رہنا یہ وہ امر ہے جو آپ کی عادت اور طبیعت سے خارج ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل نہیں سوتا اور اس وقت آپ کی نیند اس لیے تھی کہ یہ امر سنت ہو جائے اور مسلمانوں کو یہ امر معلوم ہو جائے کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہے، یہ نماز پڑھنا بھول جائے، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور یہ اس قبیل سے ہے کہ آپ نے فرمایا ہے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ کوئی کام سنت ہو جائے۔ اور نبی ﷺ کی فطرت اور عادت یہ تھی کہ نیند آپ کے دل کو نہیں ڈھانچتی تھی اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، اور یہ حکم عام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتے۔ (یہ حدیث صحیح ہے، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۶۶) اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کی امت کو قضاء نماز کا طریقہ تعلیم فرمائے تو اس نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور جو مسلمان آپ کے ساتھ تھے، ان کی روحوں کو بھی نیند میں قبض فرمایا اور سورج طلوع ہونے کے بعد ان سب کی روحوں کو واپس دیا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مراد بیان فرمائے۔ فقہاء اور محدثین نے اس حدیث کی یہی تویل کی ہے اور یہ بالکل واضح ہے اور اس کی طاقت کرنے والا بدعتی ہے۔

(التحفید، ج ۵، ص ۲۰۹-۲۰۵، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب، از عبد الرحمن اعرج، از عبد اللہ بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے پوری نماز پڑھ لی تو ہم آپ کے سلام پھیرنے کے منتظر تھے، آپ نے اللہ اکبر کہا اور بیٹھ کر سلام سے پہلے دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا۔

(سوطا امام مالک، رقم الحدیث: ۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ظنوں میں سے کوئی شخص بھی وہم اور نسیان سے محفوظ نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ پر جو نسیان طاری ہوتا ہے، وہ امت کے نسیان کی طرح نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ (کوئی کام) سنت ہو جائے۔

(التحفید، ج ۱۰، ص ۱۸۳-۱۸۴، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن، سنت اور آثار سے تصریحات

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَمَا تَعْلَمُوا أَنَّمَا كَفَرُوا سِرًّا وَلَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ سِرَّهُمْ وَلَا نَجْوَاهُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ شَرُّ الْبَرِّ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَالَهُمْ صَوًّا وَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (سورۃ النور: ۳۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات مشابہت کی

بیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے 'ان سے پرہیز کرو۔'

(صحیح البخاری 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۳۷ سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۵۹۸ کتاب السنہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵) امام ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الشیبلی الترمذی ۴۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ اپنے دین سے الگ ہو گئے وہ شیعوں (ایک فرقہ) تھے۔ یہ لوگ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار تھے اور اس امت کے گمراہ لوگ تھے۔ اے عائشہ! بدعتی اور خواہش کے پیروکار کے سوا ہرگز گمراہ کی توبہ ہے 'ان کی کوئی توبہ نہیں ہے' میں ان سے بیزار ہوں اور یہ مجھ سے بری ہیں۔

(کتاب السنہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۴۸۷۱ المعجم الصغیر 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵۶۰ اس حدیث کی سند ضعیف ہے) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الترمذی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بدعتی کی تعظیم کرنے کے لیے گیا اس نے اسلام کے حقدار کرنے پر امانت کی۔

(المعجم الکبیر 'ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۸۸۸ ص ۹۶ طبع الاولیاء 'ج ۶' ص ۹۶ اس کی سند میں بقیہ ضعیف ہے) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے وہ تمہارے بیٹوں اور شرم گاہوں کی گمراہ کن خواہشیں ہیں اور قتلوں سے گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں۔

(مسند احمد 'ج ۲' ص ۳۲۰ طبع الاولیاء 'ج ۲' ص ۳۲ کتاب السنہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۳) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں دجل اور کذاب ہوں گے۔ وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دلوائے تم قتل سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں کہیں وہ تم کو قتل میں نہ ڈال دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم 'باب ۲' حدیث ۲ مسند احمد 'ج ۸' رقم الحدیث: ۸۵۸۰ طبع دار الحدیث 'قاہرہ' مسند احمد 'ج ۲' ص ۳۳۹ طبع قدیم)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۷ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی اس میں یہ الفاظ تھے جو تیری نافرمانی کرے ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۲' ص ۳۱۱ مطبوعہ نشر السنہ لبنان)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

رضی بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی میں تمہاری قوم میں سے ایک

لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں! حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا؟ نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بدکاروں کے پاس جلتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۹۳۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری سرقدی متوفی ۵۵ھ روایت کرتے ہیں: ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا کہ اہل احواء (بدعتی) کے ساتھ بیٹھو نہ بن سے بحث کرو کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں ڈبو دیں گے یا جس دین کو تم پہچانتے ہو اس میں شبہات ڈال دیں گے۔

(سنن الداری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں نئی باتیں نکالی ہیں (بدعتی ہو گیا ہے) اگر وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اس کو میرا سلام نہ کہو۔ (سنن الداری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اسماء بن عبید بیان کرتے ہیں کہ بدعتیوں میں سے دو شخص ابن سیرین کے پاس گئے اور کہا اے ابو بکر! ہم آپ کو ایک حدیث سنائیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ کے سامنے کتاب اللہ سے ایک آیت پڑھیں انہوں نے کہا نہیں۔ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ ورنہ میں اٹھ جاتوں گا سو وہ دونوں چلے گئے۔ کسی نے کہا اے ابو بکر! اگر وہ آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت سنا دیتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ وہ میرے سامنے ایک آیت پڑھیں گے پھر اس میں معنوی تحریف کریں گے کہیں ان کی بیان کردہ باطل تویل میرے دل میں بیٹھ نہ جائے۔

(سنن الداری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۷، مطبوعہ بیروت)

سلام بن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتی نے ایوب سے کہا میں آپ سے ایک بات کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ وہ اٹھ کر چل دیئے اور کہا میں آدمی بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ (سنن الداری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۸)

ہشام بن بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین نے کہا بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھو نہ بن سے بحث کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔

(سنن الداری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اہل بدعت کے مصداق

اصحاب الاہواء اور اہل بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اور عقائد میں ایسی نئی نئی باتیں داخل کر دیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور وہ دین کے عقائد اور احکام کی مغیر ہیں۔ مثلاً رافضیہ جنہوں نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کیا اور ان کو غاصب اور کافر قرار دیا اور تابعیہ جنہوں نے اہل بیت رسول کو برا کہا اور بنی سے بغض رکھا اور خارجی ہیں جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معلویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کی اور ان کو کافر کہا اور معتزلہ ہیں جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا اور ہمارے دور میں منکرین حدیث ہیں جن میں سے بعض مطلقاً حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بعض ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقل کے خلاف ہوں بعض بدعتی ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور نئی پیچیدگی کی زیادت کے لیے سفر کو حرام کہتے ہیں بعض بدعتی دعا میں فوت شدہ بزرگوں کے وسیلہ کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض لوگ نعمن عربی پر نعمن شرمی کے احکام جاری کرتے ہیں اور کوئی شخص ایصال ثواب کے لیے بغیر وجوب کے بطور استحسن عرفا کسی دن کی نعمن کرے تو اس کو ناجائز اور حرام

کہتے ہیں اور جو مسلمان یا رسول اللہ کے اس کو شرک کہتے ہیں اور بعض علی لوگ مزاروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۷۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کبیرہ گنہ کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ابن خویر منداد نے کہا جو شخص قرآن مجید کی آیات پر طعن کرے اس کی مجلس ترک کر دی جائے خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اسی طرح ہمارے علماء نے دشمن کے علاقہ اور اس کی عبادت گاہوں میں داخل ہونے سے منع کیا ہے اور کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھی جائے نہ ان کی باتیں سنی جائیں اور نہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ فضیل بن عیاض نے کہا جس شخص نے بد عقیدہ سے دوستی رکھی اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دے گا اور اس کے دل سے اسلام کے نور کو نکل دے گا اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بد عقیدہ سے کی اس نے اس سے رحم منقطع کر دیا اور جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھا اللہ تعالیٰ اس کو حکمت نہیں دے گا اور جب اللہ تعالیٰ یہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص کسی بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے درمیان جو تین دن سے زیادہ قطع کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اس کا عمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی معاملات اور معاشرتی وجوہ میں سے کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور دین کی وجہ سے جو ناراضگی ہو وہ دائمی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ اس لیے بد عقیدہ اور بدعتی شخص سے جب تک وہ توبہ نہ کرے دوستی اور محبت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

(مسالم السنن ج ۷ ص ۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کو دھرم میں بلایا گیا اور اس گھر میں لہو و لعب اور کھانا پینا تھا تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھالے اور اگر جس جگہ دسترخوان بچھا تھا وہاں یہ برے کام تھے تو اس کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ اٹھ کر چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (الانعام ۶۸) اگر وہ ان لوگوں کو منع کرنے پر قادر ہے تو منع کرے ورنہ صبر کرے۔ اگر وہ لوگوں کا پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے کیونکہ اس کے بیٹھے رہنے سے دین کی بدنامی ہوگی۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر دسترخوان پر لوگ ایک دوسرے کی غیبتیں کر رہے ہوں تب بھی اٹھ کر چلا جائے کیونکہ غیبت لہو و لعب سے بڑا گنہ ہے۔

نیز علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو بوڑھا شخص مذاق کرتا ہو، جھوٹ بولتا ہو، کور بے ہودہ باتیں کرتا ہو اس کو سلام نہ کرے اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دیتا ہو اور اجنبی خواتین کے چہروں کو دیکھتا ہو اس کو بھی سلام نہ کرے اور نہ فاسق ملعون کو سلام کرے اور نہ گانے بجانے والے کو سلام کرے اور جو لوگ کسی گنہ میں مشغول ہوں ان کو بھی سلام نہ کرے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۷ مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پرہیزگاروں سے ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی البتہ ان کو نصیحت کرنی

چاہیے تاکہ وہ ظالم اللہ سے ڈریں۔ (الانعام: ۶۹)
احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کی اصل

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ مسلمانوں نے کہا اگر ایسا ہو کہ جب بھی مشرکین قرآن مجید کا مذاق اڑائیں اور اس پر اعتراضات کریں تو ہم ان کو منع کریں، پھر ہمارے لیے مسجد حرام میں بیٹھنا اور کعبہ کا طواف کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور پرہیزگاروں سے ان کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں نے کہا اگر ہم ان کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے منع نہ کریں تو ہم کو یہ خوف ہے کہ ہم گنہگار ہوں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور مذکور ذیل تیسری روایت مقاتل سے مروی ہے:

۳۔ اگر ان کے اعتراضات کے وقت ہم ان کے پاس سے اٹھ جائیں تو ہمیں یہ خوف ہے کہ جب ہم ان کے اعتراضات کے وقت ان کے پاس بیٹھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ (زوال المسیر، ج ۲، ص ۳۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن مجید، نبی، پیغمبر اور دین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کیا، تو ان کے اعتراضات اور نکتہ بھینیوں پر مسلمانوں سے باز پرس نہیں ہوگی اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں، ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز آجائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جب یہ لوگ اسلام اور نبی پیغمبر کے خلاف طعن و تشنیع کی باتیں کریں اور اس وقت مسلمان ان کی مجلس سے اٹھ جائیں تو ان کا مجلس سے اٹھنا اس پر دلائل کرے گا کہ مسلمانوں کو مشرکین کی یہ باتیں ناگوار گزری ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں کے اس واک آؤٹ سے ان مشرکوں کو حیا آئے اور ان کا ضمیر انہیں ان باتوں پر طاعت کرے اور آئندہ کے لیے وہ مسلمانوں کے سامنے ان دل آزار باتوں سے احتراز کریں۔

جانی اللہ کہ تفسیر واک آؤٹ کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشایا ہے، اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ فصاحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلا ہو جائیں، اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم کا فائدہ یہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھولنا ہو اپنی اور دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ (الانعام: ۷۰)

بسل کا معنی

اس آیت میں بسل کا لفظ ہے، بسل کا معنی ہے بہلور ہونا، کسی کو اس کی حاجت سے روکنا، منع کرنا۔ بسل کا معنی ہے کسی کو ہلاکت کے سپرد کر دینا، رہن رکھنا۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

بسل کا معنی ہے کسی شے کا ضم ہونا اور روکنا، جس شخص کے چہرے پر ناگواری ہو اس کو بسل کہتے ہیں اور کیونکہ اس

میں منع کا معنی ہے اس لیے حرام چیز اور رہن رکھی ہوئی چیز کو بھی بسل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ (الانعام: ۷۰) یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

اس آیت میں بسل منع اور محروم کے معنی میں ہے۔

بسل کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے اور ثواب سے محروم ہونا بھی ہلاک کو مستحق ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے۔

بت پرستی کا لہو و لعب ہونا

ظاہر یہ ہے کہ اے رسول! آپ اور مسلمانوں میں سے جو آپ کے پیروکار ہیں، وہ ان شرکین سے اعراض کریں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر پھر ان کی عبادت کر کے اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا ہے انہوں نے اپنی عمر اس غیر مفید عبادت میں ضائع کر کے اس کو لہو و لعب بنا لیا ہے۔ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بغیر کسی شرعی دلیل کے کچھ جانوروں سے نفع اندوزی اور ان کے کھانے کو حرام قرار دے لیا اور یہ بھی لہو و لعب ہے اور انہوں نے اس بے کار اور بے مقصد عبادت میں اشتغال کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کی دعوت سے بلوغ و دلائل اور معجزات دیکھنے کے اعراض کیا اور ان کا یہ عمل بھی لہو و لعب ہے وہ اس حقیر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے فانی دنیا کی لذتوں کو آخرت کی دائمی اور سرمدی لذتوں پر ترجیح دی اور وہ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑانے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے میں منہمک ہو گئے۔ سو آپ ان لوگوں سے اعراض کیجئے، یعنی ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلتا چھوڑ دیجئے، یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو دین کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیجئے اور ان کو خدا پرستی سے ڈرا جائے کریں، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

دَرَهُمْ بَأْسًا كَلُّوا وَ يَتَمَنَّوْا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَتَنْفَوْنَ عَنْ مَوَاقِفِ الْحَمِيمِ (الحجر: ۳) انہیں چھوڑ دیجئے، وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور ان کی بھائی امیدیں ان کو غافل رکھیں، پس وہ مہذب جان لیں گے۔

اور لوگوں کو قرآن مجید سے ہدایت دیجئے اور نصیحت کیجئے تاکہ وہ خیر سے محروم نہ رہیں اور وہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے جہنم میں گر کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ہر شخص نے اپنے آپ کو اپنے دنیاوی اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَجِيَّةٌ ۚ أَلَّا تَصْحَحَ الْقَوَابِ ۚ (الحج: ۳۸-۳۹) ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں کر دی ہے ۚ سوائے

اس کے بعد فرمایا اللہ کے سوانہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا اور اگر وہ ہر قسم کا فائدہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا

اس آیت میں کافروں کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اس قسم کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں:

مَا لِيُظْهِرَهُنَّ مِحْرَتَهُمْ وَلَا تَكُنَّ فِي طَعْنٍ (المؤمن: ۸۸) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ سفارشی حس کی بات مانی جائے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ ان سے کسی قسم کا فائدہ یہ قبول نہیں کیا جائے گا یعنی جس طرح دنیا میں جسمانی یا مالی فائدہ دے کر قید سے آزاد ہو جاتے ہیں، آخرت میں نجات کا اس طرح کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو گا اور نہ وہاں کسی کے زور یا سفارش سے کوئی فائدہ

پہنچے گا اور ان کو یہ سزا جو دی جائے گی یہ دنیا میں ان کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہیں، ان کو کھولتا ہوا اپنی پلایا جائے گا جو ان کے پنوں کو جلا ڈالے گا اور ان کی انتروں کو کاٹ ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ
(محمد: ۱۵) کھڑے کھڑے کر ڈالے گا۔

قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُذِرُ

آپ کہیے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور ہم اللہ

عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ

کے ہدایت دینے کے بعد اسے پاؤں لٹا دیے جائیں؛ اس شخص کی طرح جس کو بنات نے جہنم میں بھٹکے دیا ہو

فِي الْأَرْضِ حَيْرَانٌ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ انْتِنَا

اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو، اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس

قُلْ إِنْ هُدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَأَمَّا الْبُاطِلُ الْأَعْمَىٰ

آؤ، آپ کہیے کہ اللہ کا بتایا برا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں علم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رجبے بے سرافعت ہم کو ہیں

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَهُوَ الَّذِي يُحْشَرُونَ

اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، اور جس دن وہ (ہر خفا شدہ چیز سے) فرمائے گا،

كُنْ فَيَكُونُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ

ہر جا تر وہ ہر جگہ کی اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا،

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ

وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جانتے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا

سکتے ہیں اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد اگلے پاس لوٹا دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو جنت نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس محل میں حیران و پریشان پھر رہا ہو اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس آؤ آپ کہئے کہ اللہ کا پتلا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جانوں کے رب کے لیے سر اطاعت خم کر دیں اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے (الانعام: ۷۳-۷۴)

گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثال

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسولِ مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہئے کہ اللہ بزرگ و برتر جو نفع اور نقصان کا مالک ہے کیا اس کو چھوڑ کر ہم ان جنوں کی پرستش کریں جو ہمیں نفع دینے یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے اور ہم اگلے پیر شرک اور کفر کی طرف لوٹا دیئے جائیں جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے کر اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کر چکا ہے۔ پھر ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کو کسی جنگل یا صحراء میں جنت نے راستہ سے بھٹکا دیا ہو اور اس کی عقل کام نہ کر رہی ہو کہ وہ کدھر جائے وہ حیران اور پریشان پھر رہا ہو اور اس کے دوست اور ساتھی اس کو بلارہے ہوں کہ ہماری طرف آؤ اور سیدھا راستہ ہے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستہ پر آؤ تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو چھپی کے گڑھے میں گرا دے گا اور اگر وہ ہدایت کی دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پا جائے گا اور یہ صحرا یا جنگل میں بلانے والے جنت ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۲۲ مکتبہ نزار حنفی مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ جنت ہیں جو جنگل میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔ اے فلاں بن فلاں بن فلاں اور ہر آؤ۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۳۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جو انسان حق سے باطل کی طرف لوٹ آئے یا حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف آئے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ابتداء میں جہل تھا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے علم اور ہدایت کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (السجۃ: ۷)

اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تم کو پیدا کیا تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

سو جو شخص علم سے جہل کی طرف لوٹ جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔

آپ ان سے کہئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر دیں یعنی صرف اسی کی اطاعت سے عبادت کریں اور ہم کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح مناجات کی جائے گویا کہ بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو اس کو دیکھ رہا ہے جس کے آثار سے ایک اثر یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے

کاموں سے رک جائے اور اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے اور نیز ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے یعنی خوف خدا سے ہر قسم کے برے کاموں اور گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور فرائض و واجبات پر پابندی سے عمل کیا جائے اور سنن اور مستحبات کا نفس کو علوی بنایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ و وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے، دوام کے ساتھ کامل طریقہ سے نماز پڑھی جائے اور ظاہر و باطن ہر حال میں تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے، وہ تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ پس عقل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ ہر (نفاشدہ چیز سے) فرمائے گا "ہو جا" تو وہ ہو جائے گی۔ اس کا فرمان حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا ہے (الانعام: ۷۳)۔

آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش برحق اور صحیح ہے، یعنی باطل اور خطائیں ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

وَمَا تَخْلُقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
بِأَيْدٍ (ص ۷۴)

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے "ہے" قائم نہیں بنایا۔

اس کا کوئی کام حکمت سے خلل نہیں ہے۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اپنے برحق کلام کے ساتھ پیدا کیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ الْإِنْسَانَ طَوْعًا أَوْ كَرْهًا
قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (احم السجدة: ۷۵)

پس آسمان اور زمین دونوں سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ، انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہو گئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اپنے کلام سے پیدا فرمایا ہے اور جب یہ تمام چیزیں قائم ہو جائیں گی تو پھر ان کو دوبارہ اپنے کلام سے پیدا فرمائے گا وہ ان سے فرمائے گا "ہو جاؤ" پس وہ ہو جائیں گی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے کا بیان

اس کے بعد فرمایا اور اس کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ اور ذیل آیت میں بھی صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخُ فِي الصُّورِ فَتَصْبِقُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخُ فِيهِ
أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہے، وہ سب قائم ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا، تو وہ اچانک دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سیگہ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۳۸ 'سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۳۲ 'صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۳۳۲ 'مسند

احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۱۷ 'سنن الدارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۲۷۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کس طرح نعمتوں سے قائم اٹھائوں؟ حالانکہ سیگہ والے نے اپنے منہ میں سیگہ ڈال رکھا ہے اور وہ غور سے سن رہا ہے کہ کب اسے اس میں پھونک مارنے کا حکم دیا جائے؟ تو وہ اس میں پھونک مارے۔ یہ حدیث نبی ﷺ کے اصحاب پر دشوار گزری؟ آپ نے ان سے فرمایا یوں کہو ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اور ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۳۹ 'مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۶۹۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے قیامت کے فتنوں کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر صور پھونک دیا جائے گا جو شخص بھی اس کو سنے گا وہ ایک طرف گردن جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا۔ جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز سنے گا وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہو گا وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح ایک بارش نازل فرمائے گا جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ اور (فرشتوں سے کہا جائے گا) ان کو کھڑا کرو۔ ان سے سوال کیا جائے گا پھر کہا جائے گا دوزخ کے لیے ایک گروہ نکالو کہا جائے گا کتنے لوگوں کا کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن ساقی (پنڈلی) کھولی جائے گی۔

(صحیح مسلم 'فتن' ۱۱۶ (۲۹۳۰) ۷۲۳۷ 'سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۶۲۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوبار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقت ہو گا۔ لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا لوگوں نے کہا چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے برگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سراپہ اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۹۵۵ 'صحیح مسلم' فتن ۱۳۱ (۲۹۵۵) ۷۲۸۰ 'سنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۳۵۹)

تحقیق کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ یہ مدت چالیس سال ہے۔ امام ابن مردودہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دو مرتبہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ دوبارہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے۔ امام حاکم اور امام ابویعلیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! دم کی ہڈی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رائی کے دانے کی طرح ہے۔ وہ پشت کی چیز میں

ایک بار یک ہڈی ہے اور وہ دم کی ہڈی ہے جو چپائے میں دم کے سر کی جگہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گلے جائے گی۔ اس فقہاء سے انبیاء عظیم السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء عظیم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اور اسی طرح شداد بھی اس فقہاء سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید نے شداد کی حیات کی تصریح کی ہے۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۵۵۳-۵۵۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۴۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں یہ دلیل ہے کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اس میں حقیقتاً پھونک ماری جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ صور پھونکنے والا کہے گا اے بوسیدہ اجسام اور مستشرذبو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے جمع ہو جاؤ۔

(اکمال اکمال المصنوع، ج ۹، ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بلی الشیخ الاسہلانی المتوفی ۹۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی جماعت میں تشریف فرماتے تھے آپ نے فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے صور کو پیدا کیا اور وہ حضرت اسرائیل علیہ السلام کو عطا کیا انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب حکم دیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سیگہ ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس کی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ ایک نور رلوی نے کہا زمین میں تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے دوسری بار پھونکنے سے سب مر جائیں گے اور تیسری بار پھونکنے سے سب رب العظیم کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ عز و جل پہلی مرتبہ حضرت اسرائیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا تو حضرت اسرائیل سے فرمائے گا دہشت ڈالتے کے لیے صور میں پھونکو تو آسمان اور زمین میں سب دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ سو ان کے جنہیں اللہ چاہے اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ وہ مسلسل ر کے بغیر صور میں پھونکتے رہیں اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمَا يَسْطُرُ هُنَّ إِلَّا صَاحِبَةٌ وَاحِدَةٌ مَّا لَهَا مِنْ قَوَائِدٍ ۝ اور وہ صرف ایک زبردست حج کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان سانس لینے کی بھی سہولت نہیں ہوگی۔ (ص: ۸۵)

پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا تو وہ پہاڑوں کی طرح چل رہے ہوں گے پھر وہ خاک کا زہر ہو جائیں گے اور زمین اپنے ساکنوں کے ساتھ لرز رہی ہوگی۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتَحَقَّقُ الرَّادِفَةُ ۝ جس دن لرزنے والی لرز جائے گی پھر پیچھے آئے والی اس کے پیچھے آئے گی بہت سے دل اس دن لرز رہے ہوں گے۔ (السرعت: ۸-۱۲)

اور زمین اس طرح ہلنے اور جھولنے لگے گی جس طرح بلند جہاز کو سمندر میں موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں یا جس طرح پھٹ میں لٹکی ہوئی قدیل کو ہوا جھونٹے دیتی رہتی ہے پھر لوگ زمین پر گرنے لگیں گے۔ دودھ پلانے والیاں بچوں کو بھول جائیں گی حائلہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور سب بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین جان بچانے کے لیے زمین کے آخری کناروں تک بھاگیں گے فرشتے ان سے مقابلہ کر کے ان کے چروں پر ماریں گے اور لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے۔

زمین ہر طرف سے پھٹنے لگے گی اور ایسا عظیم واقعہ ظاہر ہو گا جو اس سے پہلے دیکھنا نہ کیا تھا اور ایسی گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوگی جس کو اللہ ہی جانتا ہے، پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پر نہ پڑے ہو کر اڑ رہا ہو گا، سورج اور چاند دھندلا جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے، آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن مردوں کو اس کی بالکل خبر نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا یا رسول اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کس کا استثناء فرمایا ہے؟

یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الْقُتُورِ فَتَبْرَأُ مِنْ فِي
اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں اور
الْأَرْضِ وَالْأَرْضِ الْأَمْسَاءُ اللَّهُ
زمینوں میں ہیں، وہ سب گھبرا جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے
(النمل: ۸۷) گ۔

آپ نے فرمایا وہ شہداء ہیں وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، اور گھبراہٹ کا اثر (ظاہر) زندہ لوگوں پر ہو گا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ اور مہمون رکھے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے برے لوگوں پر بھیجے گا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اے شک قیامت کا زلزلہ
شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرْوِي السَّمَاءُ دُخَانًا
بڑی (بھاری) چیز ہے، جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ
عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
پلانے والی اس (بچے) سے قائل ہو جائے گی جس کو اس نے
وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَ
دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور (اے مخاطب)
لَيْسَ عَذَابُ اللَّهِ شَدِيدًا (الحج: ۲۵)
تو لوگوں کو تصور دیکھے گا، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے،
لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے۔

پھر جب تک اللہ چاہے گا لوگ اس عذاب میں جلا رہیں گے اور ایک طویل عرصہ تک یہ حالت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسرائیل کو حکم دے گا کہ وہ موت کا صور پھونکیں، سو وہ موت کا صور پھونکیں گے۔ جس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جنہیں اللہ چاہے گا اور جب وہ سب ہلاک ہو جائیں گے تو ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے میرے رب! تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو گئے، ماسوا ان کے جنہیں تو نے چاہا، اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تو کون کون باقی رہ گیا؟ وہ کہیں گے، اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور تو نہیں مرے گا، اور تیرے عرش کو اٹھانے والے باقی ہیں اور جبرائیل اور میکائیل باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔

اللہ عزوجل فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کو بھی فوت ہونا چاہیے، پس عرش کے گا، اے میرے رب! تو جبرائیل اور میکائیل کو بھی مار ڈالے گا، اللہ عزوجل فرمائے گا خاموش رہو! میں نے اپنے عرش کے نیچے ہر ایک کے لیے موت مقرر کر دی ہے، وہ دونوں مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، جبرائیل اور میکائیل فوت ہو گئے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تو اب کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے، اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور تیرے عرش کے حاملین باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے عرش کے حاملین کو بھی موت آجائے، پس وہ مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، عرض کریں گے، اے میرے رب! تیرے عرش کے حاملین بھی فوت ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے

تو اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے 'اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور میں باقی ہوں۔ اللہ عز و جل فرمائے گا تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا' اب تو بھی مر جا سو وہ مر جائے گا' اور اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ الواحد الاحد الصمد جو نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا' وہی آخر ہو گا جیسا کہ وہ اول تھا۔ آپ نے فرمایا اہل جنت پر موت ہوگی نہ اہل نار پر موت ہوگی۔ پھر آسمان اور زمین کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح اور لق کو لپیٹ دیا جاتا ہے' ان کو پھر کھولا جائے گا اور پھر لپیٹا جائے گا۔ پھر فرمائے گا میں جبار ہوں' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بلند آواز سے فرمائے گا "لمن المملکۃ الیوم؟" آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر فرمائے گا "لله الواحد القہار" (غافر: ۱۶) اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ پھر فرمائے گا 'سنوا' جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ سنوا جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ سنوا جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ پھر اس آسمان اور زمین کے علاوہ دوسرے آسمان اور زمین پیدا کرے گا اور ان کو پھیلا کر دراز کر دے گا' جس میں تم کو کوئی کچی اور نقص نہیں دکھائی دے گا' پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو زیروست آواز کے ساتھ جھڑکے گا' پھر لوگ اس نو پیدا شدہ زمین میں پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عرش کے نیچے سے پانی نازل فرمائے گا' پھر تم پر چالیس دن تک آسمان سے بارش ہوتی رہے گی' حتیٰ کہ تم پر بارہ ہاتھ پانی بلند ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جسموں کو اگنے کا حکم دے گا تو وہ سبزیوں کی طرح اگنے لگیں گے' جب اجسام پہلے کی طرح کھل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا 'حالیین عرش زندہ ہو جائیں' پھر اللہ عز و جل حضرت اسرائیل کو صور پکڑنے کا حکم دے گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا 'جبرائیل اور میکائیل زندہ ہوں' سو وہ زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ عز و جل ارواح کو بلائے گا' وہ لائی جائیں گی۔ مسلمانوں کی رو میں اور کی طرح چمک رہی ہوں گی اور دوسری رو میں تاریک ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو صور میں ڈال دے گا' پھر اللہ تعالیٰ اسرائیل سے فرمائے گا ان کو زندہ کرنے کے لیے صور میں پھونکو' تو وہ زندہ کرنے کے لیے صور پھونکے گا' پھر تمام رو میں شد کی کھیدوں کی طرح نکلیں گی جن سے زمین اور آسمان بھر جائیں گے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا 'تمام رو میں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں' تو سب رو میں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی اور تختوں کے راستہ داخل ہوں گی۔ جس طرح ذہر کسی مار گزیدہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور میں سب سے پہلے زمین سے نکلوں گا' لوگ سرعت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلیں گے' تم سب تمیں سل کی عمر میں انھو کے اور اس دن سب کی زبان سروانی ہوگی:

وَيُحْشَرُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَبْغَاؤُهُمْ يَتَخَرَّجُونَ مِنَ الْآجِدَاثِ
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُسْتَوْشِرٌ ۖ مِمَّنْ طَعِمَ إِلَّا لِيُطْعِمَ
بِغَيْرِهِ ۚ يُقُولُ أَكْفَرُونَ ۚ هَذَا يَوْمُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
الَّذِي نَقَلْنَاهُ فِي الْغَابِطَةِ ۖ يُنَادِي بِالنَّبَاتِ تَوَاتَا ۖ

یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے اس دن ہم تم کو جمع کریں گے اور تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے، پھر وہ ایک جگہ میں ستر سال تک کھڑے رہیں گے۔ اللہ تمہاری طرف نہ دیکھے گا اور نہ کسی کا کوئی فیصلہ کرے گا، خلقت روئے گی اور جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں سے خون بہنے لگے گا، لوگ اپنے ہمینہ میں شریبہ ہو جائیں گے، ان کی ٹھوڑیوں اور منہ تک ہینہ پہنچا ہو ا ہو گا، لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس کون ہماری شفاعت کرے گا، تاکہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ لوگ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم سے زیادہ اس کا کون حقدار ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور ان سے بالمشافہہ کلام کیا ہے۔ پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر اپنا مقصد بیان کریں گے، حضرت آدم

اس سے انکار کر دیں گے۔ پھر وہ ہرنی کے پاس باری باری جائیں گے اور وہ اس کلام سے انکار کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر میرے پاس آئیں گے، حتیٰ کہ جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر پڑوں گا، حتیٰ کہ اللہ عزوجل میرے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھائے گا، پھر اللہ عزوجل پر مجھے گا، ملائکہ وہ خوب جلتے والا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے؟ میں کہوں گا، اے میرے رب، تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا، میں اپنی مخلوق کے مطلق میری شفاعت قبول فرما اور بن کا فیصلہ فرما، اللہ عزوجل فرمائے گا، میں نے تمہاری شفاعت قبول کی، میں تمہارے پاس آکر تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں وہاں آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا، سو جس وقت ہم کھڑے ہوئے ہوں گے تو آسمان سے ایک زبردست آواز آئے گی جس سے ہم گھبرا جائیں گے، کور زمین کے جن وانس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے، حتیٰ کہ وہ زمین کے قریب آجائیں گے اور زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی، وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے، کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے، نہیں وہ آنے والا ہے۔

پھر تیسرے آسمان سے اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے اور وہ زمین کے جن وانس سے بھی دگنے ہوں گے، حتیٰ کہ جب وہ زمین کے قریب ہوں گے تو زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے کہیں گے، کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے، نہیں وہ آنے والا ہے۔ پھر اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ہادوں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہو گا۔ آٹھ فرشتے اس کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے، ملائکہ اس وقت تو اس کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے اقدام سب سے پہلی زمین کی تہ میں ہیں۔ تمام زمینیں اور آسمان ان کی آدھے دھڑ تک پہنچتے ہیں، عرش ان کے کندھوں پر ہے اور وہ بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے ہیں

سبحان ذی الملک والملكوت، سبحان ذی العزة والحسوت، سبحان الحي الذي لا يموت، سبحان الذي يمتد العلائق ولا يموت، سبحان قدوس رب الملائكة والروح قدوسا قدوسا، سبحان ربنا الاعلى، سبحان ذي الملكوت والحسوت والكبرياء والسلطان والعظمة، سبحان ابد الاباد۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین پر جہاں چاہے گا، اپنا عرش رکھے گا، پھر فرمائے گا، مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم، کوئی شخص بھی ظلم کر کے میرے قریب نہیں ہو گا، پھر ایک مندری بنا کرے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی۔ اے جن اور انس کی جماعت، میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے، آج تک خاموش تھا، تمہاری باتیں سن رہا تھا، اب تم خاموش رہو، تمہارے اعمال کے بھیجے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے، جو شخص نیکیاں پائے، وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کے بھیجنے اس کے خلاف ہوں، وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے، پھر اللہ تعالیٰ روزِ قیامت کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سیاہ چٹکی ہوئی گردن نمودار ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا

وَأَمَّا رُوايَا الْيَوْمَ أَنَّهُمَا الْمُسْحَرُونَ ۝ أَلَمْ آعْهَدَ إِلَيْكُمْ بِبَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (یس: ۶۰-۵۹)

اے عمر، سو آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ، اے آدم کی اولاد، کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا اکلدار دشمن ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جن وانس کے سوا تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ بغیر سیکہ والی بکری کا سیکہ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ جب کسی کا کسی پر حق نہیں رہے گا، تو فرمائے گا، تم سب مٹی ہو

جلو اس وقت کافر کے گ

يَلْبِسِي كِبْتًا ثَرِيًّا (النساء: ۳۰)

اے کاش میں مٹی ہو جاتا۔

پھر اللہ عزوجل جن اور انس کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پس سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ فرمائے گا اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور اس کے قاتل کو لایا جائے گا۔ مقتول کی رگوں سے خون بہ رہا ہو گا وہ کہیں گے 'اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا ملائکہ وہ خوب جاننے والا ہے تم نے ان سے قتل کیوں کیا تھا؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تیری عزت کی خاطر ان سے قتل کیا تھا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سورج کی طرح منور کر دے گا۔ پھر فرشتے اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت کے، محض دنیاوی غلبہ کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا اور اس کا قاتل بھی آئے گا۔ مقتول اپنے خون میں تھڑے ہوئے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کی آستیں خون میں تھڑی ہوئی ہوں گی وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا ملائکہ وہ ان سب سے زیادہ جاننے والا ہے تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کیا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم ہلاک ہو گئے۔ پھر اس کا چہرہ سیاہ اور اس کی آنکھیں نیلی کر دی جائیں گی۔ پھر ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ باقی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پھر دودھ میں پانی ملائے والے کو اس بات کا ملکت کرے گا کہ وہ اس دودھ سے پانی کو الگ کر کے فروخت کرے حتیٰ کہ جب کسی شخص کا کسی شخص پر کوئی حق باقی نہیں رہے گا تو ایک منگولی نڈا کر کے تمام مخلوق کو سنائے گا اور کہے گا 'سنو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جائیں اور ان کے ساتھ جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے اور جس شخص نے بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی معبود کی پرستش کی تھی اس کے سامنے وہ معبود متمثل کر دیا جائے گا اور اس دن ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں بنادیا جائے گا۔ نصاریٰ اس کے پیچھے چلے جائیں گے اور ایک فرشتہ حضرت عزیر کی شکل میں بنادیا جائے گا۔ یہودی اس کے پیچھے چلے جائیں گے۔ پھر ان کے معبود ان کو جہنم کی طرف لے جائیں گے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

كُلُّ كَافٍ لِّمَنۡ يَّهۡتٰوۡا۟ اِلَیۡهٖۡ مَتَّوۡرِدُوۡهَا وَّكُلٌّ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ (الانبیاء: ۲۲)

اگرچہ (بچے) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور (یہ) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حتیٰ کہ جب صرف مومن رہ جائیں گے اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس طرح چاہے گا اپنی ہیبت میں آئے گا۔ پس فرمائے گا اے لوگو! اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور ان کے ساتھ جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے یہ خدا! اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا۔ پھر اللہ ان کو برقرار رکھے گا اور جتنی دیر اللہ ٹھہرنا چاہے گا ٹھہرے گا۔ پھر جس طرح چاہے گا ان کے پاس اپنی ہیبت میں آئے گا اور فرمائے گا اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ جاٹے ہیں۔ تم بھی اپنے معبودوں سے جاٹو وہ کہیں گے یہ خدا! اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ پھر اللہ فرمائے گا کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اس کو پہچان لو؟ وہ کہیں گے ہاں پھر اللہ ان کے لیے اپنی چٹلی کھولے گا اور ان کے لیے اللہ کی عظمت سے تجلی فرمائے گا جس سے وہ اس کو پہچان لیں گے۔ پھر وہ سجدہ میں گر جائیں گے۔ پھر جب تک اللہ چاہے گا وہ

تَبٰیٰنُ الْقُرْآن

اس کو سجدہ کریں گے اور اللہ عزوجل منافقوں کی پشتوں کو لگائے کی پشتوں کی طرح سیدھا (بغیر لچک کے) کر دے گا وہ اپنی پیٹھوں کے بل گر پڑیں گے۔

پھر اللہ عزوجل ان کو اٹھنے کا حکم دے گا پھر ان کے لیے جہنم کی پشت کے اوپر صراط (بل) بنادیا جائے گا۔ جو بل سے باریک اور تلوار سے تیز ہو گا اس میں جگہ جگہ آٹکڑے اور کانٹے ہوں گے اور اس میں پھسلنے کی جگہیں ہوں گی۔ بعض مسلمان اس پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائیں گے، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور بعض تیز چلنے والے کی طرح گزریں گے، بعض صحیح سالم گزر جائیں گے، بعض زخمی ہو کر گزریں گے، بعض منہ کے بل جہنم میں گر جائیں گے۔ اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے ایک گروہ جہنم میں جا کرے گا ان کے اعمال ان کو ہلاک کریں گے۔ بعض کے صرف پیروں تک آگ پہنچے گی، اس سے آگے تجلوز نہیں کرے گی، بعض کی نصف پٹلیوں تک آگ پہنچے گی، بعض کے معتد ازار تک آگ پہنچے گی، بعض کے چروں کے سوا پورے جسم تک آگ پہنچے گی اور ان کے چروں پر اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہو گا اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو لوگ کہیں گے کہ اہل سے رب کے پاس ہماری کون شفاعت کرے گا؟ تاکہ ہم بھی جنت میں چلے جائیں۔ پس وہ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اس کا اور کون حقدار ہو گا۔ اللہ عزوجل نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور ان سے بالمشافہ کلام کیا، پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے۔

حضرت آدم کو اپنا (صورۃ) گنہ یاد آئے گا وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ اللہ کے پہلے رسول علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھیجا۔ پھر وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ، اللہ تعالیٰ نے ان سے سرکوشی میں کلام کیا ہے اور ان پر تورات نازل کی ہے۔

پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن عنقریب میں صاحب شفاعت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور میرے رب کے پاس میری تین شفاعتیں ہیں جن کا اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، پھر میں جنت کی طرف روانہ ہوں گا اور جنت کے دروازہ کو کھلاؤں گا، پھر میرے لیے جنت کے دروازہ کو کھول دیا جائے گا اور مجھے تعظیم کے ساتھ خوش آمدید کہا جائے گا۔

میں جنت میں داخل ہو کر عرش کے اوپر اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا، میں اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا میں سجدہ میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد اور تجبید کرنے کی اجازت دے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تھی۔ پھر اللہ عزوجل مجھ سے ارشاد فرمائے گا اے محمد اپنا سر اٹھائے اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے، آپ کو دیا جائے گا۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا، حالانکہ وہ سب

کچھ جاننے والا ہے۔ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا۔ تو اہل جنت کے متعلق میری شفاعت قبول فرما! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہاری شفاعت قبول کر لی اور میں نے ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ سو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے تھے: تم دنیا میں اپنے گھروں اور بیویوں کو اس قدر نہیں پہچانتے جس قدر تم جنت میں اپنے گھروں اور بیویوں کو پہچانو گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شفاعت کروں گا اور یہ کہوں گا اے میرے رب! میری امت میں سے جو لوگ دوزخ میں کر گئے ہیں اللہ عزوجل فرمائے گا: جولو جن کی صورت تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکل لو۔ پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکل لیا جائے گا حتیٰ کہ دوزخ میں میرا ایک امتی بھی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا۔ اور ہر نبی ہر شہید اور لعنت کرنے والے کے سوا ہر مومن شفاعت کرے گا۔ کیونکہ لعنت کرنے والے کو نہ شہید لکھا جائے گا اور نہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکل لو۔ پھر فرمائے گا: جس کے دل میں دو تہائی (۲/۳) دینار کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا: جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا: جس کے دل میں ایک تہائی (۱/۳) دینار کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا: جس کے دل میں ایک قیراط (چھ جو) کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا: جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکل لو اور بے شک ابلیس لعنہ اللہ اس دن یہ امید کرے گا کہ اس کی بھی کوئی شفاعت کرے گا۔

اور جب ہر شخص شفاعت کر چکے گا اور دوزخ میں کوئی ایسا شخص نہیں باقی رہے گا جس نے اللہ کے لیے کوئی نیکی کی ہو تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب میں باقی رہ گیا ہوں اور میں سب سے زیادہ نکل کرنے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا ہاتھ داخل کرے گا۔ اور بے شمار لوگوں کو دوزخ سے نکل لے گا جن کی تعداد کو دینی جانتا ہے وہ لوگ جلی ہوئی ٹکڑیوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہرا لہیوں میں ڈال دے گا وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے دریا کے کنارے کی مٹی میں دبا ہوا دانہ اگنے لگتا ہے جو سورج کی دھوپ میں سرسبز اور سائے میں زرد ہو جاتا ہے۔ عربوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! لگتا ہے کہ آپ جنگل میں رہے ہیں۔ وہ شلاب سبزیوں کی طرح اگیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہو گا کہ جن کے آزاد کیے ہوئے دوزخی اس تحریر سے اہل جنت ان کو پہچانیں گے جب تک اللہ چاہے گا وہ جنت میں اسی طرح رہیں گے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اے اللہ! یہ تحریر ہم سے مٹا دے سو اللہ تعالیٰ ان سے یہ تحریر مٹا دے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے اور بہت طویل اور بہت غریب ہے۔ متفرق احادیث میں اس کے متفرق ٹکڑے ہیں۔ اس میں درج بعض امور لائق انکار ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روایت میں منقول ہیں اس کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے بعض نے انکار کیا ہے بعض نے متروک کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث کئی احادیث کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور اس کو ایک ہی سند سے بیان کر دیا گیا ہے اس لیے یہ قابل انکار ہو گئی۔ میں نے اپنے استاد حافظ الزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے گویا یہ بعض الگ الگ حدیثوں کے شواہد ہیں۔

(کتاب المغلطہ رقم الحدیث ۲۸۸ ص ۷۳ ۷۴ جامع البیان ج ۲۳ ص ۲۸۰-۲۸۱ تفسیر لہام ابن ابی حاتم ج ۱۰

ص ۲۲۳-۲۲۴ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۵ تفسیر در مشور ج ۷ ص ۲۵۶-۲۵۷)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاٰبِيْهِ اَزْرَاۤءُ اتَّخَذُۢ اصۡنَامًا

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (مرفی) باپ آذر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے

اِلٰهَةٌ اِنِّیۡۤ اَرٰکَ وِقَوْمَکَ فِیۡ ضَلٰلٍ

ہر ؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کبھی ہوتی گمراہی میں مبتلا

مُبِیۡنٍ ۝۷۰ وَكَذٰلِكَ نُرِیۡ اِبْرٰهِيْمَ مَلٰکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھتا ہوں ۝ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس سے

وَلِیَکُوۡنَ مِنَ الْمُوَقِّیۡنَ ۝۷۱ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الْیَلُ رَاۡکُوۡبًا

کردہ دکال (یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں) ۝ پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھ

قَالَ هٰذَا سِرّٰتِیۡ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیۡنَ ۝۷۲ فَلَمَّا

انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۝ پھر جب انہوں نے

رَاۡ الْقَمَرَ یَازِعَاۡ قَالَ هٰذَا سِرّٰتِیۡ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَیۡنُ لِّمُ

جھگٹا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب

یَهْدِیۡ سِرّٰتِیۡ لَا کُوۡنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضّٰلِّیۡنَ ۝۷۳ فَلَمَّا رَاۡ

مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا ۝ پھر جب انہوں نے

الشَّمْسُ یَازِعَاۡ قَالَ هٰذَا سِرّٰتِیۡ هٰذَا الْکَبِیۡرُ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ

دو شمس آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ (ان سب سے) بڑا ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے

یَقُوۡمُ اِنِّیۡۤ اَبْرِءُۢ مِمَّا تُشْرِکُوۡنَ ۝۷۴ اِنِّیۡ وَجَّهْتُ وَجْهَیۡ لِلَّذِیۡ

کہا اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جو تم انہماکاً شرک قرار دیتے ہو ۝ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے

فَطَرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیۡفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیۡنَ ۝۷۵

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے (علاقہ) کوٹنے والا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۝

وَحَاجَّةٌ قَوْمُهُ ط قَالَ أَتَحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ط وَلَا

اور ان کی قوم نے ان سے مجھڑا کیا، انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق مجھڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا ہے

أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ط وَسِعَ رَبِّي

ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سو اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم

كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ط أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝۵۰ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ

ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ۵۰ میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا

وَلَا تَخَافُونَ أَنْتُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ط

شریک قرار دیا ہے جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل

فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۵۱

نہیں کہ، پس بر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو ۵۱

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملا یا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے

وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝۵۲

اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ۵۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (یعنی) باپ آذر سے کہا کیا تم جنوں کو معبود قرار دیتے ہو؟
بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کلی ہوئی گمراہی میں مبتلا کر رہا ہوں ۵ (الانعام: ۷۴)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے آیت ۷۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے
سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تو اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا۔ ان کی قوم بھی بت پرستی کرتی
تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ نے نبی سیدنا محمد ﷺ
کا کفار کو بت پرستی سے منع کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع
کرتے تھے اور اس میں یہ حیرہ ہے کہ اپنے نیک آہل و عہد لوگ کیوں نہ مانے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر اور اپنی
قوم کے ساتھ بت پرستی کے بطلان اور توحید کے اخلاق پر جو مناظرہ کیا اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تاکہ اس سے مشرکین عرب

کے خلاف استدلال کیا جائے، کیونکہ تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے ان کی تعلیمات اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے اور سب ان کی ملت کی طرف انتساب کے دعویٰ دار تھے۔ یہود و نصاریٰ ان کی ملت کی ابتداء کے مدعی تھے اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے۔ اس لیے ان کی شخصیت اور سیرت سب پر محبت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام 'نسب اور تاریخ پیدائش

خانقاہ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر حنفی ۷۵۵ھ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے۔

ابراہیم بن آذر اور وہ تاریخ ہیں بن ماحور بن شاموغ بن ارغون بن قلع بن علیم بن شلخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن مکب بن متوشلح بن خنوخ اور وہ اور لیس ہیں بن یارد بن حلال بن قینان بن الوش بن شیش بن آدم۔

حضرت ابراہیم ظلیل الرحمن ہیں اور آپ کی کنیت ابو الغنیان ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شربل کے موضع کوٹی میں پیدا ہوئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں تھے، صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وہ ابراہیم بن آذر ہیں اور توریت میں ہے وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

(تفسیر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آذر تھے یا تارخ؟ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ کے والد تارخ تھے جیسا کہ ابن شامہ اللہ ہم غریب بیان کریں گے۔

محمد بن عمرو اقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت آدم کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ پس حضرت ابراہیم ظلیل الرحمن حضرت آدم کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، ایوب بن جبہ قاضی یلمہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس آباد تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس آباد تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات آباد ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ نقرت ہے۔

(تفسیر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۴۸-۳۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد مینی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سیس (۳۳۳۷) سال بعد پیدا ہوئے، اس وقت طولان نوح کو بارہ سو تریسٹھ (۷۳۳) سال گزر چکے تھے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے۔ کلبی نے کہا ایک سو پچتر (۱۷۵) سال کی عمر تھی اور مقاتل نے کہا ایک سو نوے (۱۹۰) سال کی عمر تھی۔ آپ ہرون میں مقام غارہ پر مدفون ہیں۔ وہ جبکہ اب مدینہ المنیہ کے نام سے مشہور ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۵ ص ۲۳۰، مطبوعہ ادارة البحوث المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات

حضرت ابراہیم ظلیل اللہ علیہ السلام نے متعدد بار توحید کو ثابت کیا اور مشرکین کے قول کو دلائل سے باطل کیا۔ انہوں نے اپنے عینی باپ سے مناظرہ کیا، اپنی قوم سے، پلوں سے، اور کافروں سے مناظرہ کیا اور راجح حق میں سرخرو ہوئے۔ عینی باپ

سے مناعرو کی یہ مثل ہے:

إِذْ قَالَ لِأَيُّهَا النَّبَاتُ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (مریم: ۴۲)

جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ سے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسے کی پرستش کرتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارے کسی کام آسکتا ہے۔

اور اپنی قوم سے مناعرو کی یہ مثل ہے:

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَارِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُغْتَمِبُونَ إِنِّي كِيرٌ يَتَتَا تَشِيرُ كُوْنٌ (الانعام: ۷۸)

پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بڑا ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

اور بادشاہ وقت سے مناعرو کی یہ مثل ہے:

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ لِمَ تَدْعُوهُ إِنَّا لَنَكْفُرُ بِمَا تَدْعُوهُ إِلَّا أَنْتَ عَلَىٰ الْغَيْبِ مُخْتَلِفٌ أَلْفَافًا (البقرہ: ۲۵۸)

جب ابراہیم نے کہا میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس (بادشاہ) نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا ہے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو اس پر وہ کافر بنا ہوا رہا۔

اور کافروں سے مناعرو کی یہ مثل ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُودًا إِلَّا كِبْرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَٰهٌ يَرْجِعُونَ (الانبیاء: ۵۸)

پس (ابراہیم نے) بڑے بت کے سوا سب جوں کے کھڑے کھڑے کر دیئے تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

اور جب کافران کو دلائل سے جواب دینے سے عاجز آگئے تو انہوں نے کہا ان کو جلاؤ اور اپنے جوں کی مدد کرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا اور اللہ نے اس آگ کو سلامتی کے ساتھ لٹکا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ انہوں نے اپنا دل عرفان الہی کے لیے زمین توحید پر برحقان کے لیے اور اپنے بدن کو اللہ کی راہ میں آگ میں جھونکنے کے لیے اور اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے اور اپنے دل کو مسالوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آذر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۷۵۷ھ نے آذر کے متعلق چار قول لکھے ہیں:

- ۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن "سیدی نور ابن اسحاق نے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔
- ۲- بجاہ نے کہا آذر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاسخ ہے۔
- ۳- زجلج نے کہا کہ آذر ہم نہیں ہے بلکہ مذمت کا کلمہ ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے خطاکار! تو جوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

۴- مقاتل بن حیان نے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام نہیں ہے یہ لن کا لقب ہے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۷۶-۷۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر ہے یا تارخ ہے۔ دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء عظیم السلام کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے یا نہیں۔ امام ابن جریر، امام رازی، علامہ قرطبی، اور علامہ ابو الیمان وغیرہم کی رائے ہے کہ ان کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے، مگر متاخرین میں سے علامہ نیشاپوری، علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کی تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کرام عظیم السلام کے آباء کرام مومن تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء اور اہل بیت مومن تھے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کریں گے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آذر آپ کا چچا تھا اور عرب علوات میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تارخ تھا نہ کہ آذر

امام ابو اسحاق زجاج حوتی ۱۳۵ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا اور قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آذر تھا۔ (مطبیع القرآن و العربیہ للزجاج ج ۲ ص ۳۱۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مجاہد نے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے، وہ بت کا نام ہے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمن بن محمد بن لوریس رازی ابن ابی حاتم حوتی ۱۳۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: طحاکی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آذر نہیں تھا، ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

طحاکی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر سے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد مانگتے ہو ایمان نہ کرو اور حضرت ابن عباس فرماتے تھے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر نہیں تھا، ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ زائر مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی حوتی ۱۳۵ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آذر بت ہے اور حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آذر ہے اور ان کی ماں کا نام مٹی ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی بہتری حضرت اسماعیل کی ماں ہیں۔ ان کا نام ہاجرہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا آذر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے، لیکن یہ بت کا نام ہے۔

(در مشور ج ۲ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

آذر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی حوتی ۱۳۵ھ تحریر فرماتے ہیں:

امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے، وہ ابراہیم بن تارخ بن ماحور بن شامد بن عامر بن قلع ہیں۔

قرآن مجید میں آذر کے اور حضرت ابراہیم کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ عرب میں

”اب“ کا اطلاق عم پر بہ کثرت کیا جاتا ہے اگرچہ یہ جگہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

آمَّ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ
إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا
نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَآلَهُ أَبَاكَ وَإِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ وَ
إِسْحَاقَ (البقرہ: ۱۳۳)

کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ داؤد ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت میں حضرت اسماعیل پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے، حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے باپ نہیں بلکہ چچا ہیں اور امام ابو العالیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ماہوں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی خلوت کی۔

(المکذی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ لاہل پور پاکستان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن ہونے پر دلیل امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد سے روایت کیا ہے کہ جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے، حتیٰ کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے کہا ”حسبی اللہ و نعم الوکیل“ اور جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”یسار کونسی بردا و سلاما علی ابراہیم“ (الانبیاء: ۶۹) اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچانے کا میرا وجہ ہے ان سے عذاب دور کیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر لگی اور اس کو جلادیا۔

اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آذر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ آذر اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا اور اطلوت میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔

امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے، پھر ہجرت کے کئی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہیں حضرت سارہ کے جب سے ظالم بلا شلہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ آپ کی باندی بنادی گئیں، اس کے بعد آپ پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں خنزل کر دیں اور وہیں آپ نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي
 زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا
 الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي
 إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
 يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا
 نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ
 وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ الْحَسْبُ لِلَّهِ الْكَوَالِدِيُّ وَهَبْ لِي
 عَلَى الْكَافِرِ إِسْمَاعِيلَ وَاسْمُحْ إِنَّ رَبِّي
 لَسَمِيعٌ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْ لِي مِثْقَلًا
 الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا
 اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ
 الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم: ۴۱-۴۳)

اے ہمارے رب! اپنے ٹک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے
 آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا
 ہے۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ
 لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض
 پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں اے ہمارے رب! اپنے ٹک
 تو جانتا ہے جس کو ہم پھیلاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں
 اور آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں ہے سب
 قرینیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل
 اور اسحاق عطا فرمائے۔ بے ٹک میرا رب ضرور میری دعا سننے
 والا ہے اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور
 میری اولاد (اسے) بھی اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما
 اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور
 سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے
 والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ
 السلام کے ہزار ہوں کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے نہ کہ ان کے حقیقی والد۔

امام محمد بن سعد نے المصنفات میں لکھی ہے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی
 طرف ہجرت کی تو ان کی عمر تیس (۳۷) سال تھی پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر
 وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان قیام کیا۔
 پھر وہاں کے لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ رملہ اور ایلیا کے درمیان چلے گئے اور امام ابن سعد نے واقہی سے روایت کیا ہے کہ
 نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقہ کے بعد جب آپ نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ عرصہ میں جو آپ نے دعا کی
 تھی اُنکے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔

(الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۵-۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ آذر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت
 کے لیے دعا کی ہے اور جب کہ آذر سے وہ ہزار ہو چکے تھے اور اس کے لیے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آذر
 اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آذر کو اب (عمی بپ) کے لفظ سے تعبیر کیا
 ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تاکہ تغیر عنوان تغیر معنوں پر دلالت کرے۔ ہم نے علامہ سیوطی
 کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۵ طبع بیروت)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

اس سلسلہ میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (یعنی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گرد و خراب ہوگا۔ حضرت ابراہیم اس سے فرمائیں گے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری ٹافرمانی نہ کرنا؟ ان کے (یعنی) باپ کہیں گے "آج میں آپ کی ٹافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم فرمائیں گے "اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا (یعنی) باپ رحمت سے دور ہو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو نگہبانی میں تھرا ہوا ایک بچہ ہوگا اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۵۰، سنن کبریٰ للعلی، ج ۶، رقم الحديث: ۵۷۷۵، المستدرک، ج ۲، ص ۳۳۸، کنز العمال، ج ۱۸، رقم الحديث: ۳۳۲۴، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، رقم الحديث: ۵۵۳۸)
حافظ محمد الدین ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب بہ شمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ ہے اور اہل کتاب تارخ کہتے ہیں۔
(البدایہ والنہایہ، ج ۱، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۳ء)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں، ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی، تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو اور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا، تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعۃ اللمعات، ج ۳، ص ۳۶۸، مطبوعہ مطبع نجی کمار، کھنوی)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۵۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، اس کو مجازاً متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے۔ بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر طارے نبی ﷺ کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے، ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی، تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا، اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا اختلاط اور ان کی الفت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا معاشرہ ہوا تھا۔

(الطریق الصحیح، ج ۶، ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ، لاہور)

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی میں آذر کے دشمن خدا ہونے کی وجہ سے اس سے بزار ہو گئے تھے تو پھر قیامت کے دن اس کی سفارش کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بزار ہو گئے تھے اور قیامت کے دن انہوں نے اس کی نجات کے لیے سفارش نہیں کی بلکہ اس کے عذاب میں تخفیف کے لیے سفارش کی تھی اور بعض خصوصیات کی بنا پر کفار کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔
نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل

ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے خیر (بہتر) اور سب سے افضل تھے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَكَوْ
اَعَجَبَكُمْ (البقرہ: ۱۷۷)
اور بے شک مومن غلام (مشرک) (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔

اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی ﷺ کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔ نیز احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان ہی کی وجہ سے زمین محفوظ رہی اور نہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلا ہے کہ نبی ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے خلل نہیں رہی اور نبی ﷺ کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے پہلے ہم اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ زمین کبھی مومنین اور موحدین سے خلل نہیں رہی اور پھر اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

موحدین اور عابدین سے زمین کبھی خالی نہیں رہی

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر بن الزہری جرحاً از ابن السیب روایت کیا ہے روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ہر چند کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی پس یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ امام ابن المنذر نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق کی سند سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شمر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا زمین میں ہمیشہ چودہ ایسے نفوس رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا تھا اور ان کی برکت زمین میں پہنچاتا تھا، مسوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک تھے۔

امام ابن المنذر نے قولہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے کبھی زمین اٹلیں کے لیے خلل نہیں رہی اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے

ہیں جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمرو بن عبد البرؒ از قاسمؒ از امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے تو زمین میں اللہ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزعم میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سلت ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی حکما مرفوع ہے۔

امام ازرقیؒ نے تاریخ مکہ میں زبیر بن جراحؓ سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم سلت ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذرؒ نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریجؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

امام بزارؒ نے اپنی مسند میں اور امام ابن جریرؒ امام ابن المنذرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنی اپنی تفسیر میں اور امام حاکمؒ نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ اس آیت ”کان الساس امۃ واحدة“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر ہے۔ مگر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور امام محمد بن سعدؒ نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آیہ ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (المطوٰی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳-۲۴ مطبوعہ فیصل آباد)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت انسؓ جو بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ حضرت انسؓ سے دوسری روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہتا رہے گا اس پر قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ایمان ۲۳۲ (۳۸) ۳۷۸ سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث ۲۲۳ صحیح ابن حبان ج ۵، رقم الحديث ۷۸۳۹، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث ۳۸۳۲، طبع جدید، مسند احمد ج ۲، ص ۳۸، ۲۰۱، ۶۷، طبع قدیم، مسند ابو یعلیٰ ج ۱، رقم الحديث ۳۵۲۶، مسند عبد الرزاق ج ۱، رقم الحديث ۲۰۴۷، مسند ابو حاتم ج ۱، ص ۱۰۱، المستدرک ج ۲، ص ۲۴۳، شرح السنہ ج ۷، ص ۲۷۸، کنز العمال ج ۳، رقم الحديث ۳۸۴۸۵، مسند ابی حاتم ج ۲، رقم الحديث ۳۲۷۸، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۳۲۶، ج ۸، ص ۴، مشکوٰۃ المصابیح ج ۲، رقم الحديث ۵۵۹۱)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر دور میں اللہ اللہ کہنے والے مسلمان بندے روئے زمین پر رہے ہیں اور کسی دور میں بھی اللہ اللہ کہنے والوں سے زمین خالی نہیں رہی، ورنہ قیامت آچکی ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرامؑ کا اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر

قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۵۷، مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث: ۳۷۰، ۸۸۳۳، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد ج ۲، ص ۳۷، طبع قدیم، مشکوٰۃ المصابیح ج ۳، رقم الحدیث: ۵۷۳۹، کنز العمال ج ۹، رقم الحدیث: ۳۳۰۰۵، دلائل النبوة للشیخ ج ۱، ص ۷۵) امام ابو بکر احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن حاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن موہب بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا میں (جائز) بل بپ سے پیدا کیا گیا ہوں، مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا، حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے، میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بہ طور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔ (دلائل النبوة ج ۱، ص ۷۵، ۷۶) امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ عزوجل بیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف مائل فرماتا رہا جو صاف اور مذہب نہیں۔ جب بھی دو شاخیں پھوٹیں میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوة ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵) امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب و نسب کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی مثل اس طرح دی جیسے زمین کے گھوڑے (گندگی ڈالنے کی جگہ) میں گھور کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا، پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا، پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا، پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بہ طور گھر سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۷، دلائل النبوة للشیخ ج ۱، ص ۱۶۹، دلائل النبوة لابن نعیم ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶) مطلب بن ابی وداعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے نبی ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں؟ مطلب نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ علیک السلام آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کے دو گروہ کیے تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا، پھر اللہ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۸، دلائل النبوة للشیخ ج ۱، ص ۱۷۰، المعجم الکبیر ج ۲۰، رقم الحدیث: ۶۷۵-۶۷۶، مسند احمد ج ۳، ص ۲۶-۲۵)

امام ابو نعیم اصفہانی متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "و تفضلت فی الساجدین" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں "نہی پیچھے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں متغلب ہوتے رہے" حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔ (دلائل النبوة، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پسند کیا اور ان میں سکونت رکھی، اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا سکونت دی۔ پھر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند کیا اور بنو آدم میں سے عربوں کو پسند کیا اور عربوں میں سے مضر کو پسند کیا اور مضر میں سے قریش کو پسند کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کیا، سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں۔ لہذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوة، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۵، المستدرک، ج ۳، ص ۸۷-۸۶، کمال ابن عدی، ج ۲،

ص ۳۰-۳۱، کمال ابن ابی حاتم، ج ۲، ص ۳۶۸-۳۶۷، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۳۵)

اس حدیث کی سند میں حلوین والحد کے سوا سب کی توثیق کی گئی ہے اور وہ بھی مستبر راوی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت داؤد بن اسحاق جہڑی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنزہ کو پسند کر لیا اور کنزہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کر لیا۔

(معجم مسلم، فضائل، ۱، ۵۸۸ (۲۶۷)، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۵، معجم ابن حبان، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۲، مسند احمد،

ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۸۳، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸)

امام ابوالقاسم سلیمان بن طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو (سیدہ) محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو پایا۔

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربیذی ایک ضعیف راوی ہے۔

(المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۸۱، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۳۰۰، طبع جدید دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ان تمام احادیث سمجھ اور روایات معتبہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک نبی علیہ السلام کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے، اور قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے، لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء کرام مومن تھے۔

ابن اعلویث میں سے ہمارا استدلال ابن اعلویث سے ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے نسب کے لیے خیر اور افضل کا لفظ ہے اور جن اعلویث میں ہے کہ میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رعموں کی طرف منتقل کیا گیا ہوں، ان سے ہمارا استدلال نہیں ہے۔ ان اعلویث کو ہم نے صرف رسول اللہ ﷺ کے شرافت نسب کے لیے بیان کیا ہے۔

ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے نبی ﷺ کی تکذیب پر بہت حرص تھی۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر نہ ہوتا اور قرآن کتنا کہ ان کے باپ آذر نے یوں کہا تو علوۃ یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آذر ان کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی ﷺ کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آذر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۰، دار الفکر ۱۳۹۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل کتب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح ہے۔ بائبل میں لکھا ہے نوح اثنیس برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا اور تارح کی پیدائش کے بعد نوح ایک سو اٹیس برس اور جینا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابراہم اور نوح اور عابر پیدا ہوئے۔

(پرانامہ نامہ پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۶-۲۳، کتاب مقدس ص ۱۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، ناہور)

باقی رہا یہ کہ پھر اہل کتب نے نبی ﷺ پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آذر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتب مخلوقات عرب سے واقف تھے کہ مخلوقات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے، حالانکہ وہ ان کے بلا خلق چچا تھے اور اس پر بھی اہل کتب نے اسی وجہ سے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہیے تھی۔

نیز امام رازی نے لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں تھا اور اس پر ان کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "الذی ہرأکت حبن نفوس و تغلبک فی الساجد بن" (الشعراء: ۲۸) جو آپ کو حالت قیام میں رکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پٹنے کو دیکھتا ہے پھر امام رازی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس آیت کے دیگر محال بیان کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۱) لیکن ہمارا بنیادی استدلال اس دلیل سے نہیں ہے، یہ دلیل تائید کے درجہ میں ہے۔ ہمارا بنیادی استدلال اس سے ہے کہ آذر کے مرنے کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی۔ (ابراہیم: ۳۱) جب کہ اس کی موت علی الشریک کی وجہ سے وہ اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ لہذا اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کرنا ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ امام رازی نے اس دلیل سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ شیعہ کی طرف سے دوسری دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رخصتوں میں نکل ہوتا رہا اور مشرک نہیں ہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے آباء مومن تھے۔ اس پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے آباء مشرک نہ ہوں کیونکہ پاکیزہ پشتوں کا معنی ہے آپ نکلنے سے پیدا ہوئے ہیں، نہ اسے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، ہمارا استدلال صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہے۔ مجھے جو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سے سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔ اس سے لازم آیا کہ آپ کے تمام آباء خیر تھے اور مومن مشرک سے خیر اور بہتر ہے۔ لہذا آپ کے تمام آباء مومن ہونا ثابت ہوا۔ اس دلیل سے بھی امام رازی نے تعرض نہیں کیا۔ امام رازی نے شیعہ کی طرف سے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم

نے بہت شدت اور سختی کے ساتھ آزر کا رد کیا ہے، اگر وہ ان کے باپ ہوتے تو ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کے چچا تھے، پھر اس دلیل کا رد کیا ہے کہ ان کی یہ سختی اس کے شرک پر اصرار کی وجہ سے تھی۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۷) (ملاحظہ ہو) ہر چند کہ ہم نے اس دلیل سے استدلال نہیں کیا، لیکن اس پر امام رازی کا اعتراض قوی نہیں ہے، کیونکہ کفر اور شرک کے بلوجود ماں باپ کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، اس نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ اس کے بلوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے نرم گفتاری کا حکم دیا:

إِذْ هَبْنَا إِلَيْنِي فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۖ فَقَوْلَا لَهُ قَوْلًا
لِّنُؤَاغِرَ عَنْهُ رَبَّنَا نَكْرًا وَنَحْنُ عَاشُونَ (طہ: ۴۴)
(اے موسیٰ اور ہارون!) آپ دونوں فرعون کے پاس
جائے، بے شک اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے، آپ دونوں اس
سے نرمی سے بات کریں، تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا
ڈرے۔

اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو آپ اس سے اس قدر سختی اور شدت کے ساتھ بات نہ کرتے، لہذا ثابت ہوا کہ وہ آپ کا باپ نہیں، چچا تھا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا رکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۷) اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو وہ اس سے اس قدر اہانت آمیز کلام نہ فرماتے۔

اس بحث کے بعد امام رازی نے لکھا ہے کہ رہے طہ: ۷۷، صاحب تو ان کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد کافر تھے اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ آزر کافر تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۷) 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ' (طبع قدیم)
ہم اس قول کی شہادت سے اللہ تعالیٰ کی پند مانگتے ہیں۔ امام رازی صحیح العقیدہ تھے، دین اسلام کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قول سے رجوع کی توفیق دی۔ جس دلائل کو انہوں نے تفسیر کبیر میں رد کر دیا ہے، اسرار التنزیل میں ان ہی دلائل سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے تمام آباء کرام کا ایمان ثابت کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ہم اس کا اقتباس یہاں پیش کر رہے ہیں۔
ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف

مسئلہ ثانی: نبی ﷺ کے والدین سے شرک ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے جد اکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے، جیسا کہ عرب کی ایک جماعت اس دین پر تھی۔ مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ، اور یہ علماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔ ان ہی میں سے امام فخر الدین رازی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے ایک قول یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور اس پر کئی وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے اور اس پر کئی دلائل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الذی یراکہ حین تقوم وتقلبک فی الساجدین" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے اور اب قطعی طور پر یہ کتنا واجب ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کافروں میں سے نہیں تھے اور آزر آپ کا چچا تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا

سکتا ہے کہ "و تفسدک فی الساجدین" کے اور بھی کئی محال ہیں اور جب کہ ہر محل کے متعلق ایک روایت وارد ہے اور ان میں ہر ایک کوئی منکرات بھی نہیں ہے تو اس آیت کو ان تمام محال پر محمول کرنا واجب ہے اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدیت پر ستوں میں سے نہیں تھے۔ پھر امام رازی نے فرمایا سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء کے مشرک نہ ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رموں کی طرف متقل ہو تا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انما المشرك كون محسوس" مشرک محض ناپاک ہیں پس واجب ہوا کہ آپ کے اجداد کرام سے کوئی شخص مشرک نہ ہو۔ امام رازی کا حکام ختم ہوا۔

تم امام رازی کی امامت اور جلالت پر غور کرو وہ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے امام ہیں اور بدعتی فرقوں کا رد کرنے والے ہیں اور وہ اپنے زمانہ میں مذہب اشاعہ کے باصر اور موجد ہیں اور وہی چھٹی صدی ہجری میں ایسے عالم ہیں جو اس مسئلہ کے لیے بہ طور مجدد بھیجے گئے ہیں اور میرے نزدیک امام محمد بن رازی کے مذہب کی تائید میں اور بھی دلائل ہیں۔

(الخلاص للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ فیصل آباد)

امام رازی نے یہ بحث اسرار المتربیل والوار الکلیل ص ۲۷۸-۲۷۹ مطبوعہ بغداد ۱۹۹۰ء میں کی ہے۔ یہ کتاب مجھے بعد میں ملی ان شاء اللہ الشرح ص ۲۸۱ میں اس کتاب سے امام رازی کی اصل عبارت پیش کروں گا۔ ابویں کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ حقدین علماء پر مبنی رہا۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر مکشوف کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

لیکن متاخرین علماء نے حضور ﷺ کے والدین کریمین بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و اجداد کا ایمان ثابت کیا ہے اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے ان کو حضور ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہ ملا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے لیکن متعدد طریق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا حقدین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ "واللہ یختص بہ رحمۃ من یشاء" اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا مخالفین کے شبہات کے جوابات دیئے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۸۷ مطبوعہ مطبع نجف کمار نکسترو)

میں نے ابویں کریمین کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جو گفتگو کی ہے اس سے بہت سے صحیح العقیدہ علماء بھی متغویں تھے اس لیے میں نے چاہا کہ امام رازی کی تفسیر کبیر کی بحث کا جواب لکھوں اور یہ واضح کروں کہ امام رازی نے اس نظریہ سے رجوع فرمایا ہے اور یہی سلف صالحین اور علماء و مفسرین کی روشنی ہے۔ آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور مجھے اپنی رضا اور اپنے حبیب اکرم ﷺ کی خوشنودی عطا فرمائے اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ ص ۷۹ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بتوں کی پرستش کا کھلی ہوئی گمراہی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب ابراہیم نے اپنے (یعنی) باپ آذر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۸۲)

یعنی تمہاری عبادت کا طریقہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے اور اس سے زیادہ واضح جہالت اور گمراہی کیا ہوگی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَشْحَبُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصف: ۲۵-۲۶)

خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اور یہ بت بالکل بے ہوش ہیں، تمہاری فریاد کو نہیں سنتے، نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (الانعام: ۲۵-۲۶)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ بتوں کی پرستش کا بطلان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۚ وَلَئِن سَأَلْتَهُم الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِئُوهُ ۚ إِنَّهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ (الحج: ۱۷)

پھر ایسے کمزور، لاچار، بے حس اور بے جان تراشیدہ پتھروں کو اپنا خدا ماننا اور ان کی پرستش کرنا کھلی ہوئی گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی پادشاهی دکھائی اور اس لیے کہ وہ کمال یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۸۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا مصداق

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سات آسمان کھل گئے، حتیٰ کہ عرش بھی، پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لیے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے لوہر اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا، انہیں دوبارہ اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا، انہیں پھر اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے

دیکھا انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو ندا کی گئی اسے ابراہیمؑ کا منہ بند ہو گیا۔ تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ نین محلات ہیں یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول فرماتا ہوں گا یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کر دوں گا یا بدکاری میں اس کو ڈھیل دوں گا اور پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے شریح حوشب سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۳۶)

قدود بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم پوئلہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں پھنس گئے اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چومتے تو ان کو رزق مل جاتا۔ جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور پلوں اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ سمندر دریا درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ مخلوق کی زیادہ بھر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں مثلاً سورج چاند ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے افعال میں سے کوئی عمل ان سے چھپی نہیں رہا اور جب وہ گنہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۳۷)

حضرت عبدالرحمن بن عائش بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ سے کسی نے کہا میں نے آج سے پہلے آپ کو زیادہ خوش نہیں دیکھا آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ میرے پاس میرا رب (خواب میں) نہایت حسین صورت میں آیا۔ اس نے کہا اے محمدؐ یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا تو ہی خوب جانتا ہے پھر اللہ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيُخْبِرَ بِهِ الْمُوقِنِينَ"

(ماہ البیان ج ۷ ص ۳۳۲ مسند احمد ج ۸ رقم الحديث: ۲۳۱۷۰ طبع جدید دار الفکر شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مسند احمد ج ۸ رقم الحديث: ۲۳۰۰۸ طبع دار الحديث قاہرہ مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳ طبع قدیم سنن ترمذی ج ۵ رقم الحديث: ۲۳۳۶ ۲۳۳۵ ۲۳۳۴ شرح السنہ ج ۲ رقم الحديث: ۳۳۳۳ الشریعہ لاجری ص ۳۳۲-۳۳۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۱۲۶۸۸ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اور مخلوق دکھائی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر برقرار رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ہدایت دی ہے اس کی حقیقت کو جان لیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اپنی قوم کی گمراہی اور جہالت پر بصیرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ پھر

جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بڑا ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: ۷۹-۷۶)

ستارے، چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت چمک دار ستارہ دیکھا، انہوں نے اپنی قوم سے اشارہ استدلال میں فرمایا یہ میرا رب ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول قوم کے سامنے ستارے کی ربوبیت کے انکار کی تمہید تھی اور ان کے خلاف جہت قائم کرنے کا مقدمہ تھا، تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے موافق ہیں۔ پھر مشاہدہ اور عقل سے اس قول کا رد فرمایا، چنانچہ جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے، وہ تمام دنیا کو ہر وقت دیکھنے والا ہے، ان کی باتوں کو سننے والا ہے، وہ کبھی کسی چیز سے غافل ہوتا ہے نہ غائب ہوتا ہے۔

ستارہ کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چاند کی الوہیت کو باطل کرنے کے ورپے ہوئے، جو ستارہ سے زیادہ روشن تھا، اور اسی طرح انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم کو سننے کے لیے فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں ان کی قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی کا شکار ہے، اور اس میں یہ جھید ہے کہ جس نے چاند کو خدا مانا وہ بھی گمراہ ہے اور اس میں یہ رہنمائی ہے کہ الوہیت کے حلق صحیح عقیدہ کی معرفت وحی الہی پر موقوف ہے۔

چاند کی خدائی کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، تمام سیاروں میں سب سے عظیم سیارہ سورج ہے۔ اس کی حرارت، اس کی روشنی اور اس کا نفع سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے، یہ تمام ستاروں اور سیاروں میں سب سے بڑا ہے۔ سو سب کی بہ نسبت الوہیت کے زیادہ لائق ہے اور جب دیگر ستاروں کی طرح سورج بھی ان کے اتق سے غروب ہو گیا، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عقیدہ کی تصریح کی اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اے میری قوم! میں ان سب سے بڑا ہوں جن کو تم اپنا رب قرار دیتے ہو، میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کر چکا ہوں، میں ہر گمراہی کے عقیدہ سے منہ موڑ کر دین خلیف، دین حق اور دین توحید پر ثابت قدم اور برقرار ہوں۔ میں ان مشرکوں کے گروہ سے نہیں ہوں، جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمام کائنات کا خالق، اس کا رب اور اس کا مربی ہے، جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو ”ہذا ربی“ کہنا شک کی بنا پر نہیں تھا

اس استدلال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا یہ میرا رب ہے، یہ آپ نے بطور تنزل فرمایا تھا، کہ اگر یہ سبیل فرض یہ ستارہ میرا رب ہو تو اس کا غروب ہو جاتا اس کے رب ہونے کی تکذیب کرتا ہے اور یا یہاں استغمام محذوف ہے، جس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا کہ کہیں قوم بت اور استدلال مکمل ہونے سے پہلے ہی بدک نہ جائے۔ اس لیے آپ نے سوال کو دل میں رکھ کر فرمایا یہ میرا رب ہے، اور آپ کا نشانہ تھا، کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ توجیہات اس لیے ضروری ہیں کہ نبی ایک آن کے لیے بھی حقیقتاً ستارہ کو اپنا رب نہیں کہہ سکتا اور نہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی توحید میں تردد ہو سکتا ہے، ہر نبی پیدائشی مومن اور نبی

ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پہلے بھی مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ

(الانبیاء: ۵۱-۵۲)

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَإِن تَرَىٰ أَشْرَاقًا فَأَنظُرْ ۚ وَمَا يُضِلُّ إِلَّا أَشْقَٰءًا ۚ وَهُدًى وَبُحْرًا ۚ وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ إِنَّكَ مِن مِّلَّةِ الْغَايِبِينَ ۚ شَٰكِرًا لَّا تُغْوِيهِ ۚ وَهَدًى لِّلَّذِينَ آمَنُوا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

(النحل: ۱-۴)

استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لیے مناظرہ کا ثبوت ہے اور یہ کہ دین حق کے اثبات اور اس کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو غروب یا غائب ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ خدا جسم نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ کسی ایک افق کے سامنے ہوتا تو دوسرے افق سے غائب ہو گیا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا صفات مخلوق کا عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ جو عمل حوادث ہو وہ تغیر ہو گا اور تغیر خدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح غروب ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں بھی تغیر کا معنی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے بلکہ عقائد و دلائل پر مبنی ہوتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی قاعدہ نہ ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے عقائد و دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مخلوق کے احوال سے استدلال کیا جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج کے غروب ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ڈوبنے والا اور تغیر خدا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے یہاں تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (الانعام: ۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم کو اپنے جنوں سے ڈرایا اور کہا اگر تم ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتے رہے تو تم برص میں مبتلا ہو جاؤ گے یا تمہارے اعضاء خراب ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا ہے جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان

کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے مطلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو۔ (الانعام: ۸۱)

یہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے، جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا تھا کہ اگر تم نے ان کی مذمت کرنا نہ چھوڑی تو تمہیں کوئی آفت یا مصیبت پہنچے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، جو کسی کو نفع پہنچانے یا اس کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز پر کچھ قادر ہوتے تو جس وقت میں نے ان کو کھاڑے سے گڑے گڑے کیا تھا، اسی وقت میرا کچھ بگاڑ لیتے، اور میں ان بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو کسی نفع اور نقصان پر قادر نہیں ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون مامون اور محفوظ ہے؟ جو اس کی عبادت کرتا ہے جس کی قدرت میں نفع اور ضرر پہنچاتا ہے یا وہ جو اس کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا، ان ہی کے لیے ہے خیر ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الانعام: ۸۲)

اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مباحثہ ہوا تھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ سنایا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہی محفوظ رہے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی آمیزش نہ کی ہو، اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب ہے جب انہوں نے فرمایا پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا، تو وہی دنیا اور آخرت میں محفوظ اور مامون ہونے کے زیادہ حقدار ہیں، لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا اور جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ عبادت کو اس کے محل میں نہیں رکھتا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "الذین امنوا ولم يلبسوا ایمانہم بباطل" (الانعام: ۸۲) تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر بہت دشوار ہوئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اپنی جان پر کچھ نہ کچھ ظلم کرتا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم کا یہ معنی مراد نہیں ہے۔ کیا تم نے عقلمان کا اپنے بیٹے کے مطلق یہ قول نہیں سنا کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

(صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۲۲، صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحديث: ۴۲۲، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۷۸، السنن الکبریٰ للبخاری، ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۱۱، مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۷۱، السنن الکبریٰ للبخاری، ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۷۱، جامع البیان، ج ۷، ص ۳۳۲-۳۳۱)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ

یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی،

تَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ تَشَاءُ ۖ إِنَّ رَأْيَكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٢﴾ وَهَبْنَا

ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بیشک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ۝ اور ہم نے ابراہیم کو

لَهُ اسْحَقَ وَيَعْقُوبَ ۖ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اسحاق (ربیئہ) اور یعقوب (یزہا) عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ

اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٣﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ

ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نبی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ۝ اور زکریا اور یحییٰ

وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

اور عیسیٰ اور الیاس، یہ سب صالحین میں سے ہیں ۝ اور اسمعیل اور اسحاق

وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٥﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ

اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر فضیلت دی ۝ اور ان کے باپ اور

وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ

اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراط

مُسْتَقِيمٍ ﴿٨٦﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ

مستقیم کی ہدایت دی ۝ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک عمل ضائع ہو جاتے ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ

ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کوئی

وَكُنَّا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَفِرِينَ ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى

حرج نہیں، ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرمایا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے ۝ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے

اللَّهُ فِیْهِمْ هُدًى مَّا اقْتَدٰى قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا

ہدایت ہی ہے، اس آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی سادہ طلب نہیں کرتا، یہ تو صرف

ذِكْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝

تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ بھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۸۳)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیئے ہوئے ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اس سے پہلے آیتوں میں آچکا ہے۔ ان کی قوم کے کافروں نے کہا تھا کہ تم ہمارے جنوں کی مخالفت کرتے ہو اس لیے ہمیں ان کی مخالفت کی وجہ سے کوئی آفت یا مصیبت پہنچ جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کی آمیزش نہیں کی، وہی لوگ ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی آفت اور مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ پھر یہ کتنا کس طرح صحیح ہو گا کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آفت اور مصائب انسان کی اپنی بعض بد اعمالیوں کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَغْفُرُ لَكُمْ کَثِیْرًا (الشوری: ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کے سبب تمہیں پہنچی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور اس آزمائش میں ان کی استقامت اور ان کا ضبط اور صبر ان کے تقرب اور ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو جو بلند درجات عطا فرمائے گا تو اس کی دلیل اور حجت کے طور پر آفت، مصائب اور مشکلات میں ان کی استقامت اور ان کے صبر و ضبط کو ظاہر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ یَّجُزُّوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ (العنکبوت: ۲۴)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ (مخلص) ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْغَوْفِ وَالْجُرْعِ وَ

اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور

بھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے جب ان لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں 'بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تَقْصِرَ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَنَسِيرَ الْعُسْرَيْنِ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۶)

انبیاء علیہم السلام، علماء اور مومنین کے درجات کی بلندی

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ یہ درجات ایمان، علم و حکمت اور نبوت کے درجات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُلَاقِيكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرہ: ۲۵۳)

ہر سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کسی کو (سب پر) درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے۔

رسولوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور علماء کے درجات کی بلندی کا بھی ذکر فرمایا ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ: ۱۸)

تم میں سے جو لوگ کامل ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب کے اعتبار سے ان کے درجات بلند فرمائے گا اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی قوت اور ظہر کے اعتبار سے دنیا میں بلند درجہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (الانعام: ۸۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تسلسل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ نعمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے مقابلہ میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے غالب اور سرخرو کیا اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ دونوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے ان کے پاس فرشتے آئے اور ان کو حضرت اسحق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ اس بشارت سے حضرت سارہ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا

قَالَتْ يَوِیْلَتِي مَالِدٌ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ النَّوَرِ حَمَتِ النَّوَرِ وَبَرَكَتُهُ سَارَہ نے کہا ہائے افسوس! کیا میں بچہ جنوں کی 'حالات' میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے حکم سے

عَلَيْكُمْ اَهْلَ السَّبْتِ اِنَّهٗ حَبِيْبٌ مَّحْبُوْبٌ ۝
 (ہود: ۷۳-۷۴) اور برکتیں ہوں، بے شک وہی ہے تعریف کیا ہو ایڑی بزرگی والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے نبی ہونے کی بشارت دی:
 وَبَشِّرْنٰهٖ يٰاِسْحٰقُ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ
 (الصفت: ۳) سے ہیں۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے بعد حضرت سارہ کو الان کے پوتے حضرت یعقوب کی بشارت دی:
 فَبَشِّرْنٰهَا يٰاِسْحٰقُ وَ يٰسَرَّآوَا اِسْحٰقُ
 (ہود: ۷۵) یعقوب کی۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر نہ کرنے کی وجہ
 اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے حضرت اسحاق کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے پورے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کا ظہور اول حضرت اسحاق کی پیدائش سے ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر کرنا مقصود ہے اور بنو اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت اور حکمت سے نوازا تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی نعمت ہے ان کے جد اکرم نبی تھے۔ وہ خود بھی نبی تھے اور ان کی اولاد میں بھی انبیاء عظیم السلام ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون عظیم السلام یہ سب ان کی ذریت طیبہ ہے۔

ذُرِّيَّةٖۤ اَبْرٰهٖمَ اِسْمٰعٖلُ وَ يٰعِصٰہٗمُ (آل عمران: ۳۳) ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف راجع ہے یا حضرت نوح کی طرف۔ اگر یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد قرار پائیں گے۔ اس اعتبار سے تو یہ مناسب ہے کہ اس کلام کا سیاق و سباق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمتوں کا بیان ہے اور یہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ سارے انبیاء عظیم السلام ان کی اولاد ہیں، لیکن اس پر اعتراض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلی بیٹے نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کی بیٹی حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور دور کی پشتوں میں جا کر آپ کے نواسے ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی اولاد کا اطلاق کس طرح درست ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ ہم آیت ۸۵ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ (الانعام: ۸۵)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں یا حضرت ابراہیم۔

ابو ذر کرباجی بن زیاد القراء المتوفی ۷۰ھ نے لکھا ہے یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہے۔ (معانی القرآن، ج ۱، ص ۳۳۲)
نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا

امام ابن ابی حاتم متوفی ۲۷۷ھ ابو لاسود سے روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے یحییٰ بن یعمور کو بلا کر کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ حضرت حسن اور حضرت حسینؑ کی اولاد ہیں۔ کیا قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل ہے؟ میں نے اول سے آخر تک قرآن مجید پڑھا مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی یحییٰ بن یعمور نے کہا تم نے سورۃ الانعام کی یہ آیت نہیں پڑھی و من ذریتہ الی قولہ و یحییٰ و عیسیٰ اس نے کہا کیوں نہیں مانوں نے کہا کیا حضرت یحییٰ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں؟ علانکہ ابن کا کوئی باپ نہیں ہے۔ حجاج نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۳۵، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض، ۱۴۱۱ھ)

ابو اسحق ابراہیم الخرج المتوفی ۳۷۷ھ نے لکھا ہے جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔

(معانی القرآن، دواخر ابیہ لا جاج، ج ۲، ص ۲۶۹، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

قاسمی عبدالحق بن غالب بن علیہ امیر لسی متوفی ۵۳۶ھ لکھتے ہیں:

حجاج نے کہا ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر کا ابراہیم کی طرف ہونا بھی جائز ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ابن انبیاء میں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کے بھتیجے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے بھانجے ہیں اور جو شخص ماموں پر باپ کا اطلاق کرتا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف لوتی ہے اور یہ بہت مناسب ہے۔

(المحرر الوتیز، ج ۶، ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ تہجد، تھانہ مکرہ)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی ان کے ماموں کی طرف نسبت کی ہے اور فرمایا "و من ذریتہ (الی قولہ) و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ والیاس کل من الصالحین۔"

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۳۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض، ۱۴۱۱ھ)

نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مذکور انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس آیت میں حضرت یونس اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر بھی کیا گیا اور وہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، حضرت لوط ان کے بھتیجے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ابن کے بھانجے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی طرف منسوب ہیں، اگرچہ ابن میں بعض انبیاء ایسے ہیں جو ماموں اور باپ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے نہیں ہیں، کیونکہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم کے بھائی کے بیٹے ہیں اور عرب چچا کو باپ کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے نقل فرمایا ہے، انہوں نے کہا

نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَ

ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ

إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (البقرہ: ۱۲۳)

دارا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں
کے۔

حالات کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریعہ سے شمار فرمایا ہے، حالانکہ وہ ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں، اسی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد بھی پیچھے کی ذریعہ سے ہے اور جو فقہاء بیٹیوں کی اولاد کو بھی اولاد میں داخل کرتے ہیں، وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر جرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حسن جرح کو لے کر آئے اور ان کو منبر پر چڑھایا، پھر آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اسی کے سب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۹، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۷۹۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحديث: ۴۶۲۳، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۹، صحیح ابن حبان، ج ۵، رقم الحديث: ۶۶۳، مسند احمد، ج ۷، رقم الحديث: ۷۰۳، طبع جدید، مسند احمد، ج ۵، ص ۵۴، طبع قدیم، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۹، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۷۵)

ہمیں کسی کے متعلق یہ علم نہیں ہے کہ اس نے بیٹیوں کی اولاد پر ان کے بھائی کی اولاد کے اطلاق کو ناجائز کہا ہو اور لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ولد (بیٹا) کا لفظ تولد سے مشتق ہے اور وہ لاکھ اپنی ماں کے باپ سے متولد ہیں۔ سو قرآن مجید کی آیت "وَمَنْ ذَرِيَّتُهُ" (الانعام: ۸۳) اس حدیث اور لغت سے یہ ثابت ہے کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد پر بھی اس شخص کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے، اس سے حسب ذیل مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی اولاد اور تولد کی اولاد کے لیے کسی جائیداد کو وقف کیا تو اس میں اس کی بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی، اسی طرح جب کسی شخص نے اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کی تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم کو قرابت شامل ہے، اور ان کے نزدیک اس وصیت سے بچا، پھر بھی، ماہوں اور غلام کے بیٹے ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم اور اس کے غیر کو قرابت شامل ہے، سو ان کے نزدیک اس وصیت سے بچا کا بیٹا اور اس کا غیر ساقط نہیں ہوگا، اور امام مالک کے نزدیک اس وصیت میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی اور اس کا اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وصیت کرنے کی مثل ہے اور اس وصیت میں بیٹے کی اولاد داخل ہوگی اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (النساء: ۱۱)

اللہ تمہاری اولاد (کے حصوں) کے متعلق حکم دیتا ہے۔

تمام مسلمان اس آیت کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں اولاد سے مراد صلی اولاد ہے اور خصوصاً بیٹا مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلْيَرْسُولٌ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ (الانفال: ۱۴)

و رسول کے لیے اور اس کے قرابت داروں کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ حصص قرابت داروں میں سے بچا کو دیئے، مہموں کو نہیں دیئے، اسی طرح عرف میں بیٹیوں کی اولاد ان کے بھائی کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور شجرہ نسب میں وہ بھائی کے ساتھ نہیں ملتی۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بچی کی اولاد پر اولاد کے اطلاق اور اولاد میں اس کے داخل ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ حَاكَمَكَ فَيَوُضِعْ يَدَاهُ فَاَعْلَاهُ كَمَنْ
الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ ابْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا وَكُمُ
يَسَاءُ تَأْوِيْسًا لَّكُمْ وَأَنْفُسًا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
تَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَكَ الْغُلُوَّ عَلَى
الْكُذِبِ ۝ (آل عمران: ۸۰)

پھر (اے رسول کرم!) آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی جو لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث کریں تو آپ (ان سے) کہیں: "آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلا لیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو" پھر ہم عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں اور جو انہوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

املاط میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے بیٹوں کے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا تھا اس سے واضح ہوا کہ بچی کی اولاد بھی اولاد میں داخل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ، امام سعید بن منصور، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابو نعیم شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ اہل نجران عیسائیوں کی ایک بڑی قوم تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک عظیم بات کہی اور وہ نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے "تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مہلبہ کرنے کا حکم دیا۔ صبح کو نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں تو انہوں نے مہلبہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے سب نے بھارت دی تھی حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں نے بھی کہ اگر یہ مہلبہ کرتے تو تمام اہل نجران ہلاک ہو جاتے۔

امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن کثیر، امام حاکم اور امام بیہقی نے (اپنی سنن میں) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل تعالوا ندع ابناءنا وبناتنا وکُم یساء" تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔

(در مشور، ج ۳، ص ۲۳۲-۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ سید محمود اکوی متوفی ۷۰۰ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بچی کی اولاد کو بیٹا کہنا یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور ہمارے اصحاب (فقہاء اختلاف) کے اس مسئلہ میں مختلف فتوے ہیں اور میرا رجحان یہ ہے کہ بچی کی اولاد اولاد میں داخل ہے۔

(روح المعانی، ج ۷، ص ۲۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت الیاس کانسب اور ان کا مصداق

حضرت الیاس علیہ السلام کے نسب اور ان کے مصداق میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یس الیاس ہیں اور اسرائیل یعقوب ہیں۔

اور اہل انساب نے یہ کہا ہے کہ اور یس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ وھب بن منبہ سے اسی طرح مروی ہے، کیونکہ اس آیت میں حضرت الیاس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت قرار دیا ہے تو پھر وہ حضرت اور یس کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت اور یس علیہ السلام تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں، اس لیے اہل انساب کا قول صحیح ہے۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت اور یس ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۲، ص ۳۳۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ وہم کیا ہے کہ المسیح ہی الیاس ہیں، حالانکہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک فالگ الگ ذکر کیا ہے۔ وھب بن منبہ نے کہا کہ حضرت المسیح حضرت الیاس کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت اور یس ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت اور یس حضرت نوح کے دادا ہیں اور حضرت الیاس ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت خضر ہیں اور دو سراقوں یہ ہے کہ نہیں، بلکہ حضرت المسیح حضرت خضر ہیں۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت الیاس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، الیاس بن یس بن فہام بن اصرار بن ہارون۔ یہ وہ ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی ہیں۔ قصی نے نقل کیا ہے کہ حضرت الیاس حضرت یوشع کے نواسے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل کے نواسے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ اور یس ہیں، اور امام ابن اسحاق نے حضرت اور یس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، اور یس بن یرد بن عاکل بن انوش بن یسکان بن شیش بن آدم اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت نوح اور حضرت اور یس کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ (روح المعانی، جزء ۷، ص ۲۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور الیاس اور یونس اور لوط اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو جن لیا اور ان سب کو صراط مستقیم کی ہدایت دی (الانعام: ۸۷-۸۶)

علامہ قرطبی نے وھب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت المسیح حضرت الیاس کے صاحب تھے اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔ پھر ان کی اولاد میں سے چودہ نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسماعیل، حضرت المسیح، حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام اور یہ کل اٹھارہ نبیوں کا ذکر ہے۔

جب متعدد شخصیات کا ذکر ہو تو ان کے درمیان ترتیب یا تو سنن و اوقات کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یا فضل اور شرف کے اعتبار سے ترتیب ہوتی ہے۔ امام رازی نے یہاں ترتیب کی ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصول ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک، سلطنت اور قدرت کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا، انہیں مصائب میں مبتلا اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی اور ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا، وہ ان دونوں نعمتوں کے جامع ہیں۔ پہلے انہوں نے سخت مصائب برداشت کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک اور سلطنت سے نوازا۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام پر نعمتوں کا دوسرا سلسلہ ہے۔ وہ ان کے معجزات کی قوت اور ان کے دلائل اور براہین کی کثرت ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ نعمت پوری طرح حاصل تھی۔ لہذا ان کا ذکر فرمایا، اس کے علاوہ نعمت کی ایک قسم ہے دنیا سے ترک تعلق کر کے زاہدانہ زندگی گزارنا اور حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس اس نعمت کے حامل ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صالحین کے وصف کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ایک وہ نوع ہے جن کے دنیا میں ہیروکار باقی نہیں رہے اور وہ یہ ہیں۔ حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم، حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام۔ ان انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں یہ ایک عمدہ مناسبت ہے جس کو امام رازی نے مستنبط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے ان کو ہدایت دی، اس کا معنی ہے ہم نے ان کو جنت کے راستوں کی طرف ہدایت دی، یا اس کا معنی ہے ہم نے ان کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے اور محاسن اخلاق کو حاصل کرنے کی ہدایت دی۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان (سب) انبیاء کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی، اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں، کیونکہ عالم کالفظ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو شامل ہے اور ملائکہ بھی عالمین میں داخل ہیں۔ سو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے سجدہ کا حکم دیا جائے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے متعلق سوال فرمایا اور جب وہ ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا آپ انہیں ان چیزوں کے نام بتائیں اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سورہ بقرہ ۳۳-۳۴ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی فرشتوں سے افضل ہوتا ہے اور جو بھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت اور غضب کو رکھا ہے جو علمی اور عملی کمالات کے حصول سے مانع ہیں، پھر اس میں فحش، خائلی اور تمدنی ضروریات اور حاجات رکھی ہیں اور کمزوریاں اور بیماریاں رکھی ہیں جو فضائل اور محاسن کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہر وقت تسبیح، تہلیل اور عبادت کرتے ہیں اور ان کے لیے کوئی چیز مانع اور حائل نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مشاغل، صوارف اور سوانح کے باوجود معرفت الہی اور عبادات میں کمال حاصل کرنا زیادہ اخلاص اور فضیلت کا موجب ہے۔ اس لیے عام اور خاص ملائکہ سے انبیاء علیہم السلام افضل ہیں اور عام ملائکہ سے کمال مسلمان اور عبادت گزار مومنین افضل ہیں، لیکن وہ خاص ملائکہ یعنی رسل ملائکہ سے افضل نہیں ہیں، بلکہ رسل ملائکہ ان سے افضل ہیں اور نسلان، فجار اور کفار سے عام ملائکہ بھی افضل ہیں۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام اولیاء سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو اعلیٰ ترین فضیلت دی ہے اور اعلیٰ ترین میں اولیاء کرام بھی داخل ہیں۔

یہ ظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں، کیونکہ اس میں فرمایا ہے ہم نے ان (سب) کو العلیس پر فضیلت دی ہے اور العلیس میں ہمارے نبی بھی داخل ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس آیت میں یہ قید لگائی ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے زمانوں میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں سات انبیاء علیہم السلام کا اور ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: حضرت آدم، حضرت اوریس، حضرت ہود، حضرت زوالکفل، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والرحمۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ان آیتوں میں اس پر دلیل ہے کہ جس رسول نے سب سے پہلے حلال اور حرام اور دیگر شرعی احکام بیان کیے، وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے لیے ہر نیک عمل ضائع ہو جاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں (تو کوئی حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرمادیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ (الانعام: ۸۸-۸۹)

اللہ کی ہدایت

یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو ہدایت دی ہے اور ان کو دین حق کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق دی ہے، جس کے جب سے انہوں نے دنیا اور آخرت کی عزت اور کرامت کو حاصل کیا اور اللہ کی ہدایت کا معنی ہے اللہ کی توحید کا اقرار کرنا، ہر قسم کے شرک سے دافعا، مجتنب رہنا اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنا۔ پھر فرمایا (بہ فرض محال) اگر ان نبیوں اور رسولوں نے بھی شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کی آمیزش کے ساتھ کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے تعریف ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اگر انہوں نے بالفرض شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے تو ان کی امتیں کس گنتی شمار میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ وہ انبیاء ہیں جن کو ہم نے کتابیں دی ہیں ان کتابوں سے مراد حضرت ابراہیم کے صحیفے ہیں اور حضرت موسیٰ کی تورات ہے، حضرت داؤد کی زبور ہے اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انجیل ہے اور حکم سے مراد ہے کتاب اللہ میں مذکور احکام کی فہم اور معرفت اور نبوت کا معنی ہے اللہ کی طرف سے فیض کی خبریں اور احکام شرعیہ حاصل کر کے بندوں تک پہنچانا۔

پھر فرمایا اگر اہل مکہ نے میری کتاب کی ان آیات کا کفر اور انکار کیا تو میں نے ان آیات پر ایمان لانے کے لیے ایسی قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کا انکار نہیں کریں گے۔ ابن جریج نے کہا اس قوم سے مراد اہل مدینہ اور انصار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے اہل ایمان کے لیے مدینہ میں جگہ بنا چکے تھے۔ قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اگر قریش نے ہماری آیات کی تکذیب کی (تو کیا نقصان ہے) ہم نے اس سے پہلے

’شمارہ نمبروں کا ذکر کیا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں۔ امام ابن جریر نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

(جامع البیان ’جزء ۷‘ ص ۳۲۵-۳۲۲ ’مطابا‘ ’مطبوعہ دار العکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ آپ کے میں اس (تبلیغ اسلام پر تم سے کوئی مخلوق طلب نہیں کرتا) یہ تو صرف تمام جن دانوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الانعام ۹۰) نبی ﷺ کا تمام صفات انبیاء کا جامع ہونا

اس آیت کا معنی ہے اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں اس منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کر لیں۔ اس آیت میں نبی ﷺ کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام مالک بن انس: ’یہی متوفی ۱۷۷ھ روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لیے مبعوث کیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(الموطا‘ رقم الحدیث: ۱۶۷۷، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۶۷، ۵۰۶۸)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۵۰۵ھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(المستدرک ’ج ۲‘ ص ۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ’ج ۲‘ ص ۱۳۳، الاستذکار ’ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۸۹۳، مسند احمد ’ج ۹‘ رقم الحدیث: ۸۹۳۲، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، ’مطبوعہ دار الحدیث کاہرہ‘ مسند احمد ’ج ۲‘ ص ۳۸۸، طبع قدیم ’کنز العمال‘ ج ۱۸، رقم الحدیث: ۳۱۸۶۹)

امام احمد بن عمر حنبل بنی یزاد متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے صرف مکام اخلاق کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البراء ’ج ۳‘ رقم الحدیث: ۷۳۷۰، المعجم الاوسط ’ج ۷‘ رقم الحدیث: ۶۸۹، علامہ البیہقی نے کہا امام یزاد کی سند صحیح ہے، ’مجمع الزوائد‘ ج ۹، ص ۵۸، طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے، ’الدر المستور‘ رقم الحدیث: ۱۲۸۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۹ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات مکمل اور فاضل شرف ان میں متفق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نوح پر بہت شکر کرنے والے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں راجح قدم رکھتے تھے۔ حضرت اسماعیل پر صدق غالب تھا اور حضرت یونس اللہ

کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ عیودت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفق طور پر پائی جاتی ہیں آپ تمام صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شائکلی جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں۔ پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفق تھے وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے۔ لہذا یہ کتنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہنے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی معوضہ طلب نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور فرمایا میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معوضہ کا مطالبہ نہیں کرنا اور یہ قرآن تو تمام جن جن والوں کے لیے نصیحت ہے یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوئی ہے وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۚ قُلْ مَن أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں

کیا، آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ ﷺ لائے تھے، وہ لوگوں کے لیے نور اور

لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدَوْنَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۚ

ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنائے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو اور

عَلَيْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلِ اللَّهُ شَهِدُكُمْ

نہیں وہ علم دیا گیا جس کو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے اللہ (جی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان

فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۚ وَهَذَا كِتَابُنَا مَبْرُكٌ مُّصَدِّقٌ

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

کی کج بحثی میں کھینچنے کے لیے چھوڑ دیں ۵ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ

کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ محمد والوں اور اس کے گرد نزاح کے لوگوں کو (مذاب سے) ڈرائیں اور ان

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩٣﴾

لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے

وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ

ملائکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں تقریباً ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل

اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ

کی ہے، اور (اُسے مخاطب:) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے

بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا

الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

دی جانے کی کیوں کہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں پر ایمان لائے، سے

آيَتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٤﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فِرَادَىٰ كَمَا خَلَقْتُمُ

تینگز کرتے تھے اور بیشک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ

تنہا، پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان

شُفَعَاءَ كَمَا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ

سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے شوق تم یہ گھنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاروں میں ہمارے

شہان القرآن جلد سوم

بَيْنَكُمْ وَصَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ع

شریک ہیں، بیشک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور تم پر تم گمراہ کرتے تھے وہ تم سے جانتے رہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ آپ کہئے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے؟ وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنائے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو، اور تمہیں وہ علم دیا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دلو، آپ کہئے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان کی کج بحثی میں کھینٹنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۹۱)

مناسبت اور شان نزول

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کرتا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا پھر ان کو مزید مستحکم فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے اثبات کے لیے دلائل کو ذکر فرمایا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یا مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہودیوں کے متعلق نازل ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے یہود معتقد تھے، اس لیے اس آیت میں جو معارضہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بشر کوئی چیز نازل نہیں ہوتی تو تانا: موسیٰ پر تو رات کیسے نازل ہوئی؟ یہ معارضہ صرف یہود پر ہی محبت ہو سکتا ہے، مشرکین تو نبوت اور رسالت کے معتقد نہیں تھے۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ بعض مشرکین اہل کتاب سے من کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کے معتقد تھے، وہ صرف سیدنا محمد ﷺ کی رسالت ماننے سے انکار کرتے تھے اور مشرکین کے متعلق اس آیت کے نزول پر یہ قرینہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے اور یہود سے نبی ﷺ کے مناظرے مدینہ منورہ میں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ آیت مشرکین ہی سے متعلق ہے، لیکن اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ایک آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور نبی ﷺ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھوا دیا اور روایات دونوں کے متعلق ہیں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن صفیہ نام کا ایک یہودی نبی ﷺ کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات کو نازل کیا ہے۔ کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو پسند کرتا ہے اور وہ مومن عالم تھا، وہ غضب ناک ہو گیا، اس نے کہا یہ خدا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور مشرکین کے متعلق یہ روایت ہے:

عابد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش نے یہ کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، تو اللہ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا آخری حصہ جس میں یہ مذکور ہے تم نے اس کے الگ کاغذ بنائے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر

حصہ کو چھپا لیتے ہو یہ اس روایت کو مسترد کرتا ہے، کیونکہ تورات میں تحریف کرنا بہر حال یہودیوں کا کام تھا۔ مشرکین کا کام نہیں تھا اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا موقف اور بحث و نظر
امام غزالی نے محمد بن عمر رازی حنفیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تورات کو نور اور ہدایت فرمایا ہے اور یہاں نور سے مراد نور معنوی ہے اور ہدایت بھی نور معنوی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ نور سے مراد اس کا نفس ظاہر ہوتا ہے اور دوسری جگہ اس سے مراد دوسروں کے لیے مظہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا تم نے اس کے الگ الگ کلمہ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر کتاب کو کلموں میں محفوظ کیا جاتا ہے تو اگر یہود نے تورات کو کلموں میں محفوظ کر لیا تھا تو ان کی مذمت کس وجہ سے کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت کلموں میں محفوظ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کتاب کے دو حصے کر دیئے تھے۔ ایک حصہ لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہود تورات کو چھپانے پر کیونکر قادر تھے؟ جبکہ وہ مشرق اور مغرب میں پھیل چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اب کوئی شخص قرآن مجید سے کچھ آیتوں کو چھپانا چاہے تو اس پر قادر نہیں ہو سکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں تحریف کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی آیات کی سن گزرت اور باطل تفسیر کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا محمدؐ کے متعلق تو تورات میں بہت کم آیات تھیں، اگر آیات کو چھپانے سے مراد ان کا صحیح مطلب چھپانا اور ان میں باطل تاویل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ تم اس میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود بعض احکام کی آیات میں بھی باطل تاویل کرتے تھے۔ مثلاً رجم کی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۳، ص ۹۷، مطبوعہ مصر)

یہ امام رازی کی تقریر ہے لیکن اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمدؐ کے متعلق اور رجم کے متعلق مل کر بھی آیات بہت گھیل ہیں، جبکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے ہو۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور امام رازی کا اس کو قرآن مجید پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی دور میں بھی تورات کی اشاعت قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی اور نہ اس کے قرآن مجید کی طرح حافظ ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید سے کسی آیت کا چھپالینا ممکن نہیں ہے اور تورات سے کچھ چھپالینا کچھ دشوار نہ تھا، خصوصاً جس زمانہ میں قرآن کریم نازل ہوا یا اس سے پہلے کیونکہ اس وقت نشر و اشاعت کے اسٹیز ذرائع اور وسائل نہ تھے اور یہودیوں کی تعداد اس وقت بھی دنیا میں بہت کم تھی اور وہ مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے نہ تھے، اس لیے قرآن مجید کے الفاظ کو بلاوجہ ان کے ظاہری اور حقیقی معنی سے ہٹانا اور آیات کے چھپانے کو باطل تاویل پر محمول کرنا ہماری رائے میں درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آیت مذکورہ کا مفسوخ نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا آپ کہئے ”اللہ“ اس کا معنی یہ ہے کہ عقل سلیم یہ شلوت دیتی ہے کہ جو کتاب ہدایت اور نور ہے اور

جس کی تائید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے قوی معجزات لے کر آئے ہوں اس کو نازل کرنے والا اللہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص وجود باری پر استدلال کرتے ہوئے کہے وہ کون ہے جو مردہ میں جان ڈالتا ہے؟ وہ کون ہے جو لاعلمی کے بعد علم پیدا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے آنکھ کے ڈھیلے میں جھٹلی رکھی؟ وہ کون ہے جس نے کھن کے سوراخ میں سماعت رکھی؟ پھر وہ کہنے والا خود کہے: اللہ نور اس سے تصور یہ ہے کہ جب کلام میں تک پہنچے گا تو ہر صاحب عقل اعتراف کرے گا کہ اس فعل کا فاعل اللہ ہی ہے، نور اخیر میں فرمایا پھر ان کو ان کی کج بخشی میں کھینٹنے کے لیے چھوڑ دیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ نے ان کے خلاف حجت پوری کر دی اور ان کے تمام شکوک و شبہات کو زائل کر دیا اور ان کو عذاب خداوندی سے ڈرا چکے تو آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَبْلَ أَنْ عَرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَبِيبًا إِلَّا أَنْبَاغُ (الشوری: ۴۸) میں اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، آپ کا کام تو صرف ہتھیار بنانا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت 'آیت قتل سے منسوخ ہے۔ یہ قول بعید ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر ان کو ان کی کج بخشی کے لیے چھوڑ دیں یہ ارشاد بطور تہدید ہے اور یہ حصول قتل کے منافی نہیں ہے لہذا اس آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر ناشناسی

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ امام رازی نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ یسوع نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اس نے رسولوں کے بھیجے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر طعن کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے جہالت ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنے کا۔

انفش نے کہا اس آیت کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہیں کی۔ بطور ایہ دور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تقدیری اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا دور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض واصلین اولیاء اللہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھا دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور ولی تھے اور حضرت موسیٰ نبی تھے۔ نور حصول علم کے لیے نبی کو بھی ولی کے پاس جانا پڑتا ہے 'حلاکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سولہ میں بیان کیا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کو جب بیٹے کی طلب ہوئی تو وہ ایک ولیہ حضرت مریم کے پاس گئے اور وہیں دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی 'حلاکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا جب اس طرف متوجہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو بے موسیٰ پھل دے رہا ہے تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا جو بے موسیٰ پھل دے سکتا ہے 'وہ مجھے بڑھا پے میں اولاد بھی دینے پر قادر ہے۔ اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی اس طرح اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عز وجل فرماتا ہے جو لوگ میری ذات سے محبت رکھتے ہیں ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

اسنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث ۲۳۹۷، مسند احمد 'ج ۸' رقم الحدیث ۲۲۳۱، صحیح ابن حبان 'ج ۱' رقم الحدیث ۵۷۷، المعجم الکبیر

ج ۲۰ رقم الحدیث ۷۳، بیہ للولیاء 'ج ۲' ص ۱۳۱

ملاحظہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کی حسین کریں گے یہ اس بات کی چند مثالیں ہیں کہ آج کل کے واعظین اولیاء اللہ کو نبی اور رسول سے بڑھا دیتے ہیں اور اب چند مثالیں اس امر کی بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام دارقطنی اور امام ابن شاہین نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نضیل جویشہ کی آنکھ نکل کر رخسار پر گر گئی نبی ﷺ نے اس آنکھ کو لوٹا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ سدرست اور صحیح آنکھ تھی۔

(الاصابہ ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس دور کے واعظین اس حدیث میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں تھی۔ (العیونۃ) ملاحظہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے کے لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آنکھیں تو دونوں ہی خدا کی دی ہوئی تھیں لیکن پہلی آنکھ میں باپ کے واسطے سے ملی تھی اور دوسری آنکھ سرور دو عالم ﷺ کے ہاتھوں سے ملی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ کلمہ طیبہ میں اللہ کا نام پہلے اور رسول اللہ ﷺ کا نام بعد میں لینے کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ کا نام لینے سے زبان پاک ہو جائے گی پھر اس زبان سے نام محمد لیا جائے۔ ملاحظہ اہل علم پر عقلی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید کو کسی ٹپاک مودا عورت (خواہ نجبی ہو) حکم ہو یا حائضہ و نساء ہو) کا زبان سے پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح نجبی اور بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا بھی حرام ہے اور ادب و احترام کی وجہ سے احادیث کو ان حالتوں میں نہ پڑھنا اور نہ چھونا ایک الگ بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ ادب اور احترام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا ہے اور کلمہ طیبہ میں اللہ کے نام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تقدیم کی جتنی بھی وجوہ ہیں وہ سب اس قدر باعزت و باوقار ہیں کہ ہر وجہ سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر مقدم ہے۔

اسی طرح ایک شعر ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

بول تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ میں اختیارات کا متعلق کرنا ہی غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی خلقت اور اقتدار اور آپ کا اختیار اللہ کے اختیار اور اقتدار سے زیادہ ہے۔ (معلقہ اللہ) غلط کفر اور زندیقی ہے۔ "وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ" ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا کر نہ اسلام کی کوئی خدمت کی ہے نہ رسول اللہ ﷺ کو خوش اور راضی کیا ہے اور دلائل کے اعتبار سے بھی یہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابوطالب "ابو لب" اور دیگر کفار اور مشرکین کو دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور ان کو دائمی عذاب سے نہیں چھڑائیں گے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی ﷺ نے تیوری چڑھائی اور چٹہ پھیر لی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس نازل فرمائی اور آپ کو ان کی طرف توجہ نہ کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

وَأَنصَبْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۖ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۖ
فَأَنصَبْ عَنْكَ يَكْشَىٰ ۖ (عبس: ۸-۱۰)
اور جو دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور وہ اپنے رب سے ڈر رہا ہے تو آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں!

یاد رکھئے رسول اللہ ﷺ ایسی تعریف سے کبھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس ناراض اور رنجیدہ ہوں گے جس تعریف میں آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کا وہم ڈالا جائے یا اس کا تصور دیا جائے۔
امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

جب محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دلوا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ مشقت میں پڑ گئے اور بچے ضائع ہو گئے اور مال لوٹ لے گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے۔ ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور شفیع لاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے! تم کو پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر فرمایا تم پر افسوس ہے اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس شفیع اور سفارشی نہیں بنایا جاتا اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ تم پر افسوس ہے! کیا تم کو پتا ہے اللہ کی کیا شان ہے؟ اس کا عرش تمام آسمانوں پر اس طرح محیط ہے آپ نے اپنی انگلیوں سے گنبد بنا کر دکھایا اور وہ اس طرح چرچرا رہا ہے جس طرح سواری کے بوجھ سے پالان چرچراتا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۷۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حافظ زکی الدین ابو محمد المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت بیان کرنے کے لیے یہ مثل ذکر فرمائی ہے تاکہ سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی بلند شان، جلالت قدر اور عظیم ذکر کا اندازہ ہو اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہ بنائے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ کسی صورت سے کیمت ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد ج ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار العرفہ بیروت)
ایک اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے پاس سفارشی بنایا تو نبی ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے بار بار افسوس کیا اور سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا۔ آپ سوچئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کی نکتہ آفرینی کی گئی تو اس سے رسول اللہ ﷺ کو کتنا افسوس ہو گا؟

اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ آج کل کے واعظین یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رجب پر آئے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی طرح چلنے لگے بعد میں ایک شخص آیا۔ اس کو بھی دریا کے پار جانا تھا اور کشتی کوئی نہ تھی اس نے حضرت کو جلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں کس طرح آؤں؟ آپ نے فرمایا یا جنید یا جنید کتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب پچ دریا میں پہنچا تو شیطان نے دل میں دوسو دلا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلاتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں؟ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا پکارا حضرت میں چلا فرمایا دی گد کہ یا جنید یا جنید! جب کما دریا سے پار ہوا۔ بعد میں حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ارے ملاں ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔

اس حکایت کو پڑھ کر بے اختیار زبان پر یہ آیت آتی ہے ”وما قدرنا اللہ حق قدرہ“ انہوں نے اللہ کی کما حقہ قدر اور تعظیم نہیں کی اس حکایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا جنید کہنے سے بندہ پار لگتا ہے اور یا اللہ کہنے سے ڈوب جاتا ہے اور اس میں مخلوق کے ذکر کو اللہ کے ذکر سے بڑا درجہ دیتا ہے اور اس حکایت میں اللہ کے ذکر کے ارادہ کو شیطان کا دوسو قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس میں حضرت جنید پر بہتان ہے اللہ کے نیک اور صلح مند اپنے متوسلین کو اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں نہ کہ اپنے ذکر کی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ سے اس حکایت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا رد فرمایا۔ مسئلہ: از شفا خانہ فرید پور ڈاک خانہ خاص انشیشن پتھر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپوٹر ۷۲ رمضان ۱۴۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے انہوں نے سفر کیا راستے میں ایک دریا پڑا اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے۔ تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلے آؤ اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا۔ درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا تب وہ ڈوبنے لگا اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہو یا جنید یا جنید کہو تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا یہ در سے ہے یا نہیں اور بزرگ کامل کے لیے کیا حکم ہے اور آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ بیسوا نوحروا۔

الجواب: یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا اور یہ محض انشراح ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہو۔ یا جنید کہنا خصوصاً حیات دنیوی میں خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حکم پوچھنا مکمل بے ادبی و گستاخی و دریدہ دہلی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۱۹۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اعلیٰ حضرت نے اس حکایت کا جو رد کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ (اللفوظ ج ۱، ص ۷۱، مطبوعہ مکتبہ ہشتنگ کہنی کراچی اور ج ۲، ص ۳۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) میں اس حکایت کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی ہے اور اس کو اعلیٰ حضرت کا لفظ قرار دیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اور جلالت ہے اس سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ ایسی حکایت بیان کریں اس سلسلہ میں یقیناً اللفوظ کے مرتب کو سو ہوا ہے۔ اس پر دلیل فتاویٰ رضویہ کی مذکورہ عبارت ہے۔

وما قدروا اللہ حق قدرہ (الانعام: ۹۱) اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر

کرنے کا حق تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے اپنے دور کے واعظین کی چند مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور معرفت سے بے بہرہ ہیں اور وہ نئی چیزیں اور اولیاء کرام کی شان میں غلو کرنے کے لیے ان کی قدر و منزلت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں اور ان کو بڑھانے کے لیے اللہ کی شان کو ان سے کم دکھاتے ہیں مثلاً اللہ۔ اس تحریر سے ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع آور بنائے اور اس عاجز کو سلامتی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر قائم فرمائے اور اپنے فضل سے مغفرت فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والی ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (غذاب سے) ڈرائیں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الانعام: ۹۲)

قرآن مجید کی خیر اور برکت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یسوع کے اس قول کو باطل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر کو کوئی چیز نازل نہیں کی اور جب

یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کی ہیں تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے ہم نے اس کتاب کو بہت خیر اور برکت والی بتایا ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تائید تصدیق اور حفاظت کرتی ہے۔

اس کتاب کی خیر و برکت یہ ہے کہ انسان کو علم اور عمل کی تفصیلات سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور سب سے افضل اور اشرف علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے اور نبی کی ضرورت اور اس کے مقام و منصب اور احکام شریعت کا علم ہے اور اس علم کا مکمل قرآن مجید ہے اور سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرنا ہے اور اس علم کا منبع بھی قرآن کریم ہے۔ سو جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا اسے دین اور دنیا کی خیر اور برکت حاصل ہو جائے گی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امراء حکام اور سربراہیہ داروں کو وہ عزت حاصل نہیں ہے جو علماء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔

زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہم نے دیکھا ہے کہ گزرے ہوئے بادشاہوں کے مقبرے ویران پڑے رہتے ہیں وہیں لوگ ہلک ہلک مٹاتے اور سیر و تفریح کے لیے تو جاتے ہیں تلاوت قرآن اور ایصال ثواب کے لیے کوئی نہیں جاتا۔ اس کے برعکس علماء اور اہل اللہ کے مزارات مرجع خلافت ہوتے ہیں اور وہیں دن رات مسلمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور یہ صرف قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی خیر و برکت ہے۔

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ کتاب سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تصدیق کی تفصیل یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اصول اور فروع اصول سے مراد ہیں عقائد مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات توحید رسالت طاعت اللہ برائی قیامت مرنے کے بعد الھما جزا ہو سزا جنت اور دوزخ وغیرہ اور ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی اور انبیاء کے فرق سے ان عقائد میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ تو رات زبور اور انجیل میں جو عقائد تھے وہی عقائد قرآن مجید میں ہیں اس لحاظ سے قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کا مصدق ہے اور فروع سے مراد ہیں احکام شریعت اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات رسم و رواج اور تمدن و تمدن کے اعتبار سے اس زمانہ کے نبی کی شریعت دوسرے انبیاء سے مختلف ہوتی ہے اور یوں تمام انبیاء کے احکام شریعت ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن نفس عبادت اور اطاعت رسول اور اتباع شریعت میں تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں اور اس چیز میں قرآن ان کا مصدق ہے۔ نیز ان تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانہ میں نبی آخر سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا جو سابقہ شریعت کو منسوخ کر دیں گے اور سب لوگوں کو صرف ان کی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو گئے اور قرآن مجید کے ذریعہ آپ کی شریعت نافذ ہو گئی تو سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بشارت پوری ہو گئی اس لحاظ سے قرآن مجید تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہے۔

مکہ مکرمہ کا ام القرئی ہونا

اس آیت میں مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ام القرئی فرمایا ہے ام القرئی کا لفظی معنی ہے شہروں کی ماں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ کو ام القرئی اس لیے فرمایا ہے کہ تمام زمینیں اس کے نیچے سے نکل کر پھیلائی گئی ہیں اور ابو بکر اصم نے کہا ہے کہ مکہ تمام دنیا والوں سے پہلے آباد ہوا ہے تو گویا ہی اصل ہے اور باقی تمام شہر اور قصبہ اس کے تابع ہیں۔ نیز تمام دنیا کے مسلمانوں کی ہر دور میں مرکزی عبادت حج ہے اور حج مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے تمام مخلوق مکہ مکرمہ میں

جمع ہوتی ہے، جیسے بچے مل کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا نیز حج کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں انواع و اقسام کی تجارت ہوتی ہے اور اس شہر میں کسب معاش اور روزی حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ ہیں اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی جلالت کا پسلا گھر مکہ مکرمہ میں بٹایا گیا اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا۔

نبی ﷺ کی عمومی بعثت پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد نواح کے لوگوں کو ڈرائیں۔

یہودی کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ صرف جزیرہ عرب کے رسول ہیں اور وہ اس آیت سے مسلمانوں پر الزام قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد نواح کے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مکہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے اور باقی علاقہ کے لوگوں کو ڈرانے کی نفی نہیں ہے جبکہ دوسری آیات سے ثابت ہے کہ آپ تمام جہن والوں کے لیے (عذاب الہی سے) ڈرانے والے ہیں۔

وہ بلائی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہو۔

تَسْرِكُ الْيَدَيَّ تَرَى الْمُرْقَانِ عَلَى عَنِيهِ
لِيَكُونَ لِمُعَلِّمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱۰)

آپ کئے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
حَقِيمًا (الاعراف: ۱۵۸)

اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہئے کیا تم اسلام لے آئے؟ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو آپ کا کام صرف حکم پہنچانا ہے۔

وَقُلْ لِلدِّينِ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأَمِيتِينَ
إِنَّمَا أَسْأَلُكُمْ فَمَنْ أَسْلَمْتُمْ فَأَقْبُوا تَدْوَارًا تَدْوَارًا
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ (آل عمران: ۴۰)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کے لیے رسول ہیں اور اس سے پہلی آیات میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ تمام قلوب کے لیے رسول ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، پہلے نبی بالخصوص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے بالعموم تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں اور وہ مجھ سے پہلے حرام تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی اور ایک ملک سبقت سے دشمن پر میرا رب طاری کر دیا جاتا ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

(سنن داری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸۸، صحیح ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح مسلم، الساجد، ۳ (۵۲۱) ۱۳۳، سنن الترمذی، ۳، رقم الحدیث: ۱۵۵۹، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۳۶-۴۳۷)

آخرت پر ایمان نبی ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے

اس آیت میں فرمایا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور اس آیت کا یہ ظاہر یہ معنی ہے کہ آخرت پر ایمان مانا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ علماء نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک وجہ

یہ ہے کہ جو شخص آخرت پر ایمان لائے گا وہ وعدہ و وعید اور ثواب و عذاب پر بھی ایمان لائے گا اور ایسا شخص ثواب کے حصول کی کوشش کرے گا اور عذاب کے موجبات سے بچے گا اور وہ توحید اور رسالت کے دلائل میں غور و فکر کرے گا اور یہ اس کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا ذریعہ ہو گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے دین میں مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت قائم ہونے کے عقیدہ پر ہمت زور دیا گیا ہے اور اتنا زور کسی اور نئی کے دین میں نہیں دیا گیا اس وجہ سے آخرت پر ایمان لانا سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔

تمام عبادات میں نماز کی اہمیت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ آخرت پر ایمان لانے والے تمام نیک اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام برے کاموں سے بچتے ہیں تو اس آیت میں نماز کا خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل اور اشرف عبادت نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز پر ایمان کا اطلاق فرمایا ہے:

وَمَا تَكُنَ إِلَّا لِنِعْمَةِ اللَّهِ جَنَّاتٍ كُنَّ مَصْبُوعًا يُحْشَرُ فِيهَا كُفْرًا ۚ وَمَا تَكُنَ إِلَّا لِنِعْمَةِ اللَّهِ جَنَّاتٍ كُنَّ مَصْبُوعًا يُحْشَرُ فِيهَا كُفْرًا ۚ

(البقرہ: ۱۳۳) دے۔

نیز احادیث میں عہد نماز ترک کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عہد نماز کو ترک کیا اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔ اس کی روایت میں محمد بن ابی داؤد منقول ہے۔ باقی ردوی اللہ ہیں۔

(المعجم الاوسط 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۰۷۳، مطبوعہ ریاض ۱۴۱۵ھ)

حضرت مسور بن عزمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عبادت کے لیے گئے اور ان کا محل پر چھا گھر والوں نے کہا جیسا تم دیکھ رہے ہو میں نے کہا ان کو نماز کے لیے بیدار کرو۔ وہ نماز سے زیادہ اور کسی چیز کے لیے غر مند نہیں ہوتے۔ گھر والوں نے کہا یا امیر المؤمنین! نماز حضرت عمر نے کہا اللہ! یہ نماز کا وقت ہے اور فرمایا اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ (ایک روایت میں ہے حق) نہیں جو نماز کو ترک کرے پھر انہوں نے نماز پڑھی اور عن کے ذمہ سے خون بہہ رہا تھا۔

(المعجم الاوسط 'ج ۹' رقم الحدیث: ۸۱۷۸، ظل دار الفکر 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۷۷، حافظ میثقی نے کہا اس حدیث کے تمام ردوی صحیح

ہیں۔ مجمع الزوائد 'ج ۱' ص ۲۹۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور کفر و شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم 'ایمان' ۳۳، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۷۸، سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۸۸، سنن النسائی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۷۳۳، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۸۹، مسند احمد 'ج ۲' ص ۲۸۹، طبع قدیم 'مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۳۹۸۳)

امام ابو یوسف، محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے درمیان اور ان کے درمیان عہد نماز ہے۔ سو

جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ اور یہ حدیث حضرت انس اور

حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۳۰، سنن النسائی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۶۷۲، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۷۹)

اصح البخاری ج ۸، رقم الحديث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، قندہ: ۲۵ (۱۷۷۶) سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۴۳۵۲، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۷۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۳۴، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، سنن نسائی ج ۷، رقم الحديث: ۴۰۳۰، ۴۰۳۱، ۴۰۳۲، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحديث: ۲۴۰۸، مسند احمد ج ۱، ص ۲۲۸، ۲۲۹، طبع قدیم، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: (۳۶۲)

یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ تارک نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے اور اے مخاطب! کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں جھکا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکلا اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید اور نبی کریم کی صفات بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

امام ابن جریر متوفی ۵۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

مکرّم بیان کرتے ہیں کہ آیت کا پہلا حصہ یعنی اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی، سیل کے متعلق نازل ہوا ہے، جو بنو عدی بن حنیفہ کے قبیلہ سے تھا۔ اور آیت کا دوسرا حصہ یعنی "اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے" یہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوا ہے، یہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھا، یہ نبی کریم کے لیے وحی لکھتا تھا۔ اس نے ایک دن عسیر حکیم کی جگہ حضور رحیم لکھ دیا اور کہنے لگا یہ دونوں میرے ہیں پھر یہ اسلام سے مرتد ہو کر قریش کے ساتھ جا ملا، پھر فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ (جامع البیہق ج ۷، ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

سیل اور اسود انسی کے احوال

علامہ ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی القریظی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں

امام ابن اعلیٰ نے بیان کیا ہے کہ سیل کا نام سیل بن ثامہ بن کثیر تھا، یہ قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ اس نے رسول اللہ کریم کے عہد میں دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا، یہ کلمہ پڑھتا تھا "لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبده ورسوله" اس کا زعم تھا کہ وہ نبی کریم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے، بنو حنیفہ بہت جلد اس کے تبلیغ ہو گئے۔ اس نے اپنی قوم کے دو آدمیوں کو اپنا خط دے کر رسول اللہ کریم کے پاس بھیجا، اس میں لکھا تھا، یہ سیل رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ سلام ملے، میں اس معاملہ میں تمہارا شریک ہوں، سو نصف زمین میری ہے اور نصف تمہاری ہے، لیکن قریش بے انصاف قوم ہے۔ جب رسول اللہ کریم نے اس کو کتاب کو پڑھا تو آپ نے اس کے قصصوں سے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہی جو ہمارے صاحب نے کہا ہے، رسول اللہ کریم نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اہل بیہوشی کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر رسول اللہ کریم نے اس کا جواب لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے سیل کذاب کی

تبیان القرآن

طرف اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیر و کار ہے:

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف: ۸۸)
ہے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے
جس کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اللہ سے
ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جب میسلہ نے یہ جواب پڑھا تو وہ بیوس ہو گیا اور بنو حنیفہ نے کہا ہمارا خیال ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ ہمارے صاحب کو اپنا
شریک بنانے پر تیار نہیں ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں میسلہ اور صنعاء کے صاحب اسود بن عزیہ الغنسی اور طلحہ اور سہل
تمیمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا 'سہل میسلہ کے پاس گئی اور کہنے لگی 'تم پر کیا وحی آئی ہے' اس نے کہا مجھ پر یہ وحی آئی ہے۔
الم تر انا انزلنا السكينة في قلبك فكيف تنطق بالحلي' کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا اس نے کس
اخرج منها سمة نسيها هي من صفاتي . طرح حائل کو پیدا کیا اس سے ایک روح نکالی جو باریک کھان
وحشا اور پیٹ کے اندر دوڑتی ہے۔

اس نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ تم نبی ہو۔ میسلہ نے کہا تم مجھ سے شادی کر لو ہم دونوں مل کر عرب کو کھالیں گے۔
اس نے شادی کر لی اور اس کے منادی نے ندا کی 'سنو! ہم بنو حنیفہ کے دین میں داخل ہو گئے ہیں اور بنو حنیفہ کے منادی نے ندا
کی 'سنو! ہمارے نبی نے تمہاری نبیہ سے شادی کر لی ہے اور سہل نے میسلہ سے کہا 'اپنی قوم سے یہ دو لمبی نمازیں عشاء اور فجر
منسوخ کر دو' تو میسلہ کے منادی نے ان دو نمازوں کے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا اس سے بنو حنیفہ بہت خوش ہوئے۔

پھر میسلہ اسی حل میں پیمانہ چلا گیا 'میں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصل ہو گیا' اور تمام اہل پیمانہ اسلام سے مرتد ہو کر
میسلہ کے تابع ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی آکر ان سے مل گئے اور ان کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
اس کی طرف بہت خطوط لکھے 'اس کو بہت بھیجیں کہیں اور بہت ڈرایا' بلا آخر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں
مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر بھیجا جس نے میسلہ سے قبل کیا اور انجام کار میسلہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

(المعجم علی المسلم ج ۶، ص ۳۱-۳۹، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میرے
ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں۔ میں ان سے گھبرا گیا اور ان کو بچہ بند کیا پھر مجھے ان کو پھونک مارنے کی اجازت
دی گئی تو وہ اڑ گئے 'میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے۔ بعید اللہ نے کہا ان میں سے ایک الغنسی ہے
جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا میسلہ ہے۔

اصح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۷۳، صحیح مسلم، روایا: ۲۲، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۹۹، صحیح ابن
حبان ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۵۳، دلائل النبوة للشمسی ج ۵، ص ۲۳۵، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۸۲۵۶، طبع دار الکتب

اس حدیث میں ہے کہ دو کذاب نکلیں گے۔ اس کا معنی ہے میری وفات کے بعد ان کا ظہور اور غلبہ ہو گا ورنہ وہ رسول
اللہ ﷺ کی حیات میں موجود تھے اور ان کے متبعین بھی تھے۔ صنعاء اور پیمانہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلام
کے مصلون اور مدگار تھے 'لیکن وہ لوگ میسلہ اور الغنسی کی سنری باتوں میں آ گئے۔ یہ دونوں شرابی چہرے کے دو ہاتھوں کی طرح

تھے کیونکہ آپ ان سے قوت حاصل کرتے تھے اور سونے کے دو کنگن صاحبِ ہمارے اور صاحبِ صنعاء تھے اور ان کی چکنی چڑی باتوں کو سونے کی طبع کاری سے تشبیہ دی ہے اور آپ نے جو ان کو پھونک مار کر اڑایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ آپ کی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

امام ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ صاحبِ صنعاء اسود بن کعب ہے اس کا لقب ذو حمار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن یہ جارہا تھا اور سامنے سے ایک گدھا آ رہا تھا وہ لڑکھڑایا اور منہ کے بل گر گیا تو اس نے کہا اس گدھے نے مجھے سجدہ کیا ہے۔ پھر یہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا جاہل لوگ اس کے پیروکار ہو گئے اور یہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے عامل صابر بن اسد مخزومی کو صنعاء سے نکل دیا۔ فیروز دہلی اور قیس بن کثوح نے اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا سر لے کر آئے اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ میرے بعد نکلیں گے۔ یعنی ان کا تصور اور غلہ میرے بعد ہو گا (المفہم ج ۶، ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا رد اور ابطال

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں کی سلک میں وہ لوگ منسلک ہیں جو فقہ حدیث اور علوم دہنہ کے حصول سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات واقع ہوئی ہے یا میرے دل نے یہ کہا ہے اور ان کا یہ زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا دل گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے پاک اور صاف ہے اور وہ غیر اللہ کے اختلاط سے مامون ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دل پر علوم اور معرفت کی تعلیمات نازل فرماتا ہے اور وہ حقائق رہتے ہیں اور اسرار کائنات کے واقف ہیں اس وجہ سے وہ قواعد شرع سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی احکام عام لوگوں کے لیے ہیں اور خواص اور اولیاء اللہ ان سے مستثنیٰ ہیں اور وہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت وابصہ بن معبد السدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وابصہ سے فرمایا تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں آپ نے ان کی انگلیوں کو اکٹھا کر کے ان کے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا اے وابصہ! اپنے نفس سے فتویٰ لو اپنے دل سے فتویٰ لو نیکی وہ ہے جس پر تمہارا نفس مطمئن ہو جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس سے تمہارے ضمیر میں غلش ہو اور تمہارے سینہ میں کھٹک ہو خواہ لوگ تمہیں فتوے دیتے رہیں۔

(سنن دارمی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ثعلبہ غسانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کیا چیز میرے لیے حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ انہوں نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور نظر جمکائی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس پر ضمیر پر سکون ہو اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس پر ضمیر میں غلش ہو اور دل مطمئن نہ ہو خواہ تمہیں مفتی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۷۷، مطبوعہ دار العکبر، مسند احمد ج ۳، ص ۸۳، مطبوعہ قدیمہ)

ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ جس پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح ہدایت نہ ہو اور نہ اس کے متعلق اجماعی حکم موجود ہو اور اس میں حلال اور حرام مشتبہ ہو اس میں انسان اپنے ضمیر کے فیصلے پر عمل کرے۔ مثلاً روزے میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہمارے دور کے اکثر مفتی کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن ایک سلیم الفطرت انسان کا

ضمیر یہ کہتا ہے کہ جب منہ سے دوا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور منہ سے کھائی ہوئی دوا نظام ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد خون میں مل جاتی ہے اور اسی وقت وہ دوا موثر ہوتی ہے تو اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچادی جائے تو یہ طریق اولیٰ روزہ ٹوٹ جانا چاہیے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید 'احادیث اور ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو کر انسان اپنے بے لگام دل کے فیصلوں پر عمل کرے' جیسا کہ ان بدعنوانی پوروں اور معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں نے سمجھ رکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے زندگی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے 'اسلامی حکومت ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان سے توبہ طلب کی جائے نہ ان سے بحث کی جائے' کیونکہ ان کے اقوال سے احکام شرعیہ کا منہدم ہونا اور ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا ثبوت لازم آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن 'جزء ۷' ص ۳۶۳ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' مختصر و موضحاً)

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے حلق نازل ہوئی ہے 'وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا' یہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔۔۔ ثم انشأناه علفاً اخر" (المومنہ: ۳۰) تو عبداللہ بن سعد کو انسان کی خلقت پر بہت تعجب ہوا اور اس نے بے ساختہ کہا "نبارک اللہ احسن الخالقین" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عبداللہ بن سعد کو اپنے ایمان میں شک پڑ گیا اور اس نے کہا اگر (سیدنا) محمد ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھ پر بھی ایسی ہی وحی کی گئی ہے 'جیسی ان پر وحی کی گئی ہے'۔ پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کی مذمت میں نازل کی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۱۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے۔ ان کو شیطان نے لغزش دی 'وہ کفار کے ساتھ جاٹے' رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے ان کے لیے پناہ طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پناہ دے دی۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث ۴۳۵۸ 'سنن الترمذی' 'ج ۷' رقم الحدیث ۴۰۸۰)

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن حنیف کے پاس پہنچ گئے پھر حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے سراقہ بن ابی اٹھایا اور تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کر دیا 'پھر تین بار انکار کے بعد بیعت کر لیا' پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے انکار کر رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں جان سکے کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے آنکھوں سے ہماری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث ۴۳۵۹ 'سنن الترمذی' 'ج ۷' رقم الحدیث ۴۰۷۸)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو امن دے دی۔ وہ

چار سو پہ تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ بن خثلم، متیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دو۔ عبد اللہ بن خثلم کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا پکڑا گیا۔ حضرت سعد بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعد نے حضرت عمار پر سبقت کی۔ وہ دو مردوں سے زیادہ جوان تھے۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ اور متیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا اور عکرمہ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ اس کشتی کو تیز ہواؤں نے آیا۔ کشتی والوں نے کہا غلوں کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ تمہارے معبود یہاں پر کسی کام نہیں آسکتے۔ عکرمہ نے دل میں کہا یہ خدا اگر اس سمندر میں میری نجات صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے تو کشتی میں بھی صرف اللہ کے ساتھ اخلاص ہی کام آسکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ! میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس گرداب سے بچا دیا تو میں سیدھا (سیدنا) محمد پیغمبر کے پاس جاؤں گا اور جا کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں گا اور میں ان کو ضرور معاف کرنے والا اور کریم پاؤں گا۔ پھر وہ آپ کے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور رہے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان جرحیہ کے پاس چھپ گئے۔ جب رسول اللہ پیغمبر نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لے جا کر نبی کریم کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبد اللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے عثمان ہمارے اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کیا۔ پھر تین بار انکار کے بعد آپ نے بیعت کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں اتنا سمجھ دار شخص کوئی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے ہماری طرف آنکھوں سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابی داؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۶۸۳، ج ۲، رقم الحدیث ۱۳۳۵۴)

حافظ ابو عمرو سف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ کے ایام میں دوبارہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام پر بہت اچھی طرح عمل کیا اور اس کے بعد ان سے کوئی بچہ نہ رہا۔ بہت صلہ نہیں ہوئی، وہ قریش کے معزز دانش مند سرداروں میں سے ایک تھے۔ پھر حضرت عثمان غنی جرحیہ نے ۳۵ھ میں انہیں مصر کا گورنر بنادیا۔ ۴۷ھ میں انہوں نے افریقہ کو فتح کیا۔ مصر کی فتح کے موقع پر حضرت عمرو بن العاص صاحب مینہ تھے، مصر کی تمام جنگوں میں حضرت عمرو بن العاص ہی والی تھے۔ جب حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے حضرت عبد اللہ بن سعد کو ان کی جگہ مقرر کیا تو حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان جرحیہ پر تکتہ چینی کرنے لگے اور ان کی خلافت پر تنقید کرنے لگے۔ حضرت عبد اللہ بن سعد حضرت عثمان کی شہادت تک فلسطین میں رہے۔ انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، حضرت معاویہ کی خلافت منعقد ہونے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ ایک قوس یہ ہے کہ یہ افریقہ میں فوت ہوئے اور صحیح یہ ہے کہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں عسقلان میں فوت ہوئے۔

(الاستیعاب ج ۲، ص ۶۰۳، ۶۰۴، علی حاشیہ الاصابہ، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۲، ص ۲۳۱-۲۳۲، مطبوعہ)

کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی تختیوں میں جٹا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے 'نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی' کیونکہ تم اللہ پر باحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافروں میں بلکہ کسی بھی انسان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن سے اپنی جان نکال سکے پھر ان کو یہ حکم دینے کا کیا فائدہ ہے کہ ”نکالو اپنی جانوں کو“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر ممکن کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کو عاجز کرنے اور ان کو رسوا کرنے کے لیے ہے موت کے وقت کفار بہت سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور جس طرح کوئی کانٹے دار شاخ کچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی ہو تو اس کو کھینچ کر بڑی سختی سے نکالا جاتا ہے اسی طرح ان کی روح ان کے بدن سے عذاب اور سختی کے ساتھ نکالی جائے گی اس وقت ان سے فرشتے کہیں گے کہ اگر تم آسمانی کے ساتھ روح کو اپنے بدن سے نکال سکتے ہو تو نکال لو۔ کافر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور اللہ سے ملاقات کے منکر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ذلت والے عذاب میں مبتلا کر کے ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالواتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات سے محبت رکھے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث ۵۵۰، صحیح مسلم، حدیث ۳، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۳۶۸، سنن النسائی ج ۴، رقم الحدیث ۱۸۳)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۷ھ نے لکھا ہے کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کو عذاب اور سزا اور گلے میں ڈالے جانے والے طوقوں اور زنجیروں، دوزخ، گرم پانی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی بشارت دیتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے اور جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ تب فرشتے اس کے چہرے اور دہر پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بستن تراشتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کافر بندے پر موت وارد کرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے پاس ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بھیجتا ہے۔ جو ہر بدبودار چیز سے زیادہ بدبودار اور ہر سخت چیز سے زیادہ سخت ہوتا ہے فرشتے اس سے کہتے ہیں ”اے خبیث روح! جنم کی طرف نکل اور دردناک عذاب کی طرف“ اور تیسرا رب تجھ پر ناراض ہے باہر نکل تو نے بہت برے اعمال کیے ہیں وہ روح ایسے بدبودار مردہ کی طرح نکلے گی کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دیکھ لے تو اپنی ٹانگ بند کر لے اور آسمان کے ارد گرد والے فرشتے کہیں گے ”سمعان اللہ اذین سے ایک مردہ اور خبیث روح آئی ہے“ اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے جسم کو زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کی قبر میں نقلی کی جائے گی اور اس کو اونٹ کی گردن جتنے موٹے سانپوں سے بھر دیا جائے گا وہ اس کا گوشت کھائیں گے اور اس کی ہڈیوں میں سے بھی کچھ نہیں چھوڑیں گے پھر اس کے پاس ہرے اور اندھے فرشتے بھیجیں جائیں گے ان کے پاس ٹوہرے کے جھوڑے ہوں گے وہ کچھ دیکھیں گے نہیں تاکہ انہیں رحم آئے اور کوئی آواز نہیں سنیں گے تاکہ انہیں اس پر ترس آئے۔ وہ اس کو بری طرح ماریں گے اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائے گی جس سے وہ صبح و شام کو دوزخ میں اپنا لٹکا دیکھے گا اور وہ اللہ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ اس کو اسی جگہ رکھے اور دوزخ میں نہ بھیجے۔

حافظ ابوشامی المتوفی ۸۰۷ھ نے لکھا کہ یہ حدیث العظیم الکبیر میں ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ہمارے پاس اسی طرح تھا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تھا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی

نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے شریک ہیں، بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے۔ (الانعام: ۹۳)

مال و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت میں محرومی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار دنیا میں مل جاتے تھے اور اس کی طاقت پر بھروسہ کرتے تھے اور بتوں کی شفاعت اور مدد پر اعتماد کرتے تھے، لیکن قیامت کے دن وہ تنہا آئیں گے، ان کے پاس مل ہو گا نہ ان کے ساتھ ان کے خود ساتھ اور باطل معبود ہوں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مخنثوں حالت میں جمع کیا جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد جمع ہوں گے کیا وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس دن معاملہ اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم المسند ۷۵۲، صحیح مسلم جنت ۵۶، سنن الترمذی ج ۲، رقم المسند ۲۰۸۳، سنن ابن

ماجد ج ۳، رقم المسند ۳۲۷۶، سنن کبریٰ للسلیمان ج ۲، رقم المسند ۲۲۸)

اس آیت سے حسب ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور اگر اس نے اپنی زندگی شیطان اور نفس کی پیروی میں گزار دی تو آخرت میں وہ بالکل ناکام و تھکانا کام اور خائب و خاسر ہو گا، جو انسان ساری عمر مال و دولت کے حصول میں سرگرداں رہا اور دنیا کی دلفریبیوں میں منہمک اور مشغول رہا اور اس نے نجات اخروی کی کوئی تیاری نہیں کی، وہ شخص قیامت کے دن کف السوس ملتا ہوا رہ جائے گا۔ جو شخص دنیا میں جھوٹی امیدوں سے وابستہ رہا اور باطل مذہب کے ساتھ پیوستہ رہا، قیامت کے دن جب اس پر ان جھوٹے خداؤں کا جھوٹ ظاہر ہو گا، اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اتر جائے گا، وہ سلامتی اور سچائی کی راہ پر واپس آنا چاہے گا، لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ فَلِقُ الْحَبِّ وَالْتَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

بے شک اللہ ہی دلنے اور نکالنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے

الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّى

تکانتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے، یہی تو اللہ ہے، تم کہاں

تُؤَفَّكُونَ ﴿۹۵﴾ قَالَ قُلِ الْأَصْبَاحُ وَجَعَلَ اللَّيْلُ سَكَنًا وَالشَّمْسُ

بٹک رہی ہے کہ ۵ وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالتے والا ہے، اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج

وَالْقَمَرِ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور چاند کو حساب کے لیے، یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ۵ وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ قَدْ

تباہی کے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان سے فطری اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو، بجٹ

فَصَلَّنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ۵ وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا

وَإِحْدَةٍ ۖ فَمُسْتَقَرٍّ وَمُسْتَوْدَعٍ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿۹۸﴾

کیا، پھر سب کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ۵ ہم نے کھینچنے والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَآخَرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر

شَيْءٍ ۖ فَآخَرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نَّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۖ وَمِنَ النَّخْلِ مِن

اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بہ تہ کئے ہوئے دانے اور کھجور کے

طَلْعِهَا قِنَوانٌ دَانِيَةٌ ۖ وَجَنَّتِ مِّنْ أَعْنَابٍ ۖ وَالزَّيْتُونِ وَ

تنگوڑوں سے پھولوں کے گچے پیدا کیے جو جگے پڑتے ہیں اور انجوروں اور زیتون اور انار

الرُّمَّانِ مُشْتَبِهًا ۖ وَغَيْرِ مُتَشَابِهٍ ۚ انْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

کے باغ اگائے جو ملتے جلتے ہیں اور مختلف ہیں، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے

وَيُنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۹۹﴾

کچنے کی طرف دیکھو، بجٹ اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۵

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ

اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بلام اللہ کے بچے بیٹے

يَغْيُرْ عَلَيْهِ سُبْحَتَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور دنیا کی گزشتہ اور ہلاکت سے چاروں طرف سے زندہ کر دیتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ہی دانے اور کھل کو پھاڑنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے، یہی تو اللہ ہے اتم کمال تک پہنچ رہا ہے؟ (الانعام: ۹۵)

زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری پر دلائل دیئے ہیں۔ ایک پارک سے دانہ کو چیر کر اللہ تعالیٰ اس میں ایک کوئل پیدا کرتا ہے، وہ کوئل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل دیں تو ہمارے ہاتھ میں صرف پانی کی ٹی رہ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کوئل میں اتنی قوت پیدا فرماتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کو چیر کر زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے، اس کا ایک حصہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ زمین کے اوپر نکل آتا ہے، پھر نیچے حصہ سے جڑیں بنتی ہیں جو دور تک زمین کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور اوپر کے حصہ سے ایک درخت بن جاتا ہے جس میں شاخیں ہوتی ہیں، ان میں سرسبز پتے ہوتے ہیں، شگوفے کھلتے ہیں اور پھل اور پھول لگتے ہیں، اسی ایک دانہ سے جس کی طبیعت واحد ہوتی ہے، مختلف رنگ کے پھل، پھول اور پتے پیدا ہوتے ہیں، مختلف ذائقے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان میں مختلف خواص اور الگ الگ تاثیریں ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ خود بہ خود ہو رہا ہے؟ کیا یہ صرف دانہ باج کا کارنامہ ہے؟ کیا یہ کسی بے جان بت یا دیوی یا دیوتا کا کیا دھرا ہے؟ یہ دیوی اور دیوتا تو خود اپنے مرنے اور جینے میں کسی اور کی مشیت کے پابند ہیں، سورج، چاند اور ستارے ایک مقرر شدہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس نظام کی تخلیق کا موجب ہے۔ ہذا اللہ کے سوا کون ہے جو اس تخلیق کا دعویٰ رکھتا ہے؟ کیا کبھی کسی نے یہ نہوا لگایا کہ میں اللہ کا شریک ہوں؟ کیا کبھی کسی نے کسی نبی، کسی رسول کو بھی کبھی کتب نازل کی کہ اللہ کے سوا کھانا کھاں اور بھی اس کار تخلیق میں اس کے معاون اور شریک ہیں؟ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ جلاوچہ، جلا دہل اور جلا دھوئی کے کسی کو اللہ کا شریک مان لیں؟

اسی ایک درخت پر غور کر لو، اس کی جڑیں بھی لکڑی کی ہیں، اس کا تن بھی لکڑی کا اور جڑیں زمین کے نیچے جاری ہیں اور تن زمین کے اوپر جا رہا ہے، اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے نیچے جانا ہے تو تن اوپر کیوں جا رہا ہے؟ اور اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے اوپر جانا ہے تو جڑیں زمین کے نیچے کیوں جاری ہیں؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی طبیعت کا تقاضا کچھ بھی نہیں، یہ سب کچھ ایک قادر قیوم کے حکم سے ہو رہا ہے، وہ جس حصہ کو چاہتا ہے، اس کو نیچے کرتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے، اوپر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے۔ حضرت امین عباس نے فرمایا وہ نطفہ سے زمرہ بشر پیدا فرماتا ہے اور زندہ بشر سے نطفہ نکالتا ہے، اسی طرح بے جان اینڈے سے مرغی کا چوڑہ نکالتا ہے اور زندہ مرغی سے بے جان اینڈہ نکالتا ہے، اور ایک خدا سے دوسری خدا کا نکلنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض طبیعتی تقاضوں سے نہیں ہو رہا، بلکہ ایک زبردست مدد اور عظیم کی قدرت سے ہو رہا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے جان بیج سے سرسبز کوئل نکل آتی ہے اور سرسبز درخت سے بے جان بیج نکل آتے ہیں، اسی طرح کافر کے ہاں مومن اور مومن کے ہاں کافر پیدا

ہوتا ہے اور عالم کے ہاں جہل اور جہل کے ہاں علم پیدا ہوتا ہے۔

اور جب تم اللہ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کے ان دلائل کا مشاہدہ کر رہے ہو تو پھر ان باتوں کی پرستش کیوں کر رہے ہو؟ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو کیوں پکارتے ہو؟ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور ان سے فتیں اور مرادیں کیوں مانگتے ہو؟ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جب تم یہ مشاہدہ کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جب وہ ایک بے جان قطرہ سے جیتا جاتا انسان کھڑا کر دیتا ہے تو وہ تمہارے مرنے اور پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد تم کو ان ہی منتشر ذرات سے دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ تم سوچتے کیوں نہیں اور ادھر ادھر کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے یہ بہت غلب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ (الانعام: ۹۶)

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بات ملت اور زمین کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں سورج اور چاند اور آسمان کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے علامات اور نور کو پیدا فرمایا ہے اب فرمایا ہے کہ وہ رات کی ظلمت اور تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی کو پیدا فرماتا ہے جو آسمان کے کناروں پر پھیل جاتی ہے اور اس سے رات کی سیاہی مضمحل ہوتی ہوئی کافور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے مخلوق چیزیں پیدا فرماتا ہے اور اس سے اس کی غالب قدرت اور عظیم سلطنت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا یعنی رات کو جب اندھیرا مچ جاتا ہے تو لوگ دن کے کام کاج سے رک جاتے ہیں اور تھکے ہارے لوگ رات کی گود میں سو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۖ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۖ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (الباء: ۹۷)

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم نے رات کو پردہ پوش کر دیا اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

پھر فرمایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا یعنی سورج کے یومیہ دورہ سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں جن کو تم جو ہیں ساعتوں میں تقسیم کرتے ہو اور چاند کے حساب سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور ہارے مہینوں کی گنتی سے تم سال کا حساب کرتے ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمن: ۵)

مَوَالِدُیْ جَعَلَ الشَّمْسُ صِبَاً ۖ وَالْقَمَرُ نُورًا ۖ وَ قَدَرَهُ مَوَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَّتَ الْیَمِیْنِ ۖ وَ الْحِیَابِ (یونس: ۵)

سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ گردش میں ہیں۔

فرمایا ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور اور اسکی شریلیں مقرر کیں تاکہ تم لوگ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔

یعنی سورج اور چاند کی گردش کے لیے ایک سال کا نصب اور نظام مقرر کر دیا ہے۔ گرمیوں میں دن کا بڑا ہونا اور سردیوں میں دن کا چھوٹا ہونا اسی مقررہ نصب اور نظام کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب میں اور طلوع کے بعد بتدریج نصف النہار تک پہنچنے میں اور زوال کے بعد ڈھل جانے میں تمہاری نمازوں کے اوقات اور نماز مضامین میں سحری اور

نظاری کے اوقات ہیں اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علامتوں سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور ماہ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور حج کی عبادات انجام دیتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں، رات کو چہر کر صبح کو پیدا کرنا، رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے ساتھ شہاء کر کے دعا کی ہے۔

امام مالک بن انس اسکی متونی ۹۷۹ روایت کرتے ہیں:

امام مالک کو یحییٰ بن سعید سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! (رات کی تاریکی سے) صبح کو چہر کر نکالنے والے اور رات کو آرام کے لیے بنانے والے، سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنانے والے، میری طرف سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فخر سے غنی کر دے اور میری سماعت اور بصارت اور میری طاقت سے مجھے اپنے راستہ میں نفع عطا فرما۔ (سوط امام مالک، رقم الحدیث: ۳۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا، تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو، بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کرنے کا فائدہ بیان کیا کہ تم اپنے سطروں میں سورج اور چاند کے علاوہ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہو۔ ان کی مدد سے انسان راستوں کو تلاش کرتا ہے اور راستہ بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے، جب انسان آسمان کی ان نشانیوں اور ان کی تاریکیوں اور ان کے اسرار و رموز پر غور کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حکمت منکشف ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں، یعنی ہم نے قرآن مجید کی آیات کو اور کائنات میں وجود باری تعالیٰ پر بکھری ہوئی نشانیوں کو اہل علم اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اسرار کو پاسکیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کے علم اور اس کی قدرت پر استدلال کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا، پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سرپرستی کی جگہ ہے، بے شک ہم نے سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۸)

انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اس کی توحید پر نشانیوں کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی نسل سے ازواج اور نسل کے ذریعہ تمام انسان پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
قَوْمًا مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ (حواء) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدت، اس کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتا ہے کہ انسان غور کرے، جس طرح تمام انسانوں کا سلسلہ ایک نفس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کائنات اور حواشی کا سلسلہ بھی ایک اصل اور ایک فاعل بخار پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ ہے اور وجود واحد ہے اور

واجب اور قدیم ہے، ورنہ اسے بھی کسی سجدہ کی ضرورت ہوتی اور اس تمام کائنات کو اس غلط واحد پر اس نے علم اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور ظاہر ہے اس کے علم اور قدرت کے بغیر انسانوں کا یہ سلسلہ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔
تمام انسان نسلانِ برابری ہیں

تمام انسانوں کا ایک نفس سے پیدا ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کا ذریعہ ہے، اسی طرح اس میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ تمام انسان ایک اصل اور ایک نوع سے ہیں، ان کا ایک خیر ہے۔ یہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، یہ سب آپس میں بھائی ہیں، انہیں باہم بھائیوں کی طرح شہر و شہر رہنا چاہیے اور اختلاف اور انتشار نہیں کرنا چاہیے، ان میں رنگ، نسل اور علاقہ اور زبان کا جو اختلاف ہے، وہ محض شجاعت اور تعارف کے لیے ہے، ورنہ اصل ان سب کی ایک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات: ۱۳)
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں (مختلف) بڑی قومیں اور قبائل بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو نصرہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ (المحدث)
(مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹، طبع قدیم، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے تمام روای صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۳۹)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمیں حجتہ اوداع کا خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، مگر صرف تقویٰ سے، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تو حاضر عتاب تک یہ پیغام پہنچا دے۔

(شعب الایمان، ج ۳، ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

مستقر اور مستودع کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا استقرار کی جگہ رحم ہے اور سپردگی کی جگہ وہ زمین ہے جہاں وہ دفن ہو گا اور حسن بھری نے کہا استقرار کی جگہ قبر میں ہے اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ استقرار کی جگہ قبر ہے اور سپردگی کی جگہ طلب (پشت) میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ استقرار کی جگہ زمین میں ہے اور سپردگی کی جگہ پشت میں ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا اللہ عزوجل تمہاری پشت سے ان

شہان القرآن

کو نکالے گا جن کو اس نے تمہاری پشت کے پردہ کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ مستقر وہ ہیں جو پیدا ہو چکے اور مستور وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت یہ ہے کہ مستور وہ ہیں جو اللہ کے نزدیک ہیں۔ (المجموع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حَبِينٍ اور تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنے (البقرہ: ۱۲۶) کی جگہ اور قاعدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگلیں پھر اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان سے تہہ بہ تہہ لگے ہوئے دانے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ اگائے جو ملتے ملتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکے کی طرف دیکھو بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (الانعام: ۹۹)

سابقہ آیات سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا چوتھی بار فہم انسان سے استدلال کیا اور اب پانچویں بار آسمان سے نازل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آیت میں وجود باری اور اس کی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ لولا آسمان سے پانی بارشوں کی طرف آتا ہے اور پھر بارشوں سے زمین پر پانی برستا ہے۔ بعد بعض علماء کہتے ہیں کہ دریاؤں اور سمندروں سے بخارات اُپر اُٹھ جاتے ہیں اور بارش بن جاتے ہیں اور برسنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اس کا معنی ہے آسمان کی جانب سے پانی برسایا۔

کھجور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر مشتمل ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار قسم کے درخت بیان فرمائے ہیں۔ کھجور، انگور، زیتون اور انار اور درخت کے پھلوں سے پہلے کھیتوں کا ذکر فرمایا کیونکہ کھیتوں سے غذا حاصل ہوتی ہے اور درختوں کے پھلوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اور غذا لذت سے اہم اور اس پر مقدم ہے اور کھجور کو باقی پھلوں پر مقدم کیا کیونکہ کھجور غذا کے قائم مقام ہے خصوصاً عربوں میں اور علماء نے بیان کیا ہے کہ کھجور کی حیوان کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے:

امام احمد بن علی المشی انعمی المتوفی ۷۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھجور کے درخت کی توقیر اور تعظیم کرو وہ تمہاری پھوپھی ہے کیونکہ وہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی درخت کو گناہن نہیں کیا جاتا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پچھنے والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھاؤ اور تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو چھوڑ دے کھاؤ اور اللہ کے نزدیک اس درخت سے زیادہ اور کوئی عزت والا درخت نہیں ہے جس کے نیچے مریم بنت عمران اتری تھیں۔ (مسند ابو یعلیٰ موسلی ج ۱ رقم الحديث: ۳۵۵ طبعہ دار البیاء ج ۱ ص ۳۳ کمال ابن عدی ج ۱ ص ۲۳۲ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۸۹)

اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ عروہ بن رویم کی حضرت علی سے ملاقات نہیں ہے اس کے علاوہ اس کا ایک رلوی مسرور بن سعید ضعیف ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا حضرت عبداللہ نے کہا میرا ذہن کجور کے درخت کی طرف گیا لیکن مجھے (بڑے لوگوں کے سامنے بولنے سے) شرم آئی۔ پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! بتائیے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کجور کا درخت ہے میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم اس وقت یہ بتا دیتے کہ یہ کجور کا درخت ہے تو مجھے یہ فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۳۷، صحیح مسلم، مناقب، ص ۳۷۵ (۲۸۸)، سنن کبریٰ للسلیمان، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۷۸، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳، طبع قدیم)

رسول اللہ ﷺ نے کجور کے درخت کو مومن اور مسلم کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ اس درخت میں خیر بہت زیادہ ہے اس کا سلیہ دائمی ہے اس کا پھل میٹھا ہے اور یہ ہمیشہ کھایا جاتا ہے۔ مادہ بھی اور خشک بھی اس کے منافع بہت ہیں اس کے تنے کے شتیر ملتے ہیں جو تعمیر کے کام آتے ہیں۔ اس کے پتوں سے رسی، چٹائی، ٹوپی اور کپڑے بنائے جاتے ہیں اس کی خشکی سے تسبیح بنتی ہے اور کئی قسم کے کام آتی ہے پھر یہ بہت حسین و جمیل درخت ہے۔ اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔ اس کا عبادت کرنا اچھے اخلاق سے پیش آنا عبادت میں قوائمل حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا آرام کرنا اور سونگ غرضیکہ حسن نیت سے اس کا ہر نیک کام عبادت ہے اور اس میں اجر و ثواب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور درختوں میں کجور کے درخت کی یہ صفت ہے کہ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے حتیٰ کہ کجور کا ایک شتیر جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے وہ آپ کے فراق سے چلا پھا کر رونے لگا مومن کی محبت کے متعلق یہ حدیث ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل اس کے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور روایت میں ہے حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی لولہ اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸۵۰، صحیح مسلم، ایمان، ص ۱۷۱ (۱۳۱)، سنن ابی داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۰۱۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۷)

اور آپ سے محبت کی بنا پر آپ کے فراق میں کجور کے درخت کے رونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن کجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے انصار کی ایک خاتون نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایک منبر نہ بنا دوں یا آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو انہوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا پھر جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے تو وہ کجور کا تنہا بچہ کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا آپ

نے اس کو اپنے ساتھ لپیٹا تو وہ بچہ کی طرح سسکیں اور سکیاں بھرنے لگا۔ حضرت جابر نے کہا وہ آپ کے ذکر کے فراق سے رو رہا تھا۔ دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں سے بنی ہوئی تھی اور نبی ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنادیا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس تنے سے اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح لوٹنی اپنے بچوں کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی ﷺ نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو پھر اس کو قرار آ گیا۔

(صحیح البخاری 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۵۸۵، سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۰۵، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۵، مسند احمد 'ج ۵' ص ۳۹، طبع قدیم 'مسند ابو یعلیٰ' 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۶، دلائل النبوة لابی نعیم 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۳-۳۱۰، المعجم الاوسط 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۱۲' رقم الحدیث: ۸۷۹-۸۸۰، مجمع الزوائد 'ج ۲' ص ۱۸۸-۱۸۹)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری سرقدی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ جعفی بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ خطبہ دیتے وقت طویل قیام کرتے ہوئے تھک جاتے تو ایک کھجور کے تنے کے سارے کھڑے ہو جاتے صحابہ میں سے کسی شخص نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ پسند کریں تو میں آپ کے لیے منبر بنادوں جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ دیں۔ آپ نے فرمایا بنادو تو انہوں نے تین یا چار بیڑھیوں کا منبر بنادیا نبی ﷺ کو اس میں آرام ملا جب نبی ﷺ اس تنے سے الگ ہوئے اور منبر پر بیٹھے تو نبی ﷺ کی جدائی کی وجہ سے وہ عاوتی کی طرح چیخ کر رونے لگا جب آپ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو اگر تم چاہو تو میں تم کو اسی جگہ رہنے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں تم جنت کی نسوں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو تمہارے پتے اور پھل خوبصورت ہوں اور اولیاء اللہ تمہارے پھلوں سے کھائیں۔ اس تنے نے نبی ﷺ سے کچھ کہا جس کو آپ نے سنا اور فرمایا اس نے یہ اختیار کر لیا ہے کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں۔

(سنن داری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۲، المعجم الاوسط 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲، دلائل النبوة لابی نعیم 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۱۰)

امام طبرانی اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے تمہارے پھلوں سے متقی اولیاء اللہ اور انبیاء و مرسلین کھائیں۔

کھجور، انگور، زیتون اور انار کے خواص

کھجور کا مزاج گرم خشک ہے اس کی اصلاح انار اور سنگھین سے ہو جاتی ہے۔ اس میں دو عنصر (حیاتین) اور تمام اہم معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرات میں اضافہ ہوتا ہے یہ کوہیستروں کو متوازن رکھتی ہے مدینہ منورہ کی کھجور مجوہ خاص طور پر دل کے لیے مفید ہے یہ پیٹ کے کیزے مارتی ہے اور پیشاب کھول کر لاتی ہے سو گرام کھجور میں ۲۳۳ حرارے، ۲ گرام پروٹین، ۳۳ گرام نشاستہ، ایک گرام چکنی، ۵۵ ملی گرام میٹھیم، ۲۸۹ گرام سوڈیم، ۹۰۰ ملی گرام پوٹاشیم، ۷۲ ملی گرام فاسفورس، ۳۵۵ ملی گرام فولاد اور ۷ ملی گرام پھوک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کھجور کے بعد انگور کا ذکر فرمایا کیونکہ انگور تمام پھلوں میں افضل ہے کیونکہ یہ پھل بھی اول سے لے کر آخر تک نفع بخش ہے۔ اس سے سرکہ اور نمیز بھی بنایا جاتا ہے۔ انگور دو قسم کے ہوتے ہیں ایک چھوٹا انگور ہوتا ہے یہ جب خشک ہو جائے تو اس کو کشمش کہتے ہیں اور بڑا انگور جب خشک ہو جائے تو اس کو متقی کہتے ہیں۔ انگور کا مزاج گرم تر ہے یہ زود ہضم اور کثیر الغذاء ہے۔ خون صلیح بہ کثرت پیدا کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے، ایک گرام پروٹین، ۱۶

گرام نکلتے ایک گرام پکٹکی، ۱۷ ملی گرام کیشیم، ۲۱ ملی گرام فاسفورس، ۶۶ ملی گرام فولاد، ۱۰۰ ملی گرام وٹامن اے، ۷۰۰ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۲ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

انگور کے بعد زیتون کا ذکر فرمایا ہے اس کا پھل سبز اور سیاہ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ فلسطین، عرب، ایران اور جنوبی یورپ میں پیدا ہوتا ہے۔ زیتون کا تیل بہت مفید ہے۔ سردی کے دروں میں اس سے بدن پر مالش کی جاتی ہے۔ یہ بدن کو غذائیت بخشتا ہے۔ اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بڑھاپے کے تمام عوارض میں مفید ہے، جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روغن زیتون کو بے سر دل کو حل کر لیتا ہے۔

انار دو قسم کا ہوتا ہے۔ سرخ دانوں والا اور سفید دانوں والا۔ سرخ دانوں والے کا زائقہ کھٹا مٹھا ہوتا ہے اور سفید دانوں والا شیریں ہے۔ اس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس میں غذائیت کم ہے، خون صلیغ پیدا کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش خصوصیات بھی ہیں۔ ۱۰۰ گرام انار میں ۳۳ ملی گرام کیشیم اور ۲۵ ملی گرام فاسفورس، ۲۴ ملی گرام فولاد، ۴۲۰ ملی گرام وٹامن اے، ۱۰۸ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۸ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

پھلوں کی ابتدائی حالت اور ان کے پکنے سے وجود باری پر استدلال

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ”جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پتے کی طرف دیکھو، بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔“

اس آیت کا یہی حصہ موضع استدلال ہے، اور یہی اس آیت سے مقصود ہے، کیونکہ پھل کے پکنے کے بعد اور اس کی ابتداء کی حالتیں، شکل و صورت، رنگ، ذائقہ اور مزاج کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پھلوں کا رنگ ابتداء میں سبز ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سرخ یا زرد ہو جاتا ہے اور ابتداء میں تھن کا ذائقہ ترش ہوتا ہے اور بعد میں شیریں ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کی تاثیر سرد ہوتی ہے اور پکنے کے بعد گرم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھلوں کی نشوونما میں جو یہ تغیر ہوتا ہے اس کا موجد اور خالق کون ہے؟ پھلوں کی طبیعت، موسم، ستارے اور افلاک تو ان کے موجد نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی نسبت سب چیزوں کی طرف مساوی ہے اور جس کی نسبت سب کی طرف مساوی ہو، اس سے بعض میں مثلاً سرد اور بعض میں گرم، تاثیرات صادر نہیں ہو سکتیں۔ نیز موسم، ستارے اور افلاک تو خود ایک گئے بندھے نظام کے تابع ہیں، ان سے یہ اثرات صادر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان مختلف اور متضاد اثرات کا خالق وحی قادر و قیوم اور مدبر عالم ہے جو اپنی رحمت، مصلحت، حکمت، علم اور قدرت سے اس ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

توڑے بغیر پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج کا عدم جواز

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کے بیجے سے منع فرمایا، بیجے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کجوروں کی بیج سے منع فرمایا، تو فتیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے پھلوں کی بیج سے منع فرمایا، تو فتیکہ وہ آفت سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۷۴۳، صحیح مسلم، ج ۴، رقم الحدیث: ۵۵۳۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۳۶۸-۳۳۶۹، سنن

ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۰، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۵۵۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۱۷)

فقہاء اختلاف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا یہ معنی ہے کہ پھل اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ وہ قدرتی آفت سے محفوظ ہو

جائیں اور نقباء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آ جانا ہے۔ (مبسوط ج ۳ ص ۱۶۶)

بانگوں میں پھلوں کی مروجہ بیج کے جواز کی صورتیں

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہوں میں بھتات کے پھلوں کی بیج کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج ہوتی ہے۔ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیج نہیں کرتے اور بالعموم اس وقت بیج کی جاتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا پور ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پور کے بھی ظہور سے پہلے بیج ہو جاتی ہے۔ ان احوال کے پیش نظر بیج کی یہ مروجہ صورتیں باطل ہیں۔ ہمارے نقباء نے اس کے حل کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ علامہ سرخسی حنفی متونی ۸۳ھ نے بیان کیا کہ خریدار ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معینہ تک زمین کو کرائے پر لے لے پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی حاصل ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا۔ (المبسوط ج ۳ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

۲۔ اگر بعض پھلوں کے پور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک، امام محمد بن حسن شیبانی، امام طحاوی اور بعض دیگر نقباء کے نزدیک جائز ہے اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ (المبسوط ج ۳ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

۳۔ درختوں پر جس قدر بھی پور یا پھل ہوں جن کو خریدار خرید لے اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔

(المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۷، فتح القدر ج ۵ ص ۳۴۲، مطبوعہ مکتبہ المصنوعہ لکھنؤ ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ مصر)

یہ تین حل صرف اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم پور لگ گیا ہو لیکن ہمارے ہاں اس وقت باغ کے پھلوں کی بیج ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی پور تک نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیج کو حکماً بیج سلم قرار دیا جائے اس لحاظ سے یہ بیج جائز ہو جائے گی۔

علامہ سید محمد امین ابن علی بن شامی حنفی متونی ۵۴ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کا متحقق ہونا غلی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جماعت کا غلبہ ہے اس لیے شریعی حل پر ان سے عمل کرنا ملاحظہ محال ہے۔ ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے عمل کرنا ممکن ہے لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرنا محال ہے اور لوگوں سے ان کی عبارت چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہوں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیج ہوتی ہے ان کے لیے ان پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا اور نبی ﷺ نے بیج سلم کی رخصت ضرورت کی بنا پر ہی دی ہے حالانکہ وہ بھی بیج المہدم ہے۔ پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے اس لیے اس بیج کو بیج سلم کے ساتھ بطریق دلائل لاحق کرنا ممکن ہے۔ سو اب یہ بیج اس حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ ”کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے۔“ اس وجہ سے نقباء نے اس بیج کو استسنا جائز قرار دیا ہے جبکہ ظاہر قیاس کے مطابق اس بیج کو ناجائز ہونا چاہیے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ استنبول ج ۳ ص ۳۹-۳۸، مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑیں اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰۰)

شرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور ان کے فرقے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ شرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے اور ان کے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے۔

حسن بھری وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت شرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی اطاعت ہوتی ہے۔ قلدہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کبھی نے کہا یہ آیت زندیقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں اور موسیٰوں کا خالق ہے اور ابلیس جنت، درندوں اور کچھوؤں کا خالق ہے اور اس قول کے قریب محسوس کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ اس جہنم کے دو بٹانے والے ہیں۔ ایک خدا قدیم ہے اور دوسرا شیطان حادث ہے۔ کلمہ ان کا زعم یہ ہے کہ برائی کا پیدا کرنے والا حادث ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۴۸۰، ۴۸۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام غزالی نے محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دینے والوں کے حسب ذیل فرقے ہیں:

۱۔ بت پرست لوگ ہیں۔ یہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ جنوں کو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں ہے، لیکن یہ جنوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں اور جنوں کی عبادت کرتے ہیں۔

۲۔ بعض شرکین یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کے دو کواکب ہیں اور ان کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ کواکب واجبة الوجود لذواتہا ہیں اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ یہ ممکنۃ الوجود لذواتہا ہیں اور حادثہ ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، مگر اللہ سبحانہ نے اس عالم اسفل کی تدبیر ان کی طرف سونپ دی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی سے مناظرہ کیا تھا، جب کہا تھا "لا احب الا فلوس"۔

۳۔ بعض شرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہنم کے دو خدا ہیں۔ ایک برائی کا خالق ہے، وہ اہرمین ہے اور ایک بھائی کا خالق ہے، وہ یزدان ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں، موسیٰوں اور نیکیوں کا خالق ہے اور ابلیس درندوں، سانپوں، کچھوؤں اور برائیوں کا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو مذہب بیان کیا ہے، وہ مجوسیوں کا مذہب ہے جو یزدان اور اہرمین کے قائل ہیں۔

۴۔ کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جن سے مراد فرشتے ہیں، کیونکہ جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور فرشتے بھی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

۵۔ یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۸۸-۹۰، مختصر اور موضحاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں کھڑیں۔ وہ اس سے پاک اور بڑا تر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی پر علماء اسلام نے حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

۱۔ خدا اور معبود کا واجب لذات ہونا ضروری ہے، اگر خدا کے لیے بیٹے کو فرض کیا جائے تو وہ واجب لذات ہو گا یا ممکن لذات ہو گا؟ اگر وہ واجب لذات ہو تو اس کا مولود ہونا باطل ہے، کیونکہ مولود والد سے متاخر اور اس کی طرف محتاج ہوتا ہے اور واجب لذات کسی سے متاخر اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ مستغنی اور قدیم ہوتا ہے اور اگر وہ ممکن لذات ہو تو پھر وہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہو گا اور مولود والد کا بندہ اور اس کی مخلوق نہیں ہوتا، نیز مولود والد کی جنس سے ہوتا ہے اور ممکن محتاج اور حادث واجب مستغنی اور قدیم کی جنس سے نہیں ہے۔

۲۔ مولود کی احتیاج اس لیے ہوتی ہے کہ والد کی موت کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اس کے مشن کو آگے بڑھائے اور اللہ عزوجل پر موت کا اتنا محل ہے اس لیے اس کا مولود بھی محل ہے۔

۳۔ مولود والد کا جز ہوتا ہے اور جس کا کوئی جز ہو وہ مرکب ہوتا ہے اور مرکب حادث ہوتا ہے اس لیے اللہ کا مولود ہونا اس کے مرکب اور حادث ہونے کو مستلزم ہے اور اس کا مرکب اور حادث ہونا محل ہے اس لیے اس کا مولود بھی محل ہے۔

۴۔ مولود والد کے مشابہ ہوتا ہے اور اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے اس لیے اللہ کا مولود ہونا محل ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ موجودہ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو باپ اور عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مجاز کہتے ہیں، باپ سے مراد رحیم اور شفیق ہے۔ جسنی لحاظ سے باپ مراد نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ کو خصوصیت سے بیٹا کیوں کہتے ہو؟ اور اس پر اصرار کیوں کرتے ہو؟ ساری کائنات کو اللہ کا بیٹا کہنا سب پر شفیق اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شفیق اور رحیم اور حضرت عیسیٰ کو عزیز اور رحیم کیوں نہیں کہتے۔ جب کہ باپ اور بیٹا کے الفاظ جسنی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے مراد استا نقص ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متصور نہیں کہ وہ خدا کو باپ کہیں جو اس کے لیے نقص کا موجب ہے۔

بَدِيعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنۡیَ یَّکُوۡنُ لَہٗ وَلَدًا وَّلَہٗ تَکُنۡ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے،

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیۡمٌ ۚ ذٰلِکُمۡ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَاۤ اِلٰہَ

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝ یہی ہے اللہ جو تبارک و تعالیٰ، اس کے سوا

اِلَّا ہُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاَعْبُدُوۡہٗ وَّہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا نیکیاں

وَّکَیۡلٌ ۚ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَّہُوَ یَدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَّہُوَ

۴ ۝ انھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ نہایت باریک بین

اللطیفُ الْخَبِیۡرُ ۚ قَدْ جَآءَکُمۡ بِصَآئِرٍ مِّنۡ تَّوۡبَکُمۡ فَمَنۡ اَبۡصَرَ

بہت باخبر ہے ۝ بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانیاں آگئیں، سو جس نے انھیں

فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَنِ فَعَلِيهَا وَمَا آتَاكُمْ بِحَفِظٍ ۝۱۰۳

کھول کر دیکھ لیا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے، میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ۝

كَذَلِكَ نَصْرَفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا اَدْرَسَتْ وَلِنُبَيِّنَنَّ لِقَوْمِ

بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کو اپنے (کسی سے) اڑھا ہے، اور تاکہ ہم اس قرآن کو سمجھا دیں

يَعْلَمُونَ ۝۱۰۴ اَتَتَّبِعُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ

کے لیے بیان کر دیں ۝ آپ اس چیز کا پیروی کیجیے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝۱۰۵ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اشْرَكُوا وَمَا

کاستھی نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجیے ۝ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے

جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۝۱۰۶ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝۱۰۷ وَلَا

آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا، اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں ۝

تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدُوًّا

(اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ یہ بے عملی اور جہالت سے اللہ کو

بَغْيٍ عَلَيَّ كَذَلِكَ نَرِيْكَ لِكُلِّ اُمَّةٍ عَلَيْهِمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

برتا دیں گے، ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزید کر دیا ہے، پھر انہوں نے اپنے رب کی

مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ

عزت لٹاتا ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ۝ اور انہوں نے کئی قسمیں کھائیں کہ

جَهْدًا اٰيْمَانِهِمْ لِيَنْ جَاءَتْهُمْ اٰيَةٌ لِّیَوْمٍ مِّنْ بَیْنِ اَیْمَانِ

اگر ان کے پاس کوئی نشان آگئی تو وہ مزید اس پر ایمان لائیں گے، آپ بھیجے کہ نشانیاں تر

الْآیٰتِ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنْهَا اِذَا جَاءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹

مرفعت اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ۝

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے

وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۱۰

اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمانوں اور زمینوں کا سجد ہے اس کی اولاد کو مگر ہوگی ملامت اس کی بیوی ہی نہیں ہے

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ الانعام: ۱۰۹

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا دلائل سے رد

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اس آیت میں ان کے باطل ہونے

پر دلائل قائم کیے ہیں ان دلائل کی تقریر امام رازی نے اس طرح فرمائی ہے:

۱۔ بدیع کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر کسی سبقتہ مثل اور نمونہ کے پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی

سابقہ مثل کے پیدا کرنے والا ہے اور یہی عیسائیوں کے عقیدہ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے جس کی پہلے کوئی نظیر اور مثل نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی سابقہ

مثل اور نمونہ کے پیدا کیا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا

باپ نہیں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہو سکتا ہے؟

۲۔ عیسائی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا باپ ہے۔ اگر اس سے ان کی یہ

مراد ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہو گا؟ نیز معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں

وہ نقص محتاج ہو گا جو علی الفور کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ نوحہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کرے گا لیکن جس کی

شکل یہ ہو کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو وہ ایک لفظ کن فرماتا ہے اور وہ چیز اسی وقت موجود ہو جاتی ہے۔ وہ اس معروف

دنیاوی طریقہ سے اولاد کو کیوں حاصل کرے گا؟ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے اور اس نے

ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا فرض کیا جائے تو وہ قدیم ہو گا یا حادث؟ اس کا قدیم ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹا باپ سے

متاخر ہوتا ہے اور قدیم کسی چیز سے متاخر نہیں ہوتا اور اس کا حادث ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹے کے ہونے سے اللہ تعالیٰ کو

کوئی صفت کمال حاصل ہوگی یا صفت نقص۔ نقص کا فرض باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عل نقص نہیں اور صفت کمال حاصل

ہونا اس لیے باطل ہے کہ وہ قدیم اور ازلا تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ پھر بیٹے کو قدیم ہونا چاہیے ملامت اس کو حادث

فرض کیا تھا اور اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے کیونکہ اگر

اس کے علم میں یہ ہوتا کہ بیٹے کا ہونا اس کے لیے باعث کمال ہے تو بیٹا انبی اور قدیم ہوتا ملامت بیٹا باپ سے متاخر ہونا ہے اور

متاخر ہونا قدیم کے مثلنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیداکرنے والا ہے، سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ذکر فرمایا ہے کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

۱۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کی تخلیق کے لیے ایک صانع عالم قادر اور مدبر کافی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ صانع کی ضرورت ہے تو ہم پوچھتے ہیں، کتنے صانعین کی ضرورت ہے؟ اگر تم کسی مدد کی تخصیص کرو، مثلاً تین یا چار کی تو یہ ترجیح بلا مرجع ہے، کیونکہ تمام اہل اداسلوی ہیں اور اگر تم کسی مدد میں صانع کا حضرت کرو تو غیر متساوی صانعین کا ہونا لازم آئے گا اور یہ برا معین ابطال تسلسل سے باطل ہے۔

۲۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کو پیداکرنے کے لیے ایک صانع کافی ہے، جو تمام معلومات کا عالم ہو اور تمام ممکنات پر قادر اور مدبر ہو۔ اب اگر دو سرا صانع فرض کیا جائے تو یا تو ان دونوں میں سے ہر ایک اس جہان کے حوادث میں سے کسی چیز کو وجود میں لانے کا مستقل فاعل ہو گا اور دوسرے کو اس میں مداخلت کرنے سے مانع ہو گا۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے ان دونوں میں سے صرف ایک کافی ہو گا اور دوسرا عاجز اور معطل ہو گا اور اگر کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے وہ دونوں باہم اشتراک اور تعاون کے محتاج ہوں تو یہ باطل ہے، کیونکہ جو محتاج ہو وہ الوہیت اور خدا کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳۔ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ضروری ہے کہ وہ دونوں صفات کمال کے جامع ہوں اور اس صورت میں تمام صفات کمال ان دونوں میں مشترک ہوں گی، پھر ان دونوں میں امتیاز کے لیے ایک امر تمیز ماننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تعدد اور الوہیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ امر تمیز صفت کمال ہے یا صفت نقص۔ اگر وہ صفت کمال ہے تو پھر دونوں تمام صفات کمال کے جامع نہ رہے، کیونکہ یہ ایک اور صفت کمال ہے اور اگر وہ اسی صفت کمال میں سے ہے تو یہ مابہ الاشتراک ہے مابہ الامتیاز نہیں ہے اور اگر یہ تمیز صفت نقص ہے تو نقص کا حامل الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴۔ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وجوب وجود اور قدم ان میں مشترک ہو گا اور کیونکہ الوہیت بلا امتیاز باطل ہے، اس لیے ان میں ایک اور تمیز ہو گا اور ہر خدا اور چیزوں سے مرکب ہو گا امر مشترک اور امر تمیز اور جو مرکب ہو، وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۵۔ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو اگر ایک معین وقت میں مثلاً ایک خدا زید کو متحرک کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے، کیونکہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اس صورت میں صرف ایک کا ارادہ پورا ہو گا اور وہی غالب ہو گا اور دوسرا مغلوب ہو گا، اور مغلوب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے، تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ اگر اختلاف کرنا ممکن نہیں تو وہ عاجز ہوں گے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر وہی پہلی تقریر جاری ہوگی۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو ضرور ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور جو موافقت کرے گا، وہ تابع ہو گا اور تابع الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے:

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ
اِذَا اُنْذِرَتْ كُلُّ اِلٰهٍ مِمَّا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُوْنَ
اللَّهُ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی
معبود ہے اور نہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ہر ایک
معبود دوسرے پر غلبہ پاتا، اللہ ان چیزوں سے پاک اور بالاتر ہے
جو وہ اس کے حلق بیان کرتے ہیں۔ (المؤمنون: ۹)

لَوْ كُنْ يٰسُبْحٰنَ اِلٰهِنَا اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا
(الانبیاء: ۲۲) ضرور وہ دونوں (آسمان اور زمین) تباہ ہو جاتے۔

۶۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو وہ صفات ذاتیہ میں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہوں گے یا ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ ہو گا۔ پہلی صورت اس لیے باطل ہے کہ انسانیت بلا امتیاز محال ہے اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جو ادنیٰ ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔

۷۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو ان میں سے ہر ایک اپنی معنوع پر خصوصی دلیل قائم کرنے پر قادر ہو گا یا کوئی قادر نہیں ہو گا یا صرف ایک قادر ہو گا؟ موخر الذکر دونوں صورتیں اس لیے باطل ہیں کہ قادر نہ ہونا مجز ہے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اول الذکر صورت اس لیے باطل ہے کہ جب فی الواقع کسی معنوع کے دو صانع ہوں تو عقل کے نزدیک یہ محال ہے کہ اس کی دلالت کسی ایک صانع پر ہو نہ کہ دوسرے پر۔ مثلاً ایک درخت ل رہا ہے اب اس کا بلنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہلانے والا ہے لیکن عقل کے نزدیک اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ہلانے والا فلاں ہے اور فلاں نہیں ہے۔

۸۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا مجز لازم آئے گا اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو تو دوسرے خدا کا جمل لازم آئے گا اور نہ عاجز خدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ جمل۔

۹۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بنیاد دوسرے کے عقول کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس پر قادر نہیں ہے تو عاجز ہو گا اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر اس میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوسرے کا محض ہونا لازم آئے گا اور اس کو خدا ماننا عبث ہو گا۔

۱۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کا نظام ایک نقطہ اور طرز واحد پر چل رہا ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج چاند اور ستارے ہمیشہ ایک مخصوص جہت سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کے مقابل جانب غروب ہوتے ہیں۔ بارش آسمان کی جانب سے ہوتی ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے، کبھی اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ انسان کے ہاں ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے، بندر یا ننگر پیدا نہیں ہوتا اور شیر کے ہاں شیر پیدا ہوتا ہے کبھی لوزی پیدا نہیں ہوتی۔ سیب کے درخت میں کبھی تربوز نہیں لگتا اور گندم کی ہلیوں میں کبھی جوار نہیں لگتا۔ یہ ساری کائنات نظام واحد پر چل رہی ہے اور اس کا نظام واحد پر جاری ہونا زبان حال سے بتاتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس میں متعدد نظام ہوتے اور ان میں یکسانیت اور وحدت نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمود کے سامنے اسی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

قَالَ اِنِّیْۤ اِبْرٰهٖمُ قَبْلَ اللّٰهِ بَآئِنٌۢ بِالشَّمْسِۦ مِنَ
الشَّمْرِۦیۡنِۚ فَاَتٰی بِہَا مِنْ الْعَصْرِۚ
ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو
مغرب سے نکال۔

(البقرہ: ۲۵۸)

۱۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کلاس میں طلباء کسی ایک استاد کے تابع ہوتے ہیں اور جب اسکول میں متعدد استاد ہوں تو وہ کسی ہیڈ ماسٹر کے تابع ہوتے ہیں۔ صوبہ میں جب کئی وزیر ہوں تو ان کے لوہر وزیر اعلیٰ واحد ہوتا ہے اور متعدد مرکزی وزراء پر وزیر اعظم واحد ہوتا ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوتے نہ دو صدر ہوتے ہیں نہ دو وزیر اعظم ہوتے ہیں نہ کسی فوج کے دو کمانڈر انچیف ہوتے ہیں نہ کسی ادارہ میں دو فینک ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ میں مرکزی اقتدار صرف ایک کے پاس ہوتا ہے اور ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے۔ سو اسی طرح اس کائنات کا کار ساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے صانع اور مدبر بھی دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا۔ اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہو سکتے اسی طرح اس کائنات کے بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر جو میں نے دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے کچھ دلائل علماء حقہ میں سے مستفاد ہیں جن کی میں نے اپنے انداز سے تقریر کی ہے اور ان میں سے کچھ دلائل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائے ہیں۔ واللہ الحمد علی ذالکے حمدا کثیرا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رویت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا موقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رویت صرف سیدنا محمد ﷺ کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے لیے یہ رویت واقع ہوگی، میدان محشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات

معزلہ اور دیگر منکرین رویت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جنت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر ہمیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو، کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب متکلف میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ فتنہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رویت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے۔ عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے نہ ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے نہ ہر مواقع پر دیکھنے کی نفی ہے بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے، سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہو گا اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام

اور جملہ مومنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرین رویت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن نبی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طور مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذاب نازل کیا:

وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَىٰ لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تَرَىٰ
اللَّهُ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الضُّعْفَةُ وَأَنْتُمْ
تَسْطُرُونَ (البقرہ: ۵۵)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہم اللہ کو کلمہ کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) لڑک نے پکڑ لیا اور تمہیں مٹھ کر کود کر رہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو ازراہ عقل اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر مسلط کر دیا تھا اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرین رویت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا جس شخص نے یہ ذمہ کیا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا میں ٹھک لگائے ہوئے تھا میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے سہلت دیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَأَوْهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ (التکوہ: ۲۳) اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔
وَلَقَدْ رَأَوْهُ تَرْفَعُ الْخُبْرَى (النجم: ۳۳) اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں اس امت میں وہ سب سے پہلی شخص ہوں جس نے ان باتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا، میں نے اس صورت پر ان کو صریح دوبارہ دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (مسروق سے) فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳) آگھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَتَّخِذَ اللَّهُ الْوَحْيَ أَوْ
مِنْ وَرَاقٍ حِجَابٍ أَوْ يَرْسِلَ رَسُولًا مِّنْ جَنِّ يَدِينِهِ
مَا يَشَاءُ (الشوریٰ: ۵۱)

اور کسی شے کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے، نہ وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے پہنچا دے۔

(صحیح مسلم، المکن، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۵۵، ۲۸۵۶، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۸، مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۶۰۰۰، السنن الکبریٰ للعلانی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا

ہے، لیکن وہ آخرت میں رستہ باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً ادراک نہیں کر سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَجُوهٌ يُّوْمِيذُكَ يَضْرِبُ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ ۝

کتنے ہی چہرے اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ (القیامہ: ۳۲-۳۳)

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ الْكُبْرَىٰ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَفُونَ ۚ

یہ شک ہے اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم

(التطہیف: ۵۵) ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعث حزن و یاس ہوگی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں، کیونکہ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعث افسوس نہیں ہوگی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو، کیونکہ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوتی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو۔ مثلاً ہوا خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا خوشبو اور آواز کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِیْنِیْ اَنْظُرْ اِلَیَّکَ (الاعراف: ۱۴۳)

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ ۝ (احم السجدہ: ۳۴)

اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے۔

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عوف بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی

طرف دیکھ کر آپ نے فرمایا تم عقرب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵۳، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۳۶، ۵۳۵، ۵۳۴، صحیح مسلم، الساجد، ۲۸، ۲۹، ۳۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۹، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۶۰، سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸، طبع قدیم)
امام ابو یوسف، محمد بن یحییٰ ترمذی ستونی ۷۷۲ روایت کرتے ہیں۔

حضرت صیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا
يَلْبَسُوا الْحُسْبَىٰ وَرِبَادَةً
جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزا ہے اور
(یونس: ۳۹) اس سے بھی زیادہ۔

آپ نے فرمایا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک ستوی نما کرے گا کہ اللہ کے پاس تسماء ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر حجاب کھول دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۷۷، صحیح مسلم، ایمان، ۲۹، ۳۰، ۳۱، سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۲، ۳۳، طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کا دینی درجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنی جنتوں، اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے غلاموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہو گا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی
وَجُودُهُ بِمُؤْمِنٍ تَاجِرَةٍ ۝ وَالنَّاسُ رَوَاتِلًا ۝
کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی
(القیامہ: ۲۲، ۲۳) طرف دیکھتے ہوں گے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۲۵۳)
حضرت ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے، اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے، اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چلار ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۹، ۳۰، ۳۱، صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۷۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۳۶، سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۷۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۷۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۳۲، طبع جدید، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳۹، ۳۴۰، طبع قدیم، المستدرک، ج ۱، ص ۱۸۰)

شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی ستونی ۷۷۶، صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

حقہ میں اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی حقہ میں اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرہؓ مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مسلک ہے۔ انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد ﷺ رویت کے ساتھ خاص کیے گئے حضرت ابو ذرؓ کعبؓ حسن بھری اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی ایک ہی روایت ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی بقول ہے، 'مشرق کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً جائز ہے، عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویت کا سوال کرتا ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہو تا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز اعلیٰ حوازیہ سے یہ ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔' (المفہم ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مالکی متوفی ۲۴۸ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لیے ہو اور دیدار سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو۔ پھر حضرت ابی بن کعبؓ نے بہت بلند آواز سے کہا اللہ اکبر! حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے رویت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بھری اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابو عمر الطلسنکی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعودؓ سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ موان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اور نقاش نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

دو بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابو الحسن اشعری اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انسؓ حضرت ابن عباسؓ عکرمہؓ ربیع اور حسن بھریؓ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابو العلیہ قرطبی اور ربیع بن انسؓ کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؓ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انسؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جاسکتا اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی

جائیں گی تو پھر مقلی آنکھوں سے ہلتی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اتنی قدرت عطا فرما دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رویت مستح نہیں ہے۔ (المباح لاحکام القرآن ۷: ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب تحریر کا عقار یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ غلط حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو مگر میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں ایک معتد سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل جبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رویت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں قطعی دلائل کافی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ ممکن کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے عقل اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے۔ اور ثبت روایت عقل پر مقدم ہوتی ہے۔ (صاحب تحریر کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے پس سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور اک بہ طور اطلاق کی نفی ہے اور سورۃ شوریٰ کی آیت ۵۵ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلا حجب رویت کی نفی نہیں ہے بلکہ بلا حجب کلام کی نفی ہے اور رویت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام قلمبہ بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی ﷺ اس عام قلمبہ سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۱ ص ۹۸۳-۹۷۶ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ رضی اللہ عنہ ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں آگئیں سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ (الانعام: ۱۰۳)

کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز آپ کے ذمہ نہیں ہے!

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا بیان کیا تھا اور اس آیت میں رسالت کا بیان فرمایا ہے کہ کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز رسول کے ذمہ نہیں ہے۔ دین حق کی دعوت و تاداکل اور معجزات سے رسالت کو ثابت کرنا اور شہادت کو زائل کرنا اور احکام شرعیہ کو بیان کرنا یہ رسولوں کے ذمہ ہے اور کسی شخص کا ایمان لانا اور کفر کو ترک کر دینا یہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ یہ انسان کے اپنے ذمہ ہے وہ ایمان اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے پیدا کرتا ہے۔ سو نبی ﷺ کی تبلیغ سے ایمان لانے میں بندوں کا اپنا نفع ہے اور کفر پر برقرار رہنے میں ان کا اپنا نقصان ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے دین حق کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور دین حق کو قبول کر لیں یہ ان کے اختیار میں ہے۔ ان کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے دین حق پر بصیرت افزا دلائل بیان کر دیئے ہیں ان سے ہمیں فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرے گا تو اسے نقصان ہو گا اللہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ کہ دین حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں ایمان لانے یا نہ لانے کا جو اختیار دیا ہے وہ قتل اور جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو گیا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہو آیات کو عدم نسخ پر محمول کرنا چاہیے اور جہاد اور قتل کے بعد بھی ایمان کا لانا یا نہ مانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں کے لیے بیان کر دیں O (الانعام: ۱۰۵)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ منکرین رسالت کا ایک شبہ بیان فرما رہا ہے۔ اس کی تمہید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت کر کے قرآن نازل فرماتا ہے اور ایک معنی کو مختلف اسالیب سے بیان فرماتا ہے تاکہ اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی مراد مشکف ہو جائے اور ان کے ذہنوں میں وہ معنی مستقر ہو جائے لیکن کفار کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ نبی ﷺ علماء سے مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں۔ پھر اس بحث و تحقیق سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو مختلف قہروں اور جملوں میں ڈھالتے ہیں۔ پھر اس کو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے، حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے۔ ورنہ اگر یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ ایک بارگی پوری کتاب نازل ہوتی؟ کفار کے اس شبہ کا بیان اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی آیات میں کیا ہے

وَقَالِ الْذِّبِينَ كَفَرُوا أَإِذَا دُكِّمُوا فَتَنُوا
أَعْمَاءُ عَلَيْهِمْ قَوْمٌ أَحَرُّونَ فَقَدْ جَاءَهُمْ أَظْلَمُ
تَوْرًا وَقَالُوا إِنَّا جُلِيسُ الْأَوَّلِينَ كُنْتُمْ سَاءَ قَوْمٍ
نُتَمَلَّى عَلَيْهِمْ نَكْرَةً وَأَصْبِلًا (العرقان: ۵-۴)

اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) صرف بتان ہے جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے اور اس کام پر دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے (یہ کہہ کر) انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے (جھوٹے) قصے ہیں جو اس (رسول) نے

لکھوا لے ہیں۔ سو وہ صبح شام ان پر پڑھے جاتے ہیں۔

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے، حالانکہ جس کی طرف یہ (سکھانے کی) جھوٹی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجی ہے اور یہ قرآن نہایت روشن عربی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْصَىٰ وَهَذَا لِّسَانُ عَرَبِيٍّ مُّثِينٍ (النحل: ۱۰۳)

ان کے اس شبہ کا قرآن مجید نے متعدد بار جواب دیا ہے مگر اگر تمہارے ذہن میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا بتایا ہوا یا سکھایا ہوا کلام ہے تو تم اس کی کسی جھوٹی سورت کی ہی مثال بنا کر لے آؤ، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لاسکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس چیز کی پیروی کیجئے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (الانعام: ۱۰۶)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار آپ پر یہ بہانہ بنا دیتے ہیں کہ آپ نے کچھ علماء سے کچھ مضامین سکھ لیے ہیں اور ان کو آپ الفاظ میں دھل کر پیش کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ اپنے رب کی نازل کی ہوئی وحی کی پیروی کیجئے، تاکہ ان کی طعن آمیز باتوں سے آپ کی دعوت اور تبلیغ متاثر نہ ہو۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کے اس شک و شبہ اور طعن و تشنیع سے جو آپ کو حزن و ملال ہوا ہے، وہ زائل ہو جائے اور آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ پھر فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس قول میں اس پر متنبہ کیا کہ آپ صرف اس کی اطاعت کیجئے اور جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں اور فرمایا مشرکین سے اعراض کیجئے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت، آیت قل سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان سے مقابلہ نہ کریں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دل آزار باتوں سے اعراض کریں اور ان پر غم اور افسوس نہ کریں، تاکہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کا مشن متاثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔ (الانعام: ۱۰۷)

اس آیت کا تعلق بھی اسی سابق طعن سے ہے، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ نے علماء سے مذاکرات کر کے یہ قرآن بنالیا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی ان جہلانہ اور معاندانہ باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور ان کا کفر آپ پر بوجھ نہ بنے، کیونکہ اگر میں ان سے کفر زائل کرنے کا ارادہ کرتا تو میں اس پر قادر تھا، لیکن میں نے بلجوہ و قدرت کے، ان کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا تو آپ بھی ان کی طعن آمیز باتوں سے اپنے دل پر اثر نہ لیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو موکدہ کرنے کے لیے فرمایا کہ آپ ان کے کفر کی وجہ سے کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان اور ذمہ دار نہیں بنایا، آپ کے ذمہ صرف عقائد کی تعلیم دینا ہے اور احکام شرعیہ کا پہنچانا ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا تو اس کا نفع ان کو ہو گا اور اگر آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو اس کا ضرر بھی صرف ان کو ہو گا اور آپ کے منصب رسالت پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، ورنہ یہ ہے

علی اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ بن کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔ (الانعام: ۸۰-۸۱)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے

اس آیت کا بھی اس سابق آیت کے ساتھ ربط ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اہل علم کی باتیں سن کر فخرے بنا لیے ہیں اور یہ قرآن جمع کر لیا ہے اور اس وقت یہ بعید نہیں تھا کہ مسلمان اس بات کو سن کر مشتعل ہوتے اور بطور معارفہ کے کفار کے جوں کو برا کہتے۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے بتوں کو برا کہنے سے منع فرمایا تاکہ کفار اس کے جواب میں اپنی جہالت سے مسلمانوں کے خدا کو برا نہ کہنے لگیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جہل سے سبقت ہو تو انسان اس کو کوئی سخت بات نہ کہے ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت بات کہے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قلوبہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کفار کے جوں کو برا کہتے تھے تو کفار اس کا معارفہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تم بن کے جوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اپنی جہالت سے تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کہہ لو کہ قریش اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور جوں کی عبادت بھی اس لیے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بن کی شفاعت کریں تو ان سے یہ کس طرح متصور ہے کہ وہ اللہ کو برا کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان جوں کو برا کہتے تھے تو دراصل کفار اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا قرار دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (الفتح: ۳۰) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

اسی طرح جب سزائے خدا نے عقبہ بنیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جب ہم اپنی جانوں اور مالوں کو آپ کی اطاعت میں خرچ کریں تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآلِهِمْ الثَّغَاتِ (التوبة: ۱۱) اللہ نے ان کے جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خریدا۔

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

(الاحزاب: ۵۷)

اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا متصور نہیں ہے دراصل رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہی اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا ہے۔

يُخَذُّ عُنَى اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا (البقرة: ۹۷) وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے ان کا اختلاف صرف رسول اللہ ﷺ سے تھا۔ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن نہ

تھا وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ کو دھوکا نہ تھا اللہ تعالیٰ کو دھوکا نہ دیتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ (النساء: ۸۰)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے۔ آپ کو ایذا دینا اللہ کو ایذا دینا ہے۔ آپ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے اور آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے تو آپ کو برا کرنا اللہ کو برا کرنا ہے۔ اس لیے بتوں کو برا کہنے کے جواب میں کفار رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ کو برا کہیں گے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو قریش نے کہا ان کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ وہ اپنے بھتیجے کو منع کریں کیونکہ ہم کو اس سے حیا آتی ہے کہ ان کی موت کے بعد ہم ان کے بھتیجے کو قتل کریں۔ لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا دفاع کرتے تھے اور ان کے مرنے کے بعد انہوں نے ان کے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ تب ابو سفیان، ابو جہل، فضول بن خاریث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن العاص اور الاسود بن ابی العزی نے ایک آدمی بھیج کر ابو طالب سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو انہوں نے کہا اے ابو طالب! تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو اور (سیدنا) محمد ﷺ ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اذیت پہنچاتے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر ان سے کہو کہ وہ ہمارے خداؤں کا ذکر نہ کیا کریں، ابو طالب نے آپ سے کہا آپ کی قوم نے انصاف کی بات کی ہے۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا یہ بتاؤ اگر میں ایسا کروں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دو گے کہ اگر تم وہ کلمہ پڑھو تو تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے بائیکاٹ ہو جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا ہاں! تمہارے باپ کی قسم ہم تم کو ضرور وہ کلمہ دیں گے بلکہ اس کا دس گنا دیں گے۔ بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم کہو لا الہ الا اللہ انہوں نے اس کو پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ابو طالب نے کہا اے بھتیجا کوئی اور بات کہو تمہاری قوم اس کلمہ سے بدکتی ہے، آپ نے فرمایا اے میرے چچا میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہوں گا حتیٰ کہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور اگر انہوں نے سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا تب بھی میں اس کلمہ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔ تب وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے آپ ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو بھی برا کہیں گے اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بھی برا کہیں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۳۰۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۶، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۷۹-۷۸)

سد ذرائع کی بناء پر بتوں کو برا کہنے کی ممانعت

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کفار کے خداؤں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس امت میں ہر حال میں باقی ہے، لہذا جب تک کافراہنی مخالفت میں ہو اور یہ خدا نہ ہو کہ وہ اسلام کو یا نبی ﷺ کو یا اللہ عزوجل کو برا کہے گا تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی صلیب کو یا ان کے دین کو یا ان کی عبادت گاہوں کو برا کہے، ورنہ کسی ایسے کلم کے درپے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو برا کہیں کیونکہ یہ معصیت پر ابھارنے کے قائم مقام ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو کلام کسی برائی کا ذریعہ بنے اس کو روکنا اور اس کا نہ کرنا واجب ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض لوگوں کی حقدار کو اس کا حق وصول کرنے سے اس لیے روک دیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے دین میں کسی ضرر کے پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ علامہ ابن العربیؒ نے کہا ہے کہ اگر حق واجب ہو تو اس کو ہر حال میں وصول کرے اور اگر جائز ہو تو پھر اس میں یہ قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ملامت گزاروں کے لیے ملامت کو مزین کر دیا ہے اور کافروں کے لیے کفر کو مزین کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے پی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے آپ کہتے کہ نشانی تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانی آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۰۹) فرمائی معجزات نہ دکھانے کی وجہ۔

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو کافی پیچھے کی نبوت میں ایک شہ بیان کیا پھر اس کے جوہریت دیئے اور اس میں آپ کی نبوت میں ان کا دوسرا شہ بیان فرمایا ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۳۱ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد آپ ہمیں یہ خبر دیجئے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس ایک لاشی تھی جس کو انہوں نے پتھر پر مارا تو اس سے بارہ جیشے پھوٹ پڑے اور آپ خبر دیجئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مریدوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ خبر دیجئے ہیں کہ نوح کے پاس ایک لاشی تھی تو آپ بھی ان معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کریں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کس قسم کا معجزہ دکھلاؤں؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے صاف پلا سونے کا بنا دیں۔ آپ نے پوچھا اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! یہ خدا اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی اطاعت کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو صبح کو یہ پلا سونے کا ہو جائے گا اور اگر یہ معجزہ پیش کر دیا گیا اور یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم ان سب کو عذاب دیں گے اور اگر آپ چاہیں تو آپ ان کو پھوڑ دیں حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا بلکہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے۔ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں جھکا رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۰) جب اللہ نے کفار کے دلوں کو پھیر دیا تو ان کا کفر میں کیا قصور ہے؟

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفر اور ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کفار کے طلب کردہ معجزات پیش کر دیئے گئے اور کھلم کھلا کو پتا چل گیا کہ یہ معجزات سیدنا محمد ﷺ کے دعوتی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو اس صحیح دلالت سے پھیر دیا تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے اور ان معجزات کی دلالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں اور آنکھوں کو سچائی، ہدایت اور اسلام کی راہ سے پھیر دیا تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلی بار جب ان کا فریشتہ مجروح دکھایا گیا اور چاند کو شق کر دیا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو دوسری بار اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جب مجروح ہی نہ ہونے کے صدق پر دلالت کرتا تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو دوزخ کے شعلوں اور انگوروں کی طرف پھیر دے گا تاکہ ان کو عذاب ہو جس طرح دنیا میں یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔

وَلَوْ اَنَّآ نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلِیْكَهٖ وَكَلَّمَهُم

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مُردے ان سے

السَّمَوٰتِ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا

باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ

كَانُوا إِلَیْكَ مُؤْمِنُوۡا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ یَجْهَلُوْنَ ۝۱۱

ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوگی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ۝

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو دلوں کو دھوکے

یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلَیْ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو غش فاش باتیں اتا کہتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا لب

مَا فَعَلُوْهُ فَاَذَرَهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ۝۱۲ وَلِتَصْغِیْ اِلَیْهِ اَفِیْدَۃٌ

چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، اور آپ ان کی افتراء پر ازبوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں ۝ تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلَیْسَ ضَوْۤءُهُمْ وَلَیْقَتَرَفُوْا مَا هُمْ

وہ ان (غرضگارانوں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا

مُقْتَرَفُوْنَ ۝۱۳ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّبَعِیْ حَكَمًا وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْكُمْ

وہ ارتکاب کرنے والے ہیں ۝ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور احکامات کرنے والا ہوں کہ میں نے تمہاری

الْكِتَابِ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ

طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے

مِّنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿١١٣﴾ وَتَمَّتْ

حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، (برائے مخاطب!) تم بزرگشک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اور آپ کے رب کی

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ

کلمت بھائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہوگی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت سننے والا

الْعَلِيمُ ﴿١١٤﴾ وَإِنْ تَطِعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ

خوب جاننے والا ہے ○ اور (برائے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ

سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٥﴾

کر دیں گے، وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں ○

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ

بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کن اس کے راستے سے گمراہ ہوگا، اور وہ ہدایت پانے والوں

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٦﴾

کو (میں) غم نہ جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز

کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی حیثیت ہوگی لیکن ان میں سے اکثر لوگ

جاہل ہیں۔ (الانعام: ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیارِ ایمان ہے

اس سے پہلے آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی

تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (الانعام: ۱۱۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان

کے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کر دے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کر دے کہ فرشتے نازل کر دے اور مردے ان سے کلام کریں

بلکہ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کر دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان صرف وہی لوگ لاسکتے ہیں جن کے

معلق اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان لانا مقدر کر دیا تھا اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لانے

تجہیز القرآن جلد سوم

والے نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان مقدر نہیں کیا وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبر ایمان پیدا کر دے یہ بھی ایمان مانیں گے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

یہ واضح رہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے اختیار سے ایمان لائیں اور وہ کسی میں جبر ایمان پیدا نہیں کرنا چاہتا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندے اپنے ایمان کے خالق ہیں جیسا کہ معتزہ کا مذہب ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں ایمان پیدا کر دیتا ہے، بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نمائشیں القاکرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۲)

انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں) کا ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا تھا اسی طرح آپ کے لیے بھی سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا ہے۔

اس آیت میں شیاطین الانس والجن فرمایا ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ شیطان سے مراد سرکش ہے اور انسانوں اور جنوں میں سے بعض سرکش ہوتے ہیں اور یہ دونوں مومنوں کو ہکانے اور گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمام شیطان الجین کی اولاد ہیں اور اس نے ان کے دو گروہ کر دیئے ہیں۔ ایک گروہ انسانوں کو ہکانا ہے اور دوسرا گروہ جنوں کو ہکانا ہے اور ان دونوں گروہوں کو شیاطین الانس والجن کہا جاتا ہے، لیکن پہلی تفسیر راجح ہے اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ پیچھے مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ کا یہ گھن تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اس لیے وہ آپ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذرؓ جہیز آکر آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو انہوں نے کہا یا نبی اللہ! کیا انسانوں کے لیے بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! جن اور انس کے شیاطین (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نمائشیں القاکرتے ہیں۔ اللہ صحت طول۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۲۸۹، ۲۲۳۸، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد ج ۵، ص ۲۶۶، ۲۶۵، طبع قدیم، سنن الترمذی ج ۸،

رقم الحدیث: ۵۵۲۲، المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحدیث: ۷۸، مجمع الزوائد ج ۳، ص ۱۵۵)

وحی زخرف القول اور غرور کے معنی

اس آیت میں فرمایا ہے ان میں سے بعض بعض کی طرف غرور (دھوکے) میں مبتلا کرنے کے لیے زخرف القول کی وحی کرتے ہیں۔

وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا، لکھنا اور کلام غفی۔ جب وحی کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر بلا واسطہ یا فرشتے کی وساطت سے نیند یا بیداری میں نازل فرماتا ہے اور جب اس کی نسبت عام مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے مراد الہام ہوتا ہے۔ یعنی کسی خیر اور نیک بات کا دل میں ڈالنا اور جب اس کی نسبت شیطان کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو اس کا معنی ہے دوسرے یعنی کسی بری بات یا برے کام کی طرف انسانوں کے دل کو مائل اور راغب کرنا۔ زخرف اس چیز کو کہتے ہیں جس کا باطن باطل، برائی اور گنہگار اور اس کا ظاہر مزین، خوش نما اور خوب صورت ہو۔ جیسے چاندی پر سونے کا طبع کر کے اسے سونا بنا کر پیش کیا جائے۔

غور کے معنی ہیں دھوکا، مضبوطی، محض ہے جو کسی چیز کو مصلحت کے مطابق عہدہ اور نفع آور بنان کرے اور درحقیقت وہ اس طرح نہ ہو۔

شیطان کے دوسرے اندازی کی تحقیق

شیطان کے دوسرے دھوکا کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر غالب ہے اور نفع زیادہ ہے، وہ اس چیز میں دھوکا نہیں کرتا اور اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے اہتمام کرنے کی وجہ سے ہے تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن قبیح اور باطل ہے تو یہ کلام مزخرف ہے۔ اب پا تو اس نے اپنی لاطمی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور نیک کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ دوسرے ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے۔

درحقیقت وہ جس دھوکے کی ہوتی ہیں، ایک طیبہ اور ظاہر ہوتی ہیں، فرشتے ہیں اور دوسری بھاپک اور شریر ہوتی ہیں، یہ شیطانی ہیں۔ ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں، اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں۔ پھر انسانوں میں جن کی سرشت نیک ہوتی ہے اور ان پر پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیثہ ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان دوسرے ڈالتے رہتے ہیں۔ پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیثہ اور سرکش ہوتے ہیں، وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں دوسرے اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ شیطان جن اور شیطان انسان لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے کے لیے برائیوں کو خوش نما بنا کر بیان کرتے ہیں اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں سے پندہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

اس بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ حدیث روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزل ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزل ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں ایک اہتمام کرنے والا شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ) شیطان کی طرف سے اہتمام کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے اہتمام کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص اس کو اپنے دل میں پائے وہ اللہ کا شکر بجالائے اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعوذ باللہ من الشیطان

ظہان القرآن

الرحیم ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاءِ (البقرہ: ۲۷۸)

-۴-

امام ابو یوسف نے کہا یہ حدیث حسن فریب ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۹۹، صحیح ابن حبان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۹۷۷۷، السنن الکبریٰ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۵۵)

امام مسلم بن حجاج لشعری متولی ۳۷ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اعانت فرمائی وہ مسلمان ہو گیا وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم 'مطالعین' ۶۱، (۲۸۸۳) ۶۹۷۷، مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۸)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کا جسم 'آپ کا دل اور آپ کی زبان شیطان کے آثار سے محفوظ ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کا قرین جن (ہم ذلوا نبی ﷺ کی برکت اور آپ کی مبارک صحبت سے مسلمان ہو گیا اور برائی کا حکم دینے والا نیکی کا حکم دینے والا بن گیا اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو شیطان کے اغواء اور اس کے وسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

شیطان کی طرف سے القاء وسوسہ ہوتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء الہام ہوتا ہے۔ شیطان کفر، فسق اور ظلم کے وسوسے ڈالتا ہے اور توحید، رسالت، معرفت کے بعد اٹھنے، قیامت اور جنت اور دوزخ کے افکار کی تلقین کرتا ہے اور فرشتہ 'اللہ' اور رسول اور قرآن مجید کی تصدیق کی تلقین کرتا ہے اور نماز، روزہ اور دیگر نیکی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جب اس کے دل میں اس قسم کی باتیں آئیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جب اس کے خلاف باتیں آئیں تو شیطان کے شر سے بچا جائے۔ ہر چند کہ احکام شریعہ میں الہام معتبر نہیں ہے، لیکن دوسلوں شیطان سے اجتناب میں وہ معتبر ہے، علماء میں نے کہا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہو، وہ الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کہتے، سو آپ انہیں اور ان کی انفرادی پرواؤں کو ان کے

مل پر چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۱۱۷)

شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانوں اور جنوں میں سرکش اور شیاطین سہلۃ انبیاء علیہم السلام اور ان کے امتیوں کو اپنے وسوسوں اور سازشوں سے نقصان نہ پہنچاتے اور اسی طرح وہ آپ کو اور آپ کی امت کو بھی ضرر پہنچانے سے باز رہتے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ بعض نیک لوگ ان شیاطین کی سازشوں اور وسوسوں کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ ان شیاطین کو آخرت میں مزادے اور نیک لوگوں کو ان کے امتحان میں کامیاب ہونے اور مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جزا دے، تو آپ انہیں اور اس کے پیروکاروں کو اور ان کی عزتوں کو ان کے مل پر چھوڑ دیجئے۔ یہ آیت کفر، عذاب کی وعید اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کی بشارت کو متضمن ہے۔ اور اس میں نبی ﷺ کو قسلی دینا ہے اور آپ کے قلب مبارک سے غم کو زائل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ ان (خوش نماباؤں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۳)

لتصغی کا معنی

اس آیت میں لتصغی کا لفظ ہے، اس کا لہو معنی ہے۔ علامہ جبار اللہ محمد بن عمر زعزعی متوفی ۵۸۳ھ نے اس کا معنی لکھا ہے، معنی کا معنی ہے کسی چیز کی طرف میلان کرنا اور جھکاؤ۔ (اللہ تعالیٰ ج ۲، ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۶۷ھ)

اور علامہ ابن اثیر محمد جزری متوفی ۶۷۹ھ لکھتے ہیں:

یہی کی حدیث میں "کان یصغی الیہ الاماء" وہ اس کے لیے برتن جھکاتے تھے، تاکہ وہ سولت سے پانی پی لے، اور حدیث میں اس کا معنی کان لگا کر سنا بھی ہے۔ (المصنف ج ۳، ص ۳۳، مطبوعہ ابن کثیر، ۱۳۶۷ھ)

اس آیت کا معنی ہے یہ شیاطین ایک دوسرے کی طرف مزخرف اور مزین اقوال پہنچاتے ہیں، تاکہ نیک مسلمانوں کو ہکائیں اور ان کی طرف ان کفار اور فسق کے دل مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، کیونکہ ان کے وسوسے ان کی خواہشوں کے موافق ہیں اور تاکہ وہ ان سے خوش ہوں، لیکن جو مسلمان انجام پر نظر رکھتے ہیں، وہ ان کی خوش نماباؤں میں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ کہئے) تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ۱۱۳)

نبوت کی دو دلیلیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار نے کئی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات دکھادیئے جائیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ ان معجزات کے دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو چکی ہے، اور وہ قرآن مجید ہے۔ وہ کتاب مفصل ہے جس میں علوم کثیرہ ہیں اور وہ انتہائی فصیح اور بلیغ کلام پر مشتمل ہے جس کے معارضہ سے تمام مخلوق عاجز ہو چکی ہے، اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل نازل کی جن میں آپ کی نبوت پر دلائل اور حشیشیں گویاں ہیں اور تورات اور انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ سچے اور برحق نبی ہیں، سو ان دو دلیلوں کے بعد اب اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے) کیا میں اللہ کے سوا اور کوئی حکم تلاش کروں؟ یعنی آپ کہئے کہ تم مجھ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہے جس نے میری نبوت کی تصدیق کے لیے قرآن مجید کو نازل کیا، جو کتاب مجھ سے پہلے تورات اور انجیل کو نازل کر چکا ہے، جس میں میرے نبی ہونے کی پیش گوئی ہے، اور میری علامتیں اور نشانیاں بیان کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں نے تورات اور انجیل کو پڑھا ہے جیسے حضرت سلمان فارسی، حضرت صیب رومی، حضرت عذری بن حاتم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم وغیرہم وہ آپ کے نبی ہونے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

پھر فرمایا نبوت کی ان دو دلیلوں کے آنے کے بعد تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا، اس میں یہ ظاہر آپ کو خطاب

ہے، لیکن مراد اس سے آپ کی امت ہے، یا اس میں ہر پڑھنے والے کو خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۱۷)

کلمات رب کے صادق اور عادل ہونے کے معانی

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید مجز ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا کلمہ صدق اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔ یعنی قرآن مجید جو مجز کلام ہے، وہ پورا ہو گیا جو نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا وہ سرا معنی یہ ہے کہ مکلفین کو قیامت تک علم اور عمل کے اعتبار سے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن مجید میں ہمہ موجود ہیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے وہ سب تمام اور مکمل ہیں، ان میں نہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قلم اٹھا لے گئے ہیں اور صحیفہ خشک ہو گئے ہیں۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے قلم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم جن چیزوں سے ملاقات کرنے والے ہو، ان کے متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب ۳)

حضرت عبید بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ، اس نے کہا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت تک ہر چیز کی تہذیب لکھ۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۰۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۱۷، المعجم الکبیر، ج ۶، رقم الحدیث: ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، السنن الکبریٰ للبخاری، ج ۱۰، ص ۲۰۳، مختصر تحف السلاۃ المہرۃ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۲۲)

علامہ ابوبکر بن اسماعیل بوسیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد الطیالسی اور امام ابوداؤد ہمسلمی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی سند میں احمد بن سلیم ضعیف ہے۔ (تحف السلاۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، ج ۱، ص ۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں اللہ کے کلمہ کو جو صدق اور عدل فرمایا ہے، اس کا چوتھا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم میں خبریں ہیں اور دوسری قسم میں عقائد اور احکام شرعیہ ہیں۔ صدق کا تعلق قرآن مجید کی وہی ہوئی خبروں کے ساتھ ہے اور عدل کا تعلق عقائد اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے، یعنی اس کی وہی ہوئی تمام خبریں صادق ہیں اور اس کے بیان کردہ عقائد اور احکام شرعیہ سب عادل ہیں، یعنی متوسط ہیں اور صحیح ہیں۔ کیونکہ عدل کا معنی متوسط ہے جو افراتو اور تفریط کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا کلمہ صلیق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید دونوں میں خلف محال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ دار الیوم والایران النجف ص ۱۵۳)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اشاعت و خلف وعید کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ ظاہر خلف وعید کو جائز کہتے ہیں لیکن حقیقتاً جائز نہیں کہتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی جرم کی کوئی سزا بیان کی ہے وہاں پر یہ شرط یا یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں معاف نہ کروں یا اگر میں چاہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تو عذاب نہیں دے گا۔ لہذا اب وعید کے خلاف نہیں ہو گا بلکہ شرک پر جو عذاب کی وعید سنائی ہے وہاں یہ قید ملحوظ نہیں ہے اور اس وعید کا خلاف ہو نا اور کافر اور مشرک کا تشابہ محال ہے اور امام رازی نے جو کہا ہے کہ خلف وعید محال ہے اس سے مراد شرک کی وعید ہے۔ دیگر گناہوں پر جو وعید ہے اس کا خلف مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کے علاوہ ہر گناہ کو ہر محل میں دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خلف وعید کذب کو مستلزم ہے اور خلف وعید کا امکان کذب کا امکان ہے ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ خلف وعید تو بالفعل واقع ہو گا لہذا ان کے قائلہ پر اللہ کے کلام کا بالفعل کذب ہو نا لازم آئے گا۔ محض اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے قاری) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی حماقت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیوں کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۶)

عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کے شبہات بیان کیے اور ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد فرمایا جب حق واضح ہو گیا پھر بھی اگر کوئی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرے اور آپ کے پیغام کو نہ مانے تو وہ محض اپنے گمان کی پیروی کرنے والا ہو گا اور گمراہ ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کے اکثر لوگ ہمیں گمراہ کر دیں گے اور گمراہ کرنا گمراہ ہونے کی فرع ہے اور گمراہی تین چیزوں میں حضور ہو سکتی ہے۔ البتہ کے اعتقاد میں نبوت کے اعتقاد میں اور احکام شریعہ کے اعتقاد میں۔

البتہ کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کے وجود کو نہ مانے۔ جیسے وہ کہتے ہیں: یا مشرک خدا مالے۔ جیسے مشرکین اور بت پرست ہیں: یا وہ لوگ جو خدا کے بیٹے مانتے ہیں۔ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ کو اور یہودی حضرت عزیر کو۔

نبوت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ مطلقاً نبی کو نہ مانے۔ جیسے ہندو سکھ اور بدھ مذہب والے یا سیدنا محمد ﷺ کے آنے اور ختم نبوت کے بعد کسی اور نبی کی بعثت کا اعتقاد رکھتے۔ جیسے مرزائی، بھائی اور دیگر جو صدیق جن بشو شہ کو مانتے ہیں یا سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو لعنت اور حیرا کرنے والے جیسے رافضی ہیں یا آپ کی آل اطہار کو برا کہنے والے جیسے ناصبی ہیں یا دونوں کو برا کہنے والے جیسے خارجی ہیں یا رسول اللہ ﷺ کی تنقیص اور بے لوثی کرے، آپ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہے اور جوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو آپ پر منطبق کرے، آپ کے لغزائل اور کمالات کو کم کرنے اور چھپانے میں کوشاں رہے، یا جو دوسری جانب غلو کرے، آپ کے بشر ہونے کا انکار کرے، یا آپ کے لیے ذاتی علم غیب اور ذاتی قدرت مانے یا آپ کے کمالات اللہ تعالیٰ کے مساوی یا زائد قرار دے۔

احکام شریعہ میں گمراہی یہ ہے کہ جس کام کو نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہو اس کو مستحب جانتے جیسے شیعوں کو مستحب جانتے ہیں۔ یا جس کام کو نبی ﷺ نے حرام نہ کہا ہو اس کو حرام کہنا جیسے کوئی شخص عرفات مدینہ مقرر کر کے ایصال ثواب

کسے جیسے سوئم، چلم، عرس اور گیارہویں شریف میں بھیل ٹوب کیا جاتا ہے تو اس کو حرام کہا جائے یا میلاد شریف کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کے فضائل، آپ کی سیرت اور آپ کا ذکر خیر کیا جائے تو اس کو حرام کہا جائے تو یہ احکام شریعہ میں گمراہی ہے۔ ہلکا اگر کوئی شخص سوئم، چلم، عرس، گیارہویں شریف اور میلاد شریف کو فرض یا واجب کے یا ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کرے یا اس طور کہ نہ کرنے والے کو ملامت کرے اور گمراہ جانے یا ان سے پہلے یا بعد صلاۃ و سلام پڑھنے کو واجب کرے یا اللہ کے بجائے اولیاء اللہ کی نذر اور صفات یا ان کی قبروں کا عطا کرے یا مجدد تعین کرے یا اولیاء اللہ کو مستقل فی التصرف جانے اور یہ جن کر ان کو پکارے اور ان سے مدد چاہے تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ امور احکام شریعہ میں گمراہی ہیں۔

اتباع ظن کی مذمت کی وضاحت

اس آیت میں اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اس پر اعتراض ہو گا کہ اخبار آحاد اور قیاس پر جو عمل کیا جاتا ہے وہ بھی تو ظن کے درجہ میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو ظن کی اتباع کرتے تھے تو اس کا استدلال قطعی دلیل پر نہیں تھا۔ اس کے برخلاف اخبار آحاد اور قیاس کا استدلال قطعی دلیل پر ہے جو قرآن کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب زیادہ بحر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہو گا اور وہ ہدایت پانے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۷)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے جزا دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کافر اگرچہ ہمت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال پر مطلع ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ گمراہی کے راستے میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی دلدلیوں میں سرگرداں ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ

اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا

بَآيَتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ

نام لیا گیا ہو ۝ اللہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ سے نہیں کھاتے جن پر

اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کا تفصیل اللہ نے تمہیں بتا دی

إِلَيْهِ وَإِنْ كَثِيرٌ لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ

ہے، اور بیشک بہت سے لوگ بطور علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اور بیشک آپ کا

هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ﴿۱۲۰﴾

ہو سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ۱ اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو ، بیشک جو

الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

رک گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ۱

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ يَذْكُرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَرِثَاقٌ

اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بیشک اس کو کھانا گناہ ہے ، بیشک شیطن

الشَّيْطَانِ لِيُوْحِدَنَّ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

اپنے دوستوں کے واروں میں دوسرے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں ، اور اگر تم نے ان کی اطاعت

إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾

کی ترقم مشرک ہو جاؤ گے ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (الانعام ۱۱۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ اور مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم اس جانور کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور مشرکین کی طرف توجہ نہ کرو جو مواد تو کھا لیتے ہیں اور مسلمان جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں اس کا کھانا برا جانتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگوں نے آکر کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو کھالیں جس کو ہم نے قتل کیا ہے اور اس کو نہ کھائیں جس کو اللہ نے قتل کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۸۰، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۸۰، سنن النسائی ج ۷، رقم الحديث: ۳۳۳۹، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶، رقم الحديث: ۱۱۷۱)

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور اس پر بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے۔ البتہ اگر وہ عدا بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دے تو پھر اس ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورۃ الانعام ۱۱۵ میں انشاء اللہ آئے گی۔

مشرکین یہ کہتے تھے کہ مسلمان خدا کے بارے ہوئے جانور کو حرام کہتے ہیں اور اپنے مارے ہوئے جانور کو حلال کہتے ہیں

ان کا یہ قول حلت پر مبنی تھا۔ کیونکہ دونوں جانوروں کو مارنے والا اللہ ہے۔ ہلتہ جو طبعی موت مرا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نہیں نکلی اور جس جانور کو مسلمانوں نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نکلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے مگر اللہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۹)

مکی سورت میں مدنی سورت کے حوالہ کا اشکال اور اس کا جواب

حالات اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل تمہیں بتادی ہے۔ اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس تفصیل سے مراد وہ تفصیل ہے جو سورہ مائدہ ۳ میں بیان فرمائی ہے:

حَبْرَتٌ مِّنْ عِلْبَتِكُمْ اَلْحَبْتَةُ وَالتَّدْمُ وَالتَّحْمُ
الْحَبْرَتُ بِرَوْتَا اَوَّلُ لَبْعِيْرِ التَّوْبَةِ (الایہ)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورہ المائدہ مدنی ہے اور سورہ الانعام مکی ہے لہذا یہ تفصیل اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ تو اس سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں اس کے بعد نازل ہونے والی سورت کا حوالہ کس طرح دیا جاسکتا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سورہ الانعام میں بھی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

قُلْ لَا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی
مَلَائِکَہِمْ یَکْطَعُوْنَہُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مَبْنٰی اَوْ دَسًا
مِّنْ فُجْرًا اَوْ لَحْمٌ مِّنْ حَبْرَتٍ یَّوْحٰتٍ یَّرْجُسُ اَوْ فِیْ سَفَا
اَوَّلُ لَبْعِیْرِ التَّوْبَةِ (الانعام: ۱۴۵)

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت ۱۴۵ میں آیت ۱۴۴ کا حوالہ دینا کس طرح درست ہو گا اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ترتیب وضع کے اعتبار سے ہے ہو سکتا ہے اس کا نزول پہلے ہو گیا ہو۔

لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں ہے کہ سورہ الانعام پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی ہے اور اس میں کوئی آیت دوسری آیت پر نزول کے اعتبار سے مقدم یا موخر نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حرام چیزوں کی یہ تفصیل نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی بتادی تھی اور مکہ مکرمہ کی زندگی میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں اگرچہ ان کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ مکہ میں وضوء کرنا شروع تھا اور مسلمان وضوء کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ آیت وضوء مدینہ میں سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے۔

تقلید صحیح اور تقلید باطل کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد عمرو بن لُحی اور اس کے بعد کے مشرکین ہیں کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین میں تغیر کیا اور بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دیا اور مردار کھانے کو جائز کہا اور عمرو بن لُحی نے محض اپنی جنابت سے یہ مذہب نکالا۔

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مولد کو حلال کہتے ہیں اور تم سے اس کے حلال ہونے کے متعلق مناظرے کرتے ہیں اور اس طرح وہ تمام لوگ جو اس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ محض اپنی ہولناکیوں کی ابتلا کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی بصیرت ہے نہ کوئی علم ہے۔ (معانی القرآن و اعرابہ للزجاج ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ عالم الکتاب بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض ہوا نفسانی کی بنا پر عقیدہ کفرانہ سوم اور حرام ہے اور ہم جو ائمہ دین کی عقیدہ کرتے ہیں وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ کے اقوال قرآن اور حدیث کی خصوص پر مبنی ہیں اور ہمارے ائمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ہمارا قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کرو اور عقیدہ صحیح اور عقیدہ باطل میں یہی فرق ہے کہ عقیدہ صحیح کا بنی قرآن اور حدیث ہے اور عقیدہ باطل کا بنی ہوائے نفس ہے۔

لہذا تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کھانا کھاد اور پوشیدہ کھانا کھاد وہ ہے جس کو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ (الانعام: ۱۳۰)

ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ظاہر اور خفی گناہوں سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴿۱۳۱﴾ اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ۔ (الانعام: ۱۳۱)

فحاک نے بیان کیا ہے کہ نہانہ جاہلیت میں جو لوگ چھپ کر زنا کرتے تھے اس کو وہ حلال کہتے تھے اور ہدی نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ بدکار عورتوں کی دکانوں پر جا کر زنا کرتے تھے اس کو برا جانتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا ظاہری گناہ ماؤں بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا تھا اور باطنی گناہ زنا کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کی ممانعت کر دی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اثم کا معنی

علامہ رافع مصطفیٰ حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اثم بن الفحل کو کہتے ہیں جو ذائب کو ساقط کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔

نیز انہوں نے لکھا ہے اثم عدوان سے عام ہے۔ (المفردات ص ۲۰ مطبوعہ المکتبۃ المدینہ)

علامہ فیروز آبادی متوفی ۱۲۸۷ھ نے لکھا ہے اثم کا سنی ہے ذنب (گناہ) ظہور و قمار اور ہر ناجائز کام کرنے کو اثم کہتے ہیں اور

اعجم کا معنی ہے کذاب۔ (القاموس المہیض ج ۲ ص ۹۹ مطبوعہ دار لیبہ التراث العربی بیروت)

اثم کی تعریف اور مصادیق کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت نواس بن مہران انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ (نکلی) اور اثم (گناہ) کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا: جسے اخلاق ہیں اور اثم وہ کام ہیں جو تمہارے دل میں اضطراب پیدا کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے مطلع ہونے کو پسند کرو۔

(صحیح مسلم المبرج ص ۳۹۱ (۲۵۵) سنن الترمذی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۹۱ صحیح ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۹۷۷ الاذی المفرد)

رقم الحدیث: ۲۵۵۳۷۲ سنن ابی داؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۶۵۰ طبع دار الفکر

امام احمد بن حنبل حقیقی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا اثم سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پیڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (صحیح احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۱۱، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۶۲، طبع قدیم، بیروت)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے، مگر اس میں اثم کی جگہ ذنب کا لفظ ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۷۷۲، ۲۷۷۳، ۲۷۷۴، ۲۷۷۵، ۲۷۷۶، ۲۷۷۷، ۲۷۷۸، ۲۷۷۹، ۲۷۸۰، ۲۷۸۱، نیز دیکھئے صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۱، سنن ابوداؤد، رقم

الحدیث: ۲۳۱۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۷۳، السنن الکبریٰ للشیخ، رقم الحدیث: ۴۹۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۸۰، طبع قدیم، ابن تیمیہ احادیث میں اثم کی جگہ ذنب کا لفظ ہے)

امام مسلم بن حجاج لشعری حقیقی ۳۲۵ھ روایت کرتے ہیں:

فیثمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اثنے میں ابن کاتبون (کار عیار، آملی اور مصارف کا ذمہ دار) آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس سے پوچھا کیا تم نے ملاسوں کو کھٹا کھلا دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا جولوہ کو کھٹا کھلاؤ۔ پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گنہ) کے لیے یہ کلنی ہے کہ وہ ان لوگوں کا کھٹا روک لے جن کو کھٹانے کا ذمہ دار ہے۔

(صحیح مسلم، ذکرہ: ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گنہ) کے لیے یہ کلنی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۹۲، صحیح مسلم، مقدمہ، رقم الحدیث: ۵، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اثم (گنہ) کے لیے یہ کلنی ہے کہ تم بیٹھ لڑتے، جھگڑتے رہو۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث قریب ہے۔ حلفہ ابن جبر نے اس کو ضعف کہا ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۰۱، المعجم الکبیر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۰۳۲)

دل کے افعال پر مواخذہ کے دلائل

ظاہر گنہ سے مراد وہ گنہ ہیں جو ظاہر اور کھلم کھلا کیے جائیں اور پوشیدہ گنہ سے مراد وہ گنہ ہیں جو چھپ کر کیے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظاہری گنہ سے مراد وہ گنہ ہیں جو ظاہری اعضاء سے کیے جائیں اور پوشیدہ گنہ سے مراد وہ گنہ ہیں جو دل سے کیے جائیں۔ مثلاً کبیر، حسد، خود پسندی، مسلمانوں کا برا چاہنا، حرام کاموں کا ارادہ کرنا، بدگفتی کرنا، بے حیائی کے کاموں سے محبت کرنا، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ صرف اعضاء کی مصیبت پر مواخذہ ہوتا ہے اور دل کے برے کاموں پر مواخذہ نہیں ہوتا، یہ قول صحیح نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث مجھ سے مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُجَاهِدُونَ أَنْ تَخْشَعَ الصَّاحَتُنَّ فِي
الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا
الْآخِرَةِ (النور)

ہے۔ ایک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے اندر بے حیائی کی بات پھیلنے کے پسند کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اور یہ پسند کرنا دل کا فعل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

اسنن بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے جانے لگا تو میری ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کروں گا انہوں نے کہا لوٹ جاؤ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۲۸۵۷، ج ۸، رقم الحديث: ۷۰۸۳، صحیح مسلم، متن ۳، ۲۸۸۸) سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۷۸، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۰۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۹۶۵، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۱۵۰، طبع للذہبی ج ۳، ص ۳۰۳، ج ۶، ص ۲۳، الملک لابن عدی ج ۲، ص ۳۵۰، مشکوٰۃ، رقم الحديث: ۳۵۳۸) اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی حرم پر عذاب کی وعید ہے اور یہ حرم دل کا فعل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کی جوتی اچھی ہو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمیل کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمن ۷، ۲۵۹ (۹)، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۲۰۰۶، ۲۰۰۵، صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۶۶۵۷، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۲۰۹۱، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث: ۵۹، ج ۲، رقم الحديث: ۳۴۱، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۵۶۸۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۳۳، سنن کبریٰ للسیوطی ج ۱۰، ص ۱۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو دشمنی نہ رکھو، بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ امام ابو نعیم نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۲۲، صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۶۰۷۶، صحیح مسلم، رقم الحديث: ۲۵۵۹، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۲۰۹۰، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۳۰، مصنف عبدالرزاق ج ۱، رقم الحديث: ۲۰۲۲، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث: ۷۰۷۷، موطا امام مالک، رقم الحديث: ۲۷۸۳، مسند ہیثمی، رقم الحديث: ۲۰۷۰، سنن کبریٰ للسیوطی ج ۲، ص ۳۰۳)

اس حدیث میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے، بغض رکھنے اور حسد کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ سب دل کے افعال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔ بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بھٹ کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام: ۱۶۱)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق مذہب فقہاء

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق فقہاء مذہب کی مختلف آراء ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مسلمان نے جس جانور کو ذبح کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔ خواہ اس نے عمر اہم اللہ نہ پڑھی ہو یا نسیاناً۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۰، مطبوعہ دارالایضاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام احمد کے نزدیک اگر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر عمر اہم اللہ کو ترک کر دیا ہے تو اس میں ان کے دو قوی ہیں۔ (زار المسیر، ج ۲، ص ۵۵، طبع بیروت ۱۴۳۰ھ)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر عمر اہم اللہ کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ حرام ہے اور نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر وہ ذبیحہ حلال ہے۔ (بدایہ النجاشی، ج ۲، ص ۳۲۸، مطبوعہ داراللمکو، بیروت)

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۷ھ اس پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ عمر اہم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اس آیت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ خواہ عمر اہم نہ لیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنا موجب حرمت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے کہا یہاں نسیان مراد نہیں ہے اب اگر بسم اللہ کو عمر اہم ترک کرنا بھی جائز ہو تو اس آیت پر بالکل عمل نہیں ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ (الحائدہ: ۳)

شکار پر (سہ حائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام

پڑھو۔

اور امر و نوب کا تقاضا کرتا ہے اس لیے شکار پر شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور سنت سے بھی اس پر دلیل ہے۔ حضرت عدی بن حاتم جو صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم سے شکاری کتے کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا جب تم اپنا سہ حائل ہو اکتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھالو بشرطیکہ اس نے تمہارے لیے شکار کو (کھانے سے) روک رکھا ہو اور جب تم اس کے سوا دوسرا کتا دیکھو جس نے ہلاک کیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔ اس آیت اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کو عمر اہم ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۶۰، مطبوعہ لاہور)

اور اگر بھولے سے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو ذبیحہ کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے نبی کریم سے عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا تم اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا اس وقت تو کھانے سے کفر سے نکلے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث ۵۵۰۷، سنن احمد، ج ۲، رقم الحدیث ۳۱۷۴، مصنف

عبد الرزاق، ج ۳، رقم الحدیث ۸۷۵، کنز العمال، ج ۶، رقم الحدیث ۵۵۹۸، سنن دار قطنی، ج ۲، رقم الحدیث ۴۷۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا مسلمان کے لیے اللہ کا نام کافی ہے۔ اگر وہ ذبح کے

وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے)

(سنن دار قطنی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۳، سنن کبیری للبیہقی ج ۹، ص ۲۳)

حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں، تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔

اس دوسرے کا بیان اس حدیث میں ہے۔ امام ابن ماجہ حوالی ۴۷۳۳ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ شرکین یہ کہتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو نہ کھلو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس کو کھالو۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۷۳، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

اور وہ بحث یہ کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے جس کو اللہ نے مارا ہے اس کو تم نہیں کھاتے اور جس کو تم نے قتل کیا ہے اس کو کھا لیتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم شرک ہو جاؤ گے

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حلال کیے ہوئے کو حرام کیا یا اس کے حرام کیے ہوئے کو حلال کیا، تو وہ شرک ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال اعتقاد کرے۔ تب وہ کافر اور شرک ہو گا اور اگر وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کاہن کو اپنی نفسانی خواہش سے کرتا ہو، لیکن وہ ان کاہنوں کو حرام ہی جانتا ہو تو وہ فاسق اور مرتکب معصیت کبیرہ ہو گا کافر اور شرک نہیں ہو گا۔

أَوْ مَنْ كَانَ مِيتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا

کی جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے

یَمُشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل

مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾ وَكَذَلِكَ

نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں ○ اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مَجْرِمِهَا لِيُكَرِّرُوا فِيهَا وَمَا

ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ حقیقت میں وہ مروت

يُكْرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ

اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اندر وہ اس کا شور نہیں دیکھتے ○ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی

بھیان القرآن جلد سوم

قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۗ

آئی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے،

أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، مغرب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب

عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ فَمَنْ يُرِدْ

پہنچے گا کیوں کہ وہ غریب کاری کرتے تھے ○ سو اللہ جس کو بہایت

اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ

دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے

أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا ۖ كَانَسًا يَصْعَدُ

اس کا سینہ گنہگار تک کر دیتا ہے گمراہ وہ سخت سے آسمان پر چڑھ

فِي السَّمَاءِ ۖ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۴﴾

رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○

وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۖ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

اور یہ آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں

يَذْكُرُونَ ﴿۱۲۵﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

کو بیان کر دیا ہے ○ ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں اور وہی ان کا کارساز ہے کیونکہ وہ

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا يَوْمَ تَبْعَثُ الْجِنَّ

(نیک) کام کرتے تھے ○ اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور نپٹائے گا) اسے جنات کی جماعت

قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ أَوْلِيُوهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ

تم نے بہت انسانوں کو گمراہ کر دیا ○ اور انانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے،

تَبْهَانِ الْقُرْآنِ جلد سوم

رَبَّنَا اسْتَمِعْ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلِّغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ

اِسے ہم سے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (اجازت) مانگے اور ہم اپنی اس میناد کو پہنچ گئے جو تو نے

لَنَا قَالِ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ

ہمارے لیے مقرر کی تھی، اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا مکان ہے تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے بیشک آپ کا

حَكِيمٌ عَلَيْهِ ۝۱۲۸ وَكَذَلِكَ نُوَلِّيُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا

رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ۱۲۸ اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ (معصیت کے)

كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۱۲۹

کام کرتے تھے ۱۲۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا جس کی

وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھروں میں ہو اور ان سے نکل نہ سکتا ہو اسی طرح کافر جو

عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوش نمایا دیئے گئے ہیں۔ (الانعام ۱۲۲)

کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ!

ابو جہل بن اشام یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کے غلبہ کا سبب بنا دے۔ یہ دونوں گمراہی میں مردہ پڑے ہوئے تھے

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو اسلام سے زندہ کیا اور ابن کو عزت اور توقیر دی اور ابو جہل کو گمراہی کی موت میں برقرار رکھا۔ زید بن

اسلم نے کہا ہے یہ آیت ان دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۳۸۱ مطبوعہ مکتبہ زرار مصطفیٰ ۱۴۱۷ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں اس آیت میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ابو جہل مراد ہیں

کیونکہ ایک دن ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ پر لید پھینک دی اس وقت تک حضرت حمزہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ابو جہل کی اس

حرکت کی حضرت حمزہ کو خبر دی گئی وہ اس وقت ہاتھ میں کمان لیے ہوئے شکار سے واپس آ رہے تھے یہ سن کر غضبناک ہوئے

اور جا کر ابو جہل کو کمان سے مارا ابو جہل فریاد کر رہا تھا کہ تم کو ہاتھ نہیں وہ کم عقل کیا کہتا ہے؟ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور

ہمارے باپ دادا کی مخالفت کرتا ہے۔ حضرت حمزہ نے کہا تم سے بڑا بے وقوف اور کون ہے؟ تم اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی عبادت

کرتے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور (سیدنا)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(اسباب النزول رقم الحديث ۳۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان حدیثوں کے مطابق حضرت عمر یا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہما پہلے کفر میں مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

اسلام سے زندہ کیا اور ان کو اسلام کی نمایاں خدمات کرنے کی توفیق دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ دونوں آج تک روشن ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے منارۂ نور ہیں۔ ایسے لوگ ابو جہل جیسے لوگوں کی مثل کب ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں رہے اور ان اندھیروں سے کسی نکل نہ سکے۔ ہر چند کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیتوں میں مطلقاً مومن اور کافر مراد نہیں زیادہ مناسب ہے۔

علم اور جہل کے مراتب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ نے کہا ہے کہ ادواح بشریہ کی معرفت میں چار مراتب ہیں۔ پہلے مرتبہ میں اس کو بالفعل کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن وہ علوم اور معارف کی استعداد رکھتا ہے، بسا اوقات یہ استعداد کامل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ استعداد کم اور ضعیف ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کو اس آیت میں موت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو علوم کلیہ اولیہ حاصل ہوتے ہیں اس کو عقل کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف اس آیت میں صاحبینا و ایم نے اس کو زندہ کیا سے اشارہ فرمایا ہے۔ تیسرے مرتبہ میں انسان معلومات بریہ سے بحولات نظریہ کو حاصل کرتا ہے اس کی طرف اس آیت میں و جعلناہ نوراً (اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا) سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ تمام معارف قدسیہ اس کے سامنے حاضر بالفعل ہوں اور وہ روح ان معارف کے ساتھ منور اور کامل ہو جائے۔ اس کی طرف اس آیت میں یسئریٰ فی الساس (جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے) سے اشارہ فرمایا ہے اور اس مرتبہ کے حصول کے بعد نفس انسان کی معلومت کے درجات تکمیل ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیکھنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ آنکھ سلامت ہو اور کوئی خارجی روشنی بھی ہو اسی طرح بصیرت کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ عقل سلیم ہو اور نور روحی اور نور کتب و کتاب ہو۔ اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد دین ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد حکمت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر اور بصیرت کے لیے آنکھ اور عقل سالم ہونا اور خارجی روشنی اور نور قرآن کا میسر ہونا ضروری ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے مومن کو عطا کی ہیں اور رہا کافر تو وہ ہمیشہ جہل، برے اخلاق اور بد عملیوں کی تاریکیوں اور کفر اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے اور خوف، دہشت اور غم کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مار رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۳-۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنادیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالاںکہ وہ حقیقت میں) صرف اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۱۲۳)

کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت

مجرموں کو اس بستیوں کا سردار اس لیے بنایا کہ عمدہ شکنی، مکر و فریب اور بھونی اور باطل باتوں کو لوگوں میں رائج کرنا ان ہی لوگوں کی زیادہ قدرت اور اختیار میں تھا۔ نیز ان کی کثرت اور منصب کی قوت انسان کو ان کی حفاظت میں زیادہ کوشش کرنے پر ابھارتی ہے اور اس کے لیے انسان ہر قسم کے جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے اور جھوٹ، مکر اور فریب، عمدہ شکنی اور دغا بازی سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اہل مکہ کے اعمال ان کے لیے مزن کر دیئے گئے ہیں اسی طرح انسانی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ ہر بستی میں اس کے فسق اور فجار کو مقتدر اور سردار بنادیتا ہے اور اس وجہ سے حق اور باطل،

ایمان اور کفر کے درمیان شورش پیا رہتی ہے۔ ان بستیوں کے سردار انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو تنگ کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف فریب سے کام لیتے ہیں، لیکن درحقیقت اس فریب کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں کفار اور فسق کو غلبہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور جو مسلمان اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوں، ان کو آخرت میں بلند درجات دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے، جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، مقرب مجرموں کو اللہ کے پاس ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا، کیونکہ وہ فریب کاری کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۴)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا، کیونکہ میں آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس بل بھی زیادہ ہے اور ابو جہل نے کہا بخیر اہم اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

شماک نے بیان کیا ہے کہ ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کر لیا جائے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

تَلْ يُمْنُ كُنْ اَمْرِئِي فَسَنَمَ اَنْ يُّؤْنِي حُصْفًا
تُشْرَةُ (المذثر: ۵۴)
بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کو دے دیئے جائیں۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۴۶ھ فرماتے ہیں، حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ مخصوص ہونا، یہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ نفس انسانی اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، بعض روحیں پاکیزہ ہوتی ہیں، تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض روحیں خفیس اور مدہر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں، پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لیے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں، بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں۔ اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۶۰، ۳۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضات کریں اور خلوت میں مجاہدہ کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تیز اور تسوہ ہو اور ان کی فطرت بوقار اور روشن ہو اور وہ خایت درجہ کے ذکی ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنا لیتا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ لہذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا؟ (الانعام: ۱۲۴) اور یہی اہل حق کا مذہب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

قلوب مختار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف غلام نے یہ کہا کہ نبی وہ شخص ہے جس میں غن خواص مجتمع ہو جائیں۔

۱۔ اس کو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مصیبت پر اطلاع ہو۔

۲۔ اس کا مجردات علیہ اور نفوس سلویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو، اور اس کے کانوں میں کلام معظم سنائی دے جس کو یاد کیا جائے اور جس کی عظمت کی جائے اور بھی وحی ہے۔

۳۔ اس پر فرشتہ اور کتب کا نزول ہو جس میں نظام معاش، نجات، آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہو واجب ہے، لیکن سورۃ الانعام: ۳۳ کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مصیبت کا علم ہوتا ہے اور تمام اوصاف بعض انبیاء میں نہیں پائے جاتے، مثلاً ہر نبی پر کتب کا نزول نہیں ہوتا۔

(شرح مقاصد ج ۵ ص ۱۹۰۲، مطبوعہ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ، شرح مواقف ج ۸ ص ۲۲۲-۲۱۸، مطبوعہ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا فناء

علامہ محمد السقاری علیہ الرحمہ التوفی ۱۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجتا کتابوں کو نازل کرتا اور شریعتوں کو مقرر کرتا اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے، یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے، یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے۔ تاکہ وہ اللہ سبحانہ کے امر اور نہی اور وعدہ اور وعید کو بیان کریں اور اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معد میں کن احکام کے محتاج ہیں۔ بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ اور اللہ کے اولیاء اور اعداء کے انجام کا بیان۔

۲۔ احکام شریعہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا پسند ہے؟

۳۔ قیامت، جنت، دوزخ، حساب و کتب اور ثواب اور عذاب۔

نبی کی صفات لازمہ

نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو، وہ اس میں سب سے اشرف اور مکرم ہو اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مودہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَحَلًا مَوَاجِئًا
اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر
الینہم۔ (یوسف: ۱۱۹) نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بناء پر جسور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ حضرات حضرت مریم، آسیہ، سارہ، عاقرہ اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ نیز نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو، فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں تاکہ لوگ سموت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء علیہم السلام بکل 'بزدلی' لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام ردائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل، ذکوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کمال ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے مزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلبہ متغیر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں کوئی رذالت نہیں ہوتی نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بھاری آتی ہے جس سے لوگ تنگ ہوں، مثلاً برص اور جذام وغیرہ۔ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں مثلاً بازاروں میں چٹے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔

بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نبوت عطا فرماتا ہے۔ لیکن استقرار تام اور متبع سے اور قرآن اور حدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی وہ نہ کور، اصرار، صفات کا حامل تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد مجتبیٰ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا، لو لو العوم پانچ ہیں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد مجتبیٰ۔ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(الوامع الانوار النبیہ، ج ۲، ص ۲۵۶-۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے اس کا سینہ کھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ رہا ہے، اسی طرح ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام: ۳۵)

اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے گا، اس کا سینہ دنیا میں اسلام کے لیے کھول دے گا، حتیٰ کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور اسلام کو ترک نہیں کرے گا، یہ حالت ایمان لانے کے بعد ہوگی، جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَمَنْ يُؤْمَرْ بِالْإِيمَانِ فَلْيَسْرِهِ (النعام: ۱۰۵) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا، اللہ اس سے آسان کرے گا۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا فِرْعَوْنَ بِالْبَيِّنَاتِ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ (المعارج: ۱۲) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا، ہم ضرور انہیں

اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت معلویہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مجتبیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث ۵۱، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، صحیح مسلم، الامارہ، ۱۴۳، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث

۳۶۳۷)

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ ابو نعیم سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت مانوس ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے بشرح صدر وہ اسلام تو صحابہ نے پوچھا اس کا شرح صدر کیسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا جب اس کے دل میں نور مانوس ہو گا تو

اس کا سینہ کھل جائے گا، صحابہ نے پوچھا کیا اس کو پہچاننے کی کوئی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کا دل آخرت کی طرف راغب ہو گا اور دنیا سے وہ پہلو بچائے گا اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے تیار رہے گا۔

(جامع البیان 'جز ۸' ص ۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں نبی کریم کو قتل دی گئی ہے کہ مشرکین جو دعوت اسلام کو مسترد کر رہے ہیں، آپ ان سے رنجیدہ نہ ہوں جو شخص اللہ کے ارادہ اور اس کی تقدیر میں ایمان لانے کا اہل ہو گا، اللہ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا، جیسا کہ ان آیات میں ہے:

أَمْسَسْ شَرَّ اللَّفَّةِ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى
نُورٍ قَيُّمٍ زَيْنِهِ (الرسم: ۱۲۲)

تو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے
رب کی طرف سے (عظیم) نور پر ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَرَبَّاهُ بَيْنَ
قُلُوبِكُمْ وَكَثَّرَ الْإِيمَانَ الْكَفَرُ وَالْبُغْضُ وَالْهَيْبَةُ
الْمُصْطَبَانِ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ ۝

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو
تمہارے دلوں میں عزیز کر دیا اور کفر اور فتن اور معصیت
سے تمہیں بچھڑ کر دیا، یہی لوگ کامل ہدایت یافتہ ہیں۔

(الحجرات: ۷)

اور جس شخص نے شرک سے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا اور فسق اور معصیت سے اپنے دل کو میلا کر دیا، وہ اسلام کو قبول
کرنے سے اپنے دل میں شدید جھگی اور ٹھن محسوس کرتا ہے اور کسی بھی نئی شے کے لیے اس کے دل کے دروازے نہیں کھلتے۔
جیسے کوئی شخص اپنے میلان طبعی کے خلاف آسمان کی جانب چڑھ رہا ہو تو اس کو اپنا دم گھٹنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے
اوپر اللہ شیطان کو مسلط کر دے گا اور اسی طرح حق لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں، پھر
شیطان اس کو گمراہ کر دے گا اور سیدھے راستہ سے ہٹا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ کے رب کا پسندیدہ سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے
تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے۔ (الانعام: ۱۲۶)

اس آیت کا معنی ہے 'یہ اسلام جس کے لیے اللہ تعالیٰ مومنوں کا سینہ کھول دیتا ہے، یہی آپ کے رب کا وہ طریقہ ہے جس
کو اس نے لوگوں کے لیے پسند کر لیا ہے اور یہی طریق مستقیم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بیان کیا ہوا راستہ مستقیم ہی ہوتا ہے، جیسا کہ
اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم نے فرمایا یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہ ذکر حکیم ہے اور یہ صراط
مستقیم ہے۔ (سنن اترذیٰ بن ۳، رقم الحدیث ۲۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے اور جو لوگ اسلام پر صحیح عمل کرتے ہیں،
ان کے لیے جنت ہے جو سلامتی کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں، اور وہی ان کا کارساز ہے، کیونکہ وہ
(نیک) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۷)

جنت کو دار السلام فرمانے کی وجوہات

اس آیت میں جار مجرور کی تقدیم مفید ہے۔ یعنی دار السلام ان ہی کے لیے ہے، ان کے غیر کے لیے نہیں ہے۔

دار السلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ پس دار السلام کا معنی ہے وہ گھر جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ اضافت تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ اور بقعہ اللہ میں ہے۔

اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ سلام دار کی صفت ہے یعنی یہ سلامتی کا گھر ہے اور جنت کو دار السلام اس لیے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر قسم کے عیوب، تکلیفوں اور مشقتوں سے سلامتی ہے۔

جنت کو دار السلام کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت میں دخول کے وقت سلام کیا جائے گا اللہ کی طرف سے فرشتوں کی طرف سے اور اہل اعراف کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور جنتی بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

و سادوا اصحاب الجنة ان سلام علیکم (الاعراف ۴۶) و تحببہم فیہا سلام
 (یونس ۱۰) سلام علیکم بما صبرتم فمعہ عفی الدار (الرعد ۲۴) ادخلوها بسلام امن
 (الحجر ۴۶) یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون (السج ۳۲) سلام
 قولاً من رب رحیم (یس ۵۸) وقال لہم حررتہا سلام علیکم طمئن فادخلوها جالدين
 (الزمر: ۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (مجاہز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس مصلحت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

(الانعام ۱۲۸)

جہنم کے خلود سے استثناء کی وجوہات

یعنی جب ہم قیامت کے دن تمام انسانوں اور جنات کو جمع کریں گے اور کہیں گے اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور جن انسانوں نے جنات کے دوسرے فور سے نئے تھے اور ان سے محبت رکھی تھی اور ان کی اطاعت کی تھی وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب میں کہیں گے ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے نفع اٹھایا انسانوں نے شیطانوں سے نفع اٹھایا کیونکہ شیطانوں نے ان کو ان کی شہوت پوری کرنے کے مجاز ذرائع بتائے اور جب انسانوں نے مجاز ذرائع اور نیکو راستوں پر چل کر اپنی شہوت کو پورا کر لیا تو شیاطین جو ان کو گمراہ کرنا چاہتے تھے ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے فائدہ اٹھایا۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے وہ مصلحت پوری کر لی جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی ہم نے طبعی زندگی پوری کر لی اور ہم پر موت آگئی اور یا ہم اس مصلحت کو پورا کر کے میدان حشر میں پہنچ گئے۔ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حشر کا دن بہت ہولناک دن ہو گا اور اس دن سب اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیں گے اور اپنی تقصیرات پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو مالک اور احکم الحاکمین ہے ہمارے متعلق جو چاہے فیصلہ فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تم دونوں (انجنادوزخ کی) جگہ جس میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اس کے بعد فرمایا مگر جسے اللہ چاہے اس استثناء کی دو تہیں ہیں۔ (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی جگہ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں۔ ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدان حشر میں ان کے محاسب تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس میں

ہمیشہ رہیں گے۔ (۳) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکل کر زمہریر (سخت ٹھنڈ اور برقی طبعہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی ٹھنڈک سے گھبرا کر فریاد کریں گے تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ان فرض مادہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔

(جامع البیان، ۸: ۸۷، ص ۳۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں کیونکہ وہ (معصیت کے) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۳۹)

ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ بعض جن اور انسان ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کا یہ باہمی استفادہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم اور قضاء و قدر کے موافق تھا اور وہ جس چیز کا ارادہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان میں وہی چیز پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کا ولی مقرر کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ: ۱۶)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

بعض کافر بعض کے مددگار ہیں۔ (الانفال: ۷۳)

اور جس طرح بعض انسان اور جن ایک دوسرے کے کام آتے تھے اسی طرح کافر کفار اور معصیت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور اس آیت میں ہر قسم کے ظالم داخل ہیں۔ وہ شخص جو معصیت کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور جو حاکم اور امیر اپنے ماتحت لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور جو تاجر جعلی اشیاء اور ملاوٹ والی چیزیں فروخت کر کے صارفین پر ظلم کرتا ہے اسی طرح جو چور اور ڈاکو مسافروں اور شہریوں پر ظلم کرتے ہیں اور سیاسی عہدہ دار اور وزراء عوام کے فیکسوں سے اٹلے تلے کرتے ہیں اور ٹیکس پر ٹیکس لگا کر عوام کی رگوں سے خون چمڑتے رہتے ہیں ان سب ظالموں پر اللہ تعالیٰ کوئی ان سے بڑا ظالم مسلط کر دیتا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ اس کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے اور اس کے ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! انہیں یہ بتاؤ کہ جب میں ان کے اچھے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے راضی ہوں اور جب میں ان کے برے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے ناراض ہوں۔

(شعب الایمان، ج ۱، رقم الحدیث ۳۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۰ھ)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے مطابق بادشاہ مقرر کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی

بھری کارا وہ کرے تو نیک پوشہ مقرر کرتا ہے اور جب ان کی بلاکت کارا وہ کرے تو عیش پرست پوشہ مقرر کرتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۶، رقم الحدیث ۷۳۸۹)

ابراہیم بن عیش بیان کرتے ہیں کہ میرے والد یہ کہتے تھے 'اے اللہ! تو نے ہمارے اعمال کے مطابق ہم پر حکام مسلط کر دیئے جو ہم کو پہچانتے ہیں نہ ہم پر رحم کرتے ہیں۔' (شعب الایمان ج ۶، رقم الحدیث ۷۳۹۰)

یونس بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (شعب الایمان ج ۶، رقم الحدیث ۷۳۹۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ظلم پر مدد کی وہ تلوم مرگ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث ۲۵۹۸، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث ۲۳۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر بدترین لوگوں کو حاکم بناتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَيُغْفِرُ اللَّهُ غَنِيًّا (الشوری: ۱۳۰) کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرماتا ہے۔

يَعُشِّرَ الْجَنَّةَ وَالْإِنْسَ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ

اسے جنت اور انسانوں کے گروہ: کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان

آیتي وَيُنذِرُوكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ

کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے: وہ ہمیں گے ہاں ہم خود اپنے خلاف گواہی

أَنفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ

دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ ذَلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَأْيُكَ مُهْلِكًا

کہ وہ کافر تھے ○ یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو تھن ہلک کرنے

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿١٣٢﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا

والا نہیں ہے ورنہ حالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت) سے غیر ہوں ○ اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں

وَمَا رَأَيْتُكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٣﴾ وَرَأَيْتُكَ الْغَنِيِّ ذُو الرَّحْمَةِ

اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ○ اور آپ کا رب ہی مستغنی رحمت والا ہے

إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا

اگر وہ چاہے تو تمہیں سے جانے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے سے آئے۔ جس طرح تم کو ایک

أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَآتٍ

اور تم سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۱۲۶﴾ بیشک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۲۷﴾ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ

کیا کیا ہے وہ ضرور آئے والا ہے اور تم (انہد کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ آپ کہیے اسے میری قوم: تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو

إِنِّي عَامِلٌ فَمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۲۸﴾ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ

میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، سو تم غریب جان رو گئے کہ آخرت میں کس کو انجام میں ہے۔

الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۲۹﴾

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کیسے گئے! ہاں! ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام: ۱۳۰) جنات کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات

اس آیت میں یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات سے بھی رسول مبعوث ہوتے رہے ہیں، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول صرف انسانوں سے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ جنات کے رسول سے رسول کا اصطلاحی اور معروف معنی مراد نہیں ہے، یعنی وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر وحی اور کتب کا نزول ہو، بلکہ یہاں رسول سے نفی معنی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جنات کے رسول وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وحی سن کر اپنی قوم کو پہنچی، یعنی مبلغ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اور یاد کیجئے جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لائے، سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آہیں میں) کہا خاموش رہو، پھر جب (قرآن کی تلاوت) ہو چکی تو وہ اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے لوٹے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿۱۲۹﴾ (الاحقاف: ۲۹)

آپ کہنے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ

مَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۖ يَهْدِي إِلَى
الْثَّرِيدِ قَامَتْ بِهِ وَلَسَ تَشْرِكُكَ بِرَبِّكَ أَحَدًا ۖ
(الحجر: ۹۲)

جماعت نے میری تلاوت کو غور سے سنا تو انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا ہے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲۔ مجاہد نے کہا انسانوں کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا گیا ہے اور جنت کی طرف منذرین کو اور اس آیت میں جنت کے رسول سے مراد منذرین ہیں، یعنی ڈرانے والے۔

۳۔ کبھی نے کہا کہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانوں اور جنت دونوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے ہر رسول صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور آپ کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ہل کی مسافت سے میرا رعب ظاری کر دیا گیا، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی۔ پس میرا امتی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے، وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے خیمتوں کو حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور مجھے شفاعت دی گئی اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۵، ۳۳۸، ۳۳۶، صحیح مسلم، طہارہ، ۳، (۵۲۱) ۵۲۳، سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۲، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۳۶)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پہلے صرف انسانوں کی طرف رسول مبعوث ہوتے تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ انسانوں کے بھی رسول ہیں اور جنت کے بھی رسول ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (سابقہ) انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع العلم (جس کلام میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ) عطا کیے گئے ہیں۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے خیمتوں کو حلال کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آگ طہارت اور مسجد بنا دیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا اور انبیاء کی بعثت مجھ پر ختم ہو گئی۔

(صحیح مسلم، طہارہ، ۵، (۵۲۲) ۵۲۷، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸، طبع جدید دار الفکر)

۵۔ اس آیت میں تغلیباً جنت کے مبلغین پر رسولوں کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے مذکر کو مونث پر قلمب دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات میں صرف مذکر کو خطاب کیا جاتا ہے اور مونث پر بھی مذکر کے صیغہ کا اطلاق کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ مذکر نہیں ہوتیں۔ اسی طرح جنت کے مبلغین پر بھی رسول کا اطلاق کر دیا گیا ہے، حالانکہ جنت میں معروف اور مصطح معنی میں رسول نہیں ہوتے۔ جنت کے مبلغین پر تغلیباً رسول کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ میدان قیامت میں صرف انسانوں اور جنت سے حساب لیا جائے گا اور باقی مخلوق سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جب ان دونوں گروہوں سے ثواب اور عذاب کے ترتیب کے لیے ایک طرح کا

حساب لیا جائے گا تو گویا یہ دونوں ایک جماعت ہیں اور ان سے ایک خطاب کیا گیا۔

جنت کو سطوں والی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انہن کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، دونوں کی خلقت الگ الگ ہے۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہوتے ہیں اور ایسے دونوں کا دشمن ہے، وہ ان کے کافروں سے دوستی رکھتا ہے اور ان کے مومنوں سے عداوت رکھتا ہے۔ ان میں بھی شیعہ، قدریہ اور مرثیہ وغیرہ فرقتے ہیں۔ وہ ہماری کتاب کی علامات لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنت کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَأَنۡتَ مِنۡنَا الصَّٰلِحُونَ وَمِنۡ دُونِ ذَٰلِكَ كُنَّا
طَرِيقًا يَّذۡبَا (الحسن: ۳۰)

اور ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف، ہم کئی
مسکوں میں حفرت ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا، ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھ دیا ہے، اور قیامت کے دن
جب ان کے معاذ خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے شرک کا اعتراف کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (گوایں اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلمتِ بِلَاک کرنے والا نہیں ہے
در آنہائیکہ ان میں رہنے والے (شرعت سے) بے خبر ہوں۔ (الانعام: ۱۳۱)

جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا، وہاں کے باشندوں کا حکم

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا ہے، اور انہوں نے لوگوں کو کفر اور شرک پر عذاب الہی سے
ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جب تک کسی
قوم کے پاس اللہ کی طرف سے ایمان لانے کی دعوت نہ پہنچے، اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملامت کرنے کے لیے عذاب نہیں بھیجتا۔ اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنۡ مِّنۡ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيہَا نَذِيرٌ (فاطر: ۲۴)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيۡ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا
اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (الحج: ۳۰)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا
(یٰسُوۡرَۃٓ اِنۡشَاقِیۡل: ۴۵) کہ ہم رسول نہ بھیجیں۔

ان آیتوں سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ جن علاقوں میں باقرض اسلام کا پیغام نہیں پہنچا، ان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ
کے وجود اور اس کے واحد ہونے کو مان لینا کافی ہے، ان کی نجات ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے
بے خبر نہیں ہے۔ (الانعام: ۱۳۲)

آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن اور انس میں سے ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔ اس آیت سے ثابت
ہوتا ہے کہ مومن جن بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ حسب ذیل آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ مِنِّي أُنِيمَ
فَقَدْ خَلَّكَتُ مِن قَبْلِهِمْ تِسْرَ الْجَحَنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ
كَانُوا خَاسِرِينَ ۝ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ تَمَنَّا عَمِلُوا
يُؤْتِيهِمْ أَعمالَهُمْ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ۝

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ ہو گے
میں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی یہ یقیناً نفعان اٹھانے
والوں میں سے تھے اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے
مطابق درجات ہیں تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا

(الاحقاف: ۱۲۵-۱۲۸) اجر دے اور ان پر بالکل علم نہیں کیا جائے گا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کی طرح جنت میں سے بھی جو اطاعت گزار اور نیکو کار ہو گا وہ جنت میں جائے
گا اور جو نافرمان اور بدکار کافر ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح قول یہی ہے اس کے برخلاف بعض علماء کی
راے یہ ہے کہ جنت جنت میں نہیں جائیں گے۔ (المباح لاحکام القرآن ۷/۲۷۷ ص ۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
جنت کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء

علامہ احمد شہاب الدین بن ابی البرکات البیہقی الکلی المتوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنت میں سے کافروں کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ ابو الزنادی بیہقی بن ابی سلیم
سے یہ روایت ہے کہ جنت میں سے مومنین کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہو گا سوا اس کے کہ ان کو دوزخ سے نجات ہو جائے
گی۔ پھر حیوانوں کی طرح ان سے بھی کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جلاؤ اور صحیح قول وہ ہے جس کو ابی ابن لیلیٰ اور زاعمی امام مالک امام
شافعی امام احمد اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کو ان کی عبادات پر ثواب دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب
رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ جنت میں سے مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ قول ابن حزم نے جمہور سے نقل کیا
ہے اور اس پر سورۃ الانعام کی اس آیت سے استدلال کیا ہے وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا ۝ کیونکہ اس آیت کو جن
اور انس کے ذکر کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کل ملائکہ جنت میں ہوں گے
اور کل شیاطین دوزخ میں ہوں گے اور جنت اور دوزخ دونوں میں انسان اور جن ہوں گے۔

(فتاویٰ حدیثہ ص ۱۱۱ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی حلبی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل نہ ہونے کے دلائل

امام عبدالرحمن بن محمد بن اور یس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

عجلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مومن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ وہ ابلیس کی اولاد ہیں
اور ابلیس کی اولاد جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۹)

امام ابو الشیخ عبداللہ بن محمد اصطفیٰ متوفی ۳۹۹ھ روایت کرتے ہیں:

سلمہ نے کہا کہ جن جنت میں داخل ہوں گے نہ مارے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو جنت سے نکل دیا۔ اب وہ ان
کے باپ کو جنت میں لوٹائے گا نہ ان کو۔ (کتاب المغلطہ رقم الحدیث ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل

امام عبدالرحمن بن محمد بن اور یس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

یعقوب بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنوں کو ثواب ملے گا اور اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ تَمَنَّا عَمِلُوا ۝ (الاحقاف: ۱۲۹) اور (جن و انس میں سے) ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے

مطابق درجات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۸۵-۸۶)

امام ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اسماعیلی متوفی ۳۹۱ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مخلوق کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم مکمل جنت میں جائے گی وہ فرشتے ہیں اور دوسری قسم کل دوزخ میں جائے گی وہ شیاطین ہیں اور مخلوق کی دو قسمیں جنت اور دوزخ میں جائیں گی۔ وہ جن اور انسان ہیں ان کو ثواب بھی ہو گا اور عذاب بھی ہو گا۔ (کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۱۶۰، مطبوعہ بیروت)

ضحاک نے کہا جن جنت میں داخل ہوں گے اور کھائیں اور پیئیں گے۔ (کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۱۶۱، مطبوعہ بیروت)

ارطاة بن المنذر نے عمرہ بن حبیب سے پوچھا کیا جن جنت میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

لَمْ يَطْمِئِنَّهُمُ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ

ان حوروں کو اس سے پہلے نہ انسان نے پھوسا ہے نہ جنوں

(الرحمن: ۵۶) نے۔

انہوں نے کہا جنوں کے لیے جنت میں جنات ہیں اور انسانوں کے لیے النیات ہیں۔

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

حرمہ بیان کرتے ہیں کہ ابن وہب سے سوال کیا گیا کہ آیا جنوں کے لیے ثواب اور عذاب ہو گا؟ ابن وہب نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَحَقُّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِمَا آمَمُوا قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمُ مِنَ النَّارِ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا
خَاسِرِينَ ۝ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا
وَلِيُؤْتِيَهُمْ آعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ
ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی۔ یہ یقیناً نقصان اٹھانے
والوں میں سے ہیں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے
مطابق درجات ہیں تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا
اجر دے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(الاحقاف: ۱۸-۱۹)

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۱۶۳، مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کے ان واضح دلائل کے اعتبار سے انہی علماء کا نظریہ درست ہے جو کہتے ہیں کہ مسلمان جن جنت میں جائیں گے اور کافر جن دوزخ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب ہی مستغنی رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ
جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح تم کو ایک اور قوم سے پیدا کیا ہے۔ (الانعام: ۱۳۲)

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے اے عباد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب نے اپنے بندوں کو بعض کام کرنے کا حکم دیا ہے اور
بعض کاموں سے منع کیا ہے اس کا یہ حکم دینا اپنے کسی فائدہ کسی غرض یا کسی عوض کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کو اپنی عبادت
کرنے اور احکام بجالانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت ان کا رزق اور ان کی روزی اور ان کا نفع اور ان
کا نقصان اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کے مکمل طور پر محتج ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت کر کے اپنی احتیاج اس کے

ساتنے ظاہر کریں، تاکہ وہ ان پر اپنا لطف و کرم اور اپنا فضل و احسان کرے۔ نیز گناہوں کی آلودگی اور معصیت کے زنج سے ان کی رو میں بند اور غفلتی ہوں گی۔ اس لیے ارواح بشریہ اور نفوس انسانیہ کو مطمئن اور ابرار کے درجہ میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اطاعت و عبادت کی ترغیب دی جائے اور منوعات اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ سو اس لیے فرمایا کہ آپ کا رب مستغنی ہے، یعنی اس کو بندوں کی اطاعت اور عبادت کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ رحمت والا ہے، اس لیے یہ احکام اس کی رحمت کا تقاضا ہیں، تاکہ اس کے بندے دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکیں۔

استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر وہ مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے کمال کے حصول میں غیر کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، اور یہ کلام مفید حصہ ہے، یعنی اس کے سوا اور کوئی مستغنی نہیں ہے، کیونکہ واجب لذات واحد ہی ہوتا ہے اور اس کے سوا سب ممکن ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح رحم فرمانے والا بھی دی ہے، اس کے سوا اور کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں، پیاسے کو پانی پلاتے ہیں تو ہم کیسے کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی چیزیں پیدا نہ کرتا، تو وہ کیسے کھلاتے اور پلاتے اور اگر یہ چیزیں پیدا کر دی تھیں پھر بھی اگر رحم کرنے والے میں اتنی قدرت نہ ہوتی کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا تو وہ کیسے ان کو کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر قدرت بھی ہوتی، لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رحم کا جذبہ پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر یہ سب کچھ ہوتا لیکن جس کو کھانا پلاتا ہے، اس میں کھانے پینے کی قدرت نہ ہوتی، مثلاً اس کے منہ میں ماسور ہو گیا اس کا اوپر کا جبرائیل چلے جڑے پر بیٹھ جاتا اور اس کا منہ بند ہو جاتا، تو وہ کیسے کھاتا پیتا؟ اور یہ کیسے اس کو کھاتا اور پلاتا؟ پس غور کیجئے کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں، ان کے حصول کی قدرت بھی اس نے دی، دل میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا، بھوکے اور پیاسے میں کھانے اور پینے کی صلاحیت اور قدرت بھی اس نے دی تو وہی رحم کرنے والا ہے۔ بندے نے کیا کیا ہے؟ پھر بندہ کا رحم کرنا کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتا ہے، کبھی سابق احسان کو اتارنے کے لیے رحم کرتا ہے، کبھی دنیا میں شریف، کبھی آخرت میں اجر کے لیے رحم کرتا ہے، کبھی اس لیے رحم کرتا ہے کہ وقت پڑنے پر اس پر بھی رحم کیا جائے اور کبھی اس لیے کہ کسی ضرورت مند کو دیکھ کر اس کے دل میں جو رقت پیدا ہوتی ہے، اس کو ناکل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے۔ سو بندہ جو رحم کرتا ہے، اس میں کسی غرض یا کسی عوض کی احتیاج ہوتی ہے اور ان اسباب کی احتیاج ہوتی ہے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور جو ہر سبب، ہر عوض اور ہر غرض سے مستغنی ہو کر رحم کرتا ہے، وہ صرف اللہ عز و جل ہے۔ اسی لیے فرمایا آپ کا رب ہی مستغنی ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

اس آیت میں چونکہ رحمت کا ذکر فرمایا ہے، اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی جہنم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس جہنم کے لوگوں نے اس کی اطاعت نہیں کی تو وہ اس جہنم کے لوگوں کو فنا کر کے ایک اور قوم کو پیدا کر دے گا، جیسا کہ وہ ان لوگوں کو ایک اور نسل سے پیدا کر چکا ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس کے رحیم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کی رحمت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ وہ ہر قوم سے مستغنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ ضرور آئے والا ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ (الانعام ۶: ۱۳۳)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان سے قیامت کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے اور تم اللہ کو اس کے لانے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اس میں اور بھی کئی احتمال ہیں کہ مسلمانوں سے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور منافقین کو جو عذاب کی وعید سنائی ہے وہ بھی آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں سو تم عنقریب جن لوگوں کے آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے بے شک ظالم ظالم نہیں پاتے۔ (الانعام: ۱۳۵)

اس آیت کا سنی یہ ہے کہ تم اپنے طریق کار پر قائم رہو میں اپنے طریق کار پر قائم ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو کفر کے طریقہ پر قائم رہنے کا حکم کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مکتف کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ تمہید اور سرزنش کے طور پر ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔
سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(الکہف: ۱۲۹)

اور اس تمہید پر اس آیت کا یہ آخری جملہ دلالت کرتا ہے سو عنقریب تم جن لوگوں کے آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ

اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی جوئی کھیتوں اور مریشیوں میں سے ایک حصہ اللہ

نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ

کے لیے مقرر کیا اور بزعم عیش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاؤں کے لیے ہے، سو جو حصہ ان کے

لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ

شرکاؤں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاؤں کی طرف

إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ

بہنچ جاتا ہے، یہ دیکھ کر برا فیصلہ کرتے ہیں ۵ اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ لِيُردُّوهُمْ

شرکاؤں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں بلاک کر دیں اور

لِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوا فَنَادَوْهُمْ

ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو آپ ان کو اور

وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتُ حِجْرًا لَّيَطْمَعُ

ان کی افترا پر ازیوں کو چھوڑ دیجیے ○ اور انہوں نے کہا یہ سریشی اور کھیتی مزرع ہیں ، ان کو وہی کھائے گا جس کو

الْأَمَنُ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ

ہم چاہیں گے ، (یہ پابندی ، ان کے زعمِ باطل میں ہے ، اور بعض سریشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں

لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا

پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے ، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ، وہ مغرب ان کو ان کی افترا پر ازیوں

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ

کی سزا دے گا ○ اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں

لَذِكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَثَرِ وَإِن يَكُن مِّثْقَلُهُمْ

کے بے غمروں میں اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہیں ، اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد

فِيهِ شُرَكَاءٌ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور عورتیں سب شریک ہیں ، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی مغرب مزارے گا ، بیشک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے ○

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا

بیشک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے طاقت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا

رَسَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ پر افترا پرداز کر کے اس کو حرام قرار دیا ، بیشک یہ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کشتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر

کیا اور بزمِ خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی

طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

(الانعام: ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کے محال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس لیے مذمت کی تھی کہ وہ قیامت کا اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا انکار کرتے

تبیان القرآن جلد سوم

ہیں اور ان کے دیگر جہلانہ اقوال کی مذمت کی تھی اور ان کی عقل اور سوچ کا ضعف اور فساد بیان فرمایا تھا۔ ان کی ان ہی جملات میں سے ایک یہ جملہ تھا کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بچوں کے لیے اور اپنے زعم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ بچوں کا ہے اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لیے تھا کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے دو حصے کیے۔ ایک اللہ کا اور ایک بچوں کا، حالانکہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن پھلوں کو انہوں نے اللہ کا حصہ قرار دیا تھا، اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو جن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی میں سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

۲۔ حسن نے کہا اگر بچوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ کے حصہ میں سے اتنی چیز اٹھا کر بچوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بچوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

۳۔ قتادہ نے کہا اگر قطعاً جانا تو اللہ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لاتے، لیکن بچوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔ [جامع البیان، ج ۸، ص ۵۶-۵۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ]

اس تقسیم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس فیصلہ کے برے ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ پھلوں اور غلہ کی حفاظت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حصہ پر بچوں اور شیطان کے حصہ کو ترجیح دی۔

۲۔ انہوں نے از خود کچھ حصہ بچوں کے لیے مخصوص کیا اور کچھ اللہ کے لیے، حالانکہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا تھا، یہ ان کی جہالت ہے۔

۳۔ حصوں کی یہ تقسیم انہوں نے بغیر کسی عقلی اور شرعی دلیل کے کی اور یہ ان کی جہالت ہے۔

۴۔ پھلوں اور مویشیوں کی پیدائش میں بچوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ وہ ان پھلوں اور مویشیوں سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں تو پھر بچوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں میں سے حصہ رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا محض ان کی جہالت ہے۔

ان وجوہ سے ظاہر ہو گیا کہ مشرکین کا یہ بہت برا فیصلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا، تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے، سو آپ ان کو اور ان کی انفرادی چیزوں کو چھوڑ دیجئے۔ (الانعام: ۱۳۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور بچوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا، اپنے خالق اور منعم کی

صرفت سے نہایت جہالت تھی، اسی طرح شیطان کے ورغلانے سے اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی ان کی نہایت جہالت اور گمراہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے احکام اور افعال لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

مجلد نے بیان کیا ہے کہ ان کے شیاطین نے ان کو یہ حکم دیا کہ یہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں، تاکہ رزق میں کمی کی وجہ سے ان کو اولاد کی پرورش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اور بعض نے یہ کہا کہ شیطان نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیں، تاکہ بیٹی کے باپ کو جس عار اور ذلت کا سامنا ہوتا ہے، اس سے یہ بچ جائیں۔

(جامع البیان، ۸: ۸۷، ص ۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم

شیطان نے جو ان کے لیے قتل اولاد کو مزن کیا تھا، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے ان کے دلوں میں یہ خوف ڈالا کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو ان کی پرورش مشکل ہوگی، سودہ عقی رزق کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کر دیتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا نِكَاحًا ۚ سَخِرُ مِنْكُمْ وَإِنَّمَا أَنْتُمُ الْمُؤْمِنُونَ ۚ (الاسراء: ۳۴)

اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، جب تک کہ وہ نہایت بزرگ نہ ہو جائیں، اور تم انہیں روزی دیتے ہو اور تمہیں بھی۔

آج کل حکومتی ذرائع نشر و اشاعت سے ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کا بہت زبردست پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ کم بچے اور خوش حال گھرانہ اور یہ کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک (۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۳ء) پچاس سال میں ملک کی آبادی تقریباً چار گنی ہو چکی ہے، اور ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری ہے۔ ملک کے وسائل آبادی کے اس سیلاب کے تحمل نہیں ہیں، اس لیے بچے دینی اچھے۔ لیکن خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کی بنیاد عقی رزق کا خوف ہے اور یہی زمانہ جہالت میں کافروں اور مشرکوں کا نظریہ تھا۔ جس کا قرآن مجید نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے اس پر زور دیا ہے کہ بچے زیادہ پیدا کیے جائیں۔

امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقیل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، مجھے ایک عورت ملی ہے جو بہت خوبصورت اور عمدہ خاندان کی ہے، لیکن اس سے بچے نہیں ہوتے (وہ بانجھ) ہے کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اور دوبارہ آیا اور پھر اجازت طلب کی، آپ نے پھر منع فرمایا۔ اس نے تیسری مرتبہ آکر اجازت طلب کی، تب آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنا، کیونکہ بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر غرکوں گا۔

(سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۵۰، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۲۷، صحیح ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۵۷، ۳۰۵۸، سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۳۹۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۳۵، سنن کبریٰ للبخاری، ج ۷، ص ۸۱-۸۲، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۵۸-۲۵۹، المعجم الاوسط، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۷۳۲)

قرآن مجید کی اس صریح آیت اور اس حدیث صحیح کا صاف اور صریح فناء اولاد کی کثرت ہے، نہ کہ اولاد کی قلت، اس لیے خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کا دوسرا کل پیداوار میں کمی کی بنیاد پر پروپیگنڈہ کرنا اسلام کے خلاف ہے، اور اس کو کسی جبری قانون کے ذریعہ عوام پر لاگو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ کسی صحیح شرعی عذر کی بناء پر جدید طبی طریقہ سے ضبط ولادت کو روکا

جائے تو وہ جائز ہے۔

ضبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اول تو اس کی ایست تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔ شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بجا کراہت اجازت دیتے ہیں وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی املاً جائز نہیں ہے۔

(الف) کوئی شخص غلی رزق الحشیة املاقی کے خوف کی وجہ سے ضبط تولید کرے، یہ اس لیے ناجائز ہے کہ اس کا حرمت کی علت ہونا قرآن مجید میں مخصوص ہے لانفسہم واولادکم حشیة املاقی (اسراء: ۳۴)

(ب) کوئی شخص بچوں کی پیدائش سے احتراز کے لیے ضبط تولید کرے، کیونکہ ان کی ترویج میں مشقت اور عار کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ نیت زائد جاہلیت کے شرکین عرب کی ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔ جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبط تولید جائز ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) لونڈیوں سے ضبط تولید کرنا تاکہ اولاد مزید لونڈی اور غلام بننے سے محفوظ رہے، ہر چند کہ اب لونڈی غلاموں کا رواج نہیں ہے، لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں یہ رواج ہو جائے تو لونڈیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہوگا۔

(ب) اگر سلسلہ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبط تولید جائز ہے۔

(ج) اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے ضبط تولید جائز ہے، کیونکہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو دس یا بعد دو سرا پچہ آجائے تو اس کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔

(د) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں منسل اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(ه) بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے، بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچانے کیلئے یہ عمل جائز ہے۔

(و) جب ہیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے تو یہاں طریقہ اختیار کرنا واجب ہے، جس سے سلسلہ تولید بالکل بند ہو جائے۔

(ز) اگر ماہر ڈاکٹریہ کے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

عزل کے علاوہ ضبط تولید کے حسب ذیل مروج طریقے بھی شرعاً جائز ہیں:

(الف) کھانے والی گولیاں اور انجکشن (ب) کیمیائی اشیاء (Chemical Methods) مثلاً فوم جیلی اور کریم وغیرہ کا

بیرونی استعمال (ج) ساتھی (Condom) (د) ڈایا فرام (ه) محلہ (Loop) (و) فل بندی (Tubal Ligation)

آخر الذکر عمل یعنی فل بندی میں عورت کے بیضہ دان کی ٹیبل کو (Fallopian Tube) کلٹ کر باندھ دیا جاتا ہے اس

عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قائل نہیں رہتی یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک اس صورت میں جب عورت کا آپریشن سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے اور دوسری اس صورت میں جب کوئی ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ بچہ پیدا ہونے سے یا مزید بچے پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ ان صورتوں میں عمل بندی صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

منبط تولید کا ایک طریقہ شرعاً ممنوع ہے اور وہ ہے نس بندی (Vasec Tomy) اس عمل میں مرد کی جن ٹیوں سے تولیدی جراثیم (Sperm) گزرتے ہیں جن ٹیوں کو کٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مرد باندھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو باندھ کر ایسا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خود کشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے نہ اپنا کوئی عضو کٹ کر کسی کو دے سکتا ہے اسی لیے اسلام میں اعضاء کی بیوند کاری بھی جائز نہیں ہے۔ بتائیں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بعض صحابہ نے عسرت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ سے خسی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی اور شہوت کم کرنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۴، مطبوعہ کراچی)

استقرار حمل کو روکنے کے لیے گولیاں کھائی جائیں، کیمیائی اشیاء لگائی جائیں یا خارجی حائل (ساقھی اور بھلد وغیرہ) کا استعمال کیا جائے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی حمل سے رکاوٹ کا قیاسی سبب نہیں ہے۔ بسا اوقات دوائیں اور کیمیائی اشیاء اثر نہیں کرتیں بعض مرتبہ ڈایا فرام کے استعمال کے باوجود قطرات رحم میں چلے جاتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بھلد کے استعمال کے باوجود حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات کنڈوم (ساقھی) پھٹ جاتا ہے اور قطرے رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہے جس پانی سے بچہ پیدا ہوتا ہے اگر تم اس کو پھر بھی ڈال دو تو اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا کر دے گا اور یہ بارہا مشاہدہ ہوا کہ منبط تولید کے تمام ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات جڑواں بچے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

علاوہ انہیں ان تمام چیزوں کے معضرات بہت زیادہ ہیں۔ بھلد اور ڈایا فرام کے استعمال سے الرتی اور انفیکشن کی شکایات عام ہیں اور کھانے والی دواؤں سے سنا کیا ہے کہ چھاتی کا کنسر ہو جاتا ہے۔ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری اور طبعی نظام سے ہٹ کر کوئی کام کرے گا مشکلات میں گرفتار ہو گا۔ اس لیے ناگزیر حالات کے علاوہ منبط تولید سے احتراز کرنا چاہیے۔

امام غزالی نے اپنے زمانے 'علاات' ضروریات اور وسائل کے اعتبار سے عزل کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک صورت حرام ایک بدعت اور تین صورتیں جائز قرار دی ہیں۔ لب جو تک ترقی یافتہ دور ہے بہت سے نئے اسباب اور وسائل وجود میں آچکے ہیں اور ضروریات اور تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں اور مسائل بھی زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے ہم نے منبط تولید کی نو صورتیں بیان کی ہیں جن میں پانچ مباح (جائز ہیں) دو ناجائز ہیں۔ اور دو صورتوں میں سلسلہ تولید ختم کرنا واجب ہے۔ ان میں عورت کی نسوانی اندوں والی نس (Fallopian Tube) کو کٹ کر باندھ دیا جاتا ہے تاکہ یہ نسوانی اندے رحم میں نہ داخل ہو سکیں اس عمل کو عمل بندی (Tubal Ligation) کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ پریشانی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے وما من دابة الا علی اللہ رزقہا (ص ۶۰)

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف ہے؟ ایسے لوگوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے تو وہ حصول رزق کے لیے توکیاں اور کاروبار کیوں کرتے ہیں؟ مستقبل کے لیے رقم پس انداز کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہیں؟ جس طرح حصول رزق کے ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح ہر معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان اور توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض لوگوں کو یہ الجھن ہوتی ہے کہ ضبط تولید کرنا تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپ مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کرتے ہیں؟ جب تقدیر کا ہونا مثل ہے اور تقدیر بدل نہیں سکتی تو آپ دعا کریں یا نہ کریں جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اسی طرح آپ بیمار پڑ جانے پر علاج کیوں کرتے ہیں؟ اگر تقدیر میں بیمار رہنا ہے تو آپ لاکھ علاج کریں، صحت مند نہیں ہو سکتے لیکن اس موقع پر آپ یہی کہتے ہیں کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی جائز ہے، اسباب کو اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر مبرم کو بدل دیں گے تو یہ یقیناً ناجائز اور کھلا ہوا کفر ہے۔ لیکن اگر اسباب کو اس نیت سے بروئے کار لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں منہج کے حصول کے لیے اسباب کو پیدا کیا ہے اور اسباب کے حصول کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہی دراصل تقدیر ہوتی ہے۔ ہم دعا اور علاج تقدیر بدلنے اور نظام قدرت میں مداخلت کے لیے نہیں کرتے بلکہ اس لیے دعا اور علاج کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو راحت اور شفاء ہمارے لیے مقدر کی ہے اس کو وجود میں لاسکیں۔ اسی طرح ضبط تولید کا عمل تقدیر کو بدلنے یا اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے نہیں ہے (اور اگر کوئی اس نیت سے کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں) بلکہ ضبط تولید کا یہ عمل اس رکاوٹ اور پیدائش میں اس وقت کو وجود میں لانے کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کیا ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور بچہ کی پیدائش سے احترازی کے لیے کرتے تھے۔ کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل نہیں تھا؟ اس لیے عزل کرتے تھے؟ یا صحابہ کرام کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا؟ اس لیے عزل کرتے تھے؟ یا صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے عزل کرتے تھے۔ پس جان لیجئے کہ جس طرح صحابہ کرام کا عزل کرنا ان خرابیوں کی نیت سے نہیں تھا بلکہ نیت صحیحہ کی بناء پر تھا اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے اس عمل کو بھی نیت صحیحہ پر محمول کرنا چاہیے۔

یاد رکھئے اسباب و علل کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سیرت ہے۔ آپ کئی کئی دنوں کے لیے کھانا لے کر غار حرا میں جاتے تھے، ازدواج کو ایک سال کے لیے خراج دیتے تھے؟ ذرہ میں ملبوس ہو کر میدان جنگ میں جاتے رہے ہیں، بیماری میں مختلف انواع سے آپ نے علاج کیا ہے اور صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو علاج کرانے کی ہدایت دی ہے، اس لیے کسی ضرورت کے وقت ضبط تولید کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

ہم نے ضبط تولید کے مسئلہ پر جو بحث کی ہے اور اس کی اباحت کی جو صورتیں بیان کی ہیں، یہ خلاص علمی اور فقہی نوعیت کی بحث ہے۔ اور اس کو اسی تناظر میں پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور یہ بحث اسلام کے اس عمومی فلسفے پر مبنی ہے کہ اسلام دین میر ہے، اور اس کے مہلکات اور اصولوں میں اتنی جامعیت اور ہمہ گیری ہے جو ہر دور کے پیش آمدہ مسائل اور پیچیدگیوں کا مثبت حل پیش کر سکتے ہیں۔ اس سے خلاص ملوہ پرستانہ اور سیکولر فلسفے پر مبنی خاندانی منصوبہ بندی کی اس بین الاقوامی تحریک کی تائید و حمایت یا حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں ہے جو موجودہ دور میں پراپیگنڈے کے سحر اور ترغیب و تحریص کے مختلف طریقوں کو

برائے کار لا کر چلائی جا رہی ہے، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کسی اضطراری صورت حال، کسی فرد کی ایسی خاص شخصیت و وجہ جو معقولیت پر مبنی ہوں یا واقعی ضرورت کے پیش نظر اسلام کی دی ہوئی رخصتوں کو بیان کر دیا جائے۔

جہاں تک دور جدید کے بارہ پر متانہ نظریہ خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے تو یہ خالص الحلو پر مبنی ہے اور اسلام میں اس کی تکھا کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظریہ کا مرکزی نقطہ اور محور یہ ہے کہ انسانی آبادی کے پھیلاؤ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت محدود کر دیا جائے تاکہ وسائل معاش اور اسباب معیشت کی عقلی کاسمانہ کرپاڑے، یہ خالص خود غرضی پر مبنی فلسفہ ہے جس کی اساس یہ ہے کہ ہم اپنی آسائش کے لیے دوسرے انسانوں کا وجود برباد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تاریخ انسانیت کا مطالعہ اور دور حاضر کے انسانوں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہر نئے دور میں نسل انسانی کی افزائش کے بلوغت بحیثیت مجموعی انسان نے اپنے گزشتہ ادوار کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور پر آسائش زندگی بسر کی ہے اور وہ وسائل رزق کے اعتبار سے بھی مرفہ الحال رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے اور وسائل و اسباب سے برتر اور بالاتر رزق مخلوق کی حقیقی منصوبہ بندی قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ لہذا یہ ضرور ہے کہ جب اور جہاں ظاہری طور پر جغرافیائی، موسمی یا سائنسی اور علمی و فنی وجوہ کی بنا پر وسائل رزق انسانوں کے کسی گروہ یا کسی ملک یا قوم کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ مجتمع ہوئے تو بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے اس سے مخلوق خدا کو فیض یاب کرنے کی بجائے لاکھوں ٹن غلہ سمندر میں بھادینا یا اسے ضائع کرنا (Damping) زیادہ مناسب سمجھا، درحقیقت یہی وہ اقوام ہیں جو فلاح انسان اور انسان دوستی کے پرکشش نام پر زر کثیر صرف کر کے خاندانہ منصوبہ بندی کی حم کو پس ماندہ اقوام اور تیسری دنیا کے ممالک میں پھیلا رہی ہیں، حالانکہ آج بھی ایک سادہ لوح رسالتی سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ انسان کھانے کے لیے ایک منہ اور کمانے کے لیے دو ہاتھ ملے کر پیدا ہوا ہے۔ گویا قدرت الہی اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اگر تم سخت اور مشقت کو گے تو روزی کے دروازے کبھی تم پر ٹک نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْسَبُ** (طلاق: ۲) جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (اعلم خیب سے) راہیں کھول دے گا اور وہاں سے رزق عطا فرمائے گا، جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا یہ موسیٰ اور کھیتی منوع ہیں، ان کو وہی کھائے گا جس کو ہم چاہیں گے (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے اور بعض موسیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض موسیوں پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے وہ عنقریب ان کو ان کی افتراء پر دازیوں کی سزا دے گا۔ (الانعام: ۱۳۸)

مشرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال

کفار اور مشرکین نے زمانہ جاہلیت میں اپنے موسیوں اور اپنے کھیتوں کی تین قسمیں کر دی تھیں:

- ۱۔ وہ موسیٰ اور کھیت جن کے متعلق وہ کہتے تھے، ان سے فسخ اخلا کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے، یہ ان کے باطل معبودوں اور بتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ کہتے تھے ان کو وہی شخص کھا سکتا ہے جس کو ہم کھانا چاہیں اور ان کو صرف بتوں کے مرد خادم کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں کھا سکتیں اور ان کے اس خود ساختہ قول پر کوئی دلیل نہیں تھی، عقلی نہ نقلی۔
- ۲۔ وہ موسیٰ جن کی پشت حرام کر دی گئی تھی، ان پر کوئی سواری کر سکتا تھا اور نہ ان پر سلطان لاد سکتا تھا، ان جانوروں کو وہ اہلکار، السواب اور الحوامی کہتے تھے۔ ان کی تفصیل المائدہ: ۱۰۳ میں گزر چکی ہے۔
- ۳۔ وہ جانور جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، وہ ان پر ذبح کے وقت صرف بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سے

کوئی نفع نہیں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ حج میں بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

انہوں نے جو یہ تقسیم کی تھی یہ محض اللہ تعالیٰ پر انفرادی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو مشروع نہیں کیا تھا اور ان کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ از خود اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَرَحْمْتُمْ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَحَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلٰلًا قُلِ اللّٰهُ اَدُوٌّ لَّكُمْ
اَمْ عَلٰى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس ۵۹)

آپ کہئے کہ بھلا! کیا تو کسی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا، تم نے اس میں سے بعض کو حرام کر دیا اور بعض کو حلال کر لیا۔ آپ پوچھئے: کیا تمہیں اللہ نے (اس کی) اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ عنقریب اللہ ان کو ان کی انفرادی پرواؤں کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جو کچھ ان موسیٰوں کے بیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور اگر وہ بچہ مودہ پیدا ہوا تو اس میں مودہ اور عورتیں سب شریک ہیں، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا، بے شک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے۔ (الانعام ۱۳۹)

جو کچھ ان موسیٰوں کے بیٹوں میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد دودھ ہے۔ عامر نے کہا بکیرہ کا دودھ صرف مودہ پیتے تھے اور اگر بکیرہ مر جائے تو اس کا گوشت مرد اور عورتیں دونوں کھاتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جو کچھ ان کے بیٹوں میں ہے اس سے مراد دودھ ہے۔ وہ اس دودھ کو عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اس دودھ کو صرف مودہ پیتے تھے اور بکری جب زکوٰۃ جنتی تو اس کو صرف مرد کھاتے اور عورتیں نہیں کھاتی تھیں اور اگر وہ مودہ کو جنتی تو اس کو زکوٰۃ نہیں کرتے تھے اور اگر وہ مودہ جنتی تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ (جامع البیان ۸/۲۷۷ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے اس جھوٹ کی سزا دے گا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنُنُكُمُ الْكُذِبَ
هٰذَا حَلٰلٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلٰى اللّٰهِ
الْكُذِبَ اِنَّ اللّٰهَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكُذِبَ
لَا يَعْلَمُ خُشُوْنَ (السجۃ ۴۹)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ ظالم نہیں پائیں گے۔

خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال

ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو فرض یا واجب قرار دینا یا بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو ناجائز اور حرام کہنا، اللہ تعالیٰ پر انفرادی بہتان ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ امام جعفر صادق کی نیاز کی کھیر پوریوں کو اسی جگہ بیٹھ کر کھایا جائے اور اس کو وہاں سے نکل کر ناجائز نہیں ہے، یا جیسے لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے قبضہ بھرا اڑھی کو واجب کہتے ہیں، یا جیسے بعض لوگ میلاد شریف، گیارہویں شریف، سوئم اور چلم و فیو کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ یار سون اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ائمہ کی تقلید کو ناجائز اور حرام بلکہ شرک کہتے ہیں، اور بعض لوگ یار سون اللہ! کہنے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں اس پر وعید ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف ہے، ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتیٰ کہ جب تم اس پر

قرآن کا نور دیکھو گے اور وہ اسلام کی پشت بند ہو گا تو قرآن اس سے جاتا رہے گا اور وہ اس کو پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار سے حملہ کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں سے کون شرک کا مصداق ہو گا؟ جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی ہے یا شرک کی تہمت لگانے والا۔ آپ نے فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا۔ اس حدیث کو امام ابوہریرہ صلی نے روایت کیا ہے۔

(مختصر اتحاف السادة المحررة بزوائد الشرع، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۶۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے جہالت اور حماقت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا اللہ پر انفرادی پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا۔ بے شک یہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں۔ (الانعام: ۱۳۰)

بیشیوں کو قتل کرنے کی شقاوت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا اور ان کو زندہ درگور کر دیا، ان لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ یہ شک دہستی اور قلت رزق سے ڈرتے تھے اور یہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ رزق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پاکیزہ رزق دیا تھا، اس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر انفرادی ہاندہ کر حرام کر دیا اور یہ کلی گمراہی میں پڑ گئے، کیونکہ انہوں نے دین اور دنیا کی سعادت کو کھو دیا اور یہ ہدایت کو حاصل کرنے والے تھے بھی نہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۷۸ھ نے بیان کیا ہے کہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص بیٹہ مفنوم رہتا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا ہمت ہے؟ تم کیوں مفنوم رہتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ اللہ میرے اس گناہ کو نہیں بخشے گا، خواہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ تمہارا گناہ کیا تھا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیشیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی، اس کی ماں نے مجھ سے سفارش کی کہ میں اس کو چھوڑ دوں حتیٰ کہ وہ بڑی ہو گئی، حتیٰ کہ وہ عورتوں میں حسین ترین لڑکی تھی۔ لوگوں نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیا، مجھے اس پر عار آیا اور میرے دل نے یہ برداشت نہیں کیا کہ میں اس کا نکاح کر دوں یا اس کو بغیر نکاح کے رہنے دوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا میں اس کو فلاں فلاں قبیلہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملائے کے لیے جا رہا ہوں، وہ یہ سن کر خوش ہوئی۔ اس نے اس کو اچھے کپڑے اور زیور پہنائے، میں اس کو لے گیا حتیٰ کہ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور میں نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا وہ لڑکی مجھ گئی کہ میں اس کو کنوئیں میں ڈالنا چاہتا ہوں، وہ مجھے چست گئی اور رونے لگی اور کہنے لگی، اے میرے باپ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اس پر رحم آیا، پھر میں نے کنوئیں کی طرف دیکھا اور مجھ پر پھر عار غالب آگیا۔ وہ لڑکی پھر مجھ سے چست گئی اور کہنے لگی، اے میرے باپ! میری ماں کی امانت کو ضائع نہ کر۔ میں نے پھر دوسری مرتبہ کنوئیں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھا، مجھے اس پر رحم آیا لیکن مجھ پر شیطان غالب آگیا، میں نے اس کو پکڑا اور اس کو اونڈھے منہ کنوئیں میں ڈال دیا اور وہ کنوئیں میں چلا رہی تھی، اے میرے باپ! تو نے مجھے مار ڈالا؟ میں اس کنوئیں پر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آواز آئی بند ہو گئی، پھر میں واپس آگیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سن کر رونے لگے۔ اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی شخص کو زمانہ جاہلیت کے فعل پر سزا دیتا تو تمہیں دیتا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۸۸، مطبوعہ دار العکبر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ

اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے دھنوں والے باغ پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت اگائے جن کے کھانے

مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا

جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کر دو اور

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَمِنَ الْإِنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَسَاتٌ كُلُوا

بے جا خرچ نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۳۱ اور اس نے بعض (قد آور) مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

والے ہیں اور بعض زمین سے لگے رکھے (کو تارہ قد) مویشی پیدا کیے، اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے گناہ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ

مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ۳۲ ۸۰ اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے، دو بھیر کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے،

اثْنَيْنِ قُلْ ءَالِ الذَّكْرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْإِنثَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ

آپ کہیے کیا اس نے دو ذکر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے

عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْإِنثَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٣﴾

بیڑوں میں سے ہوئے ہیں، بچے ملی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو ۳۳

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءَالِ الذَّكْرَيْنِ

اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو (جوڑے) پیدا کیے آپ کہیے کیا اس نے دو ذکر

حَرَّمَ أَمِ الْإِنثَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْإِنثَيْنِ أَم

حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے بیڑوں میں سے ہوئے ہیں، یا تم اس

كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصَّيْكُمْ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى

دقت مانتے جب اللہ نے تمیں یہ حکم دیا تھا، سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ

عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

پر افترا پردازی کرے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۷

نہیں دیتا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے بیلوں اور درختوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درخت اور کھیت اگائے جن کے کھانے مختلف ہیں اور زمین اور آسمان اگائے جو ایک دوسرے سے ملنے ملتے ہیں اور مختلف بھی۔ جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ۱۳۱)

مشکل الفاظ کے معانی

معروضات: یہ لفظ عرش سے بنا ہے عرش کا معنی ہے مہمت۔ جس چیز پر بلا شلہ بیٹھا ہے اس کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش (تخت) کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں عرش الکرم میں نے انگوڑی کی مہمت بنادی یعنی انگوڑی کی بیلیں اس طرح پھیلا دیں کہ ان سے مہمت بن گئی۔ اس آیت میں معنات معروضات سے مراد وہ باغ ہیں جن میں پھلوں کی بیلیں ہوں مثلاً انگوڑی کی یا غریزہ اور تربوز کی۔

غیر معروضات: جن پھلوں کے درختوں کو زمین پر پھوڑ دیا گیا ہو جو اپنے ستنے اور شاخوں کی وجہ سے کسی مہمت پر ڈالے جانے سے مستغنی ہوں۔

حصاد: یہ لفظ حد سے بنا ہے اس کا معنی ہے فصل کاٹنا درختوں سے پھلوں کے توڑنے کو بھی حصد کہتے ہیں۔

وجود باری اور توحید پر دلیل

قرآن مجید کا موضوع توحید و رسالت احکام شریعہ معلوم اور جزا و سزا کو بیان کرتا ہے۔ اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو سزا کی تھی جو شرک کرتے تھے اور انہیں خود احکام بتا دیتے تھے اس کے بعد اب پھر اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیلوں اور درختوں والے باغات پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت پیدا کیے۔ ان پھلوں کی شکل و صورت ان کا رنگ ان کی خوشبو اور ان کا ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح کھیتوں سے جو فائدہ پیدا ہوتا ہے ان کی فصل ان کا ذائقہ اور ان کے فوائد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ چیزیں از خود تو پیدا نہیں ہوئیں اور نہ یہ چیزیں سورج چاند اور ستاروں نے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ جب وہ غروب ہو جاتے ہیں تب بھی یہ چیزیں اسی طرح برقرار رہتی ہیں۔ پھر دنیا بھر کے لوگ جو اللہ کے سوال اور چیزوں کی خدائی کے قائل ہیں ان چیزوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ

نہیں کیا کہ وہ ان بانگوں اور کھیتوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ اللہ ہی دنیا بھر کے بانگوں، کھیتوں اور ہرے بھرے جنگلوں کا خالق ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نباتات کا خالق ہے تو جمادات، حیوانات، انسانوں، جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کا بھی وہی خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے یا عام صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب فصل کی کٹائی کا دن آئے تو اس کا حق ادا کرو۔

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی بصاح حنفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس، جابر بن زید، محمد بن حنفیہ، حسن بصری، سعید بن مسیب، طاہس، زید بن اسلم، قتادہ اور ضحاک کا یہ قول ہے کہ اس حق سے مراد عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اور نصف العشر (پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس حق کو اس حدیث نے منسوخ کر دیا جس میں عشر اور نصف عشر کو فرض کیا گیا اور یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ قرآن کے حکم کو سنت سے منسوخ کرنا جائز ہے، حسن بصری سے روایت ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، ضحاک نے کہا ہے کہ قرآن میں مذکور ہر صدقہ کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، اور حضرت ابن عمر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) ہے اور فصل کی کٹائی کے وقت اس حق کو ادا کرنا واجب ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے رات کے وقت کھجور توڑنے اور فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ ممانعت اس لیے ہے تاکہ دن میں کٹائی کے وقت مساکین آسکیں۔ مجاہد نے کہا جب فصل کاٹی جائے تو اس میں سے کچھ حصہ مساکین کو دیا جائے اس طرح جب درخت سے کھجوریں توڑی جائیں تو کچھ کھجوریں ان کو دی جائیں۔ اسی طرح جب ان کو صلع کے حساب سے پلا جائے تو ان کو کچھ کھجوریں دی جائیں۔ (الحکام القرآن ج ۳ ص ۹، مطبوعہ سبیل الایضی، لاہور، ۱۳۷۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس حق سے مراد عام صدقہ ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس لیے راجح ہے کہ اعلیٰ حد میں بھی ارضی پیداوار کی زکوٰۃ، عشر یا نصف عشر بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہلغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے یا بارش کے جمع شدہ پانی سے میرا ب کیا گیا ہو اس میں عشر ہے اور جن کو کنوئیں سے پانی حاصل کر کے میرا ب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۷۰، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۷، ۱۲۳۶ (۹۸۱) سنن ابوداؤد ج ۲، رقم

الحدیث: ۱۵۹، سنن النسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۸۹)

عشر کے نصاب میں نہ واجب فقہاء

امام ابو حنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ دس (تقریباً تیس من) سے کم کی مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ دس سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اواق دو سو درہم ۳۶۶ گرام ساڑھے پانچ تولہ چاندی سے کم میں صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۷۷، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۱: (۹۷۹) ۲۲۲۷ سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۱۵۵۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۳۶۱۱، سنن النسائی ج ۵، رقم الحديث: ۲۴۴۵، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث: ۱۷۹۳) امام ابو حنیفہ کے موقف پر ولائ کل

امام ابو حنیفہ کی دلیل قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس کی یہ تقریر کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا قلیل اور کثیر میں عشر واجب ہے اور جمہور نے کہا جب زمین کی پیداوار پانچ وسق کو پہنچ جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَتُوا حَقَّ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام: ۱۴۴) اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

یہ آیت قلیل اور کثیر میں حق کے ثبوت پر دلیل ہے اور جب یہ حق زکوٰۃ (عشر) ہے تو قلیل اور کثیر میں وجوب زکوٰۃ کا قول کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۷۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش، خشے یا بارش کا جمع شدہ پانی سیراب کرے، اس میں عشر ہے اور جو زمین کو نمیں کے پانی سے سیراب کی جائے، اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۳۸۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۱۵۹۶، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۶۱۰، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۳۸۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۱۷۹۳، سنن دارقطنی، رقم الحديث: ۲۰۳۳، صحیح ابن حبان، رقم الحديث: ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹) اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے زمین کی پیداوار پر ہر سبیل عموم عشر یا نصف عشر واجب کیا ہے اور اس کو پانچ وسق کے ساتھ خاص نہیں کیا اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے لہذا جس حدیث میں آپ نے پانچ وسق پر وجوب زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، وہ مل تجارت پر محمول ہے، یعنی جس شخص کے پاس پانچ وسق سے کم مل تجارت ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی اور اس وقت پانچ وسق دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے۔

نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت سے بھی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ حُلِيِّكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (البقرہ: ۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سبیل عموم فرمایا ہے کہ زمین سے ہم نے جو کچھ پیدا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی مقدار اور نصاب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس میں امام ابو حنیفہ کے موقف کی تائید ہے کہ زمین کی پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔

نفل صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اہل لغت کے اسراف میں دو قول ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور شمر نے کہا مل کو بغا اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ (لسان العرب ج ۹، ص ۳۸۸، مطبوعہ ایران)

انسان جب اپنا تمام مل صدقہ کر دے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو یہ بھی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا
تَحْشُرُونَ (الاسراء: ۳۹)
اور نہ اپنا ہاتھ پوری طرح کھول دے کہ بیخبر ہے طاعت کیا اور احتیاط کیا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس بن شمس کے حطلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے درخت سے کھجوریں توڑیں اور کہا آج جو شخص بھی آئے گا میں اس کو کھلاؤں گا پھر وہ لوگوں کو کھجوریں کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی اور ان کے پاس ایک کھجور بھی باقی نہیں رہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (جامع البیان ج ۸ ص ۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت حکیم بن حزام جو بخاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا جائے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے میل سے کرو۔

(صحیح مسلم از کوثر ۹۵: ۱۰۴۳) ۲۳۴۸ سنن النسائی ج ۵ رقم الحديث: ۲۵۳۳ صحیح البخاری ج ۶ رقم الحديث: ۵۳۵۶
حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحال چھوڑے اور والا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کی ابتداء اپنے میل سے کرو بیوی کے گے مجھے کھلاؤ یا مجھے خلاق دو تو کر کے گائے مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو بیٹا کے گائے کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

(صحیح البخاری ج ۶ رقم الحديث: ۵۳۵۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۵ السنن رقم الحديث: ۵۱۰۷ مسند الترمذی رقم الحديث: ۱۲۳۲)
حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا صدقہ کرو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا تم کو زیادہ معلوم ہے یعنی تم کو زیادہ معلوم ہے تمہارے رشتہ داروں میں کون زیادہ ضرورت مند ہے؟ اس کو دو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحديث: ۲۱۹ سنن الترمذی ج ۵ رقم الحديث: ۲۵۳۳ مسند الشافعی ج ۲ ص ۳۳-۳۴ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۱ صحیح ابن حبان ج ۸ رقم الحديث: ۲۳۳۸ المستدرک ج ۱ ص ۲۵۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

حضرت طارق عمار بن جویہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا دینے والے کا ہاتھ بلند ہو تا ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے میل سے کرو۔ اپنی ماں اپنے باپ اپنی بہن اور اپنے بھائی کو دو۔ پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہوں اور جو ان سے قریب ہوں۔

(سنن الترمذی ج ۵ رقم الحديث: ۲۵۳۱ صحیح ابن حبان ج ۸ رقم الحديث: ۲۳۳۱ سنن دارقطنی ج ۲ رقم الحديث: ۲۵۵۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۸ المعجم الکبیر ج ۸ رقم الحديث: ۸۷۷ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳)

ان احادیث میں ماں باپ اور بیوی بچوں پر جو صدقہ کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اس سے مراد صدقہ نفل ہے کیونکہ صدقہ واجبہ کو ان پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس شخص کا دل مضبوط ہو اور اس کا نفس مستثنیٰ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو اور وہ اکیلا ہو اس پر ماں باپ بیوی بچوں اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری اور ان کی پرورش کا بار نہ ہو اور وہ مالی حقوق سے حطلق اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض ادا کر چکا ہو تو وہ اگر اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دے تو یہ جائز ہے اور اسراف نہیں ہے۔

امام عبد الرحمن بن محمد بن لوریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

بجائے نے کہا اگر تم ابو قیس (ایک پانٹا کے برابر سونا بھی اللہ کی اطاعت میں خیرات کر دو تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر تم ایک صلح (چار گلو) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کر دو تو یہ اسراف ہے۔ (ترمذی: ۷۹۳)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۳۹۹ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ کٹرہ ۱۳۱۷ھ)

امام ابو الشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ابو جہر نے بیان کیا کہ لوگوں نے ایاس بن معاویہ سے پوچھا اسراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تم اللہ کے حکم سے تجاوز کر دو تو یہ اسراف ہے۔ سفیان بن حسین نے کہا جب تم اللہ کے حکم میں کمی کر دو تو یہ اسراف ہے۔ (در مشور ج ۳ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے بعض قد آور مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کو تلاء) مویشی پیدا کیے اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھلو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الانعام: ۱۴۴)

مویشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید نعمتوں اور برکتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے سواری اور بوجھ لادنے کے لیے بڑے بڑے اور قد آور جانور پیدا کیے جیسے گھوڑے، اونٹ، بیل اور بھینسے وغیرہ اور چھوٹے جانور پیدا کیے جن کو زمین پر بچھاؤ ذبح کیا جا سکتا ہے جیسے بھیڑ، بکری اور دنبے وغیرہ۔ ان جانوروں سے دودھ حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری غذائی ضرورت پورا کرتے ہیں اور ان سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری لباس کی ضرورت پورا کرتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا صِلًا
أَيُّدِيًّا أَنْعَمْنَا لَهُمَ الْهَاجِلَ الْكُونِ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا
لَهُمْ فَمِنْهُمْ قَوْمٌ يَكْفُرُونَ ۝ وَلَهُمْ
مِنْهَا مَنَاقِعٌ وَمِنْهَا يَكُونُ لَكُمْ مَنَاقِعُ ۝

(یس ۷۳-۷۵)

وَأَن لَّكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ لِّتُؤْذِنُوا مِنَّا
فَإِذَا نُطِيرُهُمْ مِنْ تُبْنِي قَرْيَةٍ وَهِيَ لَبَا عَالِيًا
سَاءَ لِلَّذِينَ أُبْرِئُوا ۝ (الحمل ۱۴)

دودھ -

پھر اللہ تعالیٰ نے اس طرح غلہ جات اور پھلوں سے کھانے کا حکم دیا تھا اسی طرح اب ان مویشیوں سے کھانے اور ان کا دودھ پینے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ درخت اور کھیت ہوں یا مویشی سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کے لیے پیدا فرمایا ہے سو اس کو چاہیے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ارشاد ہے

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا
إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ
السَّعِيرِ ۝ (اعطاف: ۶)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اس کو دشمن ہی بنائے رکھو وہ اپنے گردہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالشُّبُهَةِ وَالْعَهْكَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۴۵) اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا جس کو تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے 'دو بھیڑ کی قسم سے' اور دو بکری کی قسم سے 'آپ کہئے کہ کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں' یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو O اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو پیدا کیے۔ آپ کہئے کہ کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں' یا وہ جسے وہ دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں' یا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا' سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا؟ جو اللہ پر انفرادی دازی کرے' تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الانعام: ۱۴۴-۱۴۳)

مناعروہ اور قیاس کی اصل

وہ مویشی جو دراز قد اور کوتلہ قد ہیں ان کی آٹھ قسمیں ہیں۔ جن میں سے ایک لونٹ اور اونٹنی کا جوڑا ہے 'دوسرا بیل اور گائے کا جوڑا ہے' تیسرا مینڈھا اور بھیڑ کا جوڑا ہے اور چوتھا بکرے اور بکری کا جوڑا ہے اور یہ کل آٹھ عدد ہیں۔

شرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ 'سائب' 'دوبیلہ' اور عام بنار کے تھے اور عام لوگوں کے لیے ان پر سواری کرنا بوجھ لادنا ان کو کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول مکرم چھوڑ آپ ان سے پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو نر حرام کیے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ نے نر کی صنف حرام کر دی ہے تو تم نر جانور کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے مادہ کی صنف حرام کر دی ہے تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے دونوں حرام کر دیئے ہیں تو پھر تم نر اور مادہ دونوں کیوں کھاتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مستحکم کرنے کے لیے فرمایا کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے اور اگر تم سچے ہو تو بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم ہانڈ کی تھی یا کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہے تو پیش کرو' ان آیتوں میں علمی مباحث اور مناعروہ کے جواز پر دلیل ہے اور اس میں قیاس کی بھی اصل ہے کہ اگر اللہ نے مذکور کو حرام کیا ہے تو ہر مذکور حرام ہے اور اگر مونٹ کو حرام کیا ہے تو ہر مونٹ حرام ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى

آپ کہئے کہ میری طرف سے جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے

طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ

دلیے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار بھرا یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا

خَنَزِيرٌ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمِنْ اضْطَرَّ

گوشت ہو کیوں کہ وہ نجس ہے یا بہ طور تاخرانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجھ

غَيْرِ يَاسِغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ وَعَلَى الَّذِينَ

ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو جب تک آپ کا یہ بہت تجسس والا بے حد رگم فزنیے والا ہے ○ اور یہودیوں پر

هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا، اور ہم نے ان پر لگانے اور بکری کی چربی حرام کر دی

شُحُومُهُمَا إِلَّا مَا حَبَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ

نقی ، مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر جو یا جو چربی ان کی ہڈی

بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٣٦﴾ فَكَانَ

پڑھو! یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں ○ پس اگر وہ آپ

كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبِّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۖ وَلَا يُرْدِي بَأْسُهُ عَنِ

کی تکذیب کریں تو آپ مجھے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا فذاب جرم کرنے

الْقَوْمِ الْمَاجِرِينَ ۝ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

دلوں سے ٹالا نہیں جاسکتا ○ اب مشرک یہ کہیں تھے کہ اگر اشد چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے

أَشْرَكْنَا وَلَا أَبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ

باپ دادا اور ذہم کسی پمیز کو حرام قرار دیتے ، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ

بھی تلمذ کی تھی خلیج کہ انہوں نے چارہ خدایاں چکھا، آپ کیسے کیا تھا اسے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو)

فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا خُرُوصٌ ^(١٢٨)

اس کو ہائے سامنے پیش کرو، تم صرف غن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض انگل پچوسے بات کرتے ہو ○

فَلْيَفِئِدْهُ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٩﴾

آپ کہیے کہ قری دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، پس اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دیتا ○

قُلْ هَلْ مَشَهِدَآءُ كُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا

آپ بکے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کر دو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا

یہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اسے مخاطب) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا

بِآيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرِيْهِمْ يَحْدِلُوْنَ ﴿١٥٠﴾

جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں (۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا وہ مردار ہو، یا بیاہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا یہ طور یا فرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے حد پر ہم قربانے والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۵)

قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل

زمانہ جاہلیت میں کفار اور مشرکین بعض اشیاء کو از خود حلال کہتے اور بعض اشیاء کو از خود حرام کہتے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کسی چیز کا حلال کرنا اور کسی چیز کا حرام کرنا صرف وحی سے معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں صرف چار چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ مردار، بیاہوا خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان کی تفسیر ہم البقرة: ۱۷۳ اور المائدہ: ۳ میں تفصیل سے کر چکے ہیں ان کا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ سورت کی ہے اس لیے اس میں صرف ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں اور بھی کئی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے بعض دیگر جانوروں اور شراب کی حرمت کا بیان المائدہ میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخَيْزُرِيِّ وَمَا اِهْلَ لِيَقْبِرِ الْكَلْبِ وَالْمُنْحَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْدَةُ وَالْمُسْتَرْذِيَّةُ وَالسَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا دَكَّبْتُمْ وَمَا ذُبَحَ عَلَى التُّصَبِّ اَنْ تَسْتَفِيْمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فَنَسَى

(المائدہ: ۳)

(ان چیزیں) تم پر حرام کر دی گئی ہیں مردار، خون، خزیر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور جس کا گلگٹ گیا ہو اور جو ضرب سے مارا گیا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور سینک مارا ہو اور جس کو درد نے کھالیا ہو سو اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بھٹوں کے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور جو بھٹوں کے خیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا بھی تم پر حرام کیا گیا ہے۔ یہ سب کام مکنا ہیں۔

اسے ایمان والا شراب، جو اہل بیت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر (سب) ٹپاک ہیں۔ شیطان کاموں سے ہیں سو تم ان

بِآيٰهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَلَمْ تَرَ اَلَمْ تَعْمُرُوْا السَّبِيْرُوْا اَلْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رَجُلٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

تبیان القرآن

فَاَحْسَبُوْهُ لَكُمْ تَعْلِيْحُوْنَ (المائدہ: ۹۰) سے بچنا کہ کاساب ہو جائے۔

اور نبی ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابو نعبلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر چکیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۷' رقم الحدیث: ۵۷۸۱، ۵۷۸۰، صحیح مسلم، المصيد والذبايح '۱۳' (۱۹۳۲)، ۳۹-۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر چکیوں والے درندے اور ہر ناخن والے پرندے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم، المصيد والذبايح '۱۴' (۱۹۳۳)، ۳۹-۴۰، سنن ابو داؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۰۳، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۳۳، موطا امام مالک 'رقم الحدیث: ۵۵۷۵)

حضرت ابو نعبلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمادیا۔

(صحیح البخاری 'ج ۷' رقم الحدیث: ۵۵۷، صحیح مسلم، المصيد والذبايح '۲۳' (۱۹۳۶)، ۳۹-۴۰، سنن الترمذی 'ج ۷' رقم الحدیث: ۳۹۳۴)

حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گدھ کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(سنن ابو داؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار مچھل اور ٹڈی ہیں اور دو خون بھیجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۳، مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن جانوروں کو سمندر پھینک دے یا جن سے پیچھے ہٹ جائے ان کو کھالو لور جو جانور سمندر میں مر جائیں اور حر کر اوپر آجائیں ان کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابو داؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۳۷)

کائٹے والے کتے 'سلاپ'، بچھو، قیل اور کوے کو نبی ﷺ نے حرم اور غیر حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۸۳) اس لیے ان کو کھانا بھی حرام ہے۔

حشرات الارض اور بول و براز اور دیگر برہم کی نجاست کے حرام ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

مچھلی کو کھانا بلا مشق حلال ہے اور مچھلی کے علاوہ بقیہ دریائی جانوروں میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہیں کیونکہ وہ سب خبیث ہیں یعنی طبع سلیم ان سے خطر ہوتی ہے اور خبیث چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

(حدیث ابن ماجہ 'ص ۳۴۲)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيْسَ وَ يَحْزِرُ عَلَيْهِمُ
التَّعَابِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

وہ نبی مای ان کے لیے حرام چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں، مگر ان کے جن کی مثل خشکی میں حرام ہے۔ مثلاً خرمیہ (حاشیہ اللہ سنی 'ج ۲' ص ۵۵) امام احمد کے نزدیک بھی مچھلی سمیت تمام جانور حلال ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک مینڈک کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن الترمذی) اور یہ اس کی تحریم کی دلیل ہے اور مگر مچھلور کو ج (ایک قسم کی مچھلی جس کی سونڈ پر آرا ہوتا ہے) کو کھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ 'ص ۳۴۲)

ج ۹ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا جائز ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے مینڈک کے کھانے کو بھی جائز کہا ہے۔ (المذنب ج ۲ ص ۱۵۰)

ائمہ خلافت کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِئَلَّيْتَبَارُوا (المائدہ ۹۷)

تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔

اور اس حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیا سے وہ جائیں گے کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ آپ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا موائہ حلال ہے۔

(سنن الترمذی ج ۱ رقم الحدیث: ۶۸ سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۸۳ سنن نسائی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۰ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۳۸۶ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۳ المستدرک ج ۱ ص ۳۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۳ المستطی رقم الحدیث: ۳۳ سند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۲۳ طبع جدید سند احمد ج ۲ ص ۲۳ طبع قدیم)

علامہ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر ہو یا جو چربی ان کی ہڈی پر ہو یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ (الانعام: ۱۳۶)

بعض الفاظ کے معنی

دی طعمر: ناخن والے اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ نہ ہوں۔ جیسے اونٹ اور دیگر مویشی اس کے برخلاف پھانسنے والے درندوں کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ ہو جاتے ہیں جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔ شحم کا معنی ہے چربی اور الحواہا الخویہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے آنت انتڑی۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناخن والے جانوروں سے مراد اونٹ شتر مرغ اور اس قسم کے دیگر چوپائے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد اونٹ شتر مرغ اور پرندے ہیں۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۸۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے خمر (شراب) فروخت کی ہے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو قتل کرے وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی انہوں نے اس کو پکھلایا اور پھر

فروخت کر دیا۔ (صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۲۳، صحیح مسلم، المصاب: ۲۲، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۰) اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو جو اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا حرام کیا۔ کیونکہ وہ انبیاء عظیم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور سوار کھلتے تھے اور دیگر ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے اور یہ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی چیز کو حرام نہیں کیا مگر اس کے جس کو حضرت یعقوب نے خود اپنے نفس پر حرام کیا تھا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ماضی کی خبر دی تھی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شک ہم اس خبر میں ضرور سچے ہیں اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ نے یہودیہ کو ماضی کی ایسی بات کی خبر دی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اور جس کو جاننے کے لیے وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب جرم کرنے والے لوگوں سے بڑا نہیں جاسکتا۔ (الانعام: ۱۳۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ یہودیہ آپ کی تکذیب کریں جو ہم نے آپ کو ابھی بیان کی ہے کہ ان کی سرکشی کی بنا پر ہم نے ان پر کیا کیا حرام کر دیا تھا تو آپ کہئے ہمارا رب سب پر رحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے۔ خواہ وہ اس پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ نیک ہوں یا بدکار۔ وہ نہ کافروں کو جلد پکڑتا ہے نہ گنہگاروں سے جلد انتقام لیتا ہے اور وہ ایمان لائے والوں اور اطاعت گزاروں کو پونہی نہیں چھوڑ دیتا اور ان کو ان کے اعمال کے ثواب سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن جب مجرموں کی بد اعمالیوں کی سزا دینے کا وقت آئے گا تو پھر اس کے عذاب کو کوئی ان سے مل نہیں سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب شرک یہ کیسے گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب پکھل آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو) اس کو ہمارے سامنے پیش کر دو تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض اٹکل بچے سے بات کرتے ہو۔ (الانعام: ۱۳۸)

شرکیں کے شبہات کا جواب

جہاد نے کہا کہ کفار قریش نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ وہ بحیرہ، سائبہ اور وسیلہ وغیرہ کو حرام قرار دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمارے آباء و اجداد کی طرف رسول بھیجتا جو ان کو شرک سے منع کرتا اور ان جانوروں کو حرام قرار دینے سے منع کرتا اور وہ ان کاموں سے رک جاتے پھر ہم بھی ان کی اتباع کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ جس طرح تم کہہ رہے ہو ماضی میں ایسا ہی ہوا تھا اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب پکھل یعنی جس طرح کفار مکہ نے نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دیئے ہوئے دلائل کی تکذیب کی ہے اسی طرح پہلے بھی شرکیں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی بنیاد بھی کوئی علم اور عقل کی دلیل نہیں تھی۔ وہ بھی محض ظن اور اٹکل بچے سے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور اگر ان کا یہ قول صحیح ہو تا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب کیوں نازل فرماتا اور ان کو صفحہ ہستی سے کیوں مٹا دیتا یعنی جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے

ان کی طرف رسول بھیجے تھے جنہوں نے ان کو شرک اور خود ساختہ تحریم سے منع فرمایا تھا۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، پس اگر وہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام: ۱۵۴)

جبریہ کا رد اور ابطال

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایسی دلیل جو تمام شکوک و شبہات کو بخوبی سے اکھاڑ دے، صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس آیت میں یہ بھیہ ہے کہ اللہ واحد ہے، اس نے رسولوں کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا اور ہر ملک پر اپنے احکام کو لازم کیا ہے اور ان کو ملک کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں، ورنہ اگر وہ چاہتا تو جبراً سب انسانوں کو مومن بنا دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دلاوا، نہ وہ بھارت وغیرہ کو حرام قرار دیتے، کیونکہ اس قسم کا ایمان اللہ تعالیٰ کا مطلوب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں، حق اور باطل کو جانیں، ٹھکرے اور کھولے کو پہچانیں۔ انبیاء و علیہم السلام کی تعلیمات اور شیطان کے دوسوں میں فرق محسوس کریں اور اپنے اختیار سے برے کاموں اور بری باتوں کو ترک کریں اور شیطان کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے کو اختیار کریں۔ وہ جس چیز کو اختیار کریں گے، اللہ اسی چیز کو پیدا کر دے گا۔ ان آیتوں میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا، بخار بنایا ہے اور ان میں جبر کے مذہب کا رد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے قاضی) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دنا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(الانعام: ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ جو جھوٹی شہادتیں دیتے ہیں کہ ہم نے کھانا، شراب وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، وہ اس پر کوئی گواہ لائیں اور کوئی شہادت پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی پر اس حکم کو نازل کیا تھا یا فلاں کتاب میں یہ حکم نازل ہوا ہے اور اگر بالفرض وہ کوئی جھوٹی شہادت پیش کر دیں تو اے مسلمانو! تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور جو لوگ فوائد اور منافع کے حصول اور مصائب اور نقصانات سے بچنے کے معاملہ میں اپنے بچوں اور جھوٹے معبودوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، ان کی موافقت نہ کرنا۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَن تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

آپ کہیے کہ اؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تم سے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ

يَا أُولِي الدِّينِ احْسَنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِمْلَاقٌ تَحْنُ

دو، اور مال باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اللہ اپنی اولاد کو رزق میں کسی کی وجہ سے قتل نہ کرے، ہم کہیں بھی

نَزَرُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ

دزدی لیتے ہیں اللہ ان کو بھی ، اور سبے حیاتی کے کاروں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ

پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو ، یہی وہ کام ہیں

وَصُكُّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

جن کا اللہ نے تم کو نوکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ۱۵۱ اور اچھے طریقہ کے بغیر یتیم کے مال کے

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ

قریب نہ جاؤ حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری تاپ تول

بِالْقِسْطِ لَأَنْكَلِفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا

کرد ، ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَيَعْهَدُ اللَّهُ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصُكُّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

کہو ، خواہ وہ تمہارے قریبیت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو ، یہی وہ امد ہیں جن کا تمہیں اللہ نے نوکد حکم دیا ہے

تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾ وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۱۵۲ بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راہ پر چلو ، اور دوسرے راستوں پر

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصُكُّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

نہ چلو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے ، اسی بات کا اللہ نے تمہیں نوکد حکم دیا ہے تاکہ

تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ

تم (مگراہی سے) بچو ۱۵۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ

کام کیے دراکں مالیک وہ ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کے ملاقات پر

يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۳﴾

ایمان سے آئیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں؟ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو، اور میں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو منکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○ اور اچھے طریقہ کے بغیر مال خیم کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری ٹاپ تول کر ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق ملک کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کو تو انصاف کے ساتھ کو، خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرنا، یہی وہ امور ہیں جن کا اللہ نے تمہیں منکد حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الانعام: ۱۵۲-۱۵۱)

اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ مشرکین نے بعض کاموں اور بعض چیزوں کو از خود حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام فرمائی ہیں؟ ان وہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے اور ان کی ضد کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ وہ ان چیزیں یہ ہیں:

(۱) اللہ کا شریک قرار دینا۔ (۲) ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنا۔ (۳) اولاد کو قتل کرنا۔ (۴) بے حیائی کے کام کرنا۔ (۵) ناحق قتل کرنا۔ (۶) خیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا۔ (۷) ٹاپ تول میں کمی کرنا۔ (۸) ناحق بات کرنا۔ (۹) اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرنا۔

ان نو کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور ان کی ضد اور ان کے خلاف کرنے کو فرض اور واجب فرمایا ہے۔ ہم ان میں سے ہر ایک کی تدریس تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

شرک کا حرام ہونا

بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَسْنَمُوا لِلَّهِ ۖ فَإِنْ لَمْ يَتَّبِعُوا أَبَاكَ فَأَنْتَ جَاهِلٌ مُّذِلٌّ ۖ (الانعام: ۷۴) اور جب ابراہیم نے اپنے (عمی) باپ آزر سے کہا کیا تو

اللہ کے سوا اور بتیں ستاروں کی پرستش کرتے تھے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

فَلَمَّا أَفْلَحَ قَالَ لَوْلَا أُحِبُّ الْآفِلَاقَ ۚ (الانعام: ۷۵) پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں اداؤں کو پسند کرتا تھا۔

بعض مشرکین جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ ۖ (الانعام: ۱۰۰) اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا۔

بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَعَرَفُوا آلَهُ بَنِيهِمْ وَيَسَاطِئَهُمْ يُغْتَابِرُ عَلَيْهِمْ
 (الانعام: ۳۰) لیں۔

اور انہوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گنہ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کا شریک ممانع حرام ہے۔ اور یہ ایسا گنہ ہے جس کی آخرت میں معافی نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گنہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا بے شک یہ بہت بڑا گنہ ہے۔ پھر کون سا بڑا گنہ ہے؟ آپ نے فرمایا پھر یہ ہے کہ تم اپنی لولہ کو اس خوف سے قل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھٹا کھائیں گے۔ میں نے پوچھا پھر کون سا گنہ بڑا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تم اپنے پردہ کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح ابوداؤد: ج ۵، رقم الحديث: ۴۷۷۷، صحیح مسلم: ج ۱، ص ۳۱، سنن ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۴۲۳۰، سنن الترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۷۳۳، سنن نسائی: ج ۲، رقم الحديث: ۳۴۰، سنن کبریٰ للعلانی: ج ۲، رقم الحديث: ۳۹۸۷)

والدین کے ساتھ بد سلوکی کا حرام ہونا

اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے، کیونکہ انسان پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کے بعد انسان کے لوہے میں باپ کا احسان ہے، کیونکہ انہوں نے اس کی پرورش کی اور جب وہ بہت چھوٹا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اس وقت اس کو ضائع ہونے سے بچایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا ہے اور اپنا شکر ادا کرنے کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا مَّا بَلَغَ مِنْ ذَكَرٍ
 الْكَبِيرِ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا
 أُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۚ
 اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
 رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ۝۱۷

اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک رکھو، اگر تمہارے
 سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں
 اف نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے
 بات کرنا اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے
 رہنا اور یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما
 جیسا کہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (نیکی کا) حکم
 دیا ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے
 ہوئے اس کو بیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ پھونکا اور برسی میں
 ہے (وہ حکم یہ ہے کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر دو (تم
 نے) میری ہی طرف لونا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے پوچھا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان سے نیک سلوک کرو۔ (صحیح مسلم: ج ۲، ص ۳۹۹، سنن ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۴۲۳۰)

والدین کے ساتھ نکلی یہ ہے کہ من کی قربانیوں اور اطاعت کی جائے من کا لوب اور احرام کیا جائے۔ من کی ضروریات پوری کی جائیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا جائے۔ اگر وہ ظلم کریں پھر بھی ان کی اطاعت کی جائے۔ البتہ اخیر شرعی احکام میں ان کی اطاعت نہ کی جائے پھر بھی من کے ساتھ نرمی رکھی جائے اور اگر وہ فوت ہو جائیں تو من کی قبر کی زیارت کی جائے اور ان کے لیے استغفار کیا جائے۔

قتل اولاد کا حرام ہونا

زمانہ جاہلیت میں بعض مشرکین رزق میں کمی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض عمار کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا اور بعض لوگ عمل تنزیہ کے وقت عزل کرتے تھے۔ (یعنی انزال کے وقت اندام نسلی سے آگے باہر نکل لینا)

بعض مسلمان بھی عزل کرتے تھے، نبی ﷺ نے عزل کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنو مصلح میں گئے۔ ہم نے عرب کی خوبصورت عورتوں کو قید کر لیا، ہمیں اپنی بیویوں سے الگ ہوئے کافی دن گزر چکے تھے، ہم نے چاہا کہ مشرکین سے فدیہ لے کر ان عورتوں کو چھوڑ دیں اور ہم نے یہ بھی چاہا کہ ان عورتوں سے جسٹنی فائدہ بھی حاصل کریں اور عزل کر لیں (یعنی انزال کے وقت آگے باہر نکل لیں) تاکہ حمل قائم نہ ہو (پھر ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو کیوں نہ ہم آپ سے اس کا حکم معلوم کر لیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ایسا نہ کرو کیونکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے جس روح کے پیدا ہونے کے متعلق حکم دیا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحديث: ۵۸۰۰، صحیح مسلم، تکرار: ۳۵، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۴۲، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحديث: ۵۴۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے، وہ ہماری غلامہ ہے اور ہمارے لیے پانی لاتی ہے۔ میں اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہوں اور اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو، بے شک جو کچھ مقدر کیا گیا ہے وہ غریب ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور اس نے کہا وہ باندی حاملہ ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جو کچھ مقدر ہو گیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ (صحیح مسلم، تکرار: ۳۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۴۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا، سفیان نے کہا اگر یہ کوئی ممنوع چیز ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے منع کر دیتا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحديث: ۵۸۰۰، صحیح مسلم، تکرار: ۳۶، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۰۰، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۵۴۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث: ۴۴۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے، نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم، تکرار: ۳۸، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۴۵)

عزل کیا جائے یا کسی اور جدید طبی طریقہ سے ضبط تولید کا عمل کیا جائے تو بلا ضرورت شرعی وہ مکروہ ہے اور اگر عقلی رزق کے خوف کی وجہ سے یا لڑکیوں سے عمار کی بنا پر عزل کیا جائے تو حرام ہے اور اگر کوئی نیک مسلمان ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر ضبط تولید پر

عمل نہ کیا گیا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے تو پھر یہ عمل واجب ہے اور اگر اس کے بھار ہونے کا فائدہ ہو تو پھر عزل کرنا جائز ہے۔
اس کی پوری تفصیل ہم (الانعام: ۱۵۴) کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔
بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت کوئی زانیہ کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۷۸، صحیح مسلم، ایمان ۱۰۰، ۵۷۱، ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اور عین بار فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو قوم لوط کا عمل کرے۔

(شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قاتل اور منقول بہ کو قتل کر دو اور اس کو جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے۔ (شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کا ذکر کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ بوزحازانی اور محمود عکران اور حکیم فقیر۔

(صحیح مسلم، ایمان ۱۷۲، السنن الکبریٰ ج ۳، رقم الحدیث: ۷۱۳۸، شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۰۵۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سرسبز میٹھی ہے اور بے شک اللہ ہمیں اس میں خلیفہ بنائے والا پھر دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو؟ سنو دنیا کے فتنہ سے بچو اور عورتوں کے فتنہ سے بچو۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح ابن ماجہ ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لاحقہ پائے گا؟ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس تمنا کرنا اور اشتہاء کرتا ہے اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۳۳، صحیح مسلم، قد ۲۰، ۶۶۲۹، ۲۶۵۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۵۲)

حضرت ابوالمہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو دیکھے اور پھر اپنی نظر پھیرے تو اللہ اس کے دل میں عیادت کی حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۳۱)

حسن بن زکوان کہتے تھے کہ خوبصورت بے ریش لڑکے حسین و شیرازوں سے زیادہ فتنہ انگیز ہیں۔

(شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۹۷)

قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام

قتل ناحق کو سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ قتل برحق کون کون سے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مائیں زکوٰۃ سے قتل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر انہوں نے یہ کر لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا، ماسوائے ان کے حقوق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵، صحیح مسلم، ج ۲، ۳۶، ۳۸، ۴۲)

اور مرتد، شادی شدہ زانی اور مسلمان کے قاتل کو بھی قتل کرنا برحق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان شخص کو جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں (اس کو قتل کرنا صرف تین میں سے ایک وجہ سے جائز ہے۔ شادی شدہ زانی ہو، کسی مسلمان کا قاتل ہو اور دین اسلام کو ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے نکلے والا ہو۔

صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، ج ۲، ۲۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۵۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۷، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۰۹۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، ایک خلیفہ کے انعقاد کے بعد اگر دوسرے خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴) جو شخص قوم بوط کا عمل کرے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بس کو قوم بوط کا عمل کرتے دیکھو تو قاتل اور مفعول بہ کو قتل کر دو۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۴۶۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۶۱) جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس شخص کو قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۴۶۳، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۲) اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ذاکو کو قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا جَزَاءُ الْاَشِدَّائِ الْمُنَافِقِينَ يُجَادِلُونَ اللَّهَ وَرَسُوْلَهُ وَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُقَتَّلُوْا اَوْ
يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ وَنُصِبَ
رُءُوسُهُمْ اَوْ يُنْفَخُوْا فِي الْاَرْضِ (المائدہ: ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور
زمین میں فساد کرتے ہیں، ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا
جائے، یا ان کو سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیے
جائیں اور ان کو شہرہ کر دیا جائے۔

اگر ذاکوؤں نے مل بھی لوثا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے اور اگر انہوں نے صرف مل لوثا ہو تو ان کے ہاتھ
اور پیر کاٹ دیے جائیں اور اگر انہوں نے صرف دھمکیاں دیں تو ان کو شہرہ کر دیا
جائے۔ جو لوگ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کریں، ان کو بھی قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ تَعَتَّى اَحَدُكُمْ مَّا عَلَيَّ الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا

اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرے

الَّتِي تَبِيعَتْ حَتَّى تَوْبَتِ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ
تو باقی جماعت سے قتال کرو، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف
(الحجرات: ۹) لوٹ آئے۔

جو شخص چوٹی بار شراب پیئے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت معلوہ جیٹو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خمر (شراب) پیئے اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر وہ
چوٹی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۳۴۸۳، مصنف عبد الرزاق ج ۹، رقم الحديث: ۱۷۰۸، مسند احمد ج ۶، رقم الحديث: ۱۸۵۹، سنن
ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۴۴۸۳، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحديث: ۲۴۳۶، سنن کبریٰ للعلانی ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۹۷، سنن کبریٰ
للمصنفی ج ۸، ص ۳۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۵۷۳)
ذی کو قتل کرنا ناجائز ہے اور ذی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان (وجوب
قصاص میں) ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ ان میں سے کوئی اپنے حق کی سزا کرے گا (یعنی کسی کو پتہ دے گا) اور ان میں سے بعید
بھی کسی کو پتہ دے سکے گا اور وہ ایک دوسرے کی معلومت کریں گے۔ ان کے قوی کو ان کے ضعیف کے پاس لٹایا جائے گا اور
فکری کو بیٹھے والے پر لٹایا جائے گا اور کسی مومن کو کافر (حرب) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ذی کو اس کے عہد میں
قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۲، سلیم بن دلوال کو روایت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذی کے بدلہ میں قتل کر
دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی ج ۳، رقم الحديث: ۲۴۳۲، سنن کبریٰ للمصنفی ج ۸، ص ۳۰)

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہم نے قتل برحق کی یہ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۳) مرتد کو قتل کرنا۔
(۴) شادی شدہ زانی کو شکار کر کے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قتل کرنا۔ (۶) ایک غلیفہ منعقد ہونے کے بعد
دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے عمل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) چادر کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کو
قتل کرنا۔ (۹) ذاکو کو قتل کرنا۔ (۱۰) چوٹی بار شراب پیئے طے کو قتل کرنا۔ (۱۱) ذی کے قاتل کو قتل کرنا۔

مسلمان اور ذی کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور باقی (۹) کو تعزیراً قتل کیا جائے گا اور ان کو قتل کرنا حکومت کا
منصب ہے۔ حوام میں سے کسی شخص کو انیس قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے، مسلمان کے قاتل پر قرآن مجید اور احادیث میں سخت
وعیدیں ہیں، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

قتل مومن پر وعید

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا قَحْرًا ۖ جَهَنَّمَ
حَالِدًا فِيهَا ۖ يَسْتَوِي ۖ عَصَبَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ
وَلَعَنَ لَهُ عَدَاؤُهُ عَظِيمًا (النساء: ۹۳)

جو شخص کسی مومن کو عداوت سے قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے
جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر
لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا
ہے۔

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر لائے گا اور آنحضورؐ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا وہ کہے گا کہ اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا حضرت ابن عباس کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوئی ہے نہ تبدیل ہوئی ہے اس کی توبہ کہاں سے ہوگی! امام احمد، امام نسائی اور امام ابن المنذر نے حضرت معلو یہ جہڑی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ معاف فرما دے گا سو اس شخص کے جو کفر مرے اور سو اس شخص کے جو کسی مومن کو عداوت قتل کرے۔ امام ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ جہڑی سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا قیامت کے دن جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ امام سعید بن منصور، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ابو مجلز نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے اگر اللہ چاہے گا تو اس کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔

(در مشورہ ج ۲ ص ۶۲۸، ۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سورہ نساء میں فرمایا ہے اور یتیموں کو جانچتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں عقل مندی (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور ان کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھلاؤ اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ (النساء: ۶)

سورہ نساء کی اس آیت میں ان کی بدنی قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اور ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس نید سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ان میں عقل مندی کے آثار دیکھو کیونکہ اگر جوان ہونے کے بعد یتیم کامل اس کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ ذہین اور عقل مند نہ ہو تو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں اور شوق کو پورا کرنے میں سارا مال ضائع کر دے گا اور اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا اس لیے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے مال اس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس عمر کے تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا وہ بالغ ہو جائے۔ اہل مدینہ نے کہا وہ بالغ بھی ہو اور اس میں سمجھ داری کے آثار بھی ظاہر ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عمر پچیس سال ہے۔

یتیم کامل ناجائز طور پر کھانے کے متعلق بہت سخت وعید ہے۔

إِنَّ الْيَتِيمَ بَاكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا
وَأَنَّمَا بَاكُلُونَ فِيهَا يَغْطَوِيهِمْ تَارًا وَسَبْعَلُونَ
سَعِيرًا (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے
جنوں میں محض آگ بھڑک رہے ہیں اور وہ عذریب بھڑکتی ہوئی
آگ میں پھنسیں گے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام ابن حبان اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ جہڑی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور آنحضورؐ ان کے مومنوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو

لوگ قیہوں کامل ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھری ہے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے اور وہ نور نور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق قیہوں کامل کھاتے تھے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار ایسے شخص ہیں کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور نہ ان کو کوئی نعمت چکھائے۔ دائم الخمر، سو خور، قیہ کامل ناحق کھانے والا اور میں ہاپ کا نافرمان۔ (در مشورہ ج ۳ ص ۴۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ)

ناپ تول میں کمی کا حرام ہونا

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَلَا تَقْصُرُوا الْوَيْزَ وَالْوَيْزَ الْأَمِينُ (ہود: ۸۴)

اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو

وَلْيَقْصُرُوا الْوَيْزَ الْأَمِينُ بِالْقُسْطِ

اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے انہیں نقصان نہ پہنچاؤ۔

لَا تَحْسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ (ہود: ۸۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا اور جس قوم میں بہ کثرت زنا ہوگا ان میں بہ کثرت موت ہوگی اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو قوم ناحق پھیلے کرے گی ان میں بہت خون ریزی ہوگی اور جو قوم حد شکنی کرے گی اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ (سوطی الام مالک رقم الحديث: ۴۹۸)

ناحق بات کا حرام ہونا

بِأَثَرِ الْيَوْمِ آمَنُوا كَوْنُوا كَوَّامِينَ
بِالْقُسْطِ شَهِدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ
الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ أَنْ يَكُونَ عِيبًا أَوْ قُبُورًا
قَالَ اللَّهُ أُولَئِكَ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ
تَعْدِلُوا (النساء: ۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ اور تمہاریک اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو خواہ (وہ گواہی) خود تمہارے خلاف ہو یا والدین کے یا رشتہ داروں کے۔ (جس کے حلق گواہی دی ہے) خواہ وہ ماند ار ہو یا فقیر اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ لہذا تم اپنی خواہش کی پیروی کر کے عدل سے گریز نہ کرو۔

میں تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاحْشَوْنِي

(المائدہ: ۴۴)

حضرت طارق بن شلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے رکاب میں چر رہے ہوئے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کون سا جملہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہنا

(سنن النسائی ج ۲ رقم الحديث: ۴۲۲۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظالم حکمران کے سامنے کھڑے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں جانب متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے کی طرف شیطان دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ہے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ (الانعام: ۱۵۳)

(سنن دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث ۲۰۲، سند احمد 'ج ۳' رقم الحدیث ۳۱۳۲، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث ۱۱، مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس آیت میں دو سرے راستوں سے مراد بدعت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا علم کے انھنے سے پہلے علم کو حاصل کر لو اور علم کا اٹھنا یہ ہے کہ اصحاب علم اٹھ جائیں گے۔ علم کو حاصل کرو کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کب علم کی ضرورت پیش آئے گی۔ تم غریب کچھ لوگوں کو دیکھو گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ ہمیں اللہ کی کتاب کی طرف بلارہے ہیں، حالانکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لہذا تم علم حاصل کرو اور بدعات سے بچو اور تم مہلک آرائی سے اور گمراہی میں جانے سے بچو، اور قدیم نظریات کے ساتھ وابستہ رہو۔ (سنن دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث ۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حضرت عرواض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت کی اور وہ بہت موثر نصیحت تھی جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوفزدہ ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو ابوداع ہونے والے شخص کی نصیحت ہے۔ آپ ہم کو کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکم کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ جشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص بعد میں زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تم نئی باتوں میں پڑنے سے بچنا کیونکہ نئی باتیں گمراہی ہیں۔ تم میں سے جو شخص دین میں نئی باتیں دیکھے وہ میری سنت کو لازم کر لے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کرے اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑو، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث ۲۷۸۵، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث ۳۶۰۷، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث ۳۲، سنن

دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث ۵۵، سند احمد 'ج ۶' رقم الحدیث ۵۵۵۵، المستدرک 'ج ۱' ص ۱۶۷-۱۶۸)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ محمد الدین ابن الاثیر محمد جزیری متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے متعلق فرمایا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث ۲۴۰۰)

بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حدی اور بدعت ضلال، جو نیا کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے

خلاف ہو وہ مذموم ہے اور لائق انکار ہے، اور جو نئے کام اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے عموم استنباب میں داخل ہوں اور جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے براہ کھینچ کیا ہو، وہ کام لائق مدح ہیں اور جن کاموں کی پہلے مثال موجود نہ ہو جیسے جو دو سخا کی اقسام اور دیگر نیک کام تو وہ افعال محمودہ سے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کام احکام شرع کے خلاف ہوں، کیونکہ نبی ﷺ نے ایسے کاموں کے لیے ثواب کی خبر دی ہے، سو آپ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس کا اجر ملے گا

اور جو اس طریقہ پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا صحیح مسلم 'رقم الحدیث ۱۱۰۱' اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اسے اس کا کٹہہ ہو گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور یہ اس وقت

ہو گا جب وہ نیا کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے، یہ پہلی قسم سے ہے اور جب کہ نیک کام لائق مدح ہیں تو حضرت عمر نے اس تراویح کو بدعت فرمایا اور اس کی تعریف کی۔ تراویح کو حضرت عمر نے بدعت اس لیے فرمایا کہ نبی ﷺ نے تراویح کو مسلمانوں کے لیے سنت نہیں کیا، آپ نے چند راتیں تراویح پڑھیں، پھر اس کو ترک فرمادیا اور اس کی حفاظت کی، نہ اس کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا، اور نہ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی جماعت کرانے کا اہتمام کیا اور اس کی دعوت دلی، اس وجہ سے حضرت عمر نے اس کو بدعت فرمایا اور یہ درحقیقت سنت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ابوداؤد، رقم المسند ۷۷۶۰) اور فرمایا میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرو اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے ہر نیا کام بدعت ہے اس سے مراد دین میں وہ نئے کام ہیں جو شریعت کے قواعد کے خلاف ہوں اور سنت کے موافق نہ ہوں اور بدعت کا زیادہ تر استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔ (نیلۃ الجہان، ص ۶۶۰، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۷ھ)

علامہ محمد طاہر مہنی متوفی ۱۳۸۶ھ نے بھی بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ بعض بدعات واجب ہوتی ہیں، جیسے متکلمین کا اسلام کی حقانیت اور گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں جیسے علمی کتابوں کی تصنیف کرنا، دینی مدارس کو بنانا اور تراویح اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں، جیسے الوداع والقسام کے نئے نئے کھانے۔ (مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۶۸-۶۹، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان، الدین، النور، ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض بدعات واجب ہوتی ہیں جیسے گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور کتاب و سنت کو سمجھنے کے لیے علم نحو کو پڑھنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں، جیسے سرائے اور مدرسے بنانا اور ہر وہ نیک کام جو اسلام کے ابتدائی عہد میں نہیں تھا، اور بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں جیسے مساجد کو مزین کرنا اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزیں اور عمدہ کپڑے۔ علامہ طحاوی نے شرح جامع صغیر میں 'علامہ نووی نے تہذیب میں اور علامہ برکلی نے الطریقۃ الحمدیہ میں اسی طرح لکھا ہے اور علامہ شمس نے بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے ہر وہ نیا عقیدہ یا نیا کام یا نیا حال جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امور کے خلاف ہو، اس کو کسی قسم کے شبہ یا تکویل کی بنا پر دین قدیم اور صراط مستقیم بتایا جائے، جیسے شیعوں کو دھوونے کی بجائے ان کا مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے اور آنحالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (الانعام، ۱۵۳)

اللہ تعالیٰ نے نو احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس میں یہ رمز ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا، بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لے کر قیامت تک ثابت اور مستمر ہیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے، حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا، نبی اسرائیل میں محسن (نیک) بھی تھے اور غیر محسن (غیر نیک) بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے محسنین پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق نیک کام کرتے

تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمت پوری کرنے کے لیے ان کو کتب (تورات) دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تورات میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں دین کے تمام احکام، عقائد اور مسائل کی تفصیل ہے۔ لہذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپ کی نبوت کے تمام دلائل ہیں اور یہ ہدایت اور رحمت ہے تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لے آئیں اللہ سے ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عتاب کا جو وعدہ کیا ہے اس سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا عِلْمَكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ

(یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک

كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفِيلِينَ ﴿۱۵۶﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أَنْزَلْنَا

ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے ○ یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی

الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ

جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے ، اور اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی

وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بَيِّنَاتٍ مِنَ اللَّهِ وَ

اور ہدایت اور رحمت ، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے ، اور

صَدَفَ عَنْهَا ۚ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ

ان سے اعراض کرے ، ہم سزا دیں گے جو ہدایت سے منحرف ہوں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرے

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُصْدِفُونَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ

تھے کہ وہ اعراض کرتے تھے ○ وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے

تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ

پاس فرشتے آئیں ، یا آپ کا رب آئے ، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے ،

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

جس دن آپ کے کبھی بعض نشانیاں آجائیں گی۔ تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو

أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَضِرُوا

اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار

إِنَّمَا تُنْتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَزَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا

کرد اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ۱۵۸۔ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت

لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم

فرشتے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے ۱۵۹۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے، لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو

تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الانعام: ۱۵۵)

شرکیں پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو نازل فرماتا

اس آیت کا معنی ہے یہ قرآن جس کو ہم نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا ہے یہ برکت والی کتاب ہے۔ تم اس کی پیروی

کرو یعنی اس کتاب کو اپنا امام بنا لو اور جو عقائد اس میں مذکور ہیں ان کو مانو اور جو احکام اس میں مذکور ہیں ان پر عمل کرو اور

ڈرتے رہو یعنی اپنے دلوں میں اللہ سے ڈرو اور اس کے خلاف عمل نہ کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کی حرام کردہ

چیزوں کو حلال نہ کرو۔ وجہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے احکام بیان کیے اور کئی احکام ملت کے لیے چھوڑ دیے اور نبی ﷺ

نے سنتیں قائم کیں اور کئی امور رائے اور قیاس کے لیے چھوڑ دیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نسا) کو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر

کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔ (الانعام: ۱۵۶)

ان نفولوا لعلنا نغفلوا کے معنی میں ہے جیسے ہمیں اللہ لکم ان تصلوا لعلنا ان نغفلوا کے معنی

میں ہے یا کراہیۃ ان نفولوا کے معنی میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۸۷، جامع البیان ج ۸ ص ۱۲۲، بیضاوی علی حاشیٰ انکار دول ج ۲ ص ۳۶۸، کشاف ج ۲ ص ۸۱)

اس آیت میں اہل مکہ سے خطاب ہے کہ کہیں قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر تورات

اور انجیل نازل کی گئی تھی اور ہم چوتھے ان پڑھ تھے اس لیے ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے قاصر تھے اور ہم پر کوئی کتاب نازل

نہیں کی گئی تھی جس کی ہم پیروی کرتے، ہمیں کوئی حکم دیا گیا تھا نہ کسی چیز سے روکا گیا تھا۔ ہم سے کوئی وعدہ کیا گیا نہ ہم پر کوئی وعید نازل ہوئی اور اللہ کی جنت تو صرف ان دو گروہوں پر قائم ہوئی جو ہم سے پہلے تھے جن پر تورات اور انجیل نازل ہوئی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے،
وہ اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی اور ہدایت اور رحمت تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، کیونکہ وہ اعراض کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۷)

اس آیت کا معنی ہے یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے، تاکہ مشرکین مکہ اور قریش قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر کتاب نازل کی گئی تھی، اور وہ یہ نہ کہیں کہ جس طرح ان پر کتاب نازل کی گئی تھی، اگر اس طرح ہم پر کتاب نازل کی جاتی اور ہم کو حکم دیا جاتا اور منع کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ فلاں راستہ صحیح ہے اور فلاں غلط ہے، تو ہم ان سے کہیں زیادہ صحیح راستہ پر قائم رہتے اور احکام پر عمل کرتے اور ممنوع کاموں سے باز رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب تمہارے پاس تمہاری ہی عربی زبان میں کتاب آگئی ہے، اور اس میں معجز کلام ہے جس کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں لاسکتا اور یہ ہدایت ہے اس میں طریق مستقیم کا بیان ہے اور جو اس پر عمل کریں اور اس کی اتباع کریں، ان کے لیے یہ رحمت ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم، ظالم اور حد سے بڑھنے والا اور کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ان واضح دلائل اور محبتوں کا انکار کرے، ان کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان مکذبین کو دوزخ کے سخت عذاب کی سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں سے منہ پھرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں، کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۵۸)

قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین جو بتوں کو اپنے رب کے مساوی قرار دیتے ہیں اور بلاوجود آپ کی بسیار کوشش اور تبلیغ کے ایمان نہیں لاتے، وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کے فرشتے آئیں اور ان کی روحوں کو قبض کریں، یا حشر کے دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں جن کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دھو میں کاڑ کر کیا اور دجال کا اور داہب الارض کا اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کا اور یاجوج اور ماجوج کا اور تین ہار زمین کے دھنسنے کا۔ ایک ہار مشرق کا دھنسا، ایک ہار مغرب کا دھنسا اور ایک ہار جزیرہ عرب کا دھنسا اور سب سے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو دھکیل کر شرق کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم الترمذی: ۳۹، (۲۹۰۱) ۷۵۲، سنن ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۹، سنن الترمذی: ج ۳، رقم الحديث: ۲۱۹۰، سنن کبریٰ للنسائی: ج ۶، رقم الحديث: ۳۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ج ۲، رقم الحديث: ۴۰۴۱، سنن احمد: ج ۵، رقم الحديث: ۱۳۲۲، صحیح ابن مہبان: ج ۱۵، رقم الحديث: ۱۶۷۹، التلمیذ الکبیر: ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۶۸، سنن احمد: رقم الحديث: ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۵، ص ۱۱۳)

اس حدیث میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب کفار قریش پر قحط مسلط کیا گیا تو انہیں زمین اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی شکل کی کوئی چیز دکھائی دی اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں ظاہر ہو گا جس سے کفار کادم گھسنے لگے گا اور مومنوں کو صرف زکام ہو گا یہ دھواں ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے اور یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ (الدخان: ۱۰) آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان واضح دھواں لائے گا۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَمَا يُبَيِّنُ اللَّهُ لَآئِهِمْ ۚ (النمل: ۸۷) اور جب ان پر (عذاب کا) قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دابہ الارض) نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا یہ اس لیے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو صفا پاز کو چاڑ کر نکلے گی کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکے گا مومن پر ایک نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ چمکنے لگے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان مومن لکھ دے گی کافر پر نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دے گی۔ اس کی شکل و صورت میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس جگہ سے نکلے گی۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق حدیث مرفوع نہیں ہے، بعض متأخرین نے یہ کہا ہے کہ یہ دابہ انسان کی شکل میں ہو گا اور اہل بدعت اور کفار سے متاثرہ کرے گا اور ان کو دلائل سے سکت کر دے گا۔

(التفہیم: ج ۷، ص ۲۳۰-۲۳۹، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)

فرقہ بندی کی مذمت

اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں:

فقہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور بعد میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یہ اس امت کے اہل بدعت اور اہل الشبہات ہیں اور اہل انصاف ہیں۔ (مجمع الزوائد: ج ۷، ص ۲۳-۲۴، مطبوعہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اے عائشہ! یہ لوگ اصحاب الاہواء اور اصحاب بدعت ہیں اور اہل بدعت کے سوا ہر گز گار کی توجہ ہے، ان کی توجہ مقبول نہیں ہے، وہ مجھ سے بری ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں بھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۳۳۰ مطبوعہ مکتبہ زار معینی مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)
ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے فرقے ہیں، بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، بعض مشرکین جن کو اللہ کا شریک کہتے تھے، اور بعض مشرکین ستاروں کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن مجید کی بعض آیتوں کو مانستے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں۔
غلامہ: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک نظریہ پر متفق ہونا چاہیے اور دین میں فرقہ نہیں کرنا چاہیے اور بدعات کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک بُرائی

فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ إِنِّي هَدَانِي

لے کر آئے گا اس کو صرف ایک بُرائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ مجھے بیشک میرے رب نے

رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے، ستم دین، ملتِ ابراہیم پر باطل سے تراز، اور

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِن صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ

وہ مشرکوں میں سے نہ ہوتے ○ آپ مجھے بیشک میری نماز اور میری قربانی اور

حَيَاتِي وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ

میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے چنانچہ جہاں کا رہے گا ○ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور

بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ

مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ○ آپ مجھے کہہ کر کیا میں اللہ کے

أَبْغَى رَأْيًا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا

سوا کرئی اور رب تلاش کرے ○ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے: اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی

عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ

ذمہ دار ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے

فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٢﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ

تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۱۶۲ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں

خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلند کر عطا فرمائی تاکہ اس نے جو کچھ

فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ

تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، بیشک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت بخشنے

رَحِيمٌ ﴿١٦٣﴾

والا بے حد مہربان ہے ۱۶۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کے پاس ایک نکل لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہو گا اور

جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام، ۱۶۰)

دس گنا اجر سات سو گنا اور بے حساب اجر کے محال

سعید بن جبیرؓ عطاء اور ابراہیم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں الحسنہ سے مالہ الا اللہ کتنا مراد ہے اور

السبب سے مراد شرک ہے۔

قلاد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ یہ فرماتے تھے کہ عمل چھ قسم کے ہیں۔ دو عمل (جزاء اور سزا کو) واجب کرتے ہیں

اور دو عمل اجر کو بخشتے ہیں اور دو عمل برابر برابر کرتے ہیں۔ جو دو عمل واجب کرتے ہیں وہ یہ ہیں جو شخص اللہ سے اس حال

میں ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ اس حال

میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک کیا ہو وہ دوزخ میں داخل ہو گا اور جو دو عمل اجر بخشتے ہیں وہ یہ ہیں جو مسلمان اللہ کی راہ

میں خرچ کرے اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جو اپنے گمراہوں پر خرچ کرے اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو عمل برابر برابر

ہیں وہ یہ ہیں ایک بندہ نکل کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نکل لکھ دی جاتی ہے اور جو بندہ برائی کا

ارادہ کرے اور اس برائی کو کر لے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا دس گنا اجر اعراب (دیسائی، بادیہ نشین) کے لیے ہے اور

مہاجرین کے لیے سات سو گنا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا یہ آیت اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا اور مہاجرین کے لیے کتنا اجر

ہے؟ انہوں نے کہا وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَدُّ حَسَنَةً
تُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا
(النساء: ۴۰) سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور جب اللہ کسی شے کو عظیم فرمائے تو وہ بہت بڑی ہوگی۔ (جامع البیان 'جز ۸' ص ۳۵-۳۶ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت')
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُؤْتِي الشُّرُكُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(الرمز: ۳۰) مہر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہی ہوگا۔

نیک عمل کرنے والوں کو دس گنا اجر بھی ملتا ہے سہل سو گنا اجر بھی ملتا ہے اور اللہ اس سہل سو گنا کو دس گنا بھی فرمادیتا ہے۔
مَثَلُ الْدَّابَّةِ الْمُنْفَقَةِ أََمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَنَفًا مِنْ كُلِّ
سَبِيلٍ قِيَامَةُ حَبِّهِ وَاللَّهُ يُعْصِفُ لِمَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ: ۲۶۰)
جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی
مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اگائیں ہر
بال میں سو دانے ہیں اور جس کے لیے چاہے اللہ بڑھادیتا ہے
اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔

اور مہر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے تو اگر انسان ایک دن نماز پڑھ لے اور دس دن نماز نہ
پڑھے یا رمضان کے تین دن روزے رکھ لے اور باقی ستائیس دن روزے نہ رکھے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ
ہے کہ انسان اس نماز کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اس روزے کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اجر کی یہ کثرت
اس عمل کو ساقط نہیں کرتی جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے اور اجر کی دس شکلوں میں جو ایک مثل ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ
مکلف نہیں ہے بلکہ اس نیکی کو کرنے کا مکلف ہے جس کا اجر دس نیکیوں کی مثل ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کافر کا کفر تو محدود زمانہ میں ہوتا ہے اور اس کو سزا لا محدود زمانہ کی ہوتی ہے تو یہ اس جرم کے
برابر سزا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سزا میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمانہ جرم کے برابر ہو مثلاً اس زمانہ میں ایک شخص
کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے اور اس کو سزا عمر قید کی دی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سزا اس کی نیت کے اعتبار
سے ہے کیونکہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دانا کفر کرے گا اس لیے اس کو دوام کی سزا دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی لے کر آئے
گا اس کو اس کی مثل دس یا اس سے زائد نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اس کو صرف اسی کی مثل برائی کی سزا
ملے گی یا میں اس کو بخش دوں گا۔ اور جو ایک باشت میرے قریب ہوتا ہے میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے
ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں دوڑتا ہوں اس کے پاس آتا
ہوں اور جو شخص روئے زمین کے برابر گنجلے کر میرے پاس آئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو میں اتنی ہی مغفرت
کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔

(صحیح مسلم 'الذکر الدعاء' ۲۲ 'سنن ابن ماجہ' ج ۲ 'رقم الحدیث: ۳۸۴۱' مسند احمد 'ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۸۰ 'طبع کاہرہ')

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کرو۔ وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا لا الہ الا اللہ بھی نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو افضل نیکی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۷۷، جامع البیان، ج ۸، ص ۳۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۸۷۳، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۸۱)
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو۔ وہ اس گناہ کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۱۳۵۱، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۳، سنن داؤدی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۹، المستدرک، ج ۱، ص ۵۳، امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے)

اجر میں جو زیادتی کے یہ مختلف مراتب ہیں ان کی توجیہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کرنے والے کے احوال اور اس کے اخلاص کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بھوکے کو کھانا کھانا نیکی ہے، لیکن اگر ایک کوڑھیتی کسی بھوکے کو کھانا کھائے تو جیسے اس نے سمندر سے ایک قطرہ خرچ کیا اگر ایک لکھ پی کھائے تو وہ اس کے اعتبار سے زیادہ خرچ ہو گا اور اگر ایسا شخص کسی بھوکے کو کھانا کھائے جس کے پاس صرف وہی کھانا ہو اور اس شخص کو کھانا کھانا کر وہ خود بھوکا رات گزارے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کوڑھیتی اپنی ساری دولت راہ خدا میں خرچ کر دے کیونکہ اس کی کل دولت تو وہی کھانا تھا۔ اس لیے ان کے اجر کے مراتب بھی مختلف ہوں گے اور کوڑھیتی کو دس گنا اجر ملے گا، لکھ پی کو سات سو گنا اور اس تیسرے شخص کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔ مستحکم دین، ملت ابراہیم ہر مظل سے ممتاز اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (الانعام: ۱۶۵)

اس سورت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ پھر مشرکین اور منکرین تقدیر کا رد فرمایا، اب اس کلام کو اس پر ختم فرمایا کہ مستحکم دین اور صراط مستقیم تو ملت ابراہیم ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر مبنی ہے اور ہدایت صرف اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان بت پرستوں اور مشرکوں سے کہئے کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے اور یہی ملت حنیفہ مستقیمہ ہے۔ اللہ نے مجھے دین مستقیم کی ہدایت دی ہے جو حضرت ابراہیم کی ملت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۴)

نسک کا معنی

صلوٰۃ سے مراد یا تو تہجد کی نماز ہے یا نماز عید ہے اور نسک کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ذبیحہ اور اس کا معنی ہے حج اور عمرہ میں مینہ حاذق کرنا اور نماز اور ذبیحہ کو اس آیت میں اس طرح جمع کیا ہے جیسے فصل لربک و اسحر (الکوثر: ۲) میں جمع کیا ہے۔ حسن بھری نے کہا نسک سے مراد ہے میرا دین۔ ذباج نے کہا اس سے مراد ہے میری عبادت۔ ایک قوم نے کہا

اس آیت میں سسکت سے مراد تمام نیک کام اور عبادات ہیں۔

محبیای اس سے مراد ہے میں زندگی میں جو عمل کروں گا اور معاشی۔ اس سے مراد ہے میں وفات کے بعد جن چیزوں کی وصیت کروں گا۔

نماز کا افتتاح اسی وجہ سے واجب ہے یا تکبیر سے

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کو اس ذکر سے شروع کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کی تائید حدیث میں بھی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے وجہت وجہی لمدی فطر السموات والارض حسیما وما انا من العشرکین ان صلاتی وسکسی ومحبیای و معاشی لله رب العلمین لا شریک له وبد الکذا امرت وانا اول المسلمین (الحدیث)

(صحیح مسلم صلوۃ المسافرین ۲۴۱، سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث ۵۰۷، سنن نسائی ج ۲، رقم الحدیث ۸۹۶) امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس ذکر کے ساتھ نماز کو شروع کرنا واجب نہیں ہے بلکہ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ واجب ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کو پڑھنا فرض ہے اور اس کے درمیان اس ذکر کو بھی پڑھنا مستحب ہے اور دیگر اذکار کو بھی۔ مثلاً: سبحانک اللہم وبحمدک کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں سبحانک اللہم وبحمدک وبارکک اسمک وتعالیٰ حدک ولا الہ غیرک پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم صلوۃ ۵۰، سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث ۸۹۶) اور نبی ﷺ نے جب اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کو پھر قرآن پڑھو۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۷۴۳) آپ نے انسی وجہت کا ذکر نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے افتتاح واجب نہیں ہے بلکہ تکبیر سے افتتاح واجب اور اس سے افتتاح کرنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

(الانعام ۱۶۳)

نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا آپ سے پہلے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام مسلمان نہیں تھے؟ تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ معنی اول الخلق ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم آخر ہیں اور ہم قیامت کے دن سابق ہوں گے۔

(صحیح مسلم ۸۵۵، صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۸۷۶)

۲۔ نبی ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا اس وقت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث ۳۷۳۷، لا تلک النبوة لابی نعیم ج ۱، رقم الحدیث ۸۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں غلطی کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخر ہوں۔ (کنز العمال ج ۷، رقم الحدیث ۳۷۳۷، کمال ابن عدی ج ۲، ص ۳۷۹)

تبیان القرآن

قائدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔

(کنز العمال ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶، کمال ابن عدی ج ۲، ص ۹۱۹، طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۱۳۹)

حضرت عریض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم ہونو مٹی اور گارے میں تھے۔

(دلائل النبوة لابن قیم ج ۱، رقم الحدیث: ۹۰۰، المستدرک ج ۲، ص ۳۰۰، مسند احمد ج ۳، ص ۳۸۷، طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۱۳۹)

صحیح الزوائد ج ۸، ص ۲۲۳

۳۔ نبی ﷺ اپنی امت میں اول المسلمین ہیں۔ یہ قائدہ کا قول ہے۔ (تفسیر لہام ابن الی حاتم ج ۵، رقم الحدیث: ۸۸۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۷۳)

فتنہ کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا

روایت ہے کہ کفار نے نبی ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ ہمارے دین کی طرف آنیں اور ہمارے خداؤں کی عبادت کریں اور اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ہم دنیا اور آخرت میں آپ کی ہر ضرورت کے کفیل ہوں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے (الجامع لاحکام القرآن ج ۸، ص ۱۵۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ عبادت گزار علماء کے لیے اس زمانہ میں صرف دو صورتیں ہیں اور ہر صورت دو مری سے افضل ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور حق کی دعوت دیں یا فتنہ انگیز لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور بد کردار اور بد عنوان لوگوں کے اعمال میں شریک نہ ہوں اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہیں اور فرائض بجالائیں اور اللہ کے لیے محبت رکھیں اور اسی کے لیے بغض رکھیں۔ (جامع البیان ج ۸، ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں مذہب فقہاء

فضول کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرید لے۔ اس بیع کا جواز اس مالک کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو یہ بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح فضول کا کیا ہوا عقد نکاح بھی لڑکے یا لڑکی کی بعد میں رضامندی سے جائز ہوتا ہے، ہمارے دور میں اکثر نکاح ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لڑکی سے نکاح کی اجازت وکیل لیتا ہے، لیکن لڑکے سے ایجاب و قبول وکیل کی بجائے نکاح خواہن کرتا ہے۔ یہ بھی فضول کا عقد ہے، لیکن جب لڑکی رخصت ہو جاتی ہے تو گویا وہ اس فضول کے عقد پر راضی ہو جاتی ہے اور یہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فضول کا عقد جائز نہیں ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے (الانعام: ۱۷۳) یعنی دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہے اور اس آیت کے پیش نظر وہ فضول کے عقد کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک فضول کی بیع جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک دینار عطا کیا تا کہ وہ آپ کے لیے ایک بکری خریدیں۔ انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور نبی ﷺ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار

لے کر آگئے، آپ نے ان کے لیے بیچ میں برکت کی دعا کی، پھر یہ ہوا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو نفع ہوتا۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۳۲ سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۸۳ سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۲۳۳ سنن

ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۰۶ مسند احمد 'ج ۷' رقم الحدیث: ۱۳۸۰۰ مطبع جدید 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۷۳ 'طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فضولی کا عقد صحیح ہے اور اصل شخص کی رضامندی کے بعد اس کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ نیز

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ وکیل کا تصرف صحیح ہے اور اس کے تصرف سے جو منفعت اسے حاصل ہوگی، وہ اصل کے

لے ہوگی۔ امام مالک، امام ابو یوسف، اور امام محمد بن حسن کا یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص

مثلاً یہ کہے کہ سو روپے کا ایک کلو بکری کا گوشت خرید کر لاؤ اور وہ سو روپے کا دو کلو بکری کا گوشت لے آئے تو وہ زائد ایک کلو

گوشت وکیل کا ہوگا۔ ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، کیونکہ اس زمانے میں احادیث کی نشر و اشاعت

کے اس قدر وسائل نہیں تھے جتنے اب میر ہیں اور احادیث کی اشاعت میں تدریجاً وسعت ہوئی ہے۔

برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزا میں سے حصہ ملے گا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی بوجہ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

قرآن مجید کی بعض آیتوں اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے گناہوں کا عذاب بعض دوسروں کو ہوگا اور

یہ اس آیت کے خلاف ہے:

وَلْيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْتُمْ لَا مَعِ أَنْفَالِهِمْ

(النکبوت: ۳۳)

اور وہ ضرور اپنے بوجہ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے

ساتھ اور کئی بوجہ اٹھائیں گے۔

لِيَحْمِلُوا أَوْثَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ

مِنْ أَوْثَارِ الْذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلِيسَا

مَسْأُولُونَ (السحل: ۲۵)

تاکہ وہ (حکیر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے)

پورے بوجہ اٹھائیں اور کچھ بوجہ ان لوگوں کے اٹھائیں

جنہیں وہ اپنی جمالت سے گمراہ کرتے تھے، سنو! وہ کیا برا بوجہ

ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی غلام قتل کیا جائے گا اس

کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (ﷺ) کو بھی ملے گا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ کو

ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۳۵ 'ج ۸' رقم الحدیث: ۵۳۱۱ 'ج ۷' رقم الحدیث: ۷۸۶۷ صحیح مسلم 'رقم الحدیث: ۱۱۷۷

سنن ترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۸۱ سنن نسائی 'رقم الحدیث: ۲۷۹۱ مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۳۰ مصنف عبدالرزاق 'رقم

الحدیث: ۱۱۷۷۸ مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۹' ص ۳۳ صحیح ابن حبان 'ج ۳' رقم الحدیث: ۵۸۸۳ سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۸' ص ۱۱۵)

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں

گے، تو ان کے گناہوں کی سزا میں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے

اد کلکاب کا سبب بنا تھا، اور بعد کے لوگوں کی سزا میں کوئی کمی نہیں ہوگی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر

تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجر میں سے کوئی کی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزاؤں میں کوئی کی نہیں ہوگی۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحديث: ۲۷۸۳، صحیح مسلم 'رقم الحديث: ۳۷۷۷، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحديث: ۴۶۰۹، موطا امام مالک 'رقم الحديث: ۵۰۷، مسند احمد 'ج ۳' رقم الحديث: ۱۷۷۷)

کوئی شخص دو سرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا، اس قاعدہ کے بعض مستثنیات کسی شخص کو دو سرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دو سروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے، لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دو سرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہو گا کہ اس نے ان دو سروں کو برائی سے نہیں روکا قرآن مجید میں ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَبَّهُونَ عَنْ تَمَكُّبِهِمْ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (المائدہ: ۷۹) وہ ایک دو سرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے البتہ وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ غینہ سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے لالہ الا اللہ عرب کے لیے بھی ہو اس شر سے جو قریب آ پہنچا یا جوج باجوج کی رکاوٹ کے نوٹنے سے 'آج روم فتح ہو گیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بتایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے 'علائکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے آپ نے فرمایا ہیں جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحديث: ۲۳۳۶، صحیح مسلم 'فہن ۱' (۲۸۸۰) ۷۷۲، سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحديث: ۲۱۸۳، مصنف عبد الرزاق 'رقم الحديث: ۲۰۷۳۹، مسند الحمیدی 'رقم الحديث: ۳۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ 'رقم الحديث: ۸۰۷۸، مسند احمد 'ج ۱۰' رقم الحديث: ۲۷۲۸۶، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۵' ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں مثلاً اگر کوئی مسلمان دو سرے مسلمان کو خطا قتل کر دے یا اس کا قتل شبہ محم ہو (قتل شبہ محم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاشی کو لے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی وصت عاقلہ پر لازم آتی ہے تاکہ اس کا خون رائیگ نہ ہو 'اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تعلق اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو مصبات کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیبہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا اور آنکھ ایک وہ مضروبہ حائلہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنو لیثان کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قاعدہ کے مصبات (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی وصت لازم کی 'اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تعلق میں ایک باندی یا ایک غلام کا وصت لازم کیا۔

(صحیح مسلم 'المسلمہ' ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحديث: ۲۵۷۸، سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحديث: ۳۱۵۵، سنن ابی داؤد 'ج ۸' رقم الحديث: ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴، ۴۸۲۵، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحديث: ۲۷۲۳)

اسی طرح اگر مسلمانوں کے محلہ میں کوئی مسلمان مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے؟ تو اس محلہ کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور ان کے قسم کھانے کے بعد

اہل عہدہ پر دست لازم آئے گی، تاکہ مسلمان کا قتل رہیں نہ جائے، اس کو قسمت کہتے ہیں، یہاں بھی قتل کسی اور نے کیا ہے اور اس کا تعلق یہ عہدہ والے ادا کریں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص یسود کی رہت والی زمین میں متحول پایا گیا۔ انہوں نے اس کا نبی پیچھا سے ذکر کیا، آپ نے یسود کے پیاس پئے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی کہ اللہ کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے پھر ان پر دست لازم کر دی۔ یسود نے کہا: یہ وہی قاتل ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت میں تھا۔ (سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی، تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ (انعام: ۱۶۵)

مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کے محال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس خلافت کے حسب ذیل محال

ہیں:

۱۔ سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس لیے آپ کی امت خاتم الامم ہے اور جو تکہ یہ امت کچھلی تمام امتوں کے بعد ہے، اس لیے یہ تمام امتوں کی خلیفہ ہے۔

۲۔ اس امت کا ہر قرن دوسرے قرن کے بعد ہے اس لیے ہر قرن دوسرے قرن کا خلیفہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے، تاکہ وہ زمین میں اللہ کے احکام جاری کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور یہ ضرور خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

جن لوگوں کو ہم زمین میں سلطنت عطا فرمائیں، تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور انکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

الَّذِينَ إِذَا مَكَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج: ۴۱)

مسلمانوں کی آزمائش

اس کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی، تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے، اس

بہان القرآن

میں تمہاری آزمائش کرے، یعنی عزت اور شرف، عقل اور ہل، رزق اور شجاعت اور سخاوت میں اور تم میں یہ فرق مراتب اور تقوٰت درجات اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برابر کا درجہ دینے سے عاجز تھا بلکہ اس نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے تم کو ان مختلف درجات میں رکھا تاکہ دنیا والوں پر اور قیامت کے دن سب لوگوں کو معلوم ہو کہ ہل اور رزق کی فراوانی سے کون دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا بیٹھا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا اور نفسانی خواہشوں کی اتباع میں فواحش و منکرات میں مبتلا ہو گیا اور کون ایسا ہے جو روپے پیسے کی ریل و ہل کے بلوجود خدا سے ڈرنا رہا اور اپنے مال کو اللہ کے احکام کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرنا رہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہا۔ اسی طرح کس نے اپنی صحت کو عیادت میں خرچ کیا اور کس نے عیاشی میں ضائع کیا اور کون غربت اور افلاس میں اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرنا رہا؟ اور کون اللہ سے شکوہ اور شکایت کرتا رہا؟ اور عیادت سے غافل رہا اسی طرح کون بیماری میں عیادت کرتا رہا؟ اور کون بیماری میں گلے شکوے کرتا رہا؟ اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہا۔

مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا بیان

پھر فرمایا "بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے حد مرہاں ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ لائق و فہار کو بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فاسقوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ توبہ کر لیں؟ اور عذاب بھی آخرت میں ہو گا پھر کس طرح فرمایا کہ وہ بہت جلد سزا دینے والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے وہ اس کے اعتبار سے بہت قریب ہے اور بہت جلد ہونے والا ہے جیسا کہ قیامت کے متعلق فرمایا

وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ (النحل: ۷۷) اور قیامت محض چمک بھپکنے میں واقع ہو جائے گی بلکہ وہ اسی سے بھی قریب تر ہے۔

(لَهُمْ يَوْمَئِذٍ بُعِيدٌ) وَتَرَاهُمْ قَرِيبًا (المعارج: ۶۰) بے شک وہ یوم حشر کو بہت دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

نیز بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض مسلمانوں کی خطاؤں پر جلدی دنیا میں ہی گرفت فرماتا ہے اور ان کو کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کرتا ہے جو ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِمَّنْ تُصِيبُ فِيمَا كُتِبَتْ عَلَيْكُمْ وَيَصِفُوا عَنَّا كَوْنُ الشَّيْءِ (الشورى: ۳۰) اور تم کو جو مصیبت پہنچی تو وہ تمہارے کرتوتوں کے جب تھی اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف فرماتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے خواہ کتنا چھوٹا یا اس سے بھی کم ہو اللہ اس تکلیف کے جب اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے یا اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے۔

(صحیح مسلم، البرہان ص ۷۷، ۲۵۷۴) سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۷

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے خواہ دائمی ہو، خواہ تھکاوٹ ہو، خواہ کوئی اور بیماری ہو، خواہ غم ہو، خواہ پریشانی ہو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۷، صحیح مسلم، البرہان ص ۵۲، ۲۵۷۴) سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۸

تیز فرمایا "وہ بہت بخشنے والا ہے حد مرہاں ہے" وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھتا ہے اور آخرت میں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

حضرت امین عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اس کے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے بازو میں چھپائے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا کیا تم اس (گناہ کو) پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا صحیفہ دے دیا جائے گا اور کفار و منافقین کو تمام مخلوقات کے سامنے بلایا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹا ہاتھ رکھا تھا۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۲۲۴۱، صحیح مسلم، التوبہ: ۵۲، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶، رقم الحدیث: ۱۳۲۲)

حرف آخر

آج ۱۵ رجب ۱۴۳۸ھ / ۱۶ نومبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار بعد از نماز عصر سورۃ الانعام کی تفسیر کو میں اس حدیث پر ختم کر رہا ہوں اور اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر پردہ رکھے گا اور آخرت میں میرے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھے سورۃ الانعام تک تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی ہے، اپنے فضل و کرم سے مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی عزت عطا فرمائیے۔ مجھ پر قرآن مجید کے اسرار و معارف کھول دے اور احادیث میں مجھے وسیع نظر عطا فرمائیے۔ اس تفسیر میں خطا اور لغزشوں سے بچاؤ اور باقی ماندہ زندگی میں نیکی عطا فرماؤ اور گناہوں سے محفوظ رکھو اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیا اور آخرت میں ہر پریشانی، مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھو اور دارین کی خوشیاں عطا فرمائیے۔ اس تفسیر کو موثر اور مفید بناؤ اور اس کو اتیام قیامت فیض آفریں اور باقی رکھو اس کے مصنف، 'صحیح'، 'کیوزر'، 'ناشر'، 'قارئین'، 'معجبین' اور 'معلوین' کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے بچاؤ اور دارین کی کامیابیاں اور کامرانیوں کا مقدر کر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد
حاتم السبیب فائد العمر المحلل شفیع المدیس رحمة المعلمین وعلی آلہ
الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجه الطاہرات امہات المؤمنین وعلی اولیاء
امنہ وعلماء ملتہ من السعدین والمفسرین والفقہاء والمجتہدین والمسلمین
اجمعین۔



ماخذ و مراجع

کتاب الہیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

کتاب احادیث

۴۔ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ مسند امام اعظم مطبوعہ محمد سعید ایڈ سنٹر کراچی

۵۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ موطا امام مالک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۴ھ

۶۔ امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۸ھ کتاب الزہد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۔ امام ابو یوسف یحییٰ بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ کتاب الآثار مطبوعہ مکتبۃ اثریہ سانگھل

۸۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ موطا امام محمد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الآثار مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۷ھ

۱۰۔ امام کسیر بن جراح متوفی ۱۹۷ھ کتاب الزہد مکتبۃ المدینہ منورہ ۱۳۰۴ھ

۱۱۔ امام سلیمان بن داؤد بن جابر و طرابلسی حنفی متوفی ۲۰۴ھ مسند طرابلسی مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۹ھ

۱۲۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ مسند مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۰ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمرو قتادہ متوفی ۲۰۷ھ کتاب المعانی مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۰۴ھ

۱۴۔ امام عبد الرزاق بن حاتم صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المعنی مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۹ھ

۱۵۔ امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی متوفی ۲۲۷ھ سنن سعید بن منصور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۷۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المعنی مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ

۱۸۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ المسند مطبوعہ مکتبۃ اسلامی بیروت ۱۳۰۸ھ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ

- ۱- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مکتب الزهد مطبوعه مکتبه دار البازکة المکرمة ۱۳۳۳ھ
- ۲- امام ابو عبد الله محمد بن عبد الرحمن دار فنی متوفی ۵۵۵ھ مسنن دار الفکر دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۳- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری مطبوعه دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۳۳۴ھ
- ۴- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کتاب الفرد مطبوعه دار العرفه بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۵- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم مطبوعه مکتبه نزار مصطفی البازکة المکرمة ۱۳۱۷ھ
- ۶- امام ابو عبد الله محمد بن یزید ابن ماجه متوفی ۲۷۱ھ مسنن ابن ماجه مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمسندی متوفی ۲۷۵ھ مسنن ابو داؤد مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمسندی متوفی ۲۷۵ھ مسنن ابو داؤد مطبوعه نور محمد کارخانه تجارت کب کراچی
- ۹- امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ مسنن ترمذی مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۱۰- امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ مشکوٰۃ محمدیہ مطبوعه المکتب التجاریہ المکرمة ۱۳۱۵ھ
- ۱۱- امام ابو بکر محمد بن ابی عاصم اشیسی متوفی ۲۸۷ھ کتاب حسن مطبوعه کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۱۲- امام علی بن عماد الدقنی متوفی ۲۸۵ھ مسنن دار الفکر مطبوعه دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۳- امام احمد بن محمد بن عبد القادر متوفی ۳۲۱ھ البحر الزخار العرفه مسند ابرار مطبوعه مؤسسه القرآن بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۱۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۳۳ھ مسنن نسائی مطبوعه دار العرفه بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۱۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۳۳ھ عمل الیوم و لیلته مطبوعه مؤسسه الکتاب الشافیه بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۱۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۳۳ھ مسنن کبریٰ مطبوعه دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۱۷- امام احمد بن علی الشافعی المتوفی ۳۳۰ھ مسند ابو یحییٰ مؤصلی مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۱۸- امام عبد الله بن علی بن جابر و نیشاپوری متوفی ۳۳۰ھ کتاب المستقی مطبوعه دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۹- امام ابو بکر محمد بن یزید بن رومان متوفی ۳۳۰ھ مسند الرومانی مطبوعه دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۰- امام محمد بن اسحاق بن خزيمة متوفی ۳۳۱ھ صحیح ابن خزيمة مطبوعه کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۲۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان بالغندی متوفی ۳۳۲ھ مسند عمرو بن عبد العزيز مطبوعه مؤسسه علوم القرآن دمشق
- ۲۲- امام ابو حوانه یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۳۲ھ مسند ابو حوانه مطبوعه دار البازکة المکرمة
- ۲۳- امام ابو عبد الله محمد بن حکیم الترمذی المتوفی ۳۳۰ھ نوادر الاصول مطبوعه دار الایمان التراث القاهرة ۱۳۰۸ھ
- ۲۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۳۱ھ مشکل الاثار مطبوعه مکتبه دار البازکة المکرمة ۱۳۱۵ھ
- ۲۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۳۲ھ شرح مشکل الاثار مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۳۲ھ شرح معانی الاثار مطبوعه مطبعه جیبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۳ھ
- ۲۷- امام محمد بن جعفر بن حسین آجری متوفی ۳۳۲ھ مکالم الاخلاق مطبوعه مطبعه الدینی مصر ۱۳۳۴ھ
- ۲۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۳۳ھ صحیح ابن حبان ترتیب ابن بلبان مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۲۹- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری متوفی ۳۳۶ھ المشرع مطبوعه کتب دار السلام ریاض ۱۳۳۳ھ
- ۳۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ معجم صغیر مطبوعه مکتبه سفینه منوره ۱۳۸۸ھ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ

- ۴۹- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ، مجمل توسط مطبوعه مکتبه المعارف ریاض ۱۳۰۵ھ
۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ، مجمل کبیر مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ، مسند الشافعی مطبوعه مؤسسة الرسالة بیروت ۱۳۰۹ھ
۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ، مکتب الداعی مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۵۳- امام ابو بکر احمد بن اسحاق بن حوری الحروف بلین السنی متوفی ۳۷۳ھ، عمل الیوم وعلیہ مطبوعه نور محمد کارخانه تجارت کتب کراچی
۵۴- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی حقائق الرجال مطبوعه دار الفکر بیروت
۵۵- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر الحروف بلی الشیخ متوفی ۳۹۶ھ، مکتب العلم مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
۵۶- امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک مطبوعه دار البیاز کمرہ
۵۷- امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۲۰ھ، حلیۃ الاولیاء مطبوعه دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
۵۸- امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۲۰ھ، دلائل النبوة مطبوعه دار الفیاض بیروت
۵۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، مسکن کبریٰ مطبوعه نشر المکتبہ المکملہ
۶۰- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، مکتب الاسماء والصفات مطبوعه دار احیاء التراث العربیہ بیروت
۶۱- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرق السنن والاکام مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، مکتب لخص کل الاوقات مطبوعه مکتبه المنارة ۱۳۱۰ھ
۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوة مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، مکتب الاذائب مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۶ھ
۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۶ھ
۶۶- امام ابو عمرو یوسف ابن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم وفضله مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۷- امام حسین بن مسعود طبری متوفی ۴۶۶ھ، شرح المفسر مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۶۸- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۷ھ، مختصر تاریخ دمشق مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ
۶۹- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۷ھ، تنقیح تاریخ دمشق مطبوعه دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
۷۰- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی خلی متوفی ۵۷۳ھ، ملاحطہ فی التحدیث مطبوعه مکتبه انجمن التعلیم کمرہ ۱۳۱۵ھ
۷۱- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۵۷۶ھ، الترغیب والترہیب مطبوعه دار الحديث قاہرہ ۱۳۰۷ھ
۷۲- امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۲۸ھ، تذکرۃ فی امور الاخرہ مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
۷۳- امام ولی الدین حمیری متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
۷۴- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زلیخی متوفی ۷۷۳ھ، منصب الرایہ مطبوعه مجلس علمی سورت بند ۱۳۰۵ھ
۷۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد مطبوعه دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۳ھ
۷۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ، کنز العمال مطبوعه مؤسسة الرسالة بیروت ۱۳۰۳ھ
۷۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الطمان مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۸- امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین مطبوعه مکتبہ انبلی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ

- ۷۹- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر میری شافعی متوفی ۸۴۰ھ زوائد ابن ماجہ مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۴۵ھ
- ۸۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ہمدانی ترمکین متوفی ۸۳۵ھ الجوزی ہراتی مطبوعہ نشر المکتبہ المکملہ
- ۸۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۸۳۸ھ تلخیص المستدرک مطبوعہ مکتبہ دار البازہ مکہ مکرمہ
- ۸۲- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ المطالب العالیہ مطبوعہ مکتبہ دار البازہ مکہ مکرمہ
- ۸۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ المبدور السافرة فی امور الاخرة مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۲۲ھ
- ۸۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الجوامع الصغیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۵ھ
- ۸۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جامع الاصول الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۸۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ المبدور السافرة فی الاصول المستدرک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۸۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التلخیص الکبیر مطبوعہ مکتبہ لوریہ رضویہ مسکو
- ۸۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ شرح الحدود مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۸۹- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ مختلف الفخر مطبوعہ مطبعہ عامہ عثمانیہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۹۰- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہن پوری متوفی ۱۰۷۵ھ کنز العمال مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۰۵ھ

کتاب تفاسیر

- ۹۱- امام حسن بن عبد اللہ البصری متوفی ۱۱۰ھ تفسیر الحسن البصری مطبوعہ مکتبہ ادنیہ مکہ مکرمہ ۱۳۳۳ھ
- ۹۲- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراہ متوفی ۲۵۰ھ معانی القرآن مطبوعہ بیروت
- ۹۳- شیخ ابو الحسن علی بن ابی اہیم قی متوفی ۳۵۰ھ تفسیر قی مطبوعہ دار الکتب ایران ۱۳۰۶ھ
- ۹۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ جامع البیان مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۶ھ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۹۵- امام ابو اسحاق ایرافیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۳۵ھ اعراب القرآن مطبوعہ مطبعہ سلیمان غازی ایران ۱۳۰۶ھ
- ۹۶- امام ابو بکر احمد بن علی رازی صاحب فنی متوفی ۴۰۷ھ الکام القرآن مطبوعہ سبیل الایضی کلاہور ۱۳۰۰ھ
- ۹۷- علامہ ابو الیث نصرون محمد سرقدی متوفی ۴۷۵ھ تفسیر سرقدی مطبوعہ مکتبہ دار البازہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۹۸- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۸۵ھ تیسار فی تفسیر القرآن مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۹۹- علامہ کی بن ابی طالب متوفی ۴۲۳ھ مشکل اعراب القرآن مطبوعہ انتشارات نور ایران ۱۳۲۳ھ
- ۱۰۰- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بلوری شافعی متوفی ۵۵۰ھ التلخیص والعیون مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت
- ۱۰۱- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۵۵۸ھ التلخیص مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۰۲- علامہ جلال الدین محمود بن عمرو محموی متوفی ۵۶۳ھ مختلف مطبوعہ نشر المکتبہ المکملہ قم ایران ۱۳۳۳ھ
- ۱۰۳- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربیہ مالکی متوفی ۵۶۳ھ الکام القرآن مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۱۰۴- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن علیہ اندلسی متوفی ۵۷۶ھ المحرر المویز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۱۰۵- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری متوفی ۵۷۸ھ مجمع البیان مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۶- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی ضلی متوفی ۵۹۷ھ زوائد المبر مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۱۰۷- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس مختلف الاسرار وکتاب الارباب مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران ۱۳۰۷ھ

- ۱۰۸- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۰۹- علامه محی الدین ابن علی متوفی ۷۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم مطبوعه انتشارات ناصر خسرو بمبرهن ۱۳۷۸ھ
- ۱۱۰- علامه ابو عبد الله محمد بن اسماعیل قرطبی متوفی ۷۲۸ھ، الجامع لاحکام القرآن مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۱۱- قاضی ابو الخیر عبد الله بن عمر رضوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، انوار البتریل مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۲۲ھ
- ۱۱۲- علامه ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۷۰ھ، مدارک البتریل مطبوعه دار الکتب العربیه پشاور
- ۱۱۳- علامه علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ، ملباب الکویل مطبوعه دار الکتب العربیه پشاور
- ۱۱۴- علامه نظام الدین حسین بن محمد قتی متوفی ۷۷۸ھ، تفسیر نیشاپوری مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۱۱۵- علامه قتی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۱۱۶- علامه شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القسیم الجوزی متوفی ۷۷۱ھ، بدائع التفسیر مطبوعه دار ابن الجوزی مکه مکرمه ۱۳۳۳ھ
- ۱۱۷- علامه ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ، المکرم الحید مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۱۸- علامه ابو العباس بن یوسف اسمین الشافعی متوفی ۷۵۶ھ، الدر المنثور مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۱۹- حافظ علامه الدین اسماعیل بن عربی کثیر شافعی متوفی ۷۷۳ھ، تفسیر القرآن مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ
- ۱۲۰- علامه عبد الرحمن بن محمد بن کلوف محلی متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الشافعی مطبوعه مؤسسه اسلامی الطبعیات بیروت
- ۱۲۱- علامه ابو الحسن ابی ایمن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، النعم الدرد مطبوعه دار الکتب الاسلامی قاهره ۱۳۳۳ھ
- ۱۲۲- حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور مطبوعه مکتبه دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۲۳- حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جلالین مطبوعه قدیمی کتب خانہ گرامی
- ۱۲۴- علامه محی الدین محمد بن مصطفی قزوینی متوفی ۹۱۱ھ، حاشیہ شیخ زکریا علی البیضاوی مطبوعه مکتبه یحسینی دیوبند
- ۱۲۵- شیخ فتح الله کاشانی متوفی ۹۷۷ھ، منبع المصلوقین مطبوعه خیابان ناصر خسرو بمبرهن
- ۱۲۶- علامه ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۲۷- علامه احمد شمس الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۸ھ، معانی القاضی مطبوعه دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ
- ۱۲۸- علامه احمد بن یونس جوهری متوفی ۱۱۰۰ھ، التفسیرات الاحمدیه مطبع کربی بمبئی
- ۱۲۹- علامه اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان مطبوعه مکتبه اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۳۰- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالحل متوفی ۱۲۰۳ھ، الفتوحات الایہ مطبوعه المطبعه ابیت مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۳۱- علامه احمد بن محمد صلی مالک متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صلی مطبوعه دار احیاء الکتب العربیه مصر
- ۱۳۲- قاضی ثناء الله پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر منطری مطبوعه بلوچستان بکسٹاپ کوئٹہ
- ۱۳۳- شہ عبد العزیز محمد شہ صلی متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی مطبوعه مطبع فاروقی دہلی
- ۱۳۴- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدر مطبوعه دار المعرفه بیروت
- ۱۳۵- علامه ابو الفضل سید محمود آکوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۳۶- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان مطبوعه مطبع امیر کبری بلاق مصر ۱۳۰۷ھ
- ۱۳۷- علامه محمد جمال الدین قاضی متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاضی مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

- ۱۳۸- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۳ھ، تفسیر المنار مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۳۹- علامہ حکیم شیخ تھلوی، حوہری مصری، متوفی ۱۳۵۵ھ، الجواہری تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض
- ۱۴۰- شیخ اشرف علی تھلوی، متوفی ۱۳۷۳ھ، بیان القرآن مطبوعہ تلخ کہنی لاہور
- ۱۴۱- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۷۷ھ، خزائن العرفان مطبوعہ تلخ کہنی لینڈ لاہور
- ۱۴۲- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۳ھ، شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۷۹ھ، حاشیہ القرآن مطبوعہ تلخ کہنی لینڈ لاہور
- ۱۴۳- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتبیین مطبوعہ تونس
- ۱۴۴- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۱۴۵- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۷۵ھ، تور العرفان مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، بکرات
- ۱۴۶- مفتی محمد طلحہ دیوبندی، متوفی ۱۳۹۱ھ، معارف القرآن مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۴۷- سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفسیر القرآن مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۴۸- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۳۰۶ھ، التیسار مطبوعہ کاظمی علی کیشتر ملتان
- ۱۴۹- علامہ محمد امین بن محمد عطار بکینی شتیبی، ۱۳۵۰ھ، اقولہ البیان مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۵۰- استاذ احمد مصطفی الراغی، تفسیر الراغی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۵۱- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونه مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ قم ۱۳۶۹ھ
- ۱۵۲- جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، فیض القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن علی کیشتر لاہور
- ۱۵۳- شیخ امین احسن اصلاحی، تدریج قرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت لاہور
- ۱۵۴- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرف و بیان مطبوعہ انتشارات ذرین مہرین
- ۱۵۵- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیان مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
- ۱۵۶- ڈاکٹر وجہ زحبی، تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ
- ۱۵۷- سعید حوی، اساس فی التفسیر مطبوعہ دار السلام

کتاب علوم قرآن

- ۱۵۸- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۴۳ھ، البرہان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۵۹- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاغان فی علوم القرآن مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
- ۱۶۰- علامہ محمد عبد العظیم زرکانی، مثل العرفان مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۶۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۴۳ھ، کتابت کلہ مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۶۲- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۴۳ھ، تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۳۴۰ھ
- ۱۶۳- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف بابی مالکی، متوفی ۴۴۳ھ، المستفی مطبوعہ مطبعہ المطوعہ مصر ۱۳۳۲ھ
- ۱۶۴- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، غارۃ الخاوی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ
- ۱۶۵- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۵۵۵ھ، مختصر سنن ابو داؤد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

- ۱۶۶- حافظ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابی القریٰ المتوفی ۱۵۶ھ شرح مسلم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۶۷- علامہ یحییٰ بن شرف لودی متوفی ۱۶۷ھ شرح مسلم مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز ۱۳۱۷ھ
- ۱۶۸- علامہ شرف الدین حسین بن محمد البیسی متوفی ۷۳۲ھ شرح البیسی مطبوعہ اداره القرآن ۱۳۱۳ھ
- ۱۶۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف و شتلی الی باکی متوفی ۷۳۸ھ اکمل اکمل العلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۷۰- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۶ھ
- ۱۷۱- حافظ بدر الدین محمود بن احمد بنی خفی متوفی ۸۵۵ھ عمدة القاری مطبوعہ اداره الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۲۸ھ
- ۱۷۲- علامہ محمد بن محمد سنوسی باکی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمل العلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۷۳- علامہ احمد عسقلانی متوفی ۹۰۰ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
- ۱۷۴- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ بغیض القدر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۹ھ
- ۱۷۵- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح شمسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع گراچی
- ۱۷۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ جمع الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع گراچی
- ۱۷۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ شرح مسند الی خیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۱۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ المعرزا شمسین مطبوعہ مطبعہ امیرہ شکہ کریمہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۷۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفہ الکذاکرین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی دہلوان مصر ۱۳۵۰ھ
- ۱۸۰- شیخ عبد الحق محمد شادادی متوفی ۱۲۵۲ھ اشعۃ اللغات مطبوعہ مطبعہ حج کلدہ ککستو
- ۱۸۱- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تحفہ کلاخوزی مطبوعہ نشر المکتبہ لیلان
- ۱۸۲- شیخ النور شمس شمسیری متوفی ۱۳۵۲ھ بغیض الباری مطبوعہ مطبعہ مجازی مصر ۱۳۷۵ھ
- ۱۸۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح العلم مطبوعہ مکتبہ النجاشی گراچی
- ۱۸۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ مطلق النصح مطبوعہ مکتبہ حجابہ لاہور
- کتاب اسماء الرجال**
- ۱۸۵- علامہ ابو القریٰ عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ اصل التسامیہ مطبوعہ مکتبہ اربعہ یحییٰ آباد ۱۳۰۶ھ
- ۱۸۶- حافظ جمال الدین ابو النجاشی یوسف مزی متوفی ۷۳۲ھ تنزیب الکمال مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۱۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۱۸۸- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ تنزیب التذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۸۹- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ تقریب التذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۱۹۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ موضوعات کبیر مطبوعہ مطبعہ بیہائی دہلی
- کتاب لغت**
- ۱۹۱- علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ھ الصحاح مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۰۴ھ
- ۱۹۲- علامہ حسین بن محمد رغبہ اصفہانی متوفی ۵۵۲ھ المفردات مطبوعہ المکتبہ الرضویہ اربین ۱۳۳۲ھ
- ۱۹۳- علامہ جابر اللہ محمود بن محمود خضریٰ متوفی ۵۳۸ھ التقائق مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ

- ۱۹۳- علامه محمد بن اشیر الجزیری 'متونی ۶۰۶ھ تمہایہ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران ۱۳۳۳ھ
- ۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی ۶۷۶ھ تہذیب الاسماء و الملقبات مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۹۶- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منکور افریقی 'متونی ۷۷۷ھ عملان العرب مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ۱۳۰۵ھ
- ۱۹۷- علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی 'متونی ۸۷۷ھ القاموس المحیط مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۹۸- علامہ محمد طاہر صدیقی 'متونی ۹۸۶ھ مجمع بحار الانوار مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدرسہ منورہ ۱۳۱۵ھ
- ۱۹۹- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی 'متونی ۱۲۰۵ھ تلخیص المعیوس مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
- ۲۰۰- لوئیس معلوف الیسوی 'لمنجد مطبوعہ المطبعہ القاریکہ بیروت ۱۳۶۷ھ
- ۲۰۱- شیخ غلام احمد پرویز 'متونی ۱۳۰۵ھ لغات القرآن مطبوعہ نوارہ طلوع اسلام کلاہور
- ۲۰۲- ابو نعیم عبد الحکیم بن شریحانہ حریری 'کامد اللغات مطبوعہ حاد ایڈ کینی کلاہور
- کتاب تاریخ سیرت و فضائل**
- ۲۰۳- امام عبد الملک بن ہشام 'متونی ۲۳۳ھ السیرۃ النبویہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۴- امام محمد بن سعد 'متونی ۲۳۰ھ الطبقات الکبریٰ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ
- ۲۰۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری 'متونی ۳۲۰ھ تاریخ الامم والملوک مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۰۶- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر 'متونی ۳۳۳ھ کتاب طباطبائی مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۰۷- قاضی عیاض بن موسیٰ ہاملی 'متونی ۵۴۴ھ الشفاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۸- علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سیسی 'متونی ۵۷۷ھ الردف اللغف مکتبہ قادوقہ لبنان
- ۲۰۹- علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی 'متونی ۵۹۷ھ المرقا مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ بکسر
- ۲۱۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المعروف بابن الاثیر 'متونی ۷۴۰ھ اسد الغابہ مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۱۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المعروف بابن الاثیر 'متونی ۷۴۰ھ الکامل فی الدارخ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
- ۲۱۲- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن عثمان 'متونی ۷۸۸ھ ذیات الامین مطبوعہ منشورات الشریف الرضی امیر بن
- ۲۱۳- حافظ علامہ الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی 'متونی ۷۷۷ھ تلخیص و التہایہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ
- ۲۱۴- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی 'متونی ۸۵۴ھ کتاب صلیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۱۵- حافظ نور الدین علی بن احمد مہودی 'متونی ۸۸۸ھ ذخائر الوفاء مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۲۱۶- علامہ احمد قسطلانی 'متونی ۹۰۰ھ الموابہب اللدیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۱۷- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی 'متونی ۹۳۲ھ سبل اللہ فی دار الشاہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۲۱۸- علامہ احمد بن حجر کی شافعی 'متونی ۹۷۳ھ المصباح المرقد مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القادری 'متونی ۱۰۶۳ھ شرح الشفاء مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۲۰- شیخ عبد الحق محدث دہلوی 'متونی ۱۰۵۲ھ مدارج النبوت مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ بکسر
- ۲۲۱- علامہ احمد شہاب الدین خفائی 'متونی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۲۲- علامہ محمد عبد الباقی زرقلانی 'متونی ۱۱۳۴ھ شرح الموابہب اللدیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ

- ۲۲۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متون ۳۳۷، مکتبہ الطیب، مطبوعہ آج کینی لینڈ، کراچی
- کتاب فقہ حنفی
- ۲۲۴- شمس الانامہ محمد بن احمد سرخسی، متون ۳۸۳، البیروت، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۲۲۵- شمس الانامہ محمد بن احمد سرخسی، متون ۳۸۳، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۲۲۶- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متون ۵۵۳، مقامات الفتاویٰ، مطبوعہ امجد الیڈی، لاہور ۱۳۹۷ھ
- ۲۲۷- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متون ۵۵۸، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۳۰۰ھ
- ۲۲۸- علامہ حسین بن منصور نوذری، متون ۵۵۳، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیر، بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۲۹- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متون ۵۵۳، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت مطبعہ لبنان
- ۲۳۰- علامہ محمد بن محمود بامرتی، متون ۷۸۶، ہدایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۱- علامہ عالم بن الطاء انصاری دہلوی، متون ۷۸۶، فتاویٰ تاتار خانیہ، مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۲- علامہ ابو بکر بن علی حداد، متون ۸۰۰، الجوبہ فی التفسیر، مطبوعہ مکتبہ اہل لویہ، لبنان
- ۲۳۳- علامہ محمد شہاب الدین بن یزید زکریا، متون ۸۷۷، فتاویٰ برزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیر، بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۳۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد بنی، متون ۸۵۵، ہدایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۵- علامہ کمال الدین بن حمام، متون ۸۸۶، فتح القلوب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کتبہ، نوید رضویہ، سکس
- ۲۳۷- علامہ حسین الدین المروزی المعروف بہ محمد لا مسکین، متون ۹۵۳، شرح الکفر، مطبوعہ عجیبت المعارف العربیہ، مصر ۱۳۸۷ھ
- ۲۳۸- علامہ ایراہیم بن محمد علی، متون ۹۵۶، مفتی المستمل، مطبوعہ سہیل الیڈی، لاہور ۱۳۳۳ھ
- ۲۳۹- علامہ ایراہیم بن محمد علی، متون ۹۵۶، صغیری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی
- ۲۴۰- علامہ محمد خراسانی، متون ۹۷۳، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع نشی واکشور، ۱۳۳۹ھ
- ۲۴۱- علامہ زین الدین بن نجم، متون ۹۷۰، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علیہ، مصر ۱۳۳۳ھ
- ۲۴۲- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، متون ۹۸۲، حاشیہ ابو سعید علی لا مسکین، مطبوعہ عجیبت المعارف العربیہ، مصر ۱۳۸۷ھ
- ۲۴۳- علامہ حامد بن علی قنوی رومی، متون ۹۸۵، فتاویٰ حامد، مطبوعہ مطبعہ سید، مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۴- علامہ خیر الدین رملی، متون ۹۸۵، فتاویٰ خیر، مطبوعہ مطبعہ سید، مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد، متون ۹۸۸، زبد القاد، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۴۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متون ۹۹۸، غرر حیون البصائر، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۴۷- ملا نظام الدین متون ۱۰۰۰، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیر، بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متون ۱۰۰۵، مستدرک الحقائق، مطبوعہ مطبعہ علیہ، مصر ۱۳۳۳ھ
- ۲۴۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متون ۱۰۰۵، تنقیح الفتاویٰ الخلدیہ، مطبوعہ دار الفاشاعہ العربی، کویت
- ۲۵۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متون ۱۰۰۵، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل الیڈی، لاہور ۱۳۹۹ھ
- ۲۵۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متون ۱۰۰۵، زبد القاد، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۰۷ھ

- ۲۵۲- امام احمد رضا قادری 'متونی' ۳۰ ھ قتلوی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۲۵۳- امام احمد رضا قادری 'متونی' ۳۰ ھ قتلوی افریقیہ مطبوعہ مکتبہ حبیبی کراچی
۲۵۴- علامہ امجد علی 'متونی' ۳۶ ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۵۵- علامہ نور اللہ نعیمی 'متونی' ۳۰ ھ قتلوی نوریہ مطبوعہ کتبائے برترز لاہور ۱۹۸۳ ھ

کتاب فقہ شافعی

- ۲۵۶- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب قادری شافعی 'متونی' ۵۰ ھ قتلوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۳ ھ
۲۵۷- علامہ ابوالحسن شیرازی 'متونی' ۵۵ ھ المذنب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ ھ
۲۵۸- امام محمد بن محمد غزالی 'متونی' ۵۰۵ ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۳۳ ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی' ۶۷۶ ھ شرح المذنب مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی' ۶۷۶ ھ رد المحتار مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ ھ
۲۶۱- علامہ جلال الدین سیوطی 'متونی' ۹۱ ھ قتلوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ بیروت
۲۶۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربیع 'متونی' ۱۰۰۳ ھ تہاتر المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۳ ھ
۲۶۳- علامہ ابو الفیاء علی بن علی شبرالی 'متونی' ۱۰۸۷ ھ حاشیہ ابو الفیاء علی تہاتر المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتاب فقہ مالکی

- ۲۶۴- امام حنون بن سعید خوخی مالکی 'متونی' ۵۶ ھ المدونۃ الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۶۵- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی 'متونی' ۵۹۵ ھ بدایۃ المجتہد مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۶۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی 'متونی' ۷۷۷ ھ مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۶۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطالب الغزالی 'متونی' ۵۵۳ ھ مواہب الخلیل مطبوعہ مکتبہ المحتاج لیبیا
۲۶۸- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشانی 'متونی' ۵۵۵ ھ الخرشانی علی مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۶۹- علامہ ابو البرکات احمد درویش مالکی 'متونی' ۹۹۷ ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی 'متونی' ۵۲۹ ھ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتاب فقہ حنبلی

- ۲۷۱- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متونی' ۳۰ ھ المغنی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ ھ
۲۷۲- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متونی' ۳۰ ھ الکافی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۳ ھ
۲۷۳- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تمیمہ 'متونی' ۷۲۸ ھ مجموعہ الفتاویٰ مطبوعہ ریاض
۲۷۴- علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروزی 'متونی' ۸۸۵ ھ الاصابہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۲ ھ

کتاب شیعہ

- ۲۷۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی 'متونی' ۳۲۹ ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۲۷۶- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی 'متونی' ۳۲۹ ھ القواعد من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۲۷۷- شیخ کمال الدین یثیم بن یثیم الحیرانی 'متونی' ۷۷۷ ھ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مؤسسة العصر تہران ۱۳۸۷ ھ

- ۲۷۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۰۰ھ حق الیقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو میرٹھ ۱۳۳۲ھ
۲۷۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۰۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتب فروغی اسلامیہ تھران
کتب عقائد و کلام
۲۸۰- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المستند من الفضل مطبوعہ لاہور ۱۳۰۵ھ
۲۸۱- علامہ سعد الدین مسعود بن مرتضی زانی متوفی ۷۷۹ھ شرح عقائد نفی مطبوعہ نور محمد صالح الطالع کراچی
۲۸۲- علامہ سعد الدین مسعود بن مرتضی زانی متوفی ۷۷۹ھ شرح العقائد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی میرٹھ ۱۳۴۵ھ
۲۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۷۶ھ شرح المواثق مطبوعہ منشورات الشریف الرضی میرٹھ ۱۳۲۵ھ
۲۸۴- علامہ کمال الدین بن حمام متوفی ۸۷۶ھ مسامع مطبوعہ مطبعہ المطبعة مصر
۲۸۵- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسامع مطبوعہ مطبعہ المطبعة مصر
۲۸۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۷۳ھ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع مصطفی البلبلی دہلوی مصر ۱۳۷۵ھ
۲۸۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ کتب العقائد مطبوعہ تاجدار حرم و بیٹنگ کمپنی کراچی
کتب اصول فقہ
۲۸۸- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البغدادی المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۳۳۱ھ
۲۸۹- علامہ محب اللہ بھاری متوفی ۱۱۱۹ھ مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۲۹۰- علامہ احمد جونپوری متوفی ۱۳۳۰ھ نور الاولیاء مطبوعہ الحج ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی
۲۹۱- علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
کتب متفرقہ
۲۹۲- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن النکلی المتوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۹۳- امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۹۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد باکی قرطبی متوفی ۲۷۸ھ کنز کہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
۲۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن حمید حنبلی متوفی ۷۲۸ھ فقہ حنبلیہ مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ
۲۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کبائر مطبوعہ دار الفکر العربیہ قاہرہ مصر
۲۹۷- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی متوفی ۷۶۸ھ رد عن الریاحین مطبوعہ مطبع مصطفی البلبلی دہلوی مصر ۱۳۷۷ھ
۲۹۸- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۷۶ھ کتب التعریفات مطبوعہ المطبعہ الخیر مصر ۱۳۰۶ھ
۲۹۹- علامہ احمد بن جبریتی کی متوفی ۹۷۳ھ مصداق الحرقہ مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
۳۰۰- علامہ احمد بن جبریتی کی متوفی ۹۷۳ھ التراجہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۳۰۱- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۹۳۳ھ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ مکتبہ بیٹنگ کمپنی کراچی ۱۳۷۰ھ
۳۰۲- علامہ سید محمد بن محمد مرتضی حسینی زبیدی نفی متوفی ۱۳۰۵ھ تحف السلاۃ المتقین مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۷۷ھ
۳۰۳- شیخ رشید احمد گنگوئی متوفی ۱۳۲۳ھ فتاوی رشیدیہ کمال مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۰۴- علامہ مصطفی بن عبد اللہ الشیر بھائی خلیفہ کشف الملتون مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ

- ۳۰۵۔ امام احمد رضا قادری 'متون' ۳۳۰ھ المخطوط مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
 ۳۰۶۔ شیخ وحید الرحمن 'متون' ۳۳۸ھ 'حدیث المدی' مطبوعہ سید پرس ڈبلی ۳۲۵ھ
 ۳۰۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۳۳۴ھ 'مبہوتی زیور' مطبوعہ ناشرین قرآن لیتنگ لاہور
 ۳۰۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۳۳۳ھ 'حفظ الامان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
 ۳۰۹۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی 'معارف رسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس دہلاہور ۳۰۵ھ



سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد سوئم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک مثال اردو بازار لاہور کے پروف پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد اہم فیضی

ظہور احمد فیضی